جملہ حقوق [illegible]

طابع —— شیخ نیاز احمد
مطبع —— غلام علی پرنٹرز
اشرفیہ پارک ۳۰ [illegible] لاہور
اشاعت اول —— ۱۹۸۶ء

مقام اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور

مرزا دبیر کے ۱۴ مرثیے

برائے ایصالِ ثواب

جناب عالیہ سیّدہ مُبارک بیگم صاحبہ

فہرست

۱۔ مقدمہ
۲۔ سوانح
۳۔ تنقید
۴۔ تعارف متن
۵۔ جواہر دبیر (چودہ مرثیے)
۱۔ کوفے میں بہار آئی جو گلگشت چمن کو ۔ ۵۳
۱۵۹ بند
بیان شہادت جناب مسلمؑ
تعارف و تبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
۲۔ ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علیؑ سے ۱۰۵
۱۲۲ بند
بیان شہادت جناب حرؑ
تعارف و تبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
۳۔ سیفی کا نمونہ مری شمشیر زبان ہے ۱۳۹
۱۶۳ بند
بیان فضائل و ولادت و شہادت
جناب عباسؑ
تعارف و تبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۴) کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ۱۹۵
۱۴۹ بند
بیان جنگ و شہادت حضرت عباسؑ
تعارف و تبصرہ
مرثیے کا آغاز
زائد و مربوط بند
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۵) کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے ۔ ۲۵۵
۱۳۷ بند
بیان شہادت حضرت عباسؑ ۔
تعارف و تبصرہ
مرثیے کا آغاز

تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۶) سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل ۲۹۵
تعارف وتبصرہ
مرثیے کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۷) جب موسم جوانی اکبر گذر گیا ۳۴۱
۴۴ بند
بیان شہادت حضرت علی اکبرؑ
تعارف وتبصرہ
مرثیے کا آغاز
فرہنگ الفاظ
(۸) روانہ نہر لبن کو جو شیرخوار ہوا ۳۵۵
مرثیے کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۹) بانو کے شیرخوار کو ہفتم سے پیاس ہے ۳۶۹
۹۱ بند
بیان شہادت حضرت علی اصغرؑ و
امام حسین علیہ السلام
تعارف وتبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۱۰) آمد ہے بادشاہ فلک بارگاہ کی ۳۹۷
۱۰۰ بند
بیان شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام
تعارف وتبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۱۱) کس کی زباں سے پیاس نے پائی آبرو ۴۲۷
۱۰۸ بند
بیان شہادت امام حسین علیہ السلام
تعارف وتبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۱۲) قدرت کے حوصلے کا تجمل حسینؑ ہے ۴۶۷
۸۵ بند
بیان شہادت امام حسین علیہ السلام
تعارف وتبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۱۳) زنداں کی طرف ہند تجمل سے رواں ہے ۴۹۹
۱۰۲ بند
بیان احوال قید شام
تعارف وتبصرہ

مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ
(۱۴) جب قرب ہوگا آمد روز نشور کا ۵۳۱
۱۱۰ بند
بیان احوال قیامت وشفاعت
تعارف وتبصرہ
مرثیہ کا آغاز
تحقیق متن
فرہنگ الفاظ

ایک معاصر کا تاثّر

"جناب مرزا سلامت علی صاحب متخلّص بہ دبیر، فنِ مرثیہ گوئی میں بے مثل اور لاجواب تھے۔ ہندوستان میں آفتاب تھے۔ سوا اس کے عابدِ شب زندہ دار تھے اور حاتمِ روزگار تھے۔"

پندرہ سولہ برس کا سن تھا کہ شوق مافوق سلام اور مرثیہ گوئی کا ہوا . . . . بعدازاں مرثیہ گوئی وغیرہ میں نام عالی پیدا کیا اور سب پھولے نہ سماتے تھے سوا ان کے کسی کو دل لگا کر نہ بتاتے تھے۔ رفتہ رفتہ ایسا نام پیدا کیا کہ سرکاروں میں پہنچے نواب اصغر علی خاں جنت آشیان علیین مکاں والد ماجد نواب ممتاز الدولہ بہادر کے ملازم ہوئے اور وہی وجہ اور قدامت ہے کہ نواب ممتاز الدولہ بہادر آج تک مانتے اور اپنا ملازم قدیم جانتے تھے، بوجہ قدامت و مدّاحی جناب سیّد الشہدا علیہ آلاف التحیّات تعظیم فرماتے تھے اور اپنے برابر بٹھاتے تھے۔ اور بھی سرکاروں میں ان کی عظمت و رفعت ہونے لگی اور مہاراجہ میوہ رام، اور کنبوہ بادشاہ شکوہ، ان کو بہت جانتے تھے اور بدل و جان مانتے تھے۔

بادشاہانِ رفیعُ المکان، منیعُ الشّانِ اودھ نے ان کی نہایت قدردانی کی۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ سے تا حضرت واجد علی شاہ بادشاہ سب نے مہربانی کی۔

چنانچہ جب بارہ سو اکانوے ہجری میں مرزا صاحب کلکتے تشریف لے گئے واجد علی شاہ بادشاہ کی خدمت میں عرض داشت بھیجی اور یہ شعر بادشاہ نے دستخط فرمایا ؎

گر بر سرِ چشم من بیائی
بر قلب غم کنہ کیمیائی

جناب مرزا صاحب پہنچے، جس مکان میں تھے اس کے دوسرے دریچے تک حضرت واجد علی شاہ آ کے اور پیشوائی کر کے لے گئے اور اس قدر تعظیم و تکریم فرمائی کہ جیسے کوئی برابر والے کی عزت و توقیر کرتا ہے اور اپنے مرثیہ میں شاہِ اودھ نے بہت سے بند ان کی تعریف اور توصیف میں پڑھے، چنانچہ یہ مصرع ارشاداتِ حضرت سے ہے۔

میں بچپنے سے عاشقِ نظمِ دبیر ہوں

اس وقت مرزا صاحب مغفور نے کھڑے ہو کر یہ مصرع پڑھا :

تعظیم کلام کو دبیر اٹھا[1] ہے

شاہِ اودھ نے فرمایا آپ بیٹھ جائیں اور بعد خاطرداری بے شمار و عزت افزائی بسیار پانچ سو روپے بطورِ دعوت عطا فرمائے اور مثل سال گذشتہ امسال بھی عظیم آباد سے مرزا صاحب نے عرضی بھیج دی تھی، چنانچہ پانچ سو روپیہ جناب مرزا صاحب مغفور و مبرور کو عطا فرمائے۔

مرزا صاحب کو ایک بڑا توسل سرکار ملکہ زمانیہ اور نواب سلطان عالیہ دختر نواب ملکہ زمانیہ سے بھی تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کا سلوک انھیں دو سرکاروں نے کیا تھا اور آج تک نواب ممتاز الدولہ بہادر سلوک فرماتے ہیں۔

اور مرزا دبیر صاحب کچھ فقط لکھنؤ میں نامور نہ تھے۔ حیدر آباد، عظیم آباد، سندھ بلکہ تمام ہندستان میں حتیٰ کہ کربلائے معلیٰ تک مشہور تھے۔ ان کے نامِ نامی کو گویا عالم گیر کہنا چاہیئے،" (اودھ اخبار، لکھنؤ۔ ۱۴ر مارچ ۱۸۷۵ء)

گارسین دتاسی فرانس کے مشہور اُردو دوست، پیرس میں اُردو کے استاد، "گارسین دتاسی" اپنے لکچر ۱۸۷۵ء میں مغربی دُنیا کو اِس واقعے سے یوں مطلع کرتے ہیں :

"دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران و عراق تک پہنچ گئی تھی" پھر اخبار، ۲۵ر اگست کے حوالے سے کہا :

"اس سانحے کے بعد اوج، جب حیدر آباد دکن گئے تو سر سالار جنگ نے انھیں مالا مال کر دیا اور ایک منصب بھی پیش کیا۔ لیکن اوج کو لکھنؤ چھوڑنا منظور نہ تھا" (مقالات گارسان دتاسی، طبع ۱۹۴۳ء ج ۲ ص ۲۰۱)

حقیقت یہ ہے کہ مرزا دبیر کی شہرت کا دائرہ جتنا وسیع تھا اس کا آج اندازہ لگانا مشکل ہے

[1] محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ مرزا دبیر کا احترام کرتے تھے، مجلسیں پڑھواتے تھے، واجد علی شاہ کا تو عالم یہ تھا کہ بقول صفدر حسین مؤلف "شمس الضحیٰ" روزی در مجلس بالائے منبر بحضور اعلیٰ حضرت بخواندن مرثیہ اتفاق افتاد، ناگاہ شامیانہ کہ بالائے منبر ہمچو ابر رحمت سایہ گستر بود از ہوا پراگندہ گشتہ یکسو شدہ، عکس آفتاب برروی آنجناب افتاد، فی الفور ظل اللہ چتر، خود گرفتہ قریب منبر استادہ تا اختتام مرثیہ سایہ افگن ماند (ص ۱۶۶)

برصغیر کے دور دراز شہروں، قریوں دیہاتوں میں ان کا سکہ چلتا تھا۔ مشہور تھا کہ "بین اور مرثیت" میں دبیر کا جواب نہیں۔ سوز خوان انھیں کے مرثیے پڑھتے تھے عورتیں انھیں کا کلام پسند کرتی تھیں، ثقہ اہلِ علم دبیر کی اہمیت کے معترف تھے۔

دبیر اور پنجاب

غالباً ۱۹۵۲ء کو میں جھنگ گیا، محرم کا مہینہ تھا، اور ابتدائی تاریخیں۔ ایک مجلس میں ایک سر سفید بزرگ پیش خوانی کے لیے منبر پر آئے اور تحت اللفظ میں کچھ بند پڑھنے لگے، بار بار کہتے جاتے تھے "مرزا دبیر فرماتے ہیں، مرزا صاحب فرماتے ہیں"۔ ان میں سے ایک بند تھا۔

"ح" سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیِ امّت   سمجھیں گے اسی "سین" کو سب سینِ سعادت
"ی" اس کی بزرگی پہ ہے "یٰسٓ" کی آیت   ہے "ن" سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوّت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حُسن میں دس حصّے زیادہ ہے حَسن سے

جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا، ماشاء اللہ آپ کو بہت یاد ہے یہ بند میر انیس کے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ صاحب ذرا تیز لہجے میں بولے "جناب، ہمارے بزرگ مرزا صاحب ہی کے مرثیے پڑھتے چلے آئے ہمارے گھروں میں مرزا صاحب کے دفتر ہی تھے، ہوں گے میر انیس کے بند" واقعہ یہی ہے کہ یہ بند "یا رب چمن نظم کو گلزار ارم کر" میں موجود ہے گرچہ اس بند کا رنگ مرزا صاحب کا ہے، مگر کلام بہرحال انیس کا ہے۔

کچھ عرصے تک میں "دبیر پنجاب" — "دبیر الشعراء" — جیسے القاب بھی دیکھتا سنتا رہا، دیہاتوں میں اکثر دبیر کا نام سنتے تھے خیال آیا کہ آخر "انیس کیوں نہیں؟" مختلف حضرات سے اس کا جواب دریافت کیا مگر اطمینان نہ ہوا، "سید کسران" کے قربان حسین شاہ کاظمی مرحوم نے کہا ہمارا قصبہ صدیوں سے عزادار ہے اور ہم باپ دادے سے مرزا دبیر کا نام اور کلام سنتے آئے ہیں۔ ہمارے گھروں میں اب تک دبیر کے مرثیے سو سال پرانے چھپے ہوئے رکھے ہیں، ہم نے انیس کا پرانا ذخیرہ کہیں نہیں دیکھا۔ ہمارے یہاں مشہور ہے کہ دبیر کے مرثیے پر امام حسین علیہ السلام نے صاد کیا تھا۔ مجھے فکر ہوئی کہ سید کسران گیا، واقعا سب کو دبیر پہ پایا، مگر نکتہ نہ مل سکا۔ ملتان گیا وہاں بھی بوڑھوں سے پوچھا عقیدت کے........" کہ دن میرے ایک محترم دوست چودھری منظور حسین صاحب

سے انیس ودبیر کی بات ہو رہی تھی، موصوف نے فرمایا، ہمارے وطن تلونڈی کپور تھلے میں بھی دبیر ہی کا چرچا تھا، میرے والد صاحب معمر بزرگ ہیں، مرثیہ پڑھتے بھی تھے اور کہتے بھی تھے۔ اگر زحمت نہ ہو توان سے ملیے۔ میں ماڈل ٹاؤن گیا۔ ان کی کوٹھی پہنچا، میں نے ایک کمر خمیدہ بزرگوار کو دیکھا ان کے مرثیے دیکھے، ان سے باتیں کیں، اثنائے گفتگو یہ سوال بھی کیا: "جناب، یہ تو فرمایئے کہ مرزا دبیر کا نام اور کلام آپ کے گاؤں یا قصبے میں کیسے پہنچا؟ چودھری مہدی حسن صاحب نے فرمایا۔ ہمارے قصبے تلونڈی میں نواب قادر بخش صاحب تھے، جو ریاست کپور تھلے کی طرف سے رنجیت سنگھ کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے رہتے اور لاہور میں قیام فرماتے تھے اور مولانا ارسطو جاہ سے ان کے تعلقات تھے ـــــ پھر ۱۸۵۷ء میں ریاست کپور تھلہ نے سلطان علی خان کی ماتحتی میں لکھنؤ کے اطراف میں ایک فوج بھیجی . سلطان علی خان فتح کے بعد انگریزوں کی طرف سے جاگیر دار ہوگئے اور بہت عرصے تک لکھنؤ میں رہے، ان کی مرزا دبیر صاحب سے راہ ورسم اتنی بڑھی کہ مرزا صاحب نے ایک مرثیہ میں ان کی تعریف کی۔ سلطان علی خان صاحب نے تلونڈی چودھریاں میں لکھنؤ کے طرز کا عزاخانہ بنوایا، اس عزاخانے کی مجلسوں میں مرزا دبیر ہی کا کلام پڑھا جاتا تھا اور ہم نے وہیں سے اس طریقے کو اپنایا۔

اسی طرح سندھ میں دبیر کا نام اور ان کے مرثیے مقبول ہوئے اور سندھی شاعروں نے ان کا تتبع کیا۔

دراصل، دہلی کی تباہی کے بعد لکھنؤ برصغیر کا مرکزی شہر بن چکا تھا، جہاں سے کوئی چلا وہ اپنی تہذیب وتمدن، علم وادب کی روایت کے لیے لکھنؤ پہنچا، لکھنؤ کی ہر چیز سند تھی، وہاں کے شاعروں کی غزلیں اور دیوان تحفے کے طور پر دور دراز علاقوں کے قدر دانانِ ادب تک بھیجے جاتے تھے، مرثیہ میں دو باتیں تھیں ایک تو وہ اسلامی واخلاقی شاعری کا نفیس سرمایہ تھا دوسرے ملک گیر عزاداری میں پڑھا اور پسند کیا جانے والا کلام ـــــ ۱۸۵۷ء سے پہلے لکھنؤ کے رؤسا اور ان کے زیر اثر ماحول میں مرزا دبیر چوٹی کے شاعر و مرثیہ گو تھے لہٰذا جو مسافر لکھنؤ جاتا وہ مرزا صاحب کا چرچا سنتا، ان کا کلام دیکھتا تھا، لہٰذا واپسی میں یہی سوغات لے کر جاتا چنانچہ دبیر کا نام اور کلام شہر شہر پہنچا اور ہر اردو داں کے لیے محبوب تحفہ ہوگیا۔ اب ایک سو برس سے زیادہ کی مدت گذرنے کے بعد بھی دبیر کی یاد تازہ اور ان کے مرثیوں کی جستجو وطلب کا جذبہ جواں ہے۔

مرزا سلامت علی دبیر ہماری اُردو کے بہت بڑے شاعر، اسلامی شاعری کے معمار، واقعہ کربلا

کے نظم نگار، اور فن مرثیہ گوئی کے مجدد اور زبان کی ترقی کے داعی۔ اور اس کو علمی وقار عطا کرنے والے بزرگوار ہیں۔

مرزا دبیر کی شخصیت اور فن کے بارے میں کوئی طویل گفتگو مقدمہ کی حد سے زیادہ مناسب نہیں ہے اس بنا پر کچھ ضروری حالات اور مختصر سا تبصرہ حاضر خدمت ہے۔

دبیر کا خاندان

ملّا اہلی شیرازی (متوفی ۹۴۲ھ) فارسی کے مشہور شاعر تھے، ان کی مثنوی "سحر حلال" علم عروض و معانی و بیان کے کمالات کا نمونہ ہے، یہ مثنوی دو بحروں، دو قافیوں میں ہے، اس کے اشعار میں تشبیہ واستعارہ، مجاز، مبالغہ، تضاد، تطابق، اشتقاق، مراعاۃ النظیر جیسے فنی محاسن بے شمار ہیں۔ یہ مثنوی مدتوں برصغیر کے نصاب میں داخل رہی ان میں ملّا اہلی کے بھائی تھے ملا ہاشم نثار اور ان کے بیٹے محمد رفیع مغل سرکار و دربار میں معزز تھے محمد رفیع کے فرزند ملّا غلام محمد عالم صاحب باطول بزرگ تھے، بادشاہ دہلی شاہ عالم نے اپنے ایک فرمان میں انھیں "فضیلت و شریعت مآب تقوی و صلاح دستگاہ"، لکھا اور چار ہزار سات سو ایک روپے کی پیش کش کی ہے۔

۷ رمضان ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء کے ایک شاہی فرمان میں انھیں "ملّا غلام محمد صاحب کے فرزند نو مولود کا نام "غلام حسین" اور بچے کی دایہ کے لیے سو روپے ماہانہ مقرر کیا گیا ہے۔

ملّا غلام محمد صاحب، آگرے اور دہلی سے تعلق رکھتے تھے، معلوم نہیں کہ مرزا غلام حسین دہلی میں پیدا ہوئے یا آگرے میں، ان کی تعلیم وتربیت کا حال بھی نہیں ملتا ـــــ غلام حسین نو برس کے ہوئے تو ان کی والدہ نے رحلت کی تیرہ برس کے ہوئے تو والد نے انتقال کیا، والدہ کی رحلت کے بعد وہ آگرے سے دہلی آگئے جہاں ان کے والد کے ایک دوست مرزا فتح علی ابن مرزا افضل علی نے ان کی سرپرستی کی، والد کے انتقال کے بعد غلام حسین کی دوسری والدہ کے عزیزوں نے املاک پر قبضہ کر لیا، لیکن مرزا غلام حسین کے پاس کچھ مکان و باغ واملاک تھی جو آہستہ آہستہ تباہ ہو گئی۔

مرزا غلام حسین کے بچپنے کے محسن مرزا فتح علی خان ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء لکھنؤ آئے تھے، ان کی وجہ سے غلام حسین کے لیے لکھنؤ آنا جانا اور اس شہر سے روابط قائم کرنا ضروری ہو گئے

دبیر کی ولادت

مرزا غلام حسین ابھی نو عمر ہی تھے کہ ان کی شادی ہو گئی جس کے بعد خدا نے ایک فرزند عطا کیا، جس کا نام مرزا سلامت علی ہوا، اس وقت غلام حسین دہلی کے محلہ بلّی ماراں متصل لال ڈگی میں رہتے تھے۔ اسی جگہ ۱۱ رجمادی الاولیٰ ۱۲۱۸ھ/۲۹ راگست ۱۸۰۳ء میں مرزا سلامت علی کی ولادت ہوئی یہ وہی محلہ ہے جہاں مرزا غالب ایک مدت تک مقیم رہے۔ شاید ماحول کی یکسانیت

کی وجہ سے مرزا غالب کا قدیم اردو دیوان اور دبیر کے مرثیے زبان میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

مرزا سلامت علی پانچ سات برس کے ہوئے تو مرزا غلام حسین صاحب بال بچوں کو لے کر لکھنؤ آ گئے۔ سید افضل حسین ثابت کی عبارت ہے:

"مرزا صاحب اپنے والد ماجد (اور تمام کنبے) کے ساتھ پانچ سات برس کی عمر میں دہلی سے لکھنؤ آئے" (حیات دبیر ج ۱ ص ۲۲)

اگر یہ روایت صحیح ہے تو نقل وطن کی تاریخ ۱۲۲۵ھ کے لگ بھگ قرار پاتی ہے۔

تعلیم و تربیت

سلامت علی، لکھنؤ آئے تو ابتدائی تعلیم کی منزل سے گذر چکے ہوں گے اس زمانے میں سات برس کا لڑکا، قرآن مجید، نصاب الصبیان، خوش خطی ختم کر کے گلستاں بوستاں، جامع عباسی سے گذر رہا ہوتا تھا۔ ذہین بچے حفظ قرآن مجید سے فارغ ہو جاتے تھے، اس کے بعد علوم دین یا طب کے نصاب شروع ہو جاتے تھے۔ بظاہر مرزا صاحب فارسی کے اعلےٰ نصاب اور عربی کے متوسط کتب درسیہ میں تھے کہ مصرعوں کی موزونیت سے آگے بڑھ کر قطعہ و غزل کی منزل میں داخل ہو گئے۔

شاعری

خوش حالی کا دور دورہ ہو، ملک میں امن و امان ہو تو ادب فروغ پاتا ہے۔ لکھنؤ، لفاستوں کا شہر اور نزاکتوں کا مرکز تھا، ہر شخص استعارے کنایے، پھبتی، ضلع جگت میں بات کرتا تھا، مصرع کے جواب میں مصرع، شعر کے جواب میں شعر کوئی حیرت خیز بات نہ تھی، شاعری عام تھی اور ہر گھر میں ایک شاعر بہر حال تھا، مرزا دبیر نے موزونی طبع کے جوہر دکھائے توان کے والد نے آتش و ناسخ کے بجائے اپنے دہلوی دوست اور شہر کے مشہور مرثیہ نگار میر مظفر حسین ضمیر کو بیٹے کی استادی کے لیے چنا۔

افضل حسین ثابت کے بقول ۱۲۳۰ھ یعنی سلامت علی بارہ تیرہ برس کے تھے جب وہ غزل گو استاد کے بجائے مرثیہ نگار شاعر کی خدمت میں حاضر ہوئے ــــ میر ضمیر لکھنؤ کے معزز شاعر، مصحفی کے شاگرد اور مقبول مرثیہ خوان و مرثیہ گو تھے، ان کا وطن پنگھوڑ ضلع گوڑگانوہ تھا، ان کے خاندان کے لوگ دہلی سے لکھنؤ آئے تھے وہ خود ایک عرصے سے لکھنؤ میں تھے۔

ضمیر، مرزا غلام حسین اور ان کے فرزند سلامت علی سے مل کر خوش ہوئے۔ غلام حسین نے صاحبزادے کے شعری رجحان اور اپنے ارادے کا اظہار کیا، اگر آپ اس کا کلام دیکھ لیا کریں تو خوشی ہو گی، غرض مختصر سوال و جواب کے بعد کہا، کچھ شعر کہے ہوں تو سناؤ۔ سلامت علی نے یہ قطعہ پڑھا:

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے ۔۔۔ کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے

عجب سرا ہے یہ دنیا، کہ جس میں شام و سحر ۔۔۔ کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

ضمیر نے بچے کی شعری صلاحیتوں کو بھانپ کر اصلاح کی ذمہ داری لے لی پوچھا: تخلص کیا ہے؟ مرزا صاحب نے بتایا کہ ابھی تک تخلص نہیں رکھا ہے۔ آپ ہی تجویز فرمائیں! میر صاحب نے فرمایا: دبیر ــــ "بر دبیران روشن ضمیر مخفی و محتجب نماند" ــــ میں نے اپنے نفس و نام پر تم کو مقدم کر دیا ــــ

مذکورۂ بالا قطعہ مرزا دبیر کے نفسیات و تحت الشعور کا آئینہ ہے۔ اس سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے مزاج میں گداز تھا، موت سے عبرت حاصل کرنے اور دنیا سے قافلوں کے گذرنے پر نظر رکھنے کی حس ہے۔ وہ جام عمر کو لبریز دیکھتے دیکھتے، نگینہ پر کندہ ہونے والا نام بھی پڑھنے لگتے ہیں، فنا سے بقا کا راستہ نکالنے کی فکر، کوچ اور مقام کے تسلسل اور شام و سحر کی گردش پر غور و فکر اس کے پس منظر اور پیش آمد پر ابھی سے نگاہ ہے۔

استاد روشن ضمیر نے شاگرد بلند تقدیر کو تخلص بھی نیا دیا اور دبیر نے بھی ناخن تدبیر سے فن شعر کی وہ گرہ کشائی کی جس سے مرثیہ کو چار چاند لگ گئے۔

قابلیت

مرزا صاحب طبعاً مذہبی آدمی تھے: ان کے گھر میں علمی سلسلہ تھا، باپ کچھ مشکلات کی وجہ سے زیادہ نہ پڑھ سکے اس لیے انھوں نے بیٹے کو اعلےٰ درجے کی تعلیم دلائی۔ ان کے اساتذہ کی فہرست تو موجود نہیں، لیکن مولانا غلام ضامن (شاید، غلام امام ضامن، حکیم) سے منطق و فلسفہ و طب اور مولانا مرزا کاظم علی متوفی ۱۲۴۹ھ اور مولانا فدا علی و مولانا گلشن علی صاحب (متوفی ۱۲۹۱ھ) اور مولانا محمد مہدی مازندرانی (متوفی ۱۲۵۹ھ) سے تفسیر و حدیث، فقہ و عقائد میں متداول کتابیں پڑھیں۔

وہ نیک منش، پرہیز گار آدمی تھے، محدث علما کی صحبت میں حدیث کی طرف میلان بڑھ گیا۔ ادب و لغت، معانی و بیان، تاریخ و علوم معقولات و منقولات سے باخبری اور ذہنی مطابقت کا اثر یہ ہوا کہ شعر کی سادگی، عالمانہ مرصع کاری سے بدل گئی ــــ

ثابت لکھنوی کہتے ہیں کہ "درحقیقت فن شعر میں توان کے استاد صرف ایک میر ضمیر مغفور ہی تھے مگر ان اساتذۂ اربعہ میں بھی سب کے سب ادیب یا شاعر بلکہ شاعر گر تھے، مگر اس لیے بہت سے رموز شاعری ان کو علماء ممدوحین سے حاصل ہوئے تھے۔ یہ حضرت ملا مہدی مازندرانی طاب ثراہ کا فیض تلمذ و صحبت خدمت ہے کہ مرزا صاحب کی فارسی نظم بھی اعلےٰ درجے کی ہے خصوصاً ہفت بند ملا کاشی کا مخمس قابل دید ہے، کہ ہر بند کے پانچوں مصرعے ایک ہی شخص کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں" (حیات دبیر ص ۲۷)

شہرت و ناموری

نو عمر آدمی خطیب ہو یا شاعر پسند عام کے ہاتھوں بہت جلد شہرت حاصل کرتا ہے

نوعمری میں ذاتی قابلیت اور ذہنی اپج، محنت اور اخلاق کی بدولت ہمت افزائی سے ترقی کے راستے ملتے ہیں ۱۲۳۰ھ میں مرزا دبیر کی عمر تیرہ سال کی تھی پندرہ بیس سال کے مابین وہ منبر پر آنے لگے اور پیش خوانی میں اپنا کلام سنانے لگے۔ طبیعت میں روانی و برجستگی تھی، عمر کے ساتھ مشق بڑھی، مشق کو محنت نے جلا دی۔ یہی وجہ ہے کہ رجب علی بیگ سرور نے شہرت عام دیکھ کر فسانۂ عجائب کے مقدمے میں مرزا صاحب کا نام ضمیر، وخلیق، احسان وافسردہ کے ساتھ لیا ہے۔

عزاخانۂ شاہی میں طلبی

مرزا کی شاعری و مرثیہ گوئی کا چرچا شہر بھر میں تھا، ایک مرتبہ غازی الدین حیدر بادشاہ نے چوبدار بھیج کر اپنے عزاخانے میں ذاکری کے لیے بلوایا۔ مرزا صاحب پینس میں سوار ہو کر، اپنے سادہ لباس میں حاضر ہوئے، مجلس آراستہ تھی، بادشاہ بیٹھے ہوئے تھے، مرزا صاحب کا سلام قبول فرمایا، اور اشارے سے منبر پر جانے کی اجازت دی۔ مرزا صاحب منبر پر گئے، حمد و نعت میں ایک ایک رباعی پڑھی پھر مسدس کا یہ بند پڑھا جو فی البدیہہ راستے میں لکھا تھا۔

واجب ہے حمد و شکر جناب اِلٰہ میں ا   فضل خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
مجھ سا گدا، اور انجمن بادشاہ میں!   چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں

ذرّے پہ چشمِ مہر ہے مہرِ منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیر کو

اس کے بعد وہ مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے:

داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے

مرثیہ پڑھتے پڑھتے جب انھوں نے پڑھا:

جب روزِ کبریا کی عدالت کا آئے گا   جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا
انصاف و عدل ان سے بہت پوچھا جائے گا   تو آج داد دینے کی کل داد پائے گا

گل کر دیا ہے دونوں جہان کے چراغ کو
لوٹا ہے تیرے عہد میں زہرا کے باغ کو

بادشاہ نے خواجہ سرا کے ذریعے مرزا صاحب سے یہ بند دوبارہ پڑھوایا، مجلس ختم ہوئی مگر بادشاہ، قیامت کے دن باز پرس کے خیال میں بے چین رہے، صبح کو معتمد الدولہ آغا میر کو بلا کر عدل و انصاف کے بارے میں خصوصی احکام دیئے۔ (سبع مثانی، مقدمہ ص ۱۴)

اس واقعے سے دبیر کی بے پناہ شہرت و مقبولیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ان کی حق پرستی و حق گوئی

اور خوف خدا کا حال بھی کھلتا ہے کہ وہ بادشاہ کے سامنے دعوتِ حق و انصاف دینے سے باز نہ رہے۔

مرزا صاحب کا ایک مرثیہ ہے: "جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت رن میں"

اس کے خاتمے کے بند میں ملکۂ آفاق کا نام بتاتا ہے کہ مرزا صاحب کو اس سرکار سے تعلق تھا اور ان کی وہاں قدردانی ہوتی تھی،

اے دبیر اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِّ انام   زیبِ آفاق رہیں ملکۂ آفاق مُدام
قبلۂ عالمیاں شاہِ زماں اوجِ مقام   تخت آرا رہیں باشوکت و اعزازِ تمام

چشم پرنور سے یہ قدرتِ باری دیکھیں
حضرتِ مہدیِ ہادی کی سواری دیکھیں!

چونکہ شاہ زمن غازی الدین حیدر شاہ اودھ نے ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء میں رحلت کی ہے اسلئے یہ مرثیہ بادشاہ کی زندگی میں اور ملکۂ آفاق کی مجلس کے لیے لکھا گیا ہے۔

۲۵ برس کے نوجوان کا دربارِ شاہی تک پہنچنا اب سے ڈیڑھ صدی پہلے شاعر کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ اس اعزاز کا ایک اشارہ اس بیت سے بھی ملتا ہے۔

گو کہ حاسد نہ کرے تیرے سخن کی توقیر
مجھ کو کافی ہے شہنشاہِ زمن کی توقیر

مرزا صاحب کی نثری تخلیق

غازی الدین حیدر کے بعد نصیر الدین ۱۸۲۷ء میں تخت نشین ہوئے اس دور میں مرزا صاحب نے نثر میں "ابواب المصائب" نامی کتاب لکھی۔ یہ کتاب "کربل کتھا" — گلشنِ شہیداں — گلِ مغفرت — جیسے مجموعہ ہائے مجالس کے ساتھ مطالعے کے قابل ہے اور اسی اسلوب بیان کا ایک نمونہ۔ "ابواب المصائب" کے تعارف میں مرزا دبیر خود لکھتے ہیں:

"سببِ تصنیف یہ ہے کہ دریں ولا بتائیدِ غیبی اور بالہام لاریبی بندۂ حقیر، کثیر التقصیر اعنی دبیر کا یہ عزم بالجزم ہوا کہ ترجمہ سورۂ یوسف کا مشتمل بمصائب جناب سید الشہدا علیہ التحیّۃ والثنا بطریق تازہ اور بحسن سلیقہ انداز ازروئے تفاسیرِ معتبرہ اور احادیث معتمدہ کے تعزیہ داران جناب ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے مطالعے کے واسطے زبان اردو سے معلّٰی میں کرے ؎

حق تعالیٰ سے مجھ کو ہے امید   یہ کتاب عزا رہے جاوید
روئیں پڑھ پڑھ کے اس کو تعزیہ دار   کریں فقروں پہ دُرِّ اشک نثار

آفریں شاہ خوش نہاد کریں　　　ہر ورق پر حسینؑ صاد کریں

برادران مومنین اور شیعانِ ائمۂ معصومینؑ پر واضح ہو کہ بناء تالیف اس کتاب "ابواب المصائب" کی مقرر کی گئی، کیفیتِ نزول سورۂ یوسفؑ پر اور مطابقت، یوسفِ آلِ عبا، اعنی جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا و اہل بیتِ رسول خدا پر اور مصائب حسین ابن علی علیہ السلام۔ (؟) چنانچہ تمام کیفیت سورۂ مسطور پر مشتمل کی گئی، شش باب میں" (صفحہ ۵ و ۶)

پندرہ سطری مسطر پر ۱۶۸ صفحوں میں چھپی ہوئی یہ کتاب نثر کے علاوہ چار سو بیاسی اُردو اشعار اور نو شعروں کے قطعۂ تاریخ فارسی پر مشتمل ہے۔ پوری کتاب بقول دبیر ایک ہفتے میں مکمل ہوئی۔

"بخدائے لایزال کہ تشتطط (کذا، صحیح، تشتّت)، حواس اور تردد بے قیاس میں تعجیل تمام اور بعجلتِ مالا کلام مدتِ یک ہفتہ میں اس خود غلط نے یہ اوراقِ سفید سیاہ کیے ہیں اور اس زمانے میں بھی اکثر اکتساب ثواب مجالسِ عزا میں اور تحصیل ملازمت احبا میں حاضر اور موجود رہا" (ص ۱۶۸)

کتاب "ابواب المصائب" مرزا صاحب کے بہت بعد دہلی سے چھپی تھی۔ یہ تالیف ۱۲۴۵ھ کی یادگار ہے مرزا صاحب نے اس کا تاریخی مصرع نکالا۔

"مصحفِ طاقِ چشمِ اہلِ عزا است"

اور اسے نصیر الدین حیدر کے نام سے یوں معنون کیا:

"حقّا کہ آباء و اجداد اس بادشاہ سلیمان جاہ، دارا دربان، سکندر ایوان، یوسفِ عہد نوشیروان عصر، ابوالنصر قطب الدین بادشاہ غازی، نصیر الدین حیدر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بانی خیر و حسنات تھے، چنانچہ نہر آصفی بنائی ہوئی جناب نواب آصف الدولہ مرحوم قریب نجف اشرف کے مثل چشمۂ کوثر جاری ہے۔ چنانچہ ازیں قبیل ہر ایک کی ذات بابرکات سے بنیادِ فیض یادگار آفاق ہے۔

الحمد للہ کہ ہمارے بادشاہ عصر خلّد اللہ ملکہ و سلطنتہ کو جنابِ احدیت نے فخر سلاطین اور رشک بادشاہان عصر پیدا کیا کہ ازل سے آج تک کسی نے بنائے تعزیہ داری تا اربعین نہ کی تھی، اِلّا اس بادشاہ خلائق پناہ نے یہ رسم حسنات مقرر فرمائی" (ص ۴ و ۵)

چالیس دن تک مجالس کا انعقاد، شہزادوں، امیروں اور مختلف درجے کے افراد میں، ذاکروں اور مرثیہ گویوں کی کثرت کا سبب ہوا۔ مرزا دبیر اس وقت صاحب قلم اور زود نویس ہونے کی وجہ سے مقبول ہوئے سوز خوانوں کی کثرت تھی، یہ حضرات اکثر و بیشتر دوسروں کا کلام پڑھتے تھے، خاص مجلسوں

[1] یہ خیال مرزا صاحب کے مرثیوں کے مقطعوں میں بار بار آیا ہے۔

کے لیے انھیں نئے مرثیے کہلوانا پڑتے تھے، بوڑھے شاعروں کے پاس اتنا وقت و دماغ کہاں ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ مرثیہ لکھنے کے لیے تیار رہیں، مرزا دبیر کی زود گوئی نے سوز خوانوں کو گرویدہ بنایا اور انہوں نے جو نئے شاعر کے نئے مرثیے پڑھے تو شہرت کو پر پرواز مل گئے۔

مرزا صاحب کا دستور یہ تھا کہ ایک مرثیہ کے تیس چالیس بند لکھے۔ سوز خوان اس سے زیادہ کیا پڑھتے۔ پھر اسی مرثیہ پر کچھ اور بند لکھ کر دو دو، تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ مطلع لکھ دیے کہ جتنی بڑی مجلس ہو اور جیسا پڑھنے والا ہو اسی اعتبار سے مرثیہ کو طویل یا مختصر بنا لیا جائے۔ پھر واقعات، تاریخ کی مناسبت سے بے شمار مرثیے لکھ ڈالے۔ عوام کے لیے سادہ، رقت انگیز، خواص کے لیے بھاری بھرکم زبان میں، معانی و بیان کی عالمانہ نمود و آرائش سے سجے ہوئے طویل مرثیے قلم بند کیے۔

جوانی میں مشقِ فن اور ندرتِ اظہار کا عالم یہ تھا کہ ایک مرثیے میں دو دو سراپا، سات سات آٹھ مطلعے، تلوار، رجز، جنگ اور بین کے کئی کئی پہلو نظم کیے۔ قدر دانوں نے داد دینے اور صلہ ادا کرنے میں کوئی کمی نہ کی، اس محنت کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی با اخلاق، بڑے پابند ادب و حیا، سخی و کریم، عابد و زاہد، مجلسوں میں رونے والے، گھر میں نماز و اوراد و وظائف و شب بیداری کرنے والے تھے۔

شادی

مرزا سلامت علی دبیر کی نیک نامی، شہرت اور اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے انھیں رشتہ بھی ملا تو میر انشاء اللہ خان انشاء کی نواسی اور میر معصوم علی کی دختر نیک اختر کا۔ میر انشاء اللہ کی اولاد شاہی خاندان سے رشتے رکھتی تھی، انشاء زبان اور بولیوں سے باخبر، علوم و فنون سے آراستہ تھے، ان کے خاندان کی روایت کا سلسلہ ملا تو گھر کو چار چاند لگ گئے۔

اولاد

مرزا صاحب کے دو لڑکے اور ایک لڑکی کا سب نے تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے مرزا محمد جعفر اوج ۶ رجادی اولادل ۱۲۶۹ھ/۱۵ فروری ۱۸۵۳ء میں اور محمد ہادی حسن عطارد ۵ شعبان ۱۲۷۱ھ/۲۳ اپریل ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے مرزا محمد جعفر اوج کی ولادت کے وقت مرزا دبیر اکاون برس کے تھے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان سے پہلے اولاد ہوئی ہو اور فوت ہو گئی ہو۔

مرزا صاحب کا حلیہ

دبیر کے بچپنے اور جوانی پر ناواقفیت و بے اطلاعی کے پردے پڑے ہوئے ہیں، بڑھاپے میں دیکھنے والوں کی زبانی ایک بیان شاد عظیم آبادی کا ہے:

"مرزا دبیر خوبصورت نہ تھے بلکہ بدصورت تھے، رنگ بہت کالا تو نہ تھا مگر سانولا بھی نہیں کہہ سکتے، آنکھیں بڑی اور گول تھیں، ان میں سرخی کے ڈورے، ہونٹ بڑے بڑے تھے، پہلے پہل جب میں مشرف ہوا ہوں، غالباً حضرت کی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر گئی تھی۔

پیشانی اونچی تھی، سر کے بال نہایت کم اور چھدرے تھے، ان پر مازو کا خضاب نمایاں تھا، ڈاڑھی بالکل مورچہ پرتھی، خط بھی بنتا تھا، میرا خیال ہے کہ کم سے کم ہر دوسرے دن خط بنتا تھا اور ڈاڑھی کتری جاتی ہوگی، ...... اس لیے ڈاڑھی کے بال نمایاں نہ تھے، موچھیں کسی قدر نمایاں تھیں مگر کتری ہوئی" (پیمبران سخن ص ۱۱۹)

ثابت لکھنوی کا لکھا ہوا سراپا یوں ہے:

"پکا سانولا رنگ، کسی قدر کشیدہ قامت، ماتھا بڑا، کثرت سجود سے ماتھے پر سجدے کا نشان جو نہایت خوش نما معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی جو ایرانی الاصل ہونے کا پتہ دیتی تھیں، دُھرا ڈیل، دو انگشتی ڈاڑھی۔ بڑی پاٹ دار و دل گداز آواز" (حیات دبیر ص ۲۵)

لباس پیمبران سخن میں مرزا صاحب کے لباس کی تفصیل یہ ہے:

"دامن دار کوٹ اور بڑے گھیر کا کرتا، کبھی تنزیب، کبھی جامدانی کا پہنتے تھے۔ اندر کوئی شلوکا وغیرہ کچھ نہ ہوتا تھا، زیادہ تر گرمیوں میں بھی عمدہ مشروع کا مہری دار پائجامہ اور سفید جرابیں پاؤں میں، سر پر باریک کام کی چکن کی پانچ گوشے والی ٹوپی بغیر قالب کی۔ اور جیسے کہ اس زمانے میں ایک جدید رسم سہ گوشہ جالی لوٹ کے رومال کے اوڑھنے کی نکلی تھی، جب کہیں تشریف لے جاتے تو اوڑھ لیتے تھے۔ پاؤں میں زرد[illegible] گھیتلا، بھاری کام کا، ہاتھ میں مرشد آبادی جریب، انگلیوں کے ناخنوں میں مہندی کا رنگ، بڑے بڑے عقیق کے نگوں کی تین چار انگوٹھیاں بھی پہنا کرتے تھے۔ جاڑوں میں بیشتر شالی، گلا، شالی رومال، یا عمدہ دوشالہ، سر پر لکھنؤ کی پنج گوشہ شال کی ٹوپی" (کتاب مذکور ص ۱۱۹)

حیات دبیر کی لفظوں میں:۔

"سر پر گول پنج گوشیہ ٹوپی، جسم میں، اندر شلوکہ، اوپر ڈھیلا کرتا جو گھٹنوں سے نیچا ہوتا تھا، اس کے نیچے ڈھیلا پائجامہ اور پائجامے کے نیچے ایک جانگیہ ہمیشہ پہنے رہتے تھے، پاؤں میں گھیتلا جوتا"

غذا روزمرہ کے معمولات، عمر و حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں نوجوانی، جوانی اور ادھیڑ عمر کی باتیں دیکھیں اور بڑھاپے کے حالات کا جائزہ لیں تو زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ تاریخوں میں عظیم شخصیتوں کے آخری دور کی روایتیں محفوظ رہنے کا سبب حال کے دیکھنے والے ہیں، صورت شکل، وضع قطع، لباس اور خوراک کے بارے میں ہمارے اطلاعات کے دو ذریعے ہیں حیات دبیر اور

پیمبران سخن ــــ افضل حسین ثابت، مرزا دبیر کے پرستار و سوانح نگار ہیں، انھوں نے "حیات دبیر" بڑی محنت سے لکھی ہے۔ علی محمد شاد صاحب کی تالیف تاثراتی اور وارداتی ہے، اسی لیے ہم پہلے شاد صاحب کی روایت لکھتے ہیں پھر ثابت صاحب کی عبارت نقل کریں گے:

"ہمیشہ دن کا کھانا دوپہر بعد کھایا کرتے تھے، میٹھے چاولوں اور بالائی سے بہت رغبت تھی، ان کا دسترخوان اس سے خالی نہ رہتا تھا۔

پھر شب کو بارہ بجے غذا کر کے دو بجے تک آرام کرتے تھے، آخر شب سے تہجد پڑھ کر مرثیہ کی تصنیف شروع ہوتی تھی"، (ص ۱۲۱)

حیات دبیر صفحہ ۲۵:

"صرف ایک وقت، دن میں نو دس بجے غذا نوش فرماتے تھے رات میں صرف چائے پیتے تھے، اور جو احباب اور شاگرد موجود ہوتے تھے، ان کو بھی پلاتے تھے۔ آخر عمر میں جب سخت علیل ہوئے اور تپ محرقہ میں سات روز تک بے ہوش رہے، تو اچھے ہونے پر طبیبوں کی رائے سے دو وقت غذا کر دی گئی تھی، مگر چند روز کے بعد جو دیکھا تو پھر رات کی غذا ندارد تھی۔ جناب استاذی اوج مدظلہ نے پوچھا تو فرمایا کہ نماز شب میں دقت ہوتی تھی اس لیے غذا ترک کر دی"

ثابت صاحب ہی نے سبع مثانی کے مقدمے میں یہی بات یوں لکھی:

"غذا، بڑھاپے میں، صرف ایک وقت دن میں نو دس بجے نوش فرماتے، رات میں ایک کلچہ کھا کر چائے پیتے تھے اور جو درباری شاگرد اور احباب موجود ہوتے تھے سب کو ایک ایک پیالی چائے کی اور ایک ایک کلچہ تقسیم فرماتے تھے۔ جو لوگ رات کو حاضر ہوتے تھے وہ بارہ بجے کے قریب اپنے اپنے گھر جاتے اور مرزا صاحب نماز شب میں مصروف ہوتے تھے" (ص ۱۲)

نشست و برخاست مرزا صاحب بڑے وضع دار، منکسر مزاج، خلیق اور غریب پرور آدمی تھے کہیں جاتے تھے تو دو چار آدمی خاندان کے ساتھ ہوتے تھے، ایک دو خدمت گار ایک دو حاضر باش ہمراہ۔

"گھر پر بیٹھنے کا قرینہ ـــــ صدر میں ایک بڑا گاؤ، جاڑوں میں اونی بڑا قالین، گرمیوں میں بڑی سوزنی بچھی رہتی تھی، آگے ایک فیض آبادی بڑا صندوقچہ سیاہ رنگ کا، اور پیتل کی

بڑی دوات اور چند واسطی قلم دھرے رہتے تھے۔ پائیں میں ہر وقت ایک خدمت گار پگڑی باندھے منتظر حکم کھڑا رہتا تھا۔ جب کوئی مہمان آتا حسبِ مراتب تعظیم کرتے، لب فرش تک جاتے، جھک کر سلام کرتے، دست بستہ مزاج پوچھتے، محفل میں پانوں کا دور چلتا رہتا حقے گردش کرتے، آہستہ آہستہ بولتے اور زیر لب مسکراتے، کسی ادبی موضوع پر گفتگو ہوتی اور بات بڑھتی تو عروض و معانی و بیان و لغت کی کتابیں کھل جاتی تھیں (خلاصہ از پیمبران سخن)

انداز تصنیف

مرزا صاحب بڑے طبّاع، حاضر ذہن، زود گو تھے، غزلیں کہیں تو تین دیوان مرتب ہوئے، مثنوی، قطعات، مستزاد، مخمس، ہفت بند، مناقب، قصیدہ، رباعی، قطعات تاریخ، ہر صنف سخن میں لکھا، اردو کے علاوہ فارسی و عربی میں بھی کچھ کم نہیں کہا۔ نظم کے علاوہ نثر، فارسی میں خطوں کے جواب، شاگردوں کے کلام پر اصلاح، نہ معلوم کتنی مجلسیں پڑھنا اور کیسے کیسے رئیسوں کی فرمائش پر نئے مرثیے تصنیف کرنا، پرانے مرثیوں پر نظر اور ترمیم و تنسیخ، شاید ہی کوئی دوسرا شاعر اس قدر کام کرتا ہو جس قدر کام مرزا صاحب نے کیا۔ ایسے آدمی کے بیے یہ بتانا مشکل ہے کہ وہ شعر کس طرح کہتے اور مرثیہ کیوں کر تصنیف کرتے تھے: چند حکایات ایسے ہیں جن سے ایک ہلکا سا خاکہ سامنے آجاتا ہے، شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:

"آخر شب سے تہجد پڑھ کر مرثیہ کی تصنیف شروع ہوتی تھی، صبح تک جتنے بند کہتے تھے بعد ادائے نماز (صبح) اس کو لیے ہوئے باہر تشریف لاتے تھے، کاتب موجود رہتے تھے خود بتا بتا کر اپنے سامنے صاف کرواتے تھے، یہ بھی مسودۂ دوم میں داخل ہوتا تھا۔"

مسوّدۂ اول و دوم سب مقفل کیا جاتا تھا، پھر شب کو مسوّدۂ اول نکالا جاتا تھا، مرثیوں کی تصنیف یوں نہ ہوتی تھی کہ مطلع شروع کرکے چہرہ، صف آرائی، لڑائی وغیرہ کے بند ترتیب کے ساتھ کہتے جائیں بلکہ مثلاً تلوار یا گھوڑے یا صف آرائی یا چہرہ یا رخصت یا بین، جتنے مضامین متعلق مرثیے کے ہیں، ہر مضمون کے سو سو، دو دو سو بند لکھے جاتے تھے آخر اسی ذخیرے سے بند لے کر پانچ پانچ، چھ چھ مرثیے مرتب کر لیتے تھے۔ کچھ موٹی موٹی جلدیں کاتب سے صاف کروائی ہوئی انھیں بے ترتیب بندوں کی الگ رہتی تھیں، اور جب یہ بند بصورت مرثیہ مرتب ہو جاتے تھے تو کتاب کے اندر ترتیب وار داخل کیے جاتے تھے اسی طرح سلاموں، خمسوں، قطعات وغیرہ کی جلدیں صاف کی ہوئی الگ رہتی تھیں۔

کاتب کو دم لینے کی فرصت نہ تھی، تازہ تصنیف کو تو اپنے سامنے بٹھا کر صاف کرواتے تھے، ورنہ حوالے کر دیتے تھے۔ وہ الگ بیٹھا لکھا کرتا تھا۔ اس اہتمام و احتیاط پر بھی اکثر بند کی بیتیں ایک مرثیہ

کی تین تین، چار چار مرثیوں میں چھپ گئیں۔ ان کے سامنے جب یہ جلدیں بضرورت لائی جاتی تھیں اور اٹھا کر دیکھنے لگتے کچھ نہ کچھ اصلاح و تبدیلی ضرور کر دیتے تھے" (پیمبران سخن ص ۱۲۱ و ۱۲۲)

ثابت صاحب لکھتے ہیں:

مرزا صاحب اکثر باوضو، جانماز پر بیٹھ کر تصنیف فرماتے تھے۔ کبھی کبھی بعد نماز شب اور کبھی بعد نماز صبح اور کھانا کھانے کے بعد گیارہ بجے دن کے کہا کرتے تھے۔ بعض بعض مصرعوں پر ایسا وجد طاری ہوتا تھا کہ جھوما کرتے تھے، اور اکثر مضامین پر مسلسل آنسو جاری ہو جاتے تھے، جب تک طبیعت حاضر نہ ہوتی تھی نہ کہتے تھے، اور جب حضور قلب کا عالم ہوتا تھا کہتے تھے اور جلد جلد کہتے تھے۔

میر باقر سوداگر کے امام باڑے میں مجلس تھی، مرزا صاحب نے مرثیہ پڑھا:

مقتل ہے چمن، فصلِ بہاری کی ہے آمد

جب مجلس ختم ہوئی تو میر وزیر حسین صاحب نے درخواست کی یہ مرثیہ مجھے مرحمت ہو، مرزا صاحب نے وعدہ فرمالیا، دو تین بعد وزیر حسین صاحب نے میر باقر حسین صاحب کو مرزا صاحب کے پاس بھیجا، باقر حسین صاحب جو حاضر ہوئے تو بارہ بج چکے تھے، مرزا صاحب خاصہ نوش فرما کر استراحت فرماتے تھے، دو کاتب پلنگ کے اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے حاضری کا مقصد اور وعدہ کی یاد دہانی کی بات کی۔ فرمایا: بیٹھ جاؤ، مرثیہ لے جانا۔ مرزا صاحب کاتبوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دونوں کاتبوں کو تو تصنیف دو مرثیے لکھوانے لگے۔ کبھی اس کاتب کو، دو تین مصرعے بتا دیئے کبھی اس کاتب کو بعض مصرع یا بیت پران کو ایسا جوش آجاتا کہ بیٹھ جاتے تھے چار بجے تک یہی سماں رہا۔ چار بجے نماز کے لیے اُٹھے تو معلوم ہوا کہ ہر کاتب نے ساٹھ ساٹھ بند دو مرثیوں کے لکھے ہیں۔ ایک مرثیہ حضرت علی اکبر اور ایک حضرت امام حسین علیہ السلام کے حال میں ہے۔ نماز سے پیشتر مرزا صاحب نے موعودہ مرثیہ میر باقر حسین صاحب کو دے دیا اور کہا کہ راتوں رات یا کل تک نقل کر کے دے جانا۔ یہ واقعہ ۱۸۷۱ یا ۱۸۷۲ کا ہے۔

میر دستور علی بلگرامی اپنے والد کے ساتھ ماہ رمضان کے ایک دن مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اس دن میر واجد علی تسخیر کی مجلس پڑھنے جانے کو تھے۔ دیوان خانے میں بیٹھے تھے۔ سامنے میر واجد علی کاتب حاضر تھے، میر صاحب سے فرمایا، فلاں بند کی جو ٹیپ میں نے کہی ہے وہ ذرا سست ہے، وہ کاٹ دو اور یہ ٹیپ لکھ دو۔

تابوت اٹھانے کی توانائی نہیں ہے
بیٹوں نے علیؑ کے سحری کھائی نہیں ہے

کاتب نے مرثیہ نکالا، نہایت جلی قلم سے لکھے ہوئے بند کی ٹیپ کاٹ کر بخط جلی یہ ٹیپ لکھ دی۔

مرزا صاحب میر محمد رضا صاحب بلگرامی (والد دستور علی) سے باتیں کرنے لگے اتنے میں ایک صاحب آئے اور سلام و آداب کے بعد عرض کرنے لگے کہ مجھے اس وقت بارہ یا تیرہ بند اس حال میں کہہ دیجیے کہ بعد شہادت حضرت علی اصغر، ان کی والدہ قبر پر آئیں ــــ میں آج ہی سوز رکھ کر کل فلاں صاحب کے یہاں پڑھ دوں، مرزا صاحب نے فرمایا: جناب، میں اب تو مجلس میں جا رہا ہوں، اس وقت تو معاف فرمایئے، انہوں نے عرض کی، حضور میرے رزق کا معاملہ ہے اگر ایسا مرثیہ نہ پڑھ سکا تو شاید نقصان پہنچ جائے۔ فرمایا: تو اچھا لکھتے جایئے۔ کھڑے کھڑے چودہ یا پندرہ بند لکھوا دیئے۔ وہ سوز خوان اور میر محمد رضا وہ بند لکھتے گئے۔ یہ مرثیہ خود مرزا صاحب نے بھی نہیں لیا۔

میر واجد حسین (ابھی ان کا نام واجد علی لکھ چکے ہیں) کہتے تھے کہ ایک مرثیہ کسی شاگرد کا دیا کہ اسے صاف کر دو۔ اس مرثیے میں اس موقع پر کہ حضرت عباس خیمے سے برآمد ہوئے مرزا صاحب نے اصلاحی ٹیپ لکھی:

آپ آتے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے
اقبال سے کہہ دو کہ عناں تھامنے آئے

میر صاحب نے لکھا "ہاں فتح سے کہہ دو کہ عناں تھامنے آئے" ــ مرزا صاحب پیچھے کھڑے ہوئے اس ٹیپ کو دیکھ کر ہنسے اور فرمایا، واہ میر واجد حسین صاحب آپ نے تو مجھے بھی اصلاح دے دی ــ میں چپ ــ فرمایا: کیا اقبال سے فتح بہتر ہے؟ میں نے عرض کی ــــ جی نہیں ــ اس وقت میرے خیال میں یونہی آگیا، میں اب اس کو مٹائے دیتا ہوں۔ کپڑا پانی میں ڈوبا ہوا سامنے رکھا تھا، میں نے اٹھایا، فرمایا ذرا ٹھہرو، سمجھ تو لو، لفظ فتح میں کیا برائی اور اقبال میں کیا خوبی ہے میں نے کہا فرمایئے، فرمایا: اقبال اُردو میں مذکر اور فتح مؤنث ہے، جب شاعر اچھے شگون کے خیال سے یہ کہتا ہے کہ "عورت نہ کوئی سامنے آئے" تو فتح کا جو مؤنث ہے، سامنے آنا کب مناسب ہوگا، اس کے سوا، اقبال کے لفظی معنی پر غور کرو، اقبال کے معنی خود آگے آنے کے ہیں، لفظ فتح میں یہ بات کہاں، میں نے عرض کی درست ہے۔ فرمایا: اکثر بزرگوار ذاکر، از بسکہ میرے مرثیوں میں الفاظ کی خوبی اور اثر کو نہیں سمجھتے اپنی سمجھ کے مطابق الفاظ بدل دیتے ہیں دیکھنے والا سمجھتا ہے، مصنف نے یونہی کہا ہوگا۔ وہ اعتراض کرتا ہے۔ اس کو کیا خبر کہ دبیر کے اصلاح دینے والے بے انتہا ہیں" (حیات دبیر ص۔ ۵ تا ۵۴)

سفر: مرزا صاحب کے سفر نامے مرتب نہیں، کہتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے وہ صرف فیض آباد گئے تھے، ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ اجڑا تو دبیر بھی بے گھر ہو کر سیتا پور پہنچے، ۱۸۵۸ء میں کان پور اور ۱۸۵۹ء میں عظیم آباد گئے، یہ سفر بہت کامیاب تھا، لکھنؤ سے عظیم آباد تک آتے جاتے، بنارس و کلکتہ کے لوگوں نے انہیں دیکھا اور سنا ـــ ان مجلسوں کی تفصیل متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ مرزا اوج صاحب کی زبانی بنارس کی مجلس کا حال حیات دبیر میں پڑھا پھر ۱۹۳۰ء، مئی کا ایک رسالہ "ادب"، لکھنؤ نظر سے گذرا، اس رسالے میں پروفیسر مسعود حسن صاحب ادیب مرحوم نے، وکٹوریہ گزٹ (بنارس) سے ایک خبر نقل کی، یہ تفصیل چونکہ مقامی اخبار میں چھپی اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جریدے سے کتاب میں محفوظ ہو جائے۔

بنارس کی ایک مجلس کا آنکھوں دیکھا حال:

وکٹوریہ گزٹ سہارن پور میں ایک رپورٹر نے لکھا ہے:

"مرزا دبیر کی ایک یادگار مجلس"

مرزا صاحب موصوف کہ فی زمانا دبیر عطارد نظیر، شاعر بے عدیل ہیں، خصوصاً مداح اہل بیت صلوٰۃ اللہ علیہم و ذاکری جناب امام ہمام علیہ السلام میں گوئے سبقت امثال و اقران سے بچوگان فصاحت و بلاغت لے گئے ہیں۔ اور آخر ماہ ذی الحجہ میں حسب الحاج و استدعا بعضے رؤسائے ذی وقار و امرائے عالی اقتدار عظیم آباد کے تشریف لے گئے۔ چنانچہ عشرۂ محرم میں باوصف اس کے کہ طبیعت مرزا صاحب ممدوح کی جادۂ اعتدال سے منحرف تھی لیکن نواب جعفر حسن خاں کے امامباڑے میں کہ مکان فردوس عنوان نہایت وسیع و پر فضا ہے رونق افروز ہو کر بذکر مصائب جناب سید الشہدا، خود بھی داخل حسنات ہوئے اور مومنین کو بھی فیضیاب کیا۔ اکثر مجلسیں ایسی ہوئیں کہ دس دس پندرہ پندرہ ہزار آدمی جمع ہوئے اور خبر مرزا صاحب ممدوح کی سن کر ہزاروں آدمی دس دس بارہ بارہ منزلوں سے جمع ہوئے نواب صاحب محتشم الیہ نے بھی اس قدر حفظ مراتب و خاطرداری کی کہ رفقا اپنے کئی روز پیشتر باسواریہائے اقسام واسطے استقبال کے تا بنارس روانہ کیے اور کوئی دقیقہ تعظیم و تکریم میں فروگذاشت نہ کیا۔

بعد عشرۂ محرم کسی امیر کبیر حسین گنج کی درخواست و التجا سے ڈاک پر مرزا صاحب تشریف لے گئے اور اس دن بسبب ورود محتشم الیہ و اجماع خلائق جناب صاحب کمشنر بہادر حسین گنج نے کہ نہایت خلیق و رحیم و قدر دان شرفا ہیں بپاس خاطر عمال و رعایا کے کچہری برخاست کر دی، سبحان اللہ جو کہ مقبول درگاہ حاکم حقیقی ہوئے حاکمان مجازی کیوں کر قدر و منزلت اس کی نہ کریں، مختصر یہ کہ وہاں بھی ہزاروں آدمی مفخم الیہ کو سن کر مشکور و مسرور ہوئے معاودت کے وقت حاجی آغا عبد الحمید صاحب تاجر شیرازی نے کہ نہایت شخص باوقار و ذی اقتدار ہیں۔ بنارس

میں مرزا صاحب کو مہمان کیا تیا یا نالہ میں وجود باجود مرزا صاحب موصوف سے وہ مجلس ہوئی کہ نہ کبھی ایسا جماؤ شائقین و مومنین کا ہوا تھا نہ تصور میں آتا ہے کہ ہوگا۔

پھر مرزا صاحب موصوف وہاں سے ڈاک پر مع رفقا ۲۳ تاریخ محرم کو الہ آباد میں بمکان منشی مرزا علی اکبر صاحب تحصیل دار سابق و پنشن دار حال رونق افروز ہوئے اور دو روز بپاس خاطر منشی معز الیہ وہاں مقیم ہو کر التماس پر منشی صاحب موصوف و میر علی سجاد صاحب تحصیل دار و دیگر روسائے باوقار کے یہ فرمایا کہ کسل سفر و ناسازی طبع سے طاقت کچھ پڑھنے کی جلسۂ عام میں نہیں ہے۔ مگر آپ لوگوں کے اصرار سے جبراً یہ مضائقہ نہیں کہ دس بیس دوستاں خالص و اشخاص خاص کے جلسہ میں کچھ ذکر مدح و مصائب ائمہ علیہم السلام کیا جاوے گا چنانچہ تیسرے پہر دن کو یہ تجویز ہوئی اور شام کو بالاخانہ منشی مرزا علی اکبر صاحب موصوف کہ کھلا ہوا تھا نہایت وسعت فسحت کے ساتھ محلہ منڈوی رانی میں شارع عام پر واقع ہے۔ فروش و روشنی سے آراستہ ہوا۔ باوصف اس کے کہ سوائے چند اشخاص ذی رتبہ و سخن فہم کے کسی کو اطلاع نہ دی گئی تھی لیکن بقول آنکہ ع

مہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

تمام خلقت الہ آباد و دریا آباد و سکان قصبہ کرالی (کراری) وغیرہ گروہ گروہ و انبوہ انبوہ وہاں تک جمع ہوئی کہ تین صحن وسیع بالاخانہ مذکور کے کثرت مردم سے مانند دانہ ہائے انار کے مملو و متراکم ہوگئے۔ مجال نہ تھی کہ جا نشین زانو بدل سکیں، لاچاری کو مردنگیاں اور فانوس حتیٰ کہ اگالدان معدومی گنجائش سے اٹھا دیئے گئے اور آخر کو گرد و پیش کے کوٹھوں پر لوگ جا چڑھے ؎

لب بام کثرت جو یکسر ہوئی
تلے کی زمیں ساری اوپر ہوئی

مرزا صاحب نے ہفت بند ملا کاشی پر جو کتنی کتنی طرح سے مصرع لگائے تھے چند بند پڑھے کہ سامعین کو حالت وجد کی سی پیدا ہوئی، ہر طرف سے آواز تحسین و آفریں بلند تھی۔ پھر حضرت علی اکبرؑ کے سراپا کی تعریف میں کئی بند مرثیہ تصنیف اپنے کے پڑھ کر ایک بند بینیہ اس خوبی سے پڑھا کہ یا تو سماعت مدح سے شور و غل واہ واہ و صلّ علیٰ کا بلند تھا یا تمام مجلس سر پیٹنے و آہ و فغاں کرنے از خود رفتہ ہوگئی مرزا صاحب ممبر سے اتر آئے۔ ہر ایک کی زبان پر مردم الہ آباد کے یہ بات تہہ دل سے جاری تھی کہ جب سے الہ آباد آباد ہوا، نہ ایسا جلسہ ہوا ہے نہ آیندہ امید ہونے کی ہے۔ سچ ہے انقلاب زمانہ سے یہ بھی ہے کہ ایسے اشخاص ذی کمال ایسے شہروں میں وارد ہوویں، مصداق اس کا مرزا صاحب ممدوح کی دو رباعیاں واسطے ملاحظہ ناظرین کے مندرج ہوتی ہیں ؎

جو پھول کبھی نہ بوستاں سے نکلے
اس دور میں جو رِ آسماں سے نکلے
پر شکر کہ لکھنؤ تو جنت تھا دبیرؔ
آدم ٹھہرے جو ہم جناں سے نکلے!

پہنچا جو کمال کو، وطن سے نکلا ۔۔۔ قطرہ جو گہر بنا، عدن سے نکلا
تکمیل کمال کی غریبی ہے دلیل ۔۔۔ پختہ جو ثمر ہوا چمن سے نکلا

بالآخر مرزا صاحب مکرمت الیہ ۱۴ صفر کو مع رفقا و ہمراہیاں بسواری ریل الہ آباد سے رجعت فرما کر پندرھویں شہر مذکور کو مع الخیر و عافیت داخل لکھنؤ ہوئے۔ فقط المرقوم ۷ ستمبر ۱۸۵۹ء/۱۶ صفر ۱۲۷۶ھ

کلکتہ میں علاج چشم

جرول ضلع بہرائچ کا سفر کئی مرتبہ کیا، اسی طرح قرب و جوار میں آتے جاتے رہے ان سفروں میں سب سے طویل سفر کلکتہ کا سفر تھا، ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں واجد علی شاہ نے ایک جرمن ڈاکٹر سے علاج کے لیے انھیں کلکتہ بلایا تاکہ آنکھوں کا آپریشن کرائیں۔ یہ سال بحیثیت مجموعی ان پر سخت تھا، بھائی بیٹے اور پھر میر انیس کی موت نے انھیں بے جان کر دیا۔

وفات

۳۰ محرم ۱۲۹۲ھ/۶ مارچ ۱۸۷۵ء منگل کی صبح ہونے سے پہلے مرزا سلامت علی دبیر جنت سدھارے۔

ان کی آخری آرام گاہ، کوچۂ دبیر، نخاس، لکھنؤ کا وہ مکان ہے جس میں انہوں نے زندگی کا آخری زمانہ گذارا تھا۔

خراجِ عقیدت

ان کی وفات پر ملک بھر میں سوگ منایا گیا، پریس نے مدت تک تعزیت نامے قطعات تاریخ، احوال اور مرثیے چھاپے، بادشاہ سے گدا تک سب ان کے قدردان تھے سب نے خراج عقیدت پیش کیے۔

نواب امداد امام اثر لکھتے ہیں:

"مرزا دبیر اعلی اللہ درجتہ فی الجنّۃ کا درجہ، حوصلۂ انسانی کو پست کر دینے والا نظر آتا ہے، آپ تمامتر ملکوتی صفات سے متّصف اور لاریب خاصان خدا سے تھے، اولیاء خدا کی خوبیاں واہب العطایا نے حضرت کو بخشی تھیں، آپ کی سخاوت و ایثار شہرۂ آفاق ہے، علم و فضل کے ساتھ توفیق عبادت بہت کچھ خدائے پاک نے عطا فرمائی تھی، اخلاق محمدی کے آپ پورا نمونہ تھے، جود و سخا، بذل و عطا میں اپنے جواب آپ تھے۔ طبیعت بے حد

شریف اور غیور پائی تھی، منکسر مزاجی، خاکساری اور فروتنی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، خوش مزاجی، خوش اخلاقی، خوش اوقاتی آپ پر ختم تھی، عمر بھر کبھی کسی کی غیبت نہیں کی "تا زیست کسی سے ترش رو ہو کر نہ بولے، رفتار، گفتار، کردار سب میں یکتائے وقت تھے"

(کاشف الحقائق ج ۲ ص ۵۲۸)

یہی بات نواب محمد عباس علی خان محمد نے اپنے اس قطعۂ تاریخ میں کہی ہے جو دفتر ماتم میں چھپا ہے اس کے تین شعر ملاحظہ ہوں:

مرثیہ گوئی شہیدانِ جفا زینتِ بزم　　مدح خوانِ نبیؐ و ذاکرِ آلِ امجاد
صاحبِ ورع و سخا متقی و شب بیدار　　مجمعِ خلق و کرم عابد و فیاض و جواد
رشکِ خاقانی و فردوسی و سعدی و کلیم　　ہمسرِ بوذر و سلمان و اویس و مقداد

نمودِ فن اور مرزا دبیر کا شعور

مدّاح کو اب تازگی نظم میں کد ہے　　یا حضرتِ عباس علیؑ! وقتِ مدد ہے
مولا کی مدد سے جو سخن ہو وہ سند ہے　　اس نظم کا جو ہو نہ مُقر اس کو یہ حد ہے
حاسد سے صلہ بھی نہیں درکار ہے مجھ کو
سرکارِ حسینی سے سروکار ہے مجھ کو

گلزار ہے یہ نظم و بیاں، بیشہ نہیں ہے　　بانی کو بھی گل گشت میں اندیشہ نہیں ہے
ہر مصرع برجستہ ہے پھل، نیشہ نہیں ہے　　یاں مغزِ سخن کا ہے رگ و ریشہ نہیں ہے
صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانندِ قلم ہاتھ میں ہے نبض سخن کی

گر کاہ ملے، فائدہ کیا کوہ کنی سے　　میں کاہ کو گل کرتا ہوں رنگیں سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ عقیقِ یمنی سے　　یہ ساز ہے سوزِ غمِ شاہِ مدنی سے
آہن کو کروں نرم تو آئینہ بنا لوں
پتھر کو کروں گرم تو میں عطر نکالوں

گو خلعتِ تحسیں مجھے حاصل ہے سراپا　　پر وصفِ سراپا کا تو مشکل ہے سراپا

ہر عضوِ تن اک قدرتِ کامل ہے سراپا　　یہ روح ہے سر تا بقدم دل ہے سراپا
کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضمون بھی اپنا نہیں لڑتا ہے کسی سے

خاموش دبیر اب کہ نہیں نظم کا یارا　　مدّاح کا دل خنجرِ غم سے ہے دو پارا
کافی پئے بخشش یہ وسیلہ ہے تمہارا　　اک ہفتہ میں تصنیف کیا مرثیہ سارا
تجھ پر کرم خاص ہے یہ حق کے ولی کا
یہ فیض ہے مدح جگر بندِ علیؑ کا

خاموش دبیر اب کہ نہیں طاقتِ گفتار　　ہر مصرع برجستہ ہے سلکِ درِ شہوار
بے مثل ہے یہ مرثیہ بے منت و تکرار　　جز عونِ علم دار یہ تقریر ہے دشوار
روشن ہے یہ سب پر کرم شاہِ زمن سے
کیا گوہرِ مضمون نکلتے ہیں دہن سے

دبیر کا فن

آپ ہر مرثیے سے پہلے ہمارا تعارفی نوٹ اور ہر مرثیہ پر تبصرہ ملاحظہ کریں گے، معتدبہ مرثیوں کے مطالعے سے دبیر کی شہرت کا راز کھلے گا، درحقیقت انیس و دبیر اُردو زبان کے ان عظیم معماروں میں ہیں جن کے بغیر ہمارے ادب کی تاریخ یک چشم رہ جاتی ہے۔ ہماری زبان منت پذیر شانہ نظر آتی ہے مدح و ستائش، عشق و تصوف، قصہ، کہانی، اخلاق و فلسفہ کی بکھری داستانوں میں، بھرپور اسلامی فکر و عمل کی مسلسل نمائندگی مرثیہ کی طلب گار تھی، مرثیہ نگاروں نے یہ کمی پوری کی۔ اور اس شان سے زبان کو رعنائی دی۔ سرمایۂ الفاظ و معانی سے مالا مال کیا۔ اسلامی علامات، اسلامی کردار، دلیری، جہاد، جان فروشی، شہادت، یادِ شہدا پر مردانہ و دلیرانہ افکار، اور نسوانی جذباتِ بلند کی نمایندگی کی۔ تاثیر و تاثر کو نیا آہنگ دیا۔

دبیر نے قدیم ادب، عربی و فارسی کے گراں قدر دفتر اور عظیم مرتبہ مسلمانوں کی ادبی روایت کو اس شان سے اُردو میں منتقل کیا جس سے اُردو ادب، عربی و فارسی کا ہم پلّہ ہوا۔ سادگی و پرکاری کو فن بنایا۔ سادگی پسند لوگوں کے لیے سادہ کلام اور نقش و نگار سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے صنعت کارانہ نمود کا اہتمام کیا۔ طالب علم کے لیے ذخیرۂ معلومات مہیا کیا، معانی و بیان، اسلوب و اظہار کے تجربے پیش کیے۔ یہ کامیاب تجربے شاعروں کے لیے مشعلِ راہ، ادیبوں کے لیے نشانِ منزل اور زبان

کی وسعتِ داماں کا اندازہ وحد معلوم کرنے والوں کے لیے نفیس دفتر ہے ـــــــ دبیر اُردو زبان کے محسن اور اسلامی ادب کے بڑے مؤسس ہیں۔

سلامت علی دبیر کے مرثیے پڑھنے سے پہلے دو باتیں ذہن میں رکھنا ضروری ہیں پہلی بات دبیر کے عہد میں ادبی رجحانات اور ان کا فلسفہ۔ دوسری بات، خود مرزا صاحب کے نفسیات اور ان کا زاویۂ نظر ـــــــ

علمی پس منظر ۱۸۵۷ء سے پہلے برِصغیر میں فارسی ادب اپنے کمال عروج پر پہنچ کر زوال پا چکا تھا۔ ملک کے نصاب تعلیم میں ادب کی جو کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں ان کی ایک فہرست یہ ہے:

گلستان۔ بوستان۔ پنج رقعہ ـــــ سہ نثر ظہوری ـــــ وقائع نعمت خان عالی
رسائل طغرا ـــــ دیوان حافظ ـــــ قصائد خاقانی ـــــ قصائد بدر چاچ ـــــ قصائد عرفی ـــــ
سکندر نامۂ نظامی ــــ

عموماً گھروں میں فارسی کا چرچا تھا، کچھ خاندانوں میں فارسی بولی بھی جاتی تھی خط و کتابت فارسی ہی میں ہوتی تھی ـــــ فورٹ ولیم کالج قائم ہونے کے بعد، انیسویں صدی کے آغاز میں، اُردو زبان سرکار دربار میں پہنچی مگر اس زبان کا ماحول اس کے ادب کی باگ ڈور جن اساتذہ کے ہاتھوں میں تھی وہ فارسی کے شیدائی اور فارسی کلاسیک کو معیار ماننے والے تھے۔ انہوں نے اُردو کی قواعد، لغت، اسالیب و انداز کو اسی ڈھانچے میں رکھ کر ڈھالا۔ یہ نہ کرتے تو عادت اور دستور کے خلاف ہوتا سب معمار مسلمان تھے لہذا عمارت میں سقف و محراب سمت و علامات اسلامی عمارتوں ہی کے آئے، ہندی زبان، ہندو نشانات اور غیر مسلم چھاپ کیسے لگتی ؟ دہلی سے جو قافلۂ ادب چلا ان میں سراج الدین خان آرزو شاہ حاتم ـــــ مصحفی ـــــ قتیل ـــــ انشا ـــــ ناسخ لکھنؤ کے ادبی رہنما اور زبان کے معمار ٹھہرے ان لوگوں کا خیال تھا کہ بنیادی طور پر اُردو کو اس قدر صحیح، ٹھوس اور مرصّع بنایا جائے کہ ہلکا پن آنے نہ پائے بھی اسے ناکارہ نہ بنایا جا سکا۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ دافر ہو۔ الفاظ و معانی کے اتنے استعمالات پیش کر دیئے جائیں کہ آگے بڑھ کر لوگ تنگیٔ داماں کی شکایت نہ کریں۔ ادیب کے لیے اعلیٰ علمی مسائل پر بحث کے وقت الفاظ نہ ملنے اور پیرایۂ بیان ہاتھ نہ آنے سے بڑی گھٹن ہوتی ہے۔ اس گھٹن کا امکان ختم کرنے کیلئے، معانی و بیان اور فن بدیع کو استعمال کیا۔ قتیل نے ہندوستان سے ایران کا سفر کیا وہاں "فارسیِ سرہ" خالص فارسی کی تحریک سر اٹھا رہی تھی۔ جو ان کا خیال تھا کہ فارسی سے عربی کو نکال دیا جائے۔ قتیل فارسی کے

ساتھ ترکی سیکھ آئے۔ انہوں نے اُردو قواعد لکھی تو انشا نے ان کے رجحانات کے مقابل میں مقامی بولیوں کو ابھارا، انشاء اللہ خاں انشا، گجراتی، پنجابی وغیرہ سے واقف تھے، انہوں نے مقامی لہجے اور عوام کی بول چال کو اہمیت دی۔ "دریائے لطافت" انشا و قتیل کی مشترکہ کوشش سے فارسی میں اُردو کی کتابِ قواعد ہے اس کتاب کے آئینے میں لکھنؤ کی ادبی و لسانی جد و جہد صاف نظر آتی ہے۔ یہ کتاب فنی مسائل کی تاریخ و تجزیے کی دستاویز ہے اسی تحریک کے نتیجے میں غازی الدین حیدر (متوفی ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء) نے ایک بورڈ قائم کیا جس کی نگرانی میں ہفت قلزم نامی لغت نامہ چھپا اسی بورڈ نے دوسرا عربی لغت نامہ تاج اللغات کے نام سے شائع کیا۔

خالص علمی و فنی دبستانِ بحث و نظر کے مقابلے میں عوامی ادب بھی آگے بڑھ رہا تھا عوام میں غزل و مثنوی، قصیدہ و ہجو کا چرچا تھا، نظیر کی عوامی شاعری، میر تقی میر کی غزل، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ ـ سودا کا قصیدہ، مرثیہ، غزل ـ پھر معاصر شعراء پر تنقید، خصوصاً مرثیہ پر ان کی بحث قابل قدر ذخیرہ ہے۔ اسی مکتب بحث و جدل فکر کے پس منظر میں مصحفی، میر درد، میر اثر کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے ـ بزرگوں کے بعد جوانی کی باری آئی تو ناسخ نے مسندِ صدارت کو رونق بخشی۔ اور زبان و اظہار، خیالات و استعمالات پر گرفت و احتساب کا نیا دروازہ کھلا۔ ان کے مقابلے میں آتش چمکے ـ دہلی میں، محمد ابراہیم ذوق، زبان و استعمال الفاظ و تراکیب کے ماہر بن کر ابھرے اور اسد اللہ خاں غالب ہماری اصطلاح میں ترقی پسند قرار پائے ـ

گویا، دبستان دو ہوئے ـ فنی، علمی، ثقہ، اور تعمیری نقطۂ نظر رکھنے والے ادیبوں کی کاوش سے تیار ہونے والا ادبی دبستان ـ اور عوامی، جذباتی اور نسبتاً بے فکر سے ادیبوں کا مکتبِ دانش و بینش ـ ایک کا خیال تھا کہ زبان کو معیار سے گرنے نہ دیا جائے ایک کا خیال تھا زبان سب کی سمجھ میں آئے ـ

سرکار دربار میں تکلّف نہ ہو تو اسے یہ نام کیوں دیا جائے ؟ گورنر اور جج کے سامنے آج بھی وہ زبان استعمال نہیں ہوتی جو ہم گھر میں یا بازار میں خطاب و معاملات کے لیے استعمال کرتے ہیں، بخیال خود مہذّب، بلند نظر، بلند خیال، بلند مرتبہ سرکاروں میں مجمع بھی اسی رنگ کا ہوتا تھا، اسی لیے وہاں قصیدہ و غزل اور مرثیہ میں اسی قسم کے ادب آداب ملحوظ رکھنا پڑتے تھے ـ آج بھی یہی اصول رائج ہے ـ اس پس منظر میں ہم دبیر کو اُردو زبان کا معمار مانتے ہیں ـ انہوں نے زبان کی علمی ثقاہت اور فنی تراش خراش توسیعِ لغت اور تنوّع استعمالات کا تجربہ کیا ـ ان کی محنت برگ و بار لائی اور وہ اسلامی چھاپ، اسلامی کلچر اور اسلامی فکر کے علم بردار بن کر سامنے آئے اور کم و بیش اپنے تمام معاصرین پر ایک مدت تک چھائے رہے ـ ان کی زبان پر ہندی کے بجائے فارسی الفاظ کی بہتات ان کے کلام میں عربی تاریخ کے حوالے،

ان کے موضوع ہندی اور یونانی دیومالاؤں کے بجائے اپنی تاریخ اپنی تہذیب اور اپنے اکابرِ تھے مسلمانوں کی حق پرستی، قربانی کے تذکرے ان کے نام اور کام کا پرچار ان کا نصب العین تھا۔ یہ سلسلہ دبیر، انیس حالی کے ذریعے علامہ اقبال تک پہنچتا ہے۔ اور نثر میں ان کا سلسلہ رجب علی بیگ سرور، محمد حسین آزاد، نذیر احمد شبلی، مہدی افادی، نیاز فتح پوری، ابوالکلام آزاد کے نام سے قائم ہے۔

شعوری پس منظر

دوسرا نکتہ مرزا دبیر کے نفسیات الشعور و لاشعوری عوامل کا ہے۔ مرزا دبیر کی سوانح حیات و سیرت کا جو حال ہم تک پہنچا ہے اس کی روشنی میں مرزا صاحب مذہبی عقائد و اخلاق کے پابند نظر آتے ہیں۔ ان کی تعلیم اخباری (اجتہاد کے مقابلے میں حدیث پر زور دینے والا گروہ) اساتذہ اور فقہا کی مرہونِ منت ہے۔ ان کے خاندان میں اہلِ شیرازی کا چرچا تھا، اور اہلی شیرازی سلطان یعقوب آق قیونلو (متوفی ۸۹۶ھ) شاہ اسماعیل صفوی (متوفی ۹۳۰ھ) اور میر علی شیر نوائی (متوفی ۹۱۶ھ) کے دور سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے زمانے میں مشہور شاعر تھے ملا کاتبی جن کی "مجمع البحرین" ۔ اور "تجنیسات" کی بڑی شہرت تھی ایک دن کاتبی کے قدر دان ان کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور اہلی کو چھیڑ رہے تھے، اہلی نے فیصلہ کیا کہ وہ ان دونوں مثنویوں کا جواب لکھیں گے، ان کے الفاظ ہیں:

"چنانچہ مجمع البحرین و نسخہ تجنیسات یکجا جمع آوردم و با وجود تکلیف لزوم مالایلزم ذوقافیتین ہم لازم نمودم بطریقی کہ اگر در مقابلۂ تجنیسات بروزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات" کہ بحر رمل مسدس محذوف است، جواب آن باشد بازیادتی صنعت ذوبحرین و ذوقافیتین واگر در مقابل مجمع البحرین او خوانند بروزن "مفتعلن مفتعلن فاعلن" کہ بحر سریع مطوی مکشوف است۔ و بحر رمل مسدس در تحت اوست۔ جواب آن باشد بازیادتی تجنیسات و دیگر التزامات کہ در آں دو نسخہ نیست"

(مثنوی سحر حلال ص ۲، طبع لکھنؤ)

مجمع البحرین و تجنیسات کا جواب، مثنوی سحر حلال کی صورت میں اب تک موجود ہے، یہ مثنوی فن عروض کے نقطۂ نظر سے ایسی نظم ہے جس کی تقطیع دو بحروں میں کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ فن معانی و بیان کی صنعت تجنیس ہی نہیں اور محاسن لفظی و معنوی بھی جمع کر دیے ہیں۔ مرزا دبیر کے تحت الشعور میں خاندانی روایت بھی دبی چنگاری تھی۔ ان کی رسائی علمی صحبتوں اور شاہی مجلسوں میں ہوئی، اب انھوں نے پہلی بلند نگاہی یہ دکھائی کہ مرثیہ کو اپنا فن بنایا۔ مرثیہ، مسلمانوں کے عظیم ترین ورثے کے طور پر برابر دھرایا جا رہا ہے، مسلمان اس واقع کا پڑھنا، لکھنا اور سننا باعثِ ثواب سمجھتے ہیں اور ایسے شاعروں کا خاص احترام کرتے تھے جو مرثیے لکھے۔ پھر امام حسین علیہ السلام ان کے باوفا، جاں نثار ساتھی، عقیدہ و اخلاق میں بے مثال

تھے۔ مرزا دبیر کو مرثیہ گوئی کے ذریعے سیرت و کردار، حق پرستی و للہیت کی تبلیغ کا ذریعہ سمجھا، انھوں نے مرثیوں کے مقطعوں میں اسی قسم کے خلوص کا اظہار کیا ہے اور مرثیے کو نذرانام کرتے ہوئے قبولیت کی تمنا ظاہر کی ہے:

خاموش دبیر اب کہ ہوا خوں دلِ محزوں ہر روز تری نظم کی تاثیر ہو افزوں
دیکھے نہ سنے ہم نے یہ الہام کے مضموں آہ دلِ قدسی ہے ہر اک مصرعۂ موزوں
طالب میں نہیں دادِ مضامیں کا کسی سے
پر دستخط خاص کا سائل ہوں علیؑ سے

یہ کہہ کے پڑھا کلمہ سوئے خلد سدھاری خاموش دبیر اب کہ ہے رقت مجھے طاری
کر عرض یہ زینب سے کہ اے خلاصۂ باری اس مرثیہ پر چاہتا ہوں مہر تمہاری
اکبر کا تصدق، یہ کہو شاہِ امم سے
ہر دم مجھے دل شاد کریں اپنے کرم سے

خیر النسا کے دفن کا اب کیا کہوں میں حال ہے دل پہ اسے دبیر ہجوم غم و ملال
رو رو کے تو یہ فاطمہؑ زہرا سے کر سوال میں ہوں غلام، ذاکرِ شبیرِ خوش خصال
دیتا ہوں واسطہ یہ شہ مشرقین کا!
یہ مرثیہ قبول ہو، صدقہ حسینؑ کا!

خاموش دبیر اب کہ ہوا بزم میں محشر یہ مرثیہ تائیدِ خدا سے ہوا بہتر
اللہ کرے، صاد کریں شاہِ شہیداں
ہر دم مری امداد کریں شاہِ شہیداں

مرزا صاحب نے اپنی شاعری کے لیے حد بندی کر لی، وہ بزمیہ شگفتگی اور دوسرے ضمنی گوشوں پر رنگ و آہنگ کی روشنی نہیں ڈالتے۔ ان کے خیال میں مرثیہ کا مقصد مجلس کو رلانا ہے، مرثیہ میں صرف عقیدت و احترام ہی کی فضا قائم رہنا چاہیے۔ موازنۂ انیس و دبیر پر پروفیسر عابد علی عابد نے اپنے گراں قدر حاشیے میں لکھا ہے:

"دبیر کی عظمت اس بات میں مضمر ہے کہ وہ شہادت کے مقدمات اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ مرثیہ نگاری کا مقصد فوت نہ ہو، سننے والوں کے دل پر دوگونہ اثر ہو، امام کی اور ان کے رفقا کی دردناک شہادت کا اور شہادت کے ذریعے ان کی جلالت و عظمت کا

دبیر کو بہر حال حسینؑ کے مقام بلند کو اجاگر کرنا ہے۔ موقف حسینؑ کی وضاحت کرنا ہے۔ جزئیۂ کربلا کے مختلف کوائف کو یوں ترتیب دینا ہے کہ خیر و شر کی آویزش میں بظاہر جہاں خیر کو شکست ہو، وہیں اس شکست کی بلندی اور جلالت بھی نظر آئے اور یہ بھی معلوم ہو کہ شکست دراصل حسینؑ کو نہیں ہو گی بلکہ شر کی اس قوت کو ہوئی جو ان کے خلاف معرکہ آرا تھی۔ اس مقصد کے حصول میں ان کوائف کا تفصیلی بیان جنہیں شبلی رزمیہ شاعری کے لوازم سمجھتا ہے، بالکل ثانوی اہمیت رکھتا ہے۔ دبیر کی مہارت فن، انسانی جذبات و احساسات کی تصویر کشی میں بوجہ احسن نظر آتی ہے" (ص ۲۲۵)

یہ بات مرزا دبیر کا نجی معاملہ قرار پاتی اگر اسے پسند عام قبول نہ کرتی مگر مستقبل نے بتایا کہ ان کا جذبۂ خلوص رنگ لایا، ان کے سینکڑوں شاگرد ہوئے ان کے مرثیے ملک بھر میں پھیلے اور وہ ایک زندہ دبستان کے بانی مانے گئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے دبستان دبیر میں اس روایت کی تفصیل پر بحث کی ہے۔

صنائع بدائع دبیر کے فکری اور عملی اقدامات کے نتیجے میں اُردو ادب کو عربی و فارسی ادب کے مقابلے میں قدیم فنی خصوصیات کا ایک کامل و مکمل مجموعہ حاصل ہوا صنائع و بدائع سے آراستہ گلدستہ، علمی روایت کا حسین آئینہ خانہ، فن معانی و بیان کا نفیس نمونہ۔ علامت (SYMBOL) اور (SYMBOLIM) سائنس و ادب کی جان ہے۔ استعارہ و تشبیہ سے زبان میں جان پڑتی ہے، کنایے اور مجاز سے شعر میں لطف اور معنویت میں زور پیدا ہوتا ہے۔ تقریر و تحریر، نظم و نثر کی ادبی حیثیت کا دار و مدار اور فصاحت و بلاغت کا انحصار انہیں علامات و استعمالات پر ہے۔ یہ صنائع ادیب کی ایک ناگزیر ضرورت ہیں۔

بنانے سنوارنے سے ہر چیز خوبصورت نظر آنے لگتی ہے، در و دیوار پر رنگ نہ ہو تو گھر بے رونق معلوم ہوتا ہے۔ تصویر پر رنگ و روغن چڑھا دیا جائے تو قیمت بڑھ جاتی ہے۔ رنگین پھول دار کپڑے اسی لیے تو پسند کیے جاتے ہیں کہ ان میں گل بوٹے اور طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ تشبیہ و استعارہ، مجاز مرسل و کنایہ، تلمیح و تضاد، حسن تعلیل و مراعاۃ النظیر، تجنیس و تناسب سے نظم و نثر کا حسن بڑھتا ہے۔ اسی لیے طلبا کو ابتدا ہی میں ان محاسن و صنائع سے آشنا کرایا جاتا ہے اور زبان کی اعلیٰ تعلیم تک اس فن کے حقائق سے باخبری کی توقع کی جاتی ہے۔ مرزا دبیر کے مرثیوں کا مطالعہ اس مقصد کے لیے بے حد مفید ہے شمس الدین فقیر کی حدائق البلاغت اور نجم الغنی کی بحر الفصاحت کے مباحث و مسائل ہمیشہ

استعمال میں رہتے ہیں، اور ان سب کا مجموعہ جس اہتمام سے مرزا دبیر نے تیار کیا ہے اور کہیں موجود نہیں ہے۔

جو علم معانی و بیاں کو سمجھے — البتہ دبیر کی زباں کو سمجھے
کیا داد بلندی سخن اس سے بھلا — یکساں جو زمیں و آسماں کو سمجھے

علم معانی و بیان کی ضروری باتیں اور مسلمانوں کے اس فلسفۂ تنقیدی کے اصول واضح کرنے کے لیے کچھ اصطلاحات اور چند اہم مسائل و مباحث کا مطالعہ ضروری ہے اس مطالعے کے بعد دبیر کی زبان سمجھنے کے علاوہ ہماری انتقادی روایت کا ایک سلسلہ بھی سامنے آئے گا۔ دبیر کی محنت و جگر کاوی آئینہ ہو گی اور دبیر کے مرثیوں میں صنائع و بدائع کی مرصع کاری دیکھنے میں لطف آئے گا۔

صنائع، صنعت کی جمع ہے، اس کا مقصد ہے لفظ یا معنی میں کاریگری دکھانا اور اس کے رنگا رنگ استعمال میں حسن پیدا کرنا — یہ حسن کبھی لفظوں میں ابھرتا ہے کبھی معنوں میں پیدا کیا جاتا ہے — لفظوں میں صنعت اور شگوفہ کاری کی چند قسمیں ملاحظہ ہوں:-

اِشتِقَاق: ایک اصل یا مادے سے مشتق الفاظ کو نظم یا نثر میں استعمال کرنا مثلاً

ناساز - ساز - جلا جل - جل - جا - بجا

آہنگ جنگ پر ہوئے آہنگ جا بجا — بغدادیوں نے نغمۂ قانوں کیے ادا
کی رومیوں نے بانگ نی و چنگ برملا — ناساز طبع شرع وہ ہر ساز کی صدا
صحرا کا سینہ شورِ دہل سے دہل گیا
میداں صدائے گرم جلاجل سے جل گیا

یا: حوریں خواص خاص تھیں، غلماں غلام تھے۔

بَراعتِ استہلال: کسی قصے اور واقعے کے بیان سے پہلے ایسے الفاظ استعمال کرنا جن سے آنے والی بات اور اس کا موضوع واضح ہو جائے۔ مثلاً حضرت مسلم کا مدینے سے کوفے میں وارد ہونا اور شہادت کے واقعے سے متعلق مرثیے کی ابتدا ہے:

کوفے میں بہار آئی جو گل گشت چمن کو — شرمانے لگا رنگ زمیں چرخ کہن کو
رگ رگ سے ملی نبضِ رواں گل کے بدن کو — لالے نے کیا کھل کے سبک لعلِ یمن کو
ہر سرو بنا شکلِ زباں شوقِ سخن میں
فوارے دُرافشاں ہوئے تعریفِ چمن میں

تجنیس: صورت میں مشابہ مگر معنوں میں مختلف الفاظ کا یک جا استعمال یہ مشابہت جب جنس میں

ہو (دونوں اسم ہوں یا فعل یا حرف ہوں) تو اُسے تجنیسِ تامِ مماثِل کہتے ہیں۔

ہر فرد کی عمر نے پڑھی فردِ خال و خط

فرد: شخص۔ فرد: حساب یا رجسٹر کا صفحہ۔

بر ہیں حمائلوں کو حمائل کئے ہوئے

تجنیسِ تامِ مماثِل: مختلف جنسوں کے الفاظ کا جمع کرنا، جیسے "پر" اسم اور "پر" حرف۔

بدلی نے ہوا گردشِ ایام کی بدلی

بدلی، (اسم) ابر (فعل) اس نے بدل دی۔

تجنیسِ تامِ مستوفی: ایک حرف ہو دوسرا اسم۔

بے پر نے مس کیا جو ہمیں بال و پر ملے
فطرس کے ذہن میں نہ یہ رستے تھے پر ملے (دبیر)

خیبر میں کیا گذر گئی روح الامین پر
کاٹے ہیں کس کی تیغِ دو پیکر نے تین پر (انیس)

تجنیسِ مرکب متشابہ: ایک جنس کے دو الفاظ کہ ایک مفرد ہو دوسرا مرکب

خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا
ہاتھ اڑ گئے گر پاؤں بچا سر کوئی سر کا (دبیر)

تجنیسِ مرکب مفروق: ایک جنس کے الفاظ میں ایک جدا جدا لکھا جائے ایک یکجا:

لکھنے کی اور پڑھنے کی ابجد سے ہے بنا
اب جد و کد ثنائے فرس میں کروں میں کیا

تجنیسِ مرفوع: الفاظ متجانس میں ایک مفرد ہو اور دوسرا لفظ کسی دوسرے کلمے کے جزو سے مرکب ہو کر تجنیس پیدا کرے۔

غل تھا کہ اب مصالحتِ جسم و جاں نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیاں نہیں (دبیر)

(برق کا قاف دم سے مل کر قدم کا متجانس ہے)

تجنیسِ خطی: دو لفظیں یا متعدد الفاظ کی ظاہری صورت ایک ہی صرف نقطوں کا فرق ہو۔ جیسے ہار، بار

ہار اس کو بہار اپنے گلے کا کرے ہر بار (دبیر)

منہ غرقِ عرق دیکھ کے خورشید ہوا تر
ابرو سے ٹپکتا ہے پڑا تیغ کا جوہر

تجنیسِ مُحَرَّف: الفاظِ متجانس ہر حیثیت سے یکساں ہوں، صرف حرکات میں فرق ہو۔ (دُہل - دَہِل)

صحرا کا سینہ شورِ دہل سے دَہل گیا (دبیر)

تجنیسِ ناقص/زائد: ایسے الفاظِ متجانس استعمال کرنا جن میں ایک حرف کم یا زیادہ ہو جیسے۔ ہار، بہار

ہار اس کو بہار اپنے گلے کا کرے ہر بار

تجنیسِ مُذَیَّل: متجانس الفاظ کے آخر میں دو حرفوں کا اضافہ ہو:

قل — قلقل — دل — دلدل

اسوار ہوا لختِ دلِ صاحبِ دُلدُل
موجود ا ہالی و موالی ہوئے بالکل

تجنیسِ مضارع: متجانس الفاظ کے بعض حروف مختلف ہوں بشرطیکہ ہوں قریب المخرج

اب مطلبِ حمزہ ہمیں فرا کر یہ سنائیے
حمزہ کی سپر پشت پہ ملا تھے لگائے

تجنیسِ لاحق: متجانس الفاظ جن کے بعض حروف مختلف اور بعید المخرج ہوں مگر اختلاف ایک حرف سے زیادہ میں نہ ہو۔ (تجمّل — تحمّل —)

عز و شرف و دبدبۂ و رعب و تجمّل
لطف و کرم و خلق و حیا صبر و تحمّل!

تجنیسِ مُکَرَّر: مذکورہ متجانس الفاظ کا مکرر لانا:

علم — الم — علمدار

کیوں شیعہ اٹھاتے ہیں علم رنج و الم سے
کیا دستِ علمدار کٹے تیغِ ستم سے

میر انیس کے مصرعے ہیں:

علی کا دبدبہ و رعب و جرأت و صولت
حسنؑ حُسن، حسینؑ حَسین کی سب شوکت

تکریر: ایک لفظ کا ایک مصرع یا شعر میں بار بار آنا۔

وہ بے کسی، وہ درد، وہ اندوہ، وہ ہراس　　قابو نہ کچھ مدد کا، نہ فریاد کے حواس
تھم جا، خدا کو مان، حبیبِ خدا کو مان　　زہرا کو مان، حضرتِ مشکل کشا کو مان

ردّ العجز: دوسرے مصرع کے آخری رکن کو عجز کہتے ہیں، عجز کے لفظ یا الفاظ کو پہلے مصرع میں لانا۔
تجنیس کی طرح اس کی بھی متعدد قسمیں ہیں۔ مرزا صاحب نے اس صنعت کو بکثرت استعمال کیا ہے، اس کی ایک بہت عمدہ مثال یہ بند ہے:

مرحب ہے، تو ہم مرحب و عنتر کے کشندہ
عنتر کے کشندے ہیں کہ اژدر کے درندہ
اژدر کے درندے، درِ خیبر کے کنندہ
خیبر کے کنندے، صفِ لشکر کے برندہ
لشکر کے برندہ ہیں کہ شمشیرِ خدا ہیں
شمشیرِ خدا ہیں سپرِ آلِ عبا ہیں

زہرا کا گھر، اخترِ صد برج شرف ہے　　یہ اخترِ صد برج شرف، درِّ نجف ہے
یہ درِّ نجف، حیدرِ صفدر کا خلف ہے　　یہ حیدرِ صفدر کا خلف، حق کی طرف ہے
یہ حق کی طرف، مثلِ رخِ قبلہ نما ہے
یہ قبلہ نما، کعبۂ تسلیم و رضا ہے

یہ کعبۂ تسلیم و رضا، فخرِ پدر ہے　　یہ فخرِ پدر، فاطمہؑ کا نورِ نظر ہے
یہ فاطمہؑ کا نورِ نظر، رشکِ قمر ہے　　یہ رشکِ قمر، درجِ امامت کا گہر ہے
یہ درجِ امامت کا گہر، جانِ نبی ہے
یہ جانِ نبی، خاصِ خدائے احدی ہے

(معاد، قطار البعیر جیسے صنائع کی مثالیں بکثرت ہیں)

ترصیع: تمام یا اکثر الفاظ دو فقروں یا دو مصرعوں میں مقابل اور متحد الوزن اور متحد القوافی ہوں:

میزانِ خدا، مفتیِ دیں، قاضیِ فردا　　سلطانِ ازل، شاہِ ابد، عروۂ وثقیٰ
خورشیدِ نجف، بدرِ حرم، رونقِ بطحا　　اقبالِ عرب، اوجِ حرم، خسروِ دنیا
بیعت کو سند ہاتھ سے، قرآں کو قلم سے
خطبے کو شرف نام سے، منبر کو قدم سے

ہے کوہِ فرازندہ جو ساکن ہو تہہ راں　　ہے ابرِ خرامندہ اگر ہو یہ خراماں
ہے جلوۂ گلزار اسے گشتِ بیاباں　　ہے قلۂ کہسار اسے تختِ سلیماں
ہے برقِ شررخیز اگر جلوہ کناں ہے
ہے ابرِ گہرریز اگر قطرہ زناں ہے

سیاق الاعداد: ایک مصرع یا چند مصرعوں میں اعداد کا ذکر کرنا۔

گر چار ہوا تیغِ دو سر سے کوئی سردار　　اس پنجتنی نے مع ہمزاد کیا چار
یہ کاٹ تو ہے تیغِ دو پیکر کے یہ عار　　لشکر کے جوانوں کو مسن کر دیا اکبار
دو حصّے سن و سال کیے اہلِ ہوس کے
چونتیس برس کے تھے، ہوئے ساٹھ برس کے

تنسیق الصفات: ایک سے زیادہ صفات کو یک جا بیان کرنا۔

گل پیرہن و گل بدن و گل رخ و گل فام　　شمشاد قد و غنچہ دہان و سمن اندام
خوش قامت و خوش رو و خوش آغاز و خوش انجام　　حسنِ چمنِ شرع، بہارِ گلِ اسلام
کس عرصے میں یہ فاطمہ کا باغ کھلا تھا
سو ظہر تلک رہ میں تہہِ خاک ملا تھا

لزوم مالایلزم: کسی قسم کی پابندی اپنے اوپر لازم کر لینا۔ مثلاً مندرجہ بند میں قافیہ کو مقید کر لیا ہے:

اس بار کے اٹھانے کو طاقت بھی چاہیے　　طاقت فقط بخیر، لیاقت بھی چاہیے
صاحب علم کو حسنِ رفاقت بھی چاہیے　　دل کو وفا، زباں کو لیاقت بھی چاہیے
ایسا ہے منتظم کوئی تیرے قیاس میں
لاکھوں سے جو لڑا ئے بہتر کو پیاس میں

غیر منقوط، بھی صنعتِ لزوم مالایلزم کی قسم ہے۔ مرزا صاحب کا مرثیہ ہے۔

مہرِ علمِ سرورِ اکرم ہوا طالع　　وہ مہر سوا، مہرِ سحر کم، ہوا طالع
ہر ماہِ مرادِ دلِ عالم ہوا طالع　　ہر گام عملدار کا ہمدم ہوا طالع
عکسِ علم و عالمِ معمور کا عالم
گہ ماہ کا، گہ مہر کا، گہ طور کا عالم

منقوط:

جب بخت بن قلین نے زینت بخشی   زینت نے تنقی تب بشفقت بخشی
تیغیں بجزِ تن، جبین شق، جی بے چین   جنت بخشی تھی نے جنت بخشی

سَجَع : ایک لفظ کے مقابل دوسری لفظ کا ہم وزن ہونا، (ترصیع میں الفاظ باہم قافیہ بھی ہوتے ہیں)

ہم قابض ارواح ہیں کفّار کی خاطر   ہم مرہم آرام ہیں وبیدار کی خاطر
ہم ضربتِ صمصام ہیں اشرار کی خاطر   ہم قوت اسلام ہیں ابرار کی خاطر

ہم پردۂ ستّاری وغفّاری رب ہیں
ہم خنجر قہاری وجبّاری رب ہیں

ذُوقافیتَین : ہر ایک مصرع میں دو قافیوں کا لانا (دو سے زیادہ قوافی ہوں تو ذوقوافی کہتے ہیں)

ہاں سرفروشو، جان لڑانا لڑائی میں   پیاسوں کے خوں کی نہر بہانا ترائی میں

تَضمِین : عربی الفاظ، یا فارسی کے جملے یا مصرعے کو نظم کرنا۔

پڑھتا تھا کوئی "فاعتبروا یا اولی الابصار"   اک سمت "توکّلت علی اللہ" کی تکرار
اک جا "فسیکفیکہم اللہ" کی گفتار   منہ سے کہیں "وجہت الی اللہ" کا اظہار

وہ مصحف ناطق کی حفاظت میں سوا تھے
گر حافظ قرآں رفقا تھے تو بجا تھے

بنتے ہی یہ قالب سوئے شبیرؑ پکارا   "انقلب علی بابک لیلا ونہارا"

صنائع معنوی

لفظوں کے استعمال کی ایک قسم تو وہ تھی جس میں لفظ اپنی ہیئت کے لحاظ سے زیر بحث ہوتی ہے، جیسے انگوٹھی پر نگینہ جڑنے کا عمل ہو، دوسری قسم اس کی معنوی حیثیت ہے، جیسے نگینے کے پہلو اور اس کی تراش، پھر اسے رخ دے کر دیکھنا۔ غالب کا ایک شعر ہے :

کیونکہ اس بت سے رکھوں جان عزیز   کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

اس کے دو پہلو ہیں: اگر اس بت سے جان عزیز رکھوں، تو وہ ایمان لے لے گا، اور ایمان مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے اس لیے میں جان قربان کر کے ایمان بچائے لیتا ہوں۔
دوسرے معنی ہیں : اس بت سے جان عزیز رکھنا عین ایمان ہے، لہٰذا میں اس سے اپنی [illegible]

یہ ایک لفظ کے انداز استعمال کا نتیجہ ہے کہ مجموعی طور پر شعر کے دو معنی نکلتے ہیں اور کسی خاص معنی کی تصریح نہیں ہوتی۔

کبھی دو چیزیں، اسم یا فعل یا حرف، جن میں تضاد یا تقابل پایا جاتا ہو انہیں یکجا بیان کرنا۔ اس صنعت کو طِباق کہتے ہیں :

ٹھنڈی ہوئی ہوا، جو یہ گرم عناں ہوا   صرصر کی سانس رک گئی جب یہ رواں ہوا
حق یہ ہے رگ و ریشہ میں ڈر بیٹھ گیا ہے   کیا پاؤں اٹھیں رن کو کہ جی بیٹھ گیا ہے

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا
پھر مشکِ شب جہان سے کافور ہو گیا

اِیہام (یعنی وہم میں ڈالنا۔ اصطلاحی طور پر : کلام میں ایسے لفظ کو استعمال کرنا جسے سن کر آدمی وہم میں پڑ جائے، کیوں کہ اس لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک قریبی معنی دوسرے بعیدی معنے۔ مثلاً نجم کے ایک معنی ہیں ستارہ، دوسرے معنی ہیں، وہ نبات جس میں ڈنڈی نہ ہو (ساگ پات)۔ قرآن مجید میں ہے :۔
"الشمس والقمر بحسبان والنجم والشجر یسجدان"، شمس و قمر کی مناسبت سے خیال ہوتا ہے قریبی معنی مراد ہوں یعنی ستارہ لیکن اصل میں مراد دوسرے معنی ہیں۔

مرزا دبیر نے لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عامر کے گھر لڑکی (زہرا) پیدا ہوئی۔ وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے قدم کے نیچے کی خاک لے گئے اور لڑکی کی آنکھوں میں سرمہ کی جگہ لگائی۔

اس خاک کا سرمہ جو دیا آنکھوں میں گھرا   ہر چشم میں اک نور کا چشمہ گیا لہرا
تھا خاک میں نورِ قدم فاطمۂ زہرا   پارا ہوا کاجل نہ کسی آنکھ میں ٹھہرا

کاجل پارہ ہو گیا ــــ اڑ گیا۔ اور پارا ہوا کاجل، یعنی تیل کے چراغ سے اٹھنے والے دھویں کو سکورے میں جمانا۔ یہاں دوسرے معنے مراد ہیں۔ اگر قریب کے معنی ایسے ہوں جس کے مناسبات کا کلام میں ذکر نہ ہو تو اسے ایہام مجرد کہتے ہیں جیسے میر انیس کا شعر ہے :

ایسا کوئی طفلی میں نمودار نہ ہو گا
ہاتھ ایسا تو جعفر کا بھی تیار نہ ہو گا

شعر سن کر، جعفر کی مناسبت سے طیار کی طرف ایہام ہوتا ہے مگر ذرا سی توجہ سے تیار سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسی طرح مرزا دبیر کے یہاں مندرجہ مصرعوں میں پرے اور آمد کی لفظ اور معنے ہیں۔

عرشی، فلکی بڑھ کے نقیبانہ پکارے   ہشیار، خبردار، پرے، دور، کنارے (پرے :

لشکر کا جتھا۔ پرے ہو، دور ہو، ہٹ جاؤ۔ یہی معنی مراد ہیں سرمہ ہے بخت کا یہ سخن، اگر دنہیں ہے آمد کے مضامین ہیں آورد نہیں ہے آمد: حضرت عباس علیہ السلام کے میدان میں آنے کا مضمون ۔ برجستہ خیالات پہلے معنے مراد نہیں ہیں۔

مُراعاتُ النّظِیر: ایہام تناسب کی قسم ہے۔ اس کا مطلب ہے "متناسب مگر غیر متضاد الفاظ جمع کرنا۔

روشن ہے قمر پر کہ علیؑ نورِ خدا ہیں　　　بندوں پہ کھلا ہے کہ علیؑ عقدہ کشا ہیں
ہر عہدے پہ سرگرم خواصیں ہوئیں آکر　　　منہ ہاتھ دھلانے لگی اک آشک بہا کر
اک جامہ سے باہر ہوئی پوشاک پہنا کر　　　اک تکیہ بر انو ہوئی مسند کو بچھا کر
آئینہ دکھا کر اسے حیران ہوئی کوئی
سرگوندھ کے بی بی کا پریشان ہوئی کوئی

عکس: کلام کے پہلے دو لفظوں کو دوسرے مصرع میں الٹ پلٹ دیں۔

انصاف کہاں سے ہو کہ دل صاف نہیں ہے　　　دل صاف کہاں سے ہو کہ انصاف نہیں ہے

رجوع: کسی بارے میں کوئی رائے ظاہر کرنا، پھر ترقی کے لیے اسے باطل قرار دینا۔

بینی کی ثنا مثل قلم زیبِ ورق ہے　　　انگشت یدِ قدرت حق کیسے تر حق ہے
ابرو کے شرف کا سر بینی پہ سبق ہے　　　یہ ناخنِ انگشتِ یدِ قدرت حق ہے
دل شیعوں کا چسپیدہ نہ کیوں اس سے سدا ہو
ممکن نہیں ناخن سے کبھی گوشت جدا ہو

خورشید جبیں کا سر بینی ہے یہ اظہار　　　خورشید یونہی نیزے پہ کل ہوگا نمودار
توبہ، کہاں نیزہ، کہاں بینی خوش اطوار　　　چشم علیؑ اکبر ہے در رحمتِ غفار
درباں کہوں ابرو کو یہاں ہیں تو بجا ہے
بینی نہیں حاجب ابرو کا عصا ہے

رو دار ہے خورشید، پہ ابرو نہیں رکھتا　　　ابرو مہِ نو رکھتا ہے یہ رو نہیں رکھتا
قد رکھتا ہے شمشاد پہ گیسو نہیں رکھتا　　　سنبل کے ہیں گیسو، قدِ دلجو نہیں رکھتا
گل گوش ہے، پر گوش سماعت نہیں رکھتا
غنچہ ہے دہن، طرز فصاحت نہیں رکھتا

تاروں کا دعویٰ کہ یہ رخ بدرِ دجیٰ ہے　　　پر بدر ہے منکر، یہ کہاں مجھ میں ضیا ہے
ذرّوں کا اشارہ ہے کہ یہ شمس ضحیٰ ہے　　　خورشید لرزتا ہے کہ یہ نورِ خدا ہے
پروانہ و بلبل ہیں جدا، بحث کا غل ہے
وہ کہتا ہے یہ شمع ہے یہ کہتی ہے گل ہے

لف و نشر: (لپیٹنا اور پھیلانا) کسی بیان میں پہلے چیزیں بیان کرنا، پھر ان کے منسوبات بیان کرنا، یہ منسوبات اگر نمبروار ہوں تو "لف و نشر مرتب" ہے، ورنہ "غیر مرتب"۔

یاں بخت، وہاں عمر، ادھر عقل ادھر ہوش　　　خوابیدہ و برباد و پراگندہ و روپوش
یاں ناطقہ، واں حافظہ، خاموش و فراموش　　　بے نور ادھر چشم تو بے بہرہ اُدھر گوش
واں شیرِ فلک جھکتا ہے تسلیم کی خاطر
یاں گاؤ زمیں اٹھتی ہے تعظیم کی خاطر

دو نیزے، دو رہوار، دو شمشیریں، دو صفدر
دو شمعیں، دو پروانے، دو دریا، دو شناور
دو بجلیاں، دو صاعقے، دو موجیں، دو کوثر
دو ابر تھے، دو رعد، دو باراں تھے، دو اختر
دو سرو، دو گلشن، دو مہِ نو، دو فلک تھے
دو سانپ، دو طاؤس، دو شاہیں، دو ملک تھے

جمع: ایک عبارت، مصرع یا چند مصرعوں میں چند چیزوں کا باہم ملانا۔

نقاش و نقش و کاتب و خط، بانی و بنا　　　بزرگ و خورد، ذات و صفت، ہستی و فنا
آدم، ملک، زمین، فلک، گرد، کیمیا　　　دنیا [illegible]، حدوث و قدم، بندہ و خدا
سب شاہدِ کمالِ شہِ مشرقین ہیں
جب تک خدا کا ملک ہے، مالک حسینؑ ہیں

سو[illegible] کو چھپاتا ہے گہن، آئینہ کو زنگ　　　داغی ہے قمر، سوختہ دل لالۂ خوش رنگ
دیکھو گل و غنچہ وہ پریشان ہے یہ دل تنگ　　　کیا اصل دُر و لعل کی، وہ پانی ہے یہ سنگ
اس چہرے کو داور نے لاریب بنایا
بے عیب تھا خود، نقش بھی بے عیب بنایا

دنیا بھر کی نفیس چیزوں میں عیب ہے مگر ممدوح کے رخ انور میں کوئی عیب نہیں ہے اس کے لیے اعلٰی درجے کی چیزوں کے نام جمع کیے ہیں۔ اسی بات کو بالکل دوسرے رنگ میں یوں لکھا ہے

شمع و چراغ و آئینہ و صبح و آفتاب　　باغ و بہار، یاسمن و لالہ و گلاب
ناہید و بدر، مشتری و قطب و ماہتاب　　آبِ حیات، لعلِ بدخشاں، درِ خوش آب
یوسفؑ، اور ان کے سارے خریدار اک طرف
سب اک طرف، یہ روئے ضیا بار اک طرف

اور حضرت عباسؑ کی مدح میں یہ بند:

ہر کلیہ میں جزو یہ ہیں، چیدۂ تقدیر　　مردوں میں علیؑ، تیغوں میں کرار کی شمشیر
فرقاں کتابوں میں، اور ارکان میں تکبیر　　عباس علم داروں میں، سرداروں میں شبیرؑ
سقائے حرم سا کوئی سقا نہیں دیکھا!
اور ایسا علم دار بھی حقا نہیں دیکھا!

شبیرؑ کے بازو بھی ہیں اور زورِ کمر بھی　　رشتے میں برادر بھی ہیں، الفت میں پسر بھی
خادم بھی، مصاحب بھی، دل و جاں بھی جگر بھی　　اللہ کی شمشیر، شہ دیں کی سپر بھی
ثابت یہ ہوا رن میں جو تیروں سے چھنے ہیں
شبیرؑ کی خاطر زرہِ حفظ بنے ہیں

تفریق: کسی صفت میں دوسری چیز میں اشتراک کے باوجود کسی فرق کو واضح کرنا۔

آئینہ کے آئین پہ میں نے جو کیا غور　　منہ پر تو ہے کچھ اور، پس پشت ہے کچھ اور
گو چرخ کی گردش سے نہ ہو صاف کبھی دور　　پر حاضر و غائب دلِ روشن کا ہے اک طور
جن آئینوں میں دونوں طرف ایک چمک ہے
وہ ایک مرا دل ہے، اور اک مہرِ فلک ہے

یاقوت اور لبِ حضرتِ عباسؑ میں تفریق۔

شیریں رقموں میں رقم اس لب کی جدا ہے　　اک نے شکر اور ایک نے یاقوت لکھا ہے
یاقوت کا لکھنا مگر انسب ہے بجا ہے　　یاقوت سے بڑھ کر جو لکھوں میں تو مزا ہے
چوما ہے یہ لب مثلِ رطب حق کے ولی نے
یاقوت کا بوسہ لیا، کس روز علیؑ نے؟

تقسیم: ایک چیز کے چند اجزا، یا چند چیزوں کا ایک ساتھ ذکر اور ہر جزو کے متعلقات کو الگ الگ بیان کرنا۔ لف و نشر میں ہر چیز کے منسوب کو سننے والا معین کرتا ہے اور تقسیم میں لوٹنے والا لکھنے والا معین کرتا ہے:

پابندیِ طاعت پہ ہے اس مشغلے کو فوق　　سجادؑ کے ماتم میں پہنتا ہے کوئی طوق
دُلدُل کے بنانے کا کسی شخص کو ہے ذوق　　عباسؑ کا سقا کوئی بنتا ہے بصد شوق
لیتا ہے کوئی تعزیہ، زہراؑ کے خلف کا
تابوت اٹھاتا ہے کوئی شاہِ نجف کا

تابوت اٹھانے کا صلہ، قبر کی راحت　　دُلدُل کے بنانے کی جزا، ناقۂ جنت
سقائی کے انعام میں کوثر کی حکومت　　دولت ہے جو سب تعزیہ داروں کی بدولت
ماتمؑ کے لیے طوق جنھوں نے پہن رکھا ہے
وہ طوق حسن دائرۂ حفظِ خدا ہے

حسنِ تعلیل: کسی صفت یا کسی دعوے کی شاعرانہ علت بیان کرنا، ایسی دلیل دینا جو واقعی دلیل تو نہ ہو مگر شاعرانہ جدت و نزاکت کی وجہ سے دعویٰ ثابت ہو جائے۔

چاروں طرف تھا لشکرِ ہجومِ سپاہِ شام　　گویا سیاہ پوش تھا آبِ رواں تمام
ماتم یہ تھا کہ مالکِ کوثر رہے تشنہ کام　　بالکل الٹ دیئے تھے حبابوں نے اپنے جام
دریا جو دور پیاس میں تھا شہ کی فوج سے
منہ پر طمانچے مارتا تھا دستِ موج سے

اگر اس قسم کے استدلال میں منطق و حدیث جیسے دلائل لائے جائیں تو مذہب کلامی ہے اور اگر قرآن و سنت و عقل ہو تو مذہبِ فقہی۔

تاکید المدح بمایشبہ الذم: اس انداز سے تعریف کرنا کہ بظاہر مذمت نظر آئے:

بے مہریِ افلاک سے کیوں خاک بسر ہوں
ہاں عیب بڑا یہ ہے کہ میں آلِ عمر ہوں

کبھی مدح اس انداز سے کی جاتی ہے کہ ایک صفت سے دوسری صفت نمایاں ہوتی ہے اسے "استتباع" کہتے ہیں۔

مبالغہ: تعریف یا مذمت میں اس حد تک آگے جانا کہ سننے والا گمان کرے کہ اس سے بڑھ کر

اب کوئی درجہ باقی نہیں۔ اگر یہ مبالغہ عقل و عادت کے نزدیک ممکن ہو تو ـ تبلیغ ـ ہے۔ اور اگر وہ حدِ عقل میں تو آتی ہے مگر روزمرہ میں ناممکن ہو تو ـ اغراق ـ ہے۔ اور ـ غلو ـ کے معنی ہیں عقل و عادت روزمرہ کے خلاف مبالغہ ـ مبالغہ شاعری کی جان ہے مگر اس سلسلے میں شاعر اور سامع دونوں کے ذوق کا معتدل ہونا ضروری ہے ۔

حضرت زینبؑ کے صاحب زادوں کی ہیبت و رعب کا یہ عالم ہے :

دریا میں موج موج تلاطم ہے آشکار مچھلی ہے زیرِ آب، مگر جاں ہے بے قرار
بے ساختہ نہنگ اچھلتے ہیں بار بار موتی ہیں آب آب، صدف ہے جگر فگار
اندھیر دیکھ کر یہ خضر، کائنات میں
چھپ بیٹھے جا کے ظلمتِ آبِ حیات میں

اسپ امام حسین علیہ السلام کی تعریف میں یہ بند :

چلنے میں یہ شمشیر ہے، چلنے میں ہے یہ تیر لڑنے میں یہ تقدیر، بگڑنے میں ہے تدبیر
چھپنے میں ہے یہ خواب، عیاں ہونے میں تعبیر جانے میں رسولوں کی دعا، آنے میں تاثیر
مضموں ہیں بہت، پر کوئی دل چسپ نہیں ہے
اسرار ہے، اعجاز ہے یہ، اسپ نہیں ہے

تجرید : مبالغے کی قسم ہے، یہ صنعت خود بھی پہلو در پہلو اور شاخ در شاخ ہے۔ مجموعی طور پر کسی موصوف سے مبالغے کے طور پر دوسرے موصوف کے لیے دوسری صفت بیان کی جائے، مثلاً شاعر اپنی ذات کو غیر فرض کر کے باتیں کرے :

آغاز ترا خاک تھا، ہے خاک ہی انجام دیکھ اپنی بدی خوب، بد و نیک سے کیا کام
گر مہر نہیں دل پہ، تو نخوت کا نہ لے نام نازاں نہ ہو دنیا پہ، نہ کر شکوۂ ایام
ارشاد کیا طور پہ موسےٰؑ سے خدا نے
اچھا وہ ہے، جو سب سے برا آپ کو جانے

تعارفِ متن

مرزا دبیر مرحوم کے مرثیوں کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے منشی نول کشور نے ان کی یکجا اشاعت کا منصوبہ بنایا، اور بصد ہزار دقت کامیاب ہوئے۔ اس مجموعے کے خاتمے میں تحریر ہے:

زمانے کو ہمیشہ اس بات کی حسرت رہی کہ میر انیس اور مرزا دبیر کا تمام کلام یکجا دیکھیں، طبع ہونا تو درکنار یوں بھی کسی کو نہ ملتا تھا پس یہ آرزو کیونکر حاصل ہو سکتی۔ اس واسطے کہ ہزاروں روپے صرف کرنے پر بھی ایسی امید کا بر آنا محال تھا، یہ دونوں شاعر جو مرثیہ گوئی میں بے نظیر تھے۔ ان کا ایک ایک مرثیہ گوہر شاہوار تھا، لطف یہ ہے کہ باوصف اس بات کے یہ نامی شاعر ہمیشہ اپنے کلام کو پوشیدہ کرتے تھے۔ تاہم جہاں میں وہ شہرت پائی کہ شاید اپنے زمانے میں انوری اور خاقانی کو بھی نصیب نہ ہوئی ہو گی، اللہ اللہ، یہ متاخرین کے افتخار اسی زمانے میں گذرے جن کا مثل نہ پیدا ہوا نہ پیدا ہوگا۔

مرزا دبیر کی فصاحت، بلاغت اور سخن سنجی کا بیان کرنا ایسا ہے جیسا کوئی سحبانِ وائل کا ذکر کرے اور یہ کہے کہ وہ کس کا شاگرد تھا، اور کیسا فصیح اللسان گذرا، گویا ایک فعل عبث ہے۔ مگر ہاں، یادگار زمانہ کے لیے اتنا لکھ دینا کافی ہوگا کہ

حضرت مرزا دبیر علاوہ مرثیہ گوئے زبانِ اُردو کے علم و فضل میں بھی پایگاہ عالی رکھتے تھے، اور بہت بڑے مرتاض اور عابد و پرہیزگار تھے۔ مخیّر ایسے بڑے کہ مدت العمر میں لاکھوں روپیہ پیدا کیا مگر روپے کو خذف ریزے سے بدتر سمجھا، ایسے شخص کو اگر اپنے وقت کا حاتم کہتے تو سزاوار تھا، اکثر اوقات جب کچھ روپیہ پاس نہ ہوتا تھا تو نقد کلام یا گھر کے برتن تک سائل کی نذر کرتے، یہ ایک مشہور بات ہے کہ ایک سائل جس کو حضرت دبیر نے اپنا مرثیہ عطا کیا (وہ حیدر آباد دکن لے گیا اور وہاں ایک ہزار روپے کو بیچ دیا۔ خلاصہ یہ کہ کبھی سوال سائل کا رد نہ کرتے تھے ہمیشہ توکل پر گذران تھی۔ اکثر شاگرد آپ کے ازراہ دل سوزی کبھی کبھی گستاخ ہو کر اگر عرض بھی کرتے کہ آپ اولاد کا حق تو رکھا کیجیے تو فرماتے کہ "بھئی، خدا مالک ہے"۔ غرض کہ ایک ہی مخیّر و متوکل تھے۔ اس برگزیدہ شاعر نے ۷۲ برس کے سن میں بعارضہ اختلاج قلب و امراض کبد وغیرہ محرم الحرام کی ۲۹ تاریخ منگل کے دن وفات پائی تھی۔

چونکہ کلام فصاحت نظام اس بلبل ہندوستان کا ایک زمانہ مشتاق تھا اس واسطے جناب مالک

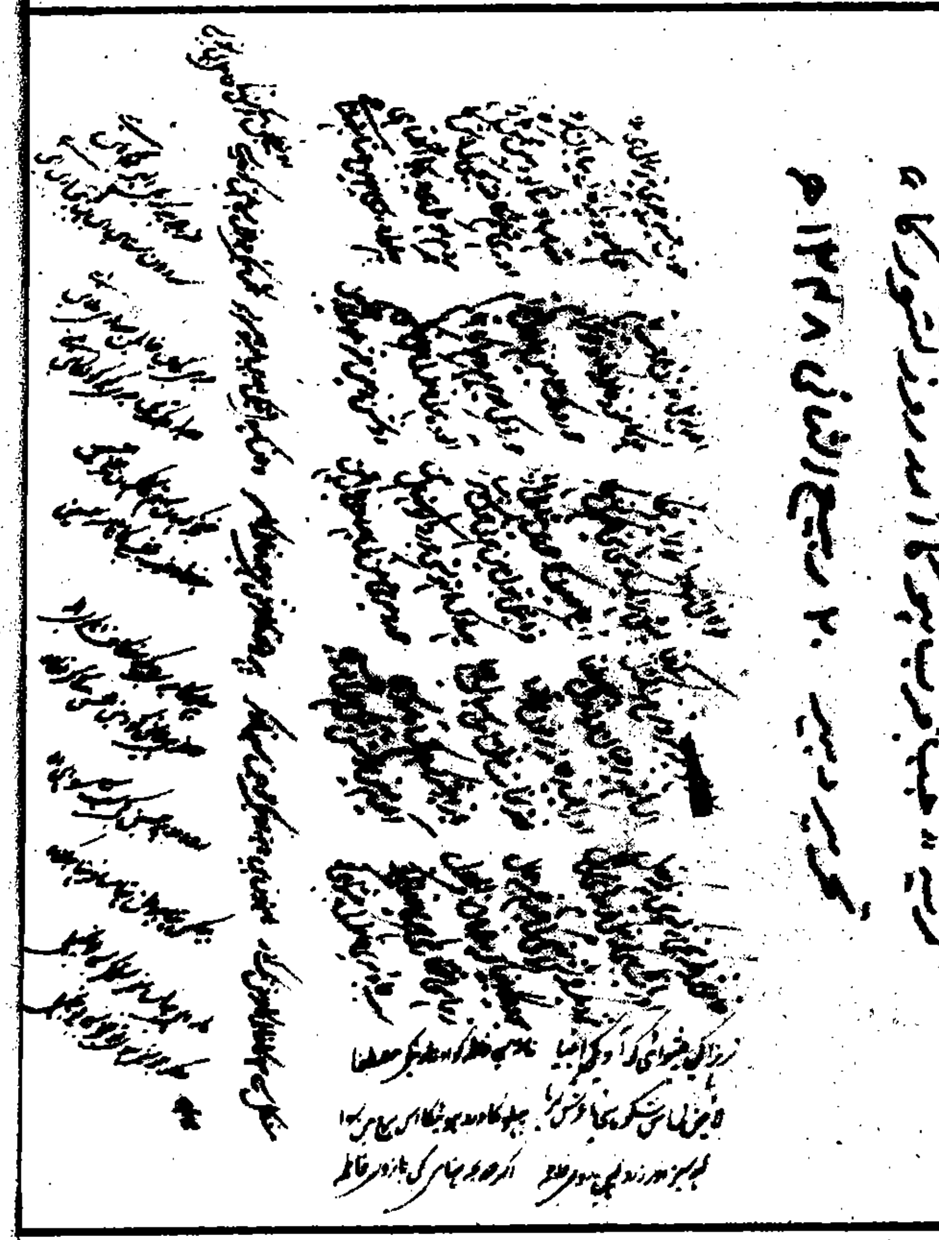

مطبع اودھ اخبار نے چاہا کہ جس طرح ہو سکے اس کو طبع کیجیے۔ چنانچہ جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوجؔ تخلص فرزند حضرت دبیر مرحوم سے استدعا کی، مرزا صاحب موصوف نے جس قدر مسودے تمام مرثیوں کے بہم پہنچے سب عنایت کیئے۔ پھر یہاں کیا دیر تھی فی الفور مجموعۂ مرثیہ ہائے مرزا دبیر طبع ہونا شروع ہوا۔

چونکہ یہ مرثیے مرزا اوج صاحب کے عنایت کیے ہوئے ہیں اس واسطے یقین ہے کہ صحیح اور بلا تصرف ہوں گے، اس میں کلام نہیں کہ مرزا اوج صاحب نے اس خصوص میں نہایت فیاض چشمی کو کام فرمایا اور حفظ وصیت کیا۔ کیونکہ کوئی کلام بدون طبع ہونے کے کامل طور پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اس کلام معجز نظام کی کیا تعریف ہو سکے، انصاف یہ ہے کہ اگر شاعری پیغمبری ہوتی اور اس کا اُردو زبان کی فصاحت پر انحصار و دار و مدار ہوتا تو مرزا دبیر ہی کا حق تھا۔ ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں۔

یہ مجموعہ جلد اول کی شکل میں ماہ دسمبر ۱۸۷۵ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ یعنی مرزا صاحب کی وفات کے دس ماہ بعد۔ دوسری جلد بھی اس کے فوراً بعد چھپی لیکن لوگ مطمئن نہ ہوئے، اور دس برس بعد دفتر ماتم کے نام سے کم و بیش تین سو ساٹھ مرثیوں کا مجموعہ منظر عام پر آیا، اس مجموعے کے مرثیے بھی مرزا محمد جعفر صاحب اوج نے دیئے تھے۔ منشی نول کشور اور سید عبدالحسین کے شائع کردہ مرثیوں میں بے حد اختلافات اور حسن مرزا صاحب کے "مقابلہ و تصحیح" کے بعد بھی اغلاط کا شمار ممکن نہیں تھا، اس بنا پر جناب سرفراز حسین صاحب خبیر نے کمر ہمت باندھی اور "سبع مثانی" کے نام سے ایک عمدہ متن تیار کیا، اہل نظر جانتے ہیں کہ اس مجموعے کے کسی مرثیے میں متن کی حیثیت اور قلمی نسخوں کی قدر و اہمیت واضح نہیں کی گئی تھی۔ ان تینوں مجموعوں کی اشاعت اور مذکورہ اول دفتروں کی بار بار طباعت ہوتی رہی۔ لیکن جدید اسلوب پر تحقیق متن کا خواب شرمندۂ تعبیر رہا، میں نے مرزا غالب اور خواجہ آتش اور میر انیس کے کلام کی تحقیق و تدوین کے وقت یہ خیال کیا تھا کہ اگر موقع ملا تو دبیر صدی کے موقع پر مرزا صاحب کے مرثیوں کا ایک متن تیار کروں گا۔

خدا کا شکر ہے کہ میرے کتب خانے میں مرزا صاحب کے پچیس قلمی مرثیے موجود ہیں، جس میں سے سات مرثیے نہایت اہم اور قدیم ہیں، اتفاقاً دبیر کی صدی ایسے زمانے میں آئی کہ ملک میں سیلاب و بارش اور دوسرے حالات نے اطمینان عنقا کر دیا، اور اتنے بڑے کام کی اشاعت ناممکن ہو گئی۔

خدا کا شکر ہے کہ جناب مستطاب سید بابر علی شاہ صاحب مدظلہ نے اپنے ذوق سرشار اور جذبۂ ادب پروری کے طور پر مرزا صاحب کے ایک خوبصورت مجموعے کی اشاعت پر توجہ فرمائی۔ اور یہ کام میرے ذمے لگایا گیا ۔۔ میں نے لاہور کے گھر گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، راولپنڈی کے چکر لگائے، اور کہاں کہاں گیا، کس کس سے ملا، مگر نہ دفتر ماتم، نہ نول کشور کا ایڈیشن نہ سبع مثانی کا نسخہ ۔۔ مجلس ترقی ادب لاہور کے

ڈائرکٹر جناب احمد ندیم قاسمی نے نول کشور کا پہلا ایڈیشن اور جناب بعض احباب نے نول کشور ایڈیشن کی جلد اول طبع ۱۸۹۰ء اور جلد دوم طبع سوم عطا فرمائی، اس کے علاوہ بہت سے نادر قلمی مرثیے بفراخ حوصلگی مرحمت فرمائے۔ کراچی میں صرف جناب نسیم امروہوی مدظلہ نے خاص توجہ فرمائی اور "ترقی اُردو بورڈ" کی لائبریری سے "دفتر ماتم" کی تیرہ جلدیں بلا تکلف میرے سامنے رکھوا دیں، پھر ان کے مطلوبہ عکس مرحمت فرمائے۔ محبی ضمیر اختر، عزیزی کاظم علی خاں، گرامی قدر ڈاکٹر قمقام حسین صاحب جعفری جناب ڈاکٹر صفدر حسین صاحب اور مشتاق حسین رضوی نے میری کمک کی اور مطلوبہ مرثیوں کے حوالے فراہم کیے۔ ان سب کا شکر، استاد گرامی جناب ضیاء الحسن صاحب موسوی نے توسط ضمیر اختر صاحب مرثیہ نمبر ۷ کا نادر مخطوطہ مرحمت فرمایا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

جواہر دبیر، مرزا صاحب کے چودہ نمایندہ مرثیوں کا مجموعہ ہے۔ جن کے قلمی نسخوں کی ترتیب یہ ہے

حدود ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء مرثیہ نمبر ۱۴
۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء مرثیہ نمبر ۱۳
حدود ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء مرثیہ نمبر ۶
۱۲۶۶ھ/ ۱۸۵۰ء مرثیہ نمبر ۹
۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء مرثیہ نمبر ۲
حدود ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء مرثیہ نمبر ۱۹
۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء مرثیہ نمبر ۱۲
۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء مرثیہ نمبر ۷
حدود ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء مرثیہ نمبر ۱۰

ان قلمی نسخوں کی تفصیل مطبوعہ متن کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں جہاں ہر مرثیے کے ساتھ مطبوعہ نسخوں کا مقابلہ و اختلاف قلم بند کیا گیا ہے۔

پانچ مرثیے ایسے ہیں جن کی بنیاد مطبوعہ نسخوں پر ہے۔ اور قلمی نسخے نہ ہونے کے برابر ملے۔

۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء نسخۂ نول کشور
۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء نسخۂ نول کشور
۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء نسخۂ نول کشور
۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء دفتر ماتم
۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء دفتر ماتم

مرثیہ پر نظر

مرزا صاحب نے یہ مرثیہ بڑی فنی لطافتوں سے آراستہ کیا ہے، آرائشِ فن کی نمود کے کئی رخ ہیں۔ مثلاً چہرے کے بارہ بند ہیں۔ پہلے دو بند لعل، موتی جیسے جواہرات کے خزانوں کے تذکرے سے مالا مال ہیں، تیسرا چوتھا بند بادشاہ، شاہی سواری اور اس کے حسن کا تجریدی خاکہ پیش کرتا ہے پانچواں چھٹا بند فوج کی بھرتی، جنگ کی تیاری کا عکس سامنے لاتا ہے۔ ساتویں، آٹھویں بند میں جنگ و معرکہ کی کیفیت کے استعارے ہیں۔ اس کے بعد تین بند بزمیہ ہیں اور بے حد سادہ و دل کش ؛

وہ حسن، وہ سبزے کا نیا فرش لبِ نہر تھا صحنِ گلستاں کہ حسینوں کا بسا شہر
وہ حسنِ زمیں جس پہ شجر کھائے ہوئے زہر وہ جوشِ گلوں کا وہ بہارِ چمنِ دہر
پیدا نہ زمیں تھی نہ کہیں چرخ عیاں تھا
سبزے میں یہ پنہاں تھی، شفق میں وہ نہاں تھا

وہ مشک بہ دوش ابر کا ہر باغ میں آنا وہ نہرِ چمن کا کہیں آنا کہیں جانا!
قمری کا اُدھر سرو کے منبر پہ ترانا بلبل کا اِدھر مصحفِ گل پڑھ کے سنانا
کس رنگ کا مضمونِ ضیا بار لکھا ہے
قدرت کے قلم نے خطِ گلزار لکھا ہے

ہے طبع کو فوّاروں کی مدحت میں روانی فوّارہ صنعت جوش میں ہے موجِ معانی
کرتے ہیں یہ بالائے فلک قطرہ فشانی ہاں، گلشنِ انجم کو دیا کرتے ہیں پانی
پستی سے بلندی کی طرف رخ ہے یہ کیا ہے
پانی بھی گلستاں کے تماشے کو کھڑا ہے

پورا مرثیہ اسی زبان میں اور روانی میں لکھا۔ ایک مسلسل واقعہ اور واقعہ کا ایک کردار کو سامنے رکھا ہے تفصیلی تجزیہ کا موقع نہیں، قاری اپنے ذوق و نظر کے مطابق خود لطف حاصل کریں گے، مختصر طور پر یہ بتانا ضروری ہے کہ یزید کی تخت نشینی کے بعد ایک طویل آمرانہ حکومت کا دور ختم ہوا، اور نیا بادشاہ اپنی عیاشی و بد قماشی، بے دینی و بے اخلاقی میں مشہور تھا، اس کی شاہی کا اعلان ہوتے ہی ممالک اسلامیہ میں عوام کو دینی اقدار کے پامال ہونے کا خیال ستانے لگا سب کو یقین تھا کہ امام حسین السلام اس وقت امام زمانہ ہیں، سب کی نگاہیں حضرت کی طرف تھیں، یزید اس نکتے کو جانتا تھا، اس نے سب سے پہلے

مدینے کوتا کا، مدینہ میں امام کو بیعت کے بلوایا گیا، امام نے بیعت سے انکار کر دیا، یزید کے سامنے دینی احترامات بے معنی تھے اس کا منصوبہ تھا کہ امام حکم نہ مانیں تو انھیں قتل کروا دے، اگر مدینہ ان کا احترام کرے تو مدینہ کیا مکے کو بھی مسمار کر دینا چاہیئے۔ امام کو معلوم تھا وہ اس منصوبے کو سمجھتے تھے لہٰذا وہ مدینے کو بصد احترام چھوڑ کر مکے چلے گئے، یہ ہجرت سب کے لیے ایک لمحۂ فکر یہ تھی اور اس کے دوررس نتائج نکلے، مکہ و مدینہ کے بعد کوفہ تیسرا شہر تھا جس نے طویل عرصے تک امام حسین علیہ السلام کو دیکھا تھا یہاں کے خواص و عوام کو امام حسین کی مشکل کشائی اور ہدایت و رہنمائی کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی، یہاں کے معزز حضرات نے امام کو طلبی کے خط لکھے اور دیکھتے دیکھتے یہ رجحان بڑھتا گیا۔

سامراجی نظام اور فسطائی طاقتیں عوام کے مطالبوں کو برداشت نہیں کیا کرتیں، یہ دینی نظام میں دین کا نعرہ قابل برداشت نہیں ہوتا، دسیسہ کاری کے یزیدی نظریات بھی کسی ایسے خیال کو سر اٹھاتے نہ دیکھ سکے حکومت کے آدمی عوام میں گھس گئے اور عوام کے لہجے میں عوام کے ساتھ شریک ہو گئے، جہاں مخلص خط لکھ رہے تھے وہاں بہانہ جو خط لکھنے والوں نے بڑی بھاری تعداد میں محبت نامے بھیج کر اول الذکر گروہ میں اپنا نام لکھوا لیا۔ امام حسینؑ تقریباً نصف صدی سے اسلام دشمن طاقتوں کے تیور دیکھ رہے تھے، انہوں نے ۳۵ھ میں مدینہ اور اس کے سال بھر بعد مکے والوں کے حالات اور ۶۰ھ تک حکومتوں کا سلوک دیکھا، ان کی دینی ذمہ داری قربانی کا تقاضا کر رہی تھی، یہ قربانی مدینہ میں پیش کی جاتی یا مکہ میں؟ ایک اہم سوال تھا، تاریخ کا فیصلہ تھا کہ امام کی یہ قربانی اسلام کے مرکزوں میں مقامی بلوہ بنا کر آپس کی جنگ قرار دی جاتی اور امام علیہ السلام حرمین کی بے حرمتی کے الزام میں ملوث کیے جاتے پھر دشمن اپنے پرانے بزرگوں کے خون کا بدلہ اسی شہر میں لے کر بات کا رخ موڑنے میں کامیاب ہو جاتے، اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا درس دیا تھا۔ اسی تعلیم کا اعادہ حضرت علی علیہ السلام فرما چکے تھے، امام حسین علیہ السلام اپنے نانا کی سنت اور اپنے بابا کے دستور کے مطابق مدینے سے مکہ مکرمہ اور مکے سے کوفہ کے سفر کو تیار ہوئے، وہ لوگوں کو مزید روشنی مہیا کرنا چاہتے تھے لہذا آپ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بطور نائب و مبصر کوفے روانہ کیا، جناب مسلم مکے سے چلے تو راستے میں پانی کی نایابی اور راستے کے پیچ میں پڑ کر آپ کے دو ہمراہی جاں بحق ہو گئے جناب مسلمؑ نے مضیق نامی چشمے پر پہنچ کر امام کو واقعہ کی خبر دی پھر مضیق سے کوفے روانہ ہو کر منزل پہ سفر ختم کیا۔

اہل کوفہ، جناب مسلمؑ کی آمد سے بہت خوش ہوئے، لوگوں نے جوق در جوق بیعت کی ان لوگوں میں سرکاری پارٹی کے افراد بھی گھس گئے۔ مختار بن عبید نے ان لوگوں کا سد باب کرنے میں بڑی کوشش

کی، وہ مخلص اور مقبول خاص و عام شخصیت کے مالک تھے، یزید نے کوفے کے حالات سن کر عبید اللہ ابن زیاد کو بہت سخت ہدایات کر کے کوفہ کا گورنر مقرر کیا، ابن زیاد نے شہر میں داخلہ کے لیے ایک عیاری کی اس نے شہریوں کو تاثر دیا کہ جیسے امام حسینؑ آگئے اس تدبیر سے کوفے والوں کی نفسیاتی حالت اور حکومت کی سیاسی حیثیت سمجھنے میں مدد لے کر گورنر ہاؤس (دار الامارہ) میں داخل ہوا۔ اس کے بعد اس نے انتہائی سخت رویہ اختیار کر کے امام کے حامیوں کو کچل دیا۔ لیکن شہر کے ایک عرب سردار ہانی بن عروہ کی قوت آڑے آئی اور جناب مسلم ہانی کے گھر میں روپوش کر دیے گئے۔ ابن زیاد نے جاسوسوں کے ذریعے سراغ لگا لیا، مختار پہلے گرفتار ہو چکے تھے، اب ہانی کی باری آئی اور انہیں ہزاروں حامیوں کے باوجود دربار کے خفیہ اجتماع میں ہلاک کر دیا گیا۔ ہانی کے بعد اہل کوفہ یا قید تھے یا جلاوطن باقی لوگ خوفزدہ ہونے کی بنا پر جناب مسلم کی امداد سے پہلوتہی کرنے لگے۔

ایک دن حضرت مسلم کوفے کی ایک گلی سے گذر رہے تھے، سناٹے کا عالم غروب آفتاب کا وقت، آپ تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے قریب ہی دروازہ پر طوعہ نامی ایک خاتون نے مسافر کو دیکھ کر نام پتہ پوچھا پانی پلایا اور یہ سن کر کہ ان کا نام مسلم ہے گھر کا دروازہ کھولا اور نائب امام کو گھر میں مہمان کر لیا، رات کو یہ خبر ابن زیادہ کو مل گئی صبح سویرے حکومت کی فوج نے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک آدمی کے لیے بھاری فوج اور بہت بڑی نفری عوام کو ہراساں کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی، لیکن جب حضرت مسلم ان سے مقابلے کے لیے نکلے تو معلوم ہوا کہ ابو طالب کا پوتا خاندانی شجاعت کے علاوہ ایمانی طاقت کا ایسا مالک ہے جس کے سامنے چھوٹے موٹے لشکر نہیں ٹھہر سکتے، فوج اور بہادروں کے مزید دستے آئے اور ایک فریب کارانہ چال کے بعد جناب مسلم زخموں سے چور، ضعف سے نڈھال عالم میں گرفتار کر کے دربار میں پیش کیے گئے، پھر گورنر ہاؤس کی چھت سے قتل کر کے زمین پر گرا دیئے گئے، مرزا دبیر نے یہ واقعہ اپنے پیرائے میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔

مرثیہ کے اس واقعاتی پس منظر میں جناب مسلم کی حق پرستی، اصول جان قربان کر دینے کا جذبہ، اسلام کے لیے دلیرانہ جنگ، دشمن سے بھرپور مقابلہ، قوم کو ایک درس ہے، ساتھیوں کی کمی سے گھبرا جانا، بدلے ہوئے حالات میں خود کو بدل لینا اسلام کو چھوڑ کر دشمنانِ دین سے مفاہمت کے امکانات کی نفی جس شان سے اس کردار میں ملتی ہے اس پر پوری نظر رکھنا چاہیئے مرزا دبیر نے اسی نکتے کو اجاگر کیا ہے، دبیر کے ایک اور تنہا ایک کردار کو سامنے رکھ کر یہ درسِ عام دینا چاہا ہے کہ مقصد اعلےٰ اور دینِ اسلام کے لیے ہماری تاریخ میں ایسے داعیانِ حق گذرے ہیں ایسے حامیان دین موجود ہیں جو

مر کے بھی زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں۔

مرثیے میں آمد، سراپا، رجز، تلوار، گھوڑا اور جنگ، یعنی مرثیے کے اکثر اجزا کو لاتے ہیں انتہائی ذہانت اور بہت زیادہ بلند فکری کا اظہار کرتا ہے۔ بحیثیت مجموعی، جرأت و بسالت، راہ اسلام میں شہادت حاصل کرنے کا ڈھنگ اور دعوتِ دین کے لیے موت کی راہ سے گذر کر پیغام کو عام کرنے کا منصوبہ دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ مرثیہ روتے والوں کے لیے ذریعۂ حصول ثواب ہونے کے ساتھ ساتھ جواں ہمتی، بلند نگاہی، اسلام کی خاطر دلیرانہ جنگ کا سبق ہے۔

ایک سو انسٹھ بند ہیں جن میں ۱۳۰ رزم و حماسہ دلیری و بلند کردار پر ہیں اور ۲۸ بند المیہ، بکائیہ اور بینیہ ہیں۔ اس لیے ادب اور جوان نسل کے لیے ادب برائے زندگی کا یہ نفیس تحفہ توجہ طلب ہے ہمارے سامنے اس مرثیے کی دو روایتیں تھیں ایک مرزا محمد جعفر اوج کا مہیا کردہ مرثیہ اور ایک سرفراز حسین خبیر کا شائع کردہ متن "سبع مثانی" میں ایک سو چوالیس اور متن دفتر ماتم جلد ششم (مطبوعہ، مطبع جعفری لکھنؤ، سنہ ندارد) میں ایک انسٹھ بند ہیں ہم نے دونوں روایتوں کو یکجا کر کے ایک سو انسٹھ بند متن میں، باقی اختلافات حاشیہ اور تعلیقات میں درج کر دیے ہیں۔

مرثیہ:

کوفے میں بہار آئی جو گلگشت چمن کو

۱۵۹ بند

درحال مسلم

۱ کوفے میں بہار آئی جو گل گشت چمن کو   شرمانے لگا رنگِ زمیں چرخ کہن کو
رگ رگ سے ملی نبضِ رواں گل کے بدن کو   لالے نے کیا کھل کے سبک لعلِ یمن کو
ہر سرو بنا شکلِ زبان شوقِ سخن میں
فوارے دُر افشاں ہوئے تعریفِ چمن میں

۲ وہ موسمِ گل رنگ پہ کوفے کے چمن میں   شبنم تھی کہ تھے موتیوں کے ڈھیر عدن میں
دنداں نظر آنے لگے غنچے کے دہن میں   بلبل کی طرح جان پڑی گل کے بدن میں
پر بلبلِ بستانِ نجف مرثیہ خواں تھا
زہراؑ کا چمن فصلِ بہاری میں خزاں تھا

۳ سلطانِ بہاری نے تجمّل[۱] جو دکھایا   ابر آ گئے نقارہ سلامی کا بجایا
ہر برگ سے گل دستِ ادب باندھ کے آیا   رومال شگوفے نے غلامانہ ہلایا
بیتاب نے بوسہ دیا جو گل کی جبیں پر
تسبیح گری زاہدِ شبنم کی زمیں پر

۴ گلشن میں ہوا تخت نشیں شاہِ بہاری   پوشاکِ مرصّع[۲] تنِ رنگیں پہ سنواری
فرمان کیا نہر کے جاسوس پہ جاری   لا بڑھ کے خبر جا کہیں کس کو ہماری
قبضے میں وہ ملک آئے جو محکوم خزاں ہو
سکہ اسی شاہی کا زمانے میں رواں ہو

۵ پھر لے کے قلم فردِ[۳] نگہداشت اٹھالی   لالے کے شگوفے کی دوات اس نے نکالی
نامِ گل و سبزہ سے رہی فرد نہ خالی   بیمار تھی نرگس پہ لکھی اس کی بحالی
احکام کے پابند ملازم جزو کُل تھے
تھے سرو پیادوں میں تو اسواروں میں گُل تھے

١٨ لکھے ہیں یہ خط کوفیوں نے : اے شہِ ابرار　　سرسبز ہیں گلزار، ثمر لائے ہیں اشجار
بے آب پڑا ہے مگر ایمان کا گلزار　　جلد آؤ، شتاب آؤ، کہ مشتاق ہیں دیندار
مُضطر کلمہ گو ہیں، عنایت نہ کرو گے!؟
کیا اُمّتِ عاصی کی ہدایت نہ کرو گے

١٩ گذری ہے نگاہِ شہِ والا سے یہ تحریر　　قاصد ملک الموت ہے، خط ہے خطِ تقدیر
صغرا سے جدا ہو چکے اب جاتے ہیں شبیرؑ　　دیتی ہے بقیعِؑ سے ندا، فاطمہؑ دل گیر
دل بندوں کے رونے کو بصد آہ چلوں گی
اے لال مرے! میں ترے ہمراہ چلوں گی

٢٠ غش آگیا ہے قبر میں ناناکو تمہارے　　بالینِ لحد آکے پکارو، اُنہیں پیارے
رخصت کا پڑھو فاتحہ مدفن پہ ہمارے　　پھر تم نہیں آنے کے جواب یاں سے سدھارے
روکے گی نہ زہراؑ، کہ رضا حق کی یہی ہے
اس ماں نے بھی تو مہرِ ترے قتل پہ کی ہے

٢١ مرقد پہ نبیؐ کے جو گئے سیّدِ والا　　کیا سنتے ہیں اُس قبر میں کہتی ہے یہ زہراؑ
لو ہوش میں آؤ، کہ حسینؑ آیا ہے بابا!　　ہے شیرِ الٰہی کی بھی فریاد یہ پیدا
بابا مرے کیا سوتے ہو مُنہ ڈھانپے کفن سے
شبّیر مرا آج نکلتا ہے وطن سے

٢٢ رو رو کے یہ کہنے لگا زہراؑ کا مسافر　　نانا ترے روضے کا مجاور بھی ہے حاضر
سر دینے کو جاتا ہوں گنہ گاروں کی خاطر　　تربت سے ندا آئی "خدا حافظ و ناصر"!
روکوں تو شفاعت کی سند پا نہیں سکتا
واں جاتے ہو پیارے کہ میں ٹھہرا نہیں سکتا

٢٣ شبیرؑ نے عمامہ کو پھر قبر پہ رکھا　　ہاتھوں کو اٹھا کر یہ کہا بارِ الٰہا
اس خاک میں جو نور ہے اس نور کا صدقا　　دل اپنا رہے گردِ کدورت سے مبرّا
اُمّت کی بدی مجھ کو نہ کوئی نظر آئے
آنکھوں سے سوا تیرے نہ کوئی نظر آئے

٢٤ درکار نہیں مجھ کو جہاں کا سرو ساماں　　بے سر ترے دربار میں آؤں یہ ہے ارماں
دنیا سے کفن کا بھی نہ لوں سر پہ میں احساں　　عریاں ہی اٹھوں، آیا تھا دنیا میں بھی عریاں
رحمت تری لاشے پہ مرے سایہ فگن ہو
عریاں بدنی میں یہی بندہ کا کفن ہو

٢٥ تن خاک میں مل جائے، تو سر اوجِ سناں پائے　　معراج نبیؐ کے کلمہ گویوں کو دکھلائے
تربت سے مری دل میں کسی کے نہ غبار آئے　　تسبیح بنے اور تری تسبیح پڑھی جائے
تاثیر ترے عشق کی یہ بعدِ فنا ہو
شبّیرؑ جو ہو خاک بھی تو خاکِ شفا ہو

٢٦ مقتول ہوا اٹھارہ برس کا مرا بیٹا　　پر میں نہ کروں قتل جواں لال کسی کا
رخسارِ سکینہ کا دکھے اے مرے مولا　　بن باپ کی بیٹی کو نہ ماریں میں طمانچا
گو شمر کا دُرّہ مرے دلدار پہ اٹھے
پر ہاتھ نہ میرا کسی ناچار پہ اٹھے

٢٧ پر میں نہیں کہتا نہ ہوا اصغرؑ ہدفِ تیر　　پر قتل نہ ہو ہاتھ سے میرے کوئی بے شیر
پہنے مرا سجّادِ حزیں طوقِ گلوگیر　　لیکن نہ ستائے کسی بیمار کو شبّیر!
مرنے پہ مرے ہونٹ کھلیں چوبِ جفا سے
لیکن نہ زباں بند ہو اُمّت کی دُعا سے

٢٨ کونین کو رُلوا دیا مولا کی دُعا نے　　آمین کہی قبر میں محبوبِ خدا نے
مقبول دعاؤں کو کیا ربِّ ہُدا نے　　پھر واں سے گئے تربتِ زہرا کے سرہانے
تعویذِ گلوئے نبوی ہاتھ بڑھا کے
رو رو کے گرا قبر کے تعویذ پہ جا کے

٢٩ جب سینہ اٹھانے سے لحد سے شہِ والا　　مرقد سے ندا آتی تھی پھر مجھ سے لپٹ جا
رو رو کے بقیعِ میں تڑپتی رہی زہراؑ　　کعبہ کو مدینے سے چلا قبلۂ دنیا
پیغام قضا پہنچے شہِ دیں جدھر آئے
سب منزلوں میں قاصدِ کو قضا نظر آئے

۳۰ سُوّم تھی رجب کی جو مدینہ ہوا ویراں   داخل ہوئے کعبے میں تو تھی چارمِ شعباں
پنجاہ خطوط آئے ہم کوفیوں کے واں   فرمانے لگے ایلچیوں سے شہِ ذی شاں
اللہ بہت فرقۂ دیندار ہے مشتاق
ہاتف نے کہا شمر کی تلوار ہے مشتاق

۳۱ ہر قاصدِ کوفہ نے یہ کی عرض کہ یا شاہا   آنکھیں ہیں بچھائے ہوئے دیں دار سرِ راہ
حضرت نے کہا: مکر و دغا تو نہیں کچھ، آہ -   کانوں پہ رکھے ہاتھ، وہ بولے کہ "نہ واللہ"!
حضرت نے کہا خیر دغا ہے کہ وفا ہے
کوفے ہی میں بن باپ کا شبیر ہوا ہے

۳۲ پھر زیبِ دہِ رکنؑ و مقام اُٹھ کے ہوئے شاہ   کچھ مشورہ خالق سے کیا کھینچ کے اک آہ
لکھا وہی نامے میں جو تھی خواہشِ اللہ   مسلم کو نیابت کا دیا مرتبہ و جاہ
رتبے میں رسولوں کے برابر ہوئے مسلم
پیغامبرِ سبطِ پیغمبر ہوئے مسلم

۳۳ خط دے کے یہ مسلم سے کہا شہ نے کہ جاؤ   یثرب تو چھٹا مکے سے بھی ہاتھ اٹھاؤ
امت کہیں گمراہ نہ ہو کام بناؤ   تلقین کرو حال بد و نیک بتاؤ
ہے رحم ہی لازم جو ہو بیداد و ستم بھی
تم سوئے بہشت آگے چلو آتے ہیں ہم بھی

۳۴ کعبے سے چلا ایلچیِ نائبِ حیدرؑ   ہمراہ ہوئے ان کے دو فرزند خوش اختر
سعدینؑ سے ثابت تھا قرانِ مہِ انور   مسلم نے برائے اُجرت لیے ساتھ اپنے دو رہبر
نے حق تھا فراموش، نہ تھے شاہ فراموش
پر گردشِ تقدیر نے کی راہ فراموش

۳۵ واردؑ ہوئے اُس بادیہ میں ششدر و حیراں   جو گرم تھا صحرائے قیامت سے دو چنداں
تھا نام مُضیق اُس کا میانِ عربستاں   اسپند جو ذرے تھے تو مجمر تھا بیاباں
حیراں عقبِ راہنما جاتے تھے مسلم
لیکن رہِ مقصد نہ کہیں پاتے تھے مسلمؑ

۳۶ مسلم کے جگر گوشے زباں اپنی نکالے   کہتے تھے: بڑی پیاس ہے، اللہ بچا لے
بابا! ہمیں اس دھوپ سے دامن میں چھپا لے   اللہ کرے ماموں ہمیں پاس بلا لے
دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے خشکیِ زباں سے
پہنچا دو ہمیں والدہ کے پاس، یہاں سے

۳۷ پانی بہت ان رہبروں نے دشت میں ڈھونڈا   جز موجِ سرابؑ اور ہوئی موج نہ پیدا
تھی ریگ رواں، بہتا تھا یا آگ کا دریا   جلتے تھے قدم، تپ رہا تھا جادۂ صحرا
جز آبلہ اک قطرہ نہ پانی کا کہیں تھا
تھا آب بھی تو آبلہ میں پردہ نشیں تھا!

۳۸ لکھا ہے سرِ راہ عدم آ گئے رہبر   بے آب قضا کر گئے جنگل میں تڑپ کر
بچوں کو لیے آگے بڑھے مُسلمِ مُضطَر   اک چشمہ ملا راہ میں، پر لب نہ کیے تر
بچوں سے کہا پیاس ہی میں لطف بڑے ہیں
دو مُردے مسلمانوں کے بے غسل پڑے ہیں

۳۹ کیا رحم ہے، اُن مردوں کو خود جا کے اُٹھایا   یاں لا کے دیا غسل، کفن رو کے پنھایا
قبلہ رخ انھیں خاک کے بستر پہ لٹایا   جنگل میں نشاں گورِؑ غریباں کا بنایا
بخشا تھا یہ رحم ان کو جنابِ اَحَدی نے
جب اپنی اجل آئی خبر لی نہ کسی نے

۴۰ پھر کھینچ کے مدّ، شاہ کو عرضی میں یہ لکھا،   اے شمعِ حرم، دُرِّ نجف، قبلۂ بطحا!!
پیاسے موئے رہبر، نہ ملا پانی کا قطرا   آغاز یہ ہے دیکھیے انجام سفر کا
بندے کو معاف آپ کریں یاں سے بلا لیں
حضرت بھی قدم کعبے سے باہر نہ نکالیں

۴۱ * جس دم یہ عریضہ نظرِ شاہ سے گزرا   رو کر کہا زینب سے: میں تدبیر کروں کیا
مسلم کو تو جانے میں پس و پیش ہے بھینا   وہ بولیں کہ بیٹے مرے موجود ہیں، آقا!
کم سن ہیں تو ہم دعوتِ اسلام کریں گے
یہ آپ کے اقبال سے سب کام کریں گے

۴۲ ٭ عباسِ دلاور نے یہ کی عرض کہ آقا! — بندے کو نہ کیوں بھیجیے، ہے عینِ تمنّا
بس دستخطِ خاص سے لکھ دیجیے اتنا — نائب نہیں آتا ہے غلام آتا ہے میرا
اک ایک سے بیعت شہِ والا کی میں لوں گا
سو فخر ہیں، گر جان تری راہ میں دوں گا

۴۳ شہ بولے: ابھی سے نہ کمر توڑو یہ کہہ کر — دسویں کو محرم کی جدائی ہے مقرّر
مسلم کو لکھا: ناصرِ دیں، جانِ برادر — یاں آنے سے تبدیل نہیں ہو گا مقدّر
جاں ایک ہے، موت ایک، خدا ایک ہے بھائی
امت کے لیے تو یہ سفر نیک ہے بھائی

۴۴ فرمانِ دہِ کونین کا پہنچا جو یہ فرماں — مسلم طرفِ کوفہ چلے خرّم و شاداں
وارد جو ہوا کوفے میں وہ صاحبِ ایماں — مہمانیٔ مسلم کا ہوا شہر میں ساماں
افسوس غریبی پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کی
اک دن بھی ضیافت نہ ہوئی سبطِ نبیؐ کی

۴۵ کوفے میں وکیلِ شہِ جن و بشر آیا (مطلع) — اک شو[illegible] اٹھا: "مسلمِ عالی گہر آیا"
کعبے کی طرف سے خضرِ نام ور آیا — بخشش [illegible] ملی راہ کہ یہ راہبر آیا
اب چشمۂ حیواں[٢٣] پہ پہنچ جائیں گے پیاسے
گھر بیٹھے ملا خضر ہمیں فضلِ خدا سے

۴٦ ہر جلسے میں مشتاق یہ سب کہتے تھے رو رو — کب آئیں گے یاں قبلہ و کعبہ کی خبر دو
اللہ کرے عیدِ[٢٤] محرّم کی یہیں ہو — فرماتے تھے مسلم، تم انھیں آیا ہی سمجھو!
تم سب میں محبت جو ہوا پاتے ہیں مولا
بچوں کو بھی ہمراہ لیے آتے ہیں مولا

٭ ان دونوں بندوں کو دوبارہ ایک بند میں بدلا ہے:
دیکھا یہ عریضہ تو نہ سنبھلا دلِ پُرغم — رو کر کہا: اب کون سی تدبیر کریں ہم؟
عباس نے کی عرض: نثارِ شہِ عالم — موجود یہ خادم ہے، روانہ ہو اسی دم؟
لکھ دیجیے پہنچانے پیام آتا ہے میرا
نائب نہیں آتا ہے غلام آتا ہے میرا

۴۷ اب لکھتے ہیں یوں واقعۂ مسلمِ ذی جاہ — پچیس ہزار آئے تھے بیعت میں کہ ناگاہ
نازل ہوا واں مثلِ بلا ابنِ زیاد، آہ — منبر پہ پڑھا بزم میں یہ خطبۂ جاں کاہ
ہاں سب ہوں مشرّف[٢٥] مری بیعت کے شرف سے
حاکم ہوں میں یاں، شام کے حاکم کی طرف سے

۴۸ مسلم کو جو مہمان کرے وہ ہے گنہ گار — زندہ ابھی چُن دوں گا میں اس کو تہِ دیوار
سن لوں گا اگر بیعتِ شبیر کا اقرار — میں ہاتھ سے اپنے اسے کھینچوں گا سرِ دار
مسلم کو وہ ایذائیں دوں حاکم کی مدد سے
رونے کی صدا آئے محمدؐ کی لحد سے

۴۹ مُسلم نے بھی یہ سن لیا بعضوں کی زبانی — جز خانۂ ہانی[٢٦] نہ پناہ آپ نے جانی
ہانی کو یہ ایماں کا ملا گنجِ نہانی — دربار میں حاکم کے طلب ہو گئے ہانی
بے رحموں نے زخم اس تنِ لاغر پہ لگائے
دُرّے کئی سو پشتِ مُطہّر پہ لگائے

۵۰ جب پڑتا تھا دُرّہ تو وہ یہ کرتا تھا تقریر — یا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ شبّرؑ و شبیرؑ
شاہد تمھیں رہنا کہ مری کچھ نہیں تقصیر — الفت میں تمھاری مجھے ملتی رہی تعزیر
آتی تھی ندا ہم کو بھی ہانی ترا غم ہے
ہم پنجتنِ پاک پہ یہ ظلم و ستم ہے

۵۱ وہ کہتا تھا: مسلم کو ابھی تجھ سے میں لوں گا — دے گا جو نہ کیا، قتل اسی وقت کروں گا
یہ کہتا تھا سر دوں گا پہ مسلم کو نہ دوں گا — اس امر پہ راضی نہ ہوا ہوں، میں نہ ہوں گا
بے شرم مسافر پہ ترس کھانا ہے لازم
مر جا نہ کہ بیٹے تجھے مر جانا ہے لازم

۵۲ کر قطع زباں، ہاتھ اٹھاتا ہوں میں جاں سے — واللہ نہ مسلم کا نشاں دوں گا زباں سے
گو پتلیاں آنکھوں کی تو کھینچے گا سناں سے — پر آنکھ نہ پھیروں گا میں فخرِ دو جہاں سے
مسلم کا نشاں کافر و ظالم کو بتاؤں؟
ہو جاؤں جو میں خاک نہ مسلم کو بتاؤں

۵۳ یاں رشتۂ بیعت کو ستم گاروں نے توڑا — دل حق سے، اقدام خلد سے، رخ قبلے سے موڑا
ایماں کی طرح نائبِ شبیر کو چھوڑا — فتنے کی کماں شاد ہوئی تیر وہ جوڑا
مسلم شبِ تاریک میں مغموم و حزیں تھے
پردیس میں فرزند کہیں، آپ کہیں تھے

۵۴ وہ شہرِ پُر آفت، وہ تلاطم، وہ شبِ تار — جلّاد کمیں گاہ میں، دشمن در و دیوار
برگشتہ زمیں و فلک و کوچہ و بازار — پھرتا تھا وکیلِ شہِ دیں بے کس و بے یار
بیٹھے کہیں تھک کر تو اجل سر پہ کھڑی تھی
اک سر پہ زمانے کی بلا ٹوٹ پڑی تھی

۵۵ کوفے میں جو پابندِ بلا ہو گئے مسلم (مطلع) — سرگشتۂ صحرائے جفا ہو گئے مسلم
بچوں سے بھی غربت میں جدا ہو گئے مسلم — صدموں سے طلبگارِ قضا ہو گئے مسلم
ہر روز مسافر کے لیے دربدری تھی
ہر شام کو عمر اُن کی چراغِ سحری تھی

۵۶ اک دوست جو ہانی تھا ہوا قید وہ غمخوار — پھر گھر میں تو رہنے کا ہوا کوئی روادار
فاقوں سے جو لغزش تھی قدم کو دمِ رفتار — چپکے سے یہ کہتے تھے کہ "یا حیدرِ کرّار!"
ہر کوچے میں غل تھا کوئی غیر آنے نہ پائے
ہاں دیکھیو مسلم کو، کہیں جانے نہ پائے

۵۷ عاشورِ محرم کو ہوئی شہ پہ جو آفات — تنہائی تھی مسلم پہ وہی کوفے میں ہیہات
پر فرق ہے اتنا کہ وہاں دن تھا یہاں رات — روتی ہوئی تھی فاطمہؑ کی روح فقط ساتھ
زینب وہاں غمخوارِ شہِ عرش نشیں تھی
یاں خواہرِ مسلم بھی نہ مسلم کے قریں تھی

۵۸ وارد ہوا ناگاہ درِ طوعہ پہ ششدر — تسبیح بکف، ذکرِ خدا میں تھی وہ در پر
حضرت نے کہا خشک زباں اپنی دکھا کر — "نذرِ پسرِ فاطمہؑ اک پانی کا ساغر
احسان کر اللہ و پیمبر کا تصدّق
پانی دے مجھے ساقیِ کوثر کا تصدّق"

۵۹ طوعہ گئی اور جامِ لبالب دیا لا کر — حضرت نے پیا بیٹھ کے دروازے کے اوپر
پھر کوزے کو وہ رکھ کے جو یاں آئی مکرر — دیکھا کہ ہیں بیٹھے ہوئے زانو پہ دھرے سر
دل میں کہا، اس شہر میں یہ گھر نہیں رکھتا
ہے عالمِ غربت، کوئی یاور نہیں رکھتا

۶۰ آخر کہا طوعہ نے کہ "اے بیکس و تنہا — بس پی چکا پانی، مرے دروازے سے اٹھ جا
تو دیکھتا ہے شہر میں کیا فتنہ ہے برپا — جا گھر میں، تردّد ترے ناموس کو ہوگا
اس وقت میں ہر اک سے کنارہ ہی بھلا ہے
تو نے بھی سنا ہوگا جو ہانی پہ بلا ہے"

۶۱ اٹھ جانے کو طوعہ نے کہا جبکہ کئی بار — کعبے کی طرف مڑ کے یہ کرنے لگے گفتار
یا سبطِ نبیؐ ہم بھی ہیں کیا بیکس و ناچار — دروازے پہ رہنے کا نہیں کوئی روادار
اس رات کی رات اور تباہی ہم اٹھا لیں
نانا سے کہو، کل ہمیں جنت میں بلا لیں

۶۲ پھر دیکھ کے طوعہ کی طرف، بولے یہ رو کر — گھر ہوتا اگر، کاہے کو یوں بیٹھتے در پر
یاں اپنے لیے فکر کسے ہوئے گی خواہر — زینب ہے، نہ بانو ہے، نہ زوجہ ہے نہ دختر
شبیر جدا ہم سے ہیں، عباس جدا ہیں
تنہا تری بستی میں گرفتارِ بلا ہیں

۶۳ حیرت ہوئی طوعہ کو، یہ بولی وہ حق آگاہ — شبیرؑ ترے کون ہیں؟ اے بندۂ اللہ
رو کر کہا: سردار ہیں، آقا ہیں، شہنشاہ — وہ بولی: تو کیا آیا تھا مسلم ہی کے ہمراہ؟
شرما کے کہا: وہ وطن آوارہ میں ہی ہوں
مسلم جسے کہتے ہیں، وہ بیچارہ میں ہی ہوں

۶۴ ہاتھوں کو بڑھا کر یہ پکاری وہ خوش ایماں — تو نائبِ شبیر ہے، اے میں ترے قرباں
اے موت کے مہماں، تو مرے گھر میں ہو مہماں — آوازِ بتولؑ آئی، خدا پر ہے یہ احساں
مسلم کو تو حجرہ دیا اُس اہلِ وفا نے
بخشا اسے فردوس کا گلزار خدا نے

۶۵ لکھا ہے ذِی رات تھی، ذوالحجّہ کی یہ آہ   مسلم نے کفن دھو کے معطّر کیا ناگاہ
سر سجدہ میں، لب ذکر میں اور دل سوئے اللہ   جب آتی تھی طوعہ تو یہ وہ کہتا تھا ذی جاہ
فردوس کی خنجر کے تلے دید کریں گے
کل عرفے کو قربانی کی ہم عید کریں گے

۶۶ ناگر پسرِ طوعہ نے یہ تذکرے سن پائے   کی فکر شقی نے، کہیں گھر بار نہ لٹ جائے
کچھ شب تھی کہ حاکم کو خبر اُس نے یہ دی ہائے   مسلم مرے گھر میں ہے کوئی جا کے پکڑ لائے
دی اس نے ندا فوج کمر باندھ کر آئے
ہاں صبح نہ پیدا ہو کہ مسلم کا سر آئے

۶۷ لشکر کی ہوئی خانۂ طوعہ پہ چڑھائی   مسلم نے یہاں جائے نماز اپنی اٹھائی
ہمسائیوں کو طوعہ نے آواز سنائی   مہمان مرا مرنے کو جاتا ہے دُہائی
گھر طوعہ کا گھیرا گیا مہمان کی خاطر
چوگرد یہ انبوہ ہے اک جان کی خاطر

۶۸ اے شیعو، مسافر کی مدد کرنے کو آؤ   اے مومنو، حیدرؑ کے بھتیجے کو بچاؤ
قرآن کو دو بیچ میں سوگند بھی کھاؤ   یہ کعبے کو پھر جاتا ہے، لشکر کو ہٹاؤ
یہ حیدرِ کرارؑ کے بھائی کا خلف ہے
شہر اس کا بھی مکہ ہے، مدینہ ہے، نجف ہے

۶۹ در پے ہوا کیوں ابنِ زیاد اس کا گنہ کیا   یہ کوئی نہیں، لو وہی حاکم سہی اچھا
لشکر نہیں، حشمت نہیں، پھر بغض یہ کیسا   بیعت بھی تو بے چارہ کسی سے نہیں لیتا
کیوں لڑنے کو سب آئے ہیں یہ کس سے لڑا ہے
بے چارہ مرے حجرے میں فاقے سے پڑا ہے

۷۰ پھر تھام لیا مسلمِ مظلوم کا داماں   کہتی تھی، نہ جا، میں ترے صدقے، ترے قرباں
حاکم کو میں دے لوں گی جواب، اے مرے مہماں   لونڈی نہیں زہراؑ کی جو قدموں پہ نہ دوں جاں
مہمان مرے گھر سے نکل کر جو مرے گا
زہراؑ اسے مجھے حشر میں شرمندہ کرے گا

۷۱ مسلم نے کہا ضامنِ جنت ہوں میں تیرا   قرآن کی ہے لونڈی تو رضا دے پسرِ زہراؑ
پھر دھیان میں بیٹوں کے یہ رو کر ہوئے گویا   پردیسیو، بابا نے خدا کو تمہیں سونپا
ہم مر کے یہاں بے کفن و گور رہیں گے
سر کٹ کے بدن پاروں کے دریا میں بہیں گے

۷۲ تھا مہرؑ ابھی زینِ فلک پر نہ مُزَیّن   پر نور جو مسلم نے کیا زین کا دامن
اب نیّرِ الہام سے ہوتا ہے یہ روشن   ذاکر تری تائید کو قدسی ہیں معیّن
واجب تجھے شبیر کے نائب کا ادب ہے
مسلم کا سراپا جو نہ لکھے تو عجب ہے

۷۳ بیٹھے ہوئے ہیں سب یہ محبِّ شہِ ابرار   بر خاستہ دل طولِ سخن سے نہیں زنہار
سب مدح کو موجود ہیں، سب رونے کو تیار   مسلم کے تو شبیر ہوئے پہلے عزادار
الفت جو بہت ہے انھیں زہراؑ کے خلف سے
تھامی شہِ مرداں نے رکاب آ کے نجف سے

۷۴ ہاں مُشتری بیانِ قمرِ برجِ فصاحت   ہاں، جوہریانِ دُرِ معنیِ بلاغت
بس قدر شناسی ہے مری نظم کی قیمت   حق بخشے گا قصرِ دُرِ یک دانۂ جنت
وہ صاف بیاں ہو کہ گہر نظروں سے گر جائے
مسلم کی سواری کا سماں آنکھوں میں پھر جائے

۷۵ تاریخ نہم، صبحِ شہادت ہے نمودار   رہوار پہ اسوار ہے وہ بے کس و بے یار
ہر چار طرف سے ہیں احاطہ کیے کفار   گرداب میں ہے دُرِّ گراں مایۂ اسرار
ظلمات میں یہ خضرِ بیابانِ بلا ہے
یا دائرہ میں نقطۂ انوارِ خدا ہے

۷۶ کہتے ہیں جسے روح، وہ کیا ہے؟ بدن ان کا   مشہور ہے جو حسن، وہ ہے پیرہن ان کا
رضواںؑ کا شرف یہ ہے کہ ہے ہم وطن ان کا   عیسےٰؑ دہن ان کا ہے، خضرؑ ہے سخن ان کا
عُقبےٰ کے جو درجے ہیں وہ پاؤں کے تلے ہیں
دُنیا صفتِ نقشِ قدم چھوڑ چلے ہیں

۷۷ چہرہ قمرستانِ تجلیِّ خدا ہے   طلعت وہ لوحِ دلِ ہر اہلِ صفا ہے
یہ غیب کا آئینۂ اسرار نما ہے   آئینۂ اسکندرِ رومی یہاں کیا ہے

یہ رخ جو ہو پرتو فگن آئینے کے اندر
پھر آئینہ و زنگ ہیں ہوسِ سکندر

۷۸ روشن ہے رخِ پاک سے اللہ کی قدرت   یہ پانچواں مصحف ہے سنو اس کی حقیقت
سورہ کہیں خط کا تو کہیں خال کی آیت   ہے روئے کتابی سے عیاں خاصِ رسالت

امت پہ فرستادہ ہے یہ سبطِ نبیؐ کا
بے شک ہے رسول اہلِ کتاب ابنِ علیؑ کا

۷۹ آئینہ ہوا اس رخ کے حضور آکے حیراں   پرتو سے گلِ رخ کے وہ ہو سر بہ گریباں
گر سایۂ کاکل سے ہو سنبل تہِ داماں!   گہ عکسِ لبِ لعل سے ہو کانِ بدخشاں

ناوک ہیں مژہ زخم پہ زخم اُس کو دیا ہے
جوہر نے دلِ آئینہ کو بخیہ کیا ہے

۸۰ اللہ ری تمنائے ضیاءِ رخِ انور   ہے فرض جلائے وطن آئینے کے اوپر
عکسِ رخِ جاں بخش سے آتا ہے یہ باور   آئینہ میں ہے فیض رواں ہر رگِ جوہر

یہ کیا ہے جو آئینہ کو رخ اُن کا جلا دے
چاہے تو یہ آئینہ سکندر کو جلا دے

۸۱ جب روبرو آئینے میں عکس ان کا پڑا ہے   خورشید کے نظارے کو خورشید کھڑا ہے
پھر عکس کے مضموں میں مرا ذہن لڑا ہے   آئینہ ہے کم ظرف یہاں گنج بڑا ہے

آئینے میں اس رو سے زر و سیم کا گھر ہے
دروازے پہ خورشید ہے اور گھر میں قمر ہے

۸۲ خورشیدِ فلک پیشِ جبیں ذرّے سے کمتر   ہر ذرّے کو عکس اُس کا کرے مہر کا ہمسر
عارض کے قریں ماہِ دو ہفتہ ہے اک اختر   اختر کو جو نور اس کا ملے ہو مہِ انور

دنداں سے خجل ہو کے گہر قطرۂ تر ہو
شبنم کو جو تشبیہ دوں دنداں سے گہر ہو

۸۳ اب چینِ جبیں کی میں بیاں کیا کروں تاثیر   نظارے سے بسمل ہو دلِ دشمنِ شبّیرؑ
یہ پشت کماں کرتی ہے کارِ دمِ شمشیر   یہ فوج عدو کے لیے ہے موجِ گلوگیر

سمجھی ہے خرد نقشِ ظفر چینِ جبیں کو
اک چین سے یہ فتح کریں کشورِ چیں کو

۸۴ مصراعِ ہلال ایک تو پیشانیِ اقدس   دو ابرو و اربع مژہ پاک مُسَدَّس
اک بیت خطِ پشت لبِ لعل سخن رس   اَلْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ وَتَقَدَّس،

مصرع تو ہیں نو حسن پر ایک ایک میں سو ہیں
چہرہ فلکِ حسن ہے یہ نو مہِ نو ہیں!

۸۵ پیشانیِ پرنور کی کیا شان کہیں ہم   صانع نے کیا بختِ بلنداں کا مجسم
یہ ماہِ دو ہفتہ ہے کہ ہے نیّرِ اعظم   سجدہ کا نشاں حسن میں اختر سے نہیں کم

اختر کہو اس کو نہ کہو جرمِ قمر کا
خورشید سے پیدا ہے سپیدہ یہ سحر کا

۸۶ ہر نون دو ابرو کا ہے رخسار پہ کیا جاہ   دیتے ہیں مہ و مہر کو بیعانۂ پنجاہ
گو ہو کے یہ پیوستہ ہوئے ایک، مگر، واہ   قیمت ہیں مہِ نو سے دو چنداں ہیں یہ واللہ

ابجد سے ہے ثابت کہ یہ رشکِ مہِ نو ہیں
اک نون کے پنجاہ ہیں دو نون کے سو ہیں

۸۷ ہے چشم تو بیمار تو پلکوں سے ہے پیدا   یہ نبض پہ بیمار کے ہے دستِ مسیحا
پرہیز پر اس مردمِ بیمار کا ہے کیا   دنیا میں نہیں دیکھتی ہیں عیب کسی کا

گردش دو طرف چشم کی پلکوں سے عیاں ہے
ہاتھوں کے سہارے پہ یہ بیمار رواں ہے

۸۸ اس مدح سے کچھ دل نہ شگفتہ ہوا میرا   بیمار کی تشبیہ میں صحت نہیں اصلا
ہے ان کو سلیمانیِ اقلیمِ تجلّا   آنکھیں دو سلیماں، تو رخ کشورِ زیبا

سامانِ ترقی کے دو ابرو نے دیے ہیں
دو شاہوں پہ دو بالِ ہما سایہ کیے ہیں

۸۹ ابرو کی طرف ہے رخِ مژگاں تو یہ سمجھو — انگشت سے بتلاتے ہیں یا ہم مہِ نو کو
قربان سراپائے رخِ مسلم خوشخو — قوسین دو ابرو کے تلے بینیِ نیکو
زخم اس کی محبت کا رفوئے تن و جاں ہے
یہ صانعِ قدرت کا خدنگ دو کماں ہے

۹۰ مابین دو ابرو ہے عیاں بینیِ اطہر — دو قبلوں میں پیدا ہے حدِ شرعِ پیمبر
بے دور کوئی شمع ہے جز بینیِ انور؟ — اس شمع سے روشن ہے رہِ حسن سراسر
بالائے لب و زیرِ جبیں اس کا گذر ہے
ہے چرخِ چہارم پہ قدم عرش پہ سر ہے

۹۱ ابرو کے تلے کیجیئے بینی کا نظارا — گویا تہہِ محراب اذاں کا ہے اشارا
نون ابروئے زیبا ہے، تو عین آنکھ کا تارا — ان حرفوں سے بس رمزِ اذاں کھل گیا سارا
لو بعدِ نبی نام پیمبر کے وصی کا
وہ نون نبی کا ہے تو یہ عین علیؑ کا

۹۲ یہ سب تو عبارت ہے، معانی کروں اظہار — صانع نے جو یہ روئے کتابی کیا تیار
انگشت رکھی چہرۂ پر نور پہ اک بار — دریافت کرے تا کہ صفائی کے وہ آثار
وہ مَس میں ہے لذت کہ سنائی نہیں جاتی
صانع سے اب انگشت اٹھائی نہیں جاتی

۹۳ پیدا شبِ کاکل سے سیہ روزیِ اعدا، — کہتے ہیں شبِ قدر مگر اس کو احبّا
ہر تارِ نظر خضر اگر دیں مجھے اپنا — تب بھی عوضِ زلف نہ اک مو کا ہو سودا
گر مشکِ ختن کہیے، سخن ہے یہ خطا کا
یہ سلسلہ ہے عضو کا وہ مشکِ خطا کا

۹۴ کاکل ہے کہ ہے رشتۂ گلدستۂ رخسار — باندھے ہیں لب و رخ سے بہم غنچہ و گلزار
پشتِ لبِ جاں بخش کا خط کاشفِ اسرار — ہو رو بہ شفا دیکھ کے اس نسخے کو بیمار
طوطی کو تو آئینہ فقط کرتا ہے گویا
آئینے کو یہ طوطیِ خط کرتا ہے گویا

۹۵ تعریفِ دہن میں تو دہن بستہ ہے میرا — اللہ کی صنعت کا ہوا رنگ ہویدا
نکلے دہنِ تنگ سے اِک لفظ نہ اصلا — جب تک کہ نہ معنی کی وہ شرکت کرے پیدا
یہ لب نہیں، بالائے دہن بن گیا غنچہ
تھا بس کہ دہن تنگ، سخن بن گیا غنچہ

۹۶ غنچہ نہ کہوں لب کو کہ غنچہ ہے تنگ ظرف[243] — عمر ان کی کشادِ گرہِ شکر میں ہے صرف
سرخیِ لبِ لعل کا لکھوں اگر اک حرف — ہو جائے سیاہی کا قلم غیرتِ شنجرف
گر ذکرِ لبِ لعل کرے کوئی یمن میں
یوں سنگ میں ہو لعل عرق جیسے بدن میں

۹۷ ہے گوہرِ دنداں کا تر و خشک میں شہرا — موتی ہیں یہ اس کے کہ جو ہے نور کا دریا
ہے جوش پر آبِ دُرِ دندانِ مُصَفّا — پر عکس اُدھر سے ہے اِدھر صاف ہویدا[244]
دُرجِ دہنِ تنگ تو غائب ہے نظر سے
پر گن لیے بتّیس گہر سب نے اُدھر سے

۹۸ ہر چند زباں سے خبرِ غیب ہے پیدا — دنداں یہ خدا کے دُرِ اسرار ہیں اِلّا[245]
سہواً بھی زباں پر کبھی آتے نہیں اصلا — دردا، یہ دُرِ قیمتی اور سنگ کا صدما
کیا داد و ستد ان کی ہے بازارِ قضا میں
گوہر عوضِ سنگ دیے راہِ خدا میں

۹۹ اب چاہِ زنخداں[246] کا سنو تازہ بیاں واہ — یوسف کی طرح خضر کو یاں گرنے کی ہے چاہ
حاشا جو کہوں چشمۂ حیواں اسے واللہ — یہ چشمہ ہے وہ قطرہ ہے، یہ بحر ہے وہ چاہ
ہے کوثر و تسنیم میں جوش اس کی ولا کا
ہر دم چمنِ خلد میں ہے شور ثنا کا

۱۰۰ کیا صبحِ گلو پر ہے گریبانِ مزیّن — نے شب نہ فلک ہے مہِ نو صبح پہ روشن
نائب یدِ قدرت[247] کا یدِ معدلت افگن — ناخن ہے سپر دوست کو، خنجر پئے دشمن
اس ناخنِ زیبا کی جو شکل اس میں عیاں ہے
آنکھوں ہی پہ دنیا میں ہر ابرو کا مکاں ہے

۱۰۱ سینے کو لکھوں سطحِ آبِ دُرِ غلطاں — ہے نور سے لبریز یہ سرچشمۂ ایماں
رشتے ہیں قبا کے کہ عیاں موجۂ عرفاں — ظاہر ہے کہ سب رازِ خفی اس میں ہیں پنہاں
اس کو نہ کسی بندۂ آگاہ سے پوچھو
یہ غیب کے اسرار ہیں اللہ سے پوچھو

۱۰۲ نازک شکمِ صاف پہ یوں ناف نمایاں — آئینہ پہ گویا کہ ہے ساکن دُرِ غلطاں
یا زیبِ کفِ دستِ ملک قطرۂ نیساں — یا غنچۂ جنت ہے طبق میں لیے رضواں
رنگ اس کا نرالا ہے کہ صنعت ہے خدا کی
بندے سے ہو کیا وصف یہ قدرت ہے خدا کی

۱۰۳ انگشتِ اشارت جو نہ ہو تیغ کی پیدا — زنہار کمر کا نہ کھلے مجھ سے معمّا
ہے رشتۂ گلدستۂ گلزارِ تمنا — یا مصحفِ ایماں کا ہے شیرازۂ اجزا
تعریفِ کمر دیکھیے ہو ختم کہاں پر
تحریر میں بال آتا ہے خامے کی زباں پر

۱۰۴ گر بیچ میں ہوئے نہ قدم خاک قدم کا — بینائی میں اور آنکھ میں ہو صلح نہ حاشا
جس رہ میں یہ رکھیں قدم اس رہ میں ہمیشا — سر چھوڑ کے گردوں کو کفِ پا سے ہو پیدا
ناخن نہیں کھائی یہ مہِ نو نے قسم ہے
تا روزِ ابد سر ہے مرا اور یہ قدم ہے

۱۰۵ قد کو نہ کہوں سروِ گلستاں کے برابر — یہ مصرعِ بے مثل ہے دیواں کے برابر
عمرِ خضر و اوجِ سلیماں کے برابر — یہ ایک الف ہے ہمیں قرآں کے برابر
ثابت قدمی سے یہ زمیں پر برکت ہے
قرآں میں جس جا ہے الف بے حرکت ہے

۱۰۶ گو عیسیٰ و خورشید فلک پر ہوئے اک جا — دیکھا نہ مگر اوجِ وقارِ قدِ بالا!
انگشت سے کم اس کے مقابل قدِ طوبیٰ — ہے عالمِ بالا سے بھی رتبہ کہیں بالا
یاں تک قدِ بالا کے لیے جلوہ گری ہے
کرسی تہِ پا عرشِ معظم نے دھری ہے

۱۰۷ دیکھو سرِ اعلیٰ پہ ذرا خود کا عالم — یہ سایۂ افضالِ الٰہی ہے مجسّم
تن حسن کا شعلہ ہے زرہ اس کے ہے باہم — ہے ڈھال کہ یہ دودِ زرہ اٹھتا ہے کم کم
پر ہو زرہِ نور میں کب نام دخاں کا
ہے کاغذِ ابری پہ رقم سورہ دخاں کا

۱۰۸ ہر ساکنِ کعبہ کا ہے یہ قول پسر پر — یہ تو حجرالاسودِ کعبہ ہے مقرر
یہ پھول نہیں داغِ عزا چار ہیں یکسر — داغِ نبیؐ و فاطمہؑ و حیدر و شبرؑ
دل وصفِ سپر میں ہے مرا جوش کے اوپر
اللہ کا ہے ابرِ کرم دوش کے اوپر

۱۰۹ گر خطِ شعاعی کی طرح لاکھ زباں ہو — نیزے کی تجلّی کا نہ اک شمّہ بیاں ہو
جس انجمنِ رزم میں یہ شمعِ سناں ہو — پروانۂ پر سوختہ ہر طائرِ جاں ہو
ذکرِ صفتِ تیر و کماں وردِ ملک ہے
ناوک ہے شہاب اور کماں ان کی فلک ہے

۱۱۰ محرابِ عبادت ہے کماں آپ کی گویا — کرتی ہے جہاں قوسِ قزح شوق کا سجدہ
بندھتا ہے بنا چلّہ اسی سے تو ہمیشا — خالی مگر اس سے جو ہوا گوشۂ دنیا
محرابِ حرم پشت بدیوار ہے غم سے
ابرو کی کمانیں ہیں سیہ پوش الم سے

۱۱۱ تلوار وہ ہے اس سے جو تشبیہ کا دھیان آئے — خوں مردمِ آبی کا ہر اک موج سے ہو جائے
طوفاں اٹھے جا کے جو ساحل پہ یہ لہرائے — دریا کے سوا خشک زمیں پھر نہ کوئی پائے
معدوم ہوں چڑھ سکتے نہیں پھر نظروں پر
چل جائے جو اک دار حبابوں کے سروں پر

۱۱۲ نقدِ دمِ شمشیر کمر میں عوضِ زر — اس نقدِ رواں سے ہے کمر گنج سے بہتر
ہے نام شجاعت کا یہی نون مقرر — جو ڈالتا ہے سکۂ زر قلبِ عدو پر
مل جاتی ہے آب اس کی ہر اک رنگ کے اندر
جو گنج میں ہے نون وہ ہے جنگ کے اندر

۱۱۳ کیا وصف ہو توسنؑ کا ٹھہرتے نہیں مضموں   اقبالِ ہما طالعِ عنقا ہے یہ گلگوں
بے صبر و تحمل ہے مثالِ دلِ مجنوں   نعلوں کی ضیا ابروئے لیلےٰ سے ہے افزوں
سرعت کی جو قسمت ہوئی منظور قضا کو
نُہ جزو تو اس کو دیے اک جزو ہوا کو

۱۱۴ ہیں شش جہت اس توسنِ بیباک سے ششدر   سقفِ کہنِ چرخ کو گر پڑنے کا ہے ڈر
مثلِ نفسِ سینہ یہ دنیا میں ہے مضطر   اک پاؤں جو باہر ہے تو اک پاؤں ہے اندر
ڈھونڈو تو بھلا، نقشِ سُمِ نعل کہیں ہے؟
دنیا میں جگہ پاؤں کے رکھنے کی نہیں ہے

۱۱۵ یہ چست، اجل سست، وہ پیر اور یہ جواں ہے   گردوں صفتِ گرد سدا پیچھے رواں ہے
محتاجِ بیاں کی نہیں جو بات عیاں ہے   دیکھو شرر و برق کی صورت یہ کہاں ہے
سرعت یہ ہے گر آئینہ خانے میں رواں ہو
ہرگز نہ کسی آئینہ میں عکس عیاں ہو

۱۱۶ غصے سے جو سرخ آنکھ ہوا اس کی دمِ جولاں   آشوب سے ہو دورِ فلک دست و گریباں
گرد سن کے صدا صور کی دوڑے سرِ میداں   اٹھے ہی قدم فتنۂ محشر ہو گریزاں!
کاوے سے تحیر ہو نہ کیوں چرخِ بریں کو
یہ مثلِ فلک چرخ میں لاتا ہے زمیں کو

۱۱۷ کیوں مومنو! تصویرِ ہنر اول نظر آئی؟   پڑھتا ہے رجز آخری اب حق کا فدائی
یارو میں پیمبر کے نواسے کا ہوں بھائی   گھر بار چھٹا یاں ہوئی بچوں سے جدائی
اب یہ تو کہو مجھ کو تو بے جان کرو گے
شبیرؑ کو بھی کیا یوں ہی مہمان کرو گے؟

۱۱۸ وہ بولے کہاں ان کی ضیافت کا ہے ساماں   جب تک کہ کئی لاکھ نہ ہوں خنجرِ بُرّاں
مسلم نے کہا دل میں کہ ہے ظلم کا طوفاں   شبیر تری جان کا اللہ نگہباں
حملہ کیا بے دینوں نے اُس فخرِ ملک پر
جنبش میں زمیں آئی، گئی گرد فلک پر

۱۱۹ پُر گرد جو معلوم ہوا گنبدِ گرداں   ابرِ دمِ شمشیر سے مسلم نے کہا: ہاں
اس طرح وہ برسا کہ اٹھا خوں کا طوفاں   مطلع بھی ہوا صاف ہوئی گرد بھی پنہاں
پھولی تھی شفق چار طرف خونِ عدو سے
دامان ہوا سرخ تھا لشکر کے لہو سے

۱۲۰ اک حملے میں مارا اچھل کے پنج کو اک بار   دیوار پہ دیوار صفت چڑھ گئے کفار
ہمت جو ہوئی پست گئے بام پہ اشرار   آتش تھی کہیں جمع، کہیں سنگ کے انبار
لرزاں صفتِ پیر نمودار جواں تھے!
دیواروں پہ انبوہ تھا جنبش میں مکاں تھے!

۱۲۱ برسانے لگے آگ عدو طیش میں آ کے   مسلم پہ کبھی پھینکتے تھے سنگ اٹھا کے
یاں ولولے میں نعرے تھے "یا شیرِ خدا" کے   دیوار ہٹا دیتے تھے گھوڑے کو بڑھا کے
چاہا پڑتا تھا جب ہاتھ کمر بند عدو پر
رستے سے اسے پھینکتے تھے بام کے اوپر

۱۲۲ یاں سے تو سرِ بام بدن جاتا تھا تنہا   پر گرتے تھے ساتھ اس کے وہاں سینکڑوں اعدا
کو فہ تہ و بالا ہوا اک حشر تھا برپا   دیوار نشینوں پہ جو فرماتے تھے حملہ
دیوار سرک جاتی تھی کفار سے پہلے
گرتی تھیں صفیں خاک پہ دیوار سے پہلے

۱۲۳ سیلابِ دمِ تیغ کی تھی چار طرف گشت   آبادیِ کوفہ ہوئی ویراں صفتِ دشت
کیا بام سے رسوائیِ اعدا کا گرا طشت   گر چار گرے تیغ نے رستے میں کیے ہشت
ناری ہی نہ تنہا خطرِ جنگ سے تھے دور
شر دور شرر سے تو شرر سنگ سے تھے دور

۱۲۴ اعجاز خلیل اللّٰہی شہ نے دکھایا   دامن کو کفِ شعلۂ آتش نے نہ پایا
کاکل کی طرح سے جو دھواں گردِ سر آیا   سرسبزیِ قامت نے اسے سرو بنایا
سب تارِ شرر حافظِ ملبوسِ لقا تھے
آتش تھی شفق رنگ، یہ خورشید لقا تھے

۱۲۵ چھالے تنِ نازک پہ نظر آتے تھے صدہا — روشن فلکِ نور پہ تھا عقدِ ثریا !
یا رختِ[۶۵] حباب آپ کے ہر عضو نے پہنا — تھے صاف گہر قلزمِ رحمت کے ہویدا
رشتے کے عوض ہر رگِ تن پیشِ نظر تھی
اعضا کے لیے شکر کو تسبیح گہر تھی

۱۲۶ ان آبلوں میں گرمِ عنانی[۶۶] کا یہ تھا حال — دشمن کو رکابوں کی طرح کرنے تھے پامال
چار آئینوں میں سر سے سوا پڑ گئے تھے بال — خورشید تھا زرد آپ کا غصے سے تھا منہ لال
کیسے نہ کرن سامنے کشتے جو پڑے تھے
ڈر سے تنِ خورشید کے بھی بال کھڑے تھے

۱۲۷ نیزہ کہیں مرکز جو ہوا گاف جگر کا — پھر پیچ کمر سے بھی کھلا میمِ کمر کا
اعدا کی کماں سے الفِ تیر بھی سر کا — سر برنہ دمِ جنگ ہوا سینِ سپر کا
حیران تھی زرہ دبدبۂ شیر سے رن میں
قبضے نے رکھی تیغ سے انگشت دہن میں[۶۷]

۱۲۸ دریا یہ چڑھا ظالموں کے خون کا اک بار — راہیں ہوئیں تر، پالکیں اس میں ہوئے رہوار
ملاحِ اجل تیغ کی کشتی لیے تیار — جنبش میں تھی اُس پار یہ کشتی کبھی اس پار
پل بن گئے توسن، کہ عدو جی سے گذر جائیں
اسواروں کے تن تیغ کی کشتی پہ اتر جائیں

۱۲۹ تنہا نہ سرِ فوج میں یکسر ہوا رعشا — رو میں[۶۹] تنوں کی روحیں بھی رو ئیں دمِ ہیجا
ایماں کی ضیا کفر کی ظلمت سے تھی پیدا — ورنہ یہ نشاں نام کو بھی رکھتے نہ اُس کا
تھی خوف کے افراط سے جا تنگ دلوں میں
یوں مثلِ شرر کفر چھپا سنگ دلوں میں

۱۳۰ اس ڈھنگ سے لڑتا رہا واں نائبِ شبیر — بادل کی طرح چھائے ہوئے ظالمِ بے پیر
ہاتھوں میں لیے برچھیاں چلّوں میں لیے تیر — پڑنے لگی مظلوم پہ شمشیر پہ شمشیر !
پر واہ رے جرأت کہ لڑے جاتے تھے مسلم
لڑتے بھی تھے اور زخم بدن کھاتے تھے مسلم

۱۳۱ سن کر یہ خبر حاکمِ کوفہ ہوا دل تنگ — فوج اس نے اُدھر اور روانہ کی پئے جنگ
پھر تھی وہی آتش، وہی بیداد، وہی سنگ — مسلم کا کفن خوں سے بالکل ہوا گل رنگ
جب زخمِ سناں کھاتے تھے خوش ہوتے تھے مسلم
زہرا کے مسافر کے لیے روتے تھے مسلم

۱۳۲ ناگہ لب و دنداں پہ لگا سنگِ جفا کار — منہ گھوڑے سے تھیوڑا کے لہو ڈالا کئی بار
پر دبدبہ یہ تھا کہ نہ پاس آتے تھے کفار — آخر کو دغا سے یہ پکارے وہ ستم گار
پھر لڑنا، ذرا پوچھ لو بھائی کی خبر کو
وہ ناقہ سوار آتا ہے یثرب سے ادھر کو

۱۳۳ مدت سے سنا تھا جو نہ حال شہِ والا — یہ سنتے ہی بے ساختہ تلوار کو روکا
پر منہ کے پھراتے ہی اجل نے کیا مجرا[۷۰] — برچھی تو کلیجے میں تھی، برچھی میں کلیجا
منہ سوئے نجف کر کے کہا اپنے چچا سے
مظلوم بھتیجے کو ترے مارا دغا سے

۱۳۴ یہ کہتے ہی غش ہو گئے گھوڑے سے گرے ہائے — مظلوم کو ظالم درِ حاکم پہ اٹھا لائے
مسلم پہ وہاں پیاس کا غلبہ ہوا اے وائے — دروازے پہ پانی کے ظروف اُن کو نظر آئے
دربانوں کو دکھلا کے زباں بولا وہ پیاسا
مہماں ہوں اور پیاسا ہوں، پانی دو ذرا سا

۱۳۵ لکھتے ہیں کہ کہنے لگا اک ظالمِ گمراہ ! — کیا سرد و خنک پانی ہے خوش ذائقہ ہے واہ
پر، تو کبھی اس پانی کے قابل نہیں واللہ — ساغر لیے طوعہ وہاں وارد ہوئی ناگاہ
روتی تھی کہ تم بھوکے ہو کل رات سے آقا
لو پانی پیو خادمہ کے ہات سے آقا

۱۳۶ پھر طوعہ نے ہونٹوں سے لگایا وہ پیالا — پینے جو لگے، منہ سے لہو پانی میں ڈالا
دنداں بھی گرے، جام بنا خوں کا تھالا — رو رو کے پکارے ملکِ عالمِ بالا
اب ساقیِ کوثر تمہیں سیراب کریں گے
پیاسے مرو، شبیر بھی پیاسے ہی مریں گے

۱۳۷ القصہ کہ حاکم نے حضور اپنے بلایا　　اور وہ کلمۂ سخت ستم گر نے سنایا
جس نے لحدِ احمدِ مرسل کو ہلایا　　مسلم نے ملا ہاتھوں کو رونا بہت آیا
حاکم نے کہا: قبر میں بھی ہاتھ ملے گا
اب خنجرِ بے داد مرا تجھ پہ چلے گا

۱۳۸ فرمایا کہ حاشا جو تاسفؔ ہو کچھ اپنا　　رخصت دے عمر کو کہ وصی ہوئے وہ میرا
للہ دوات و قلم اس وقت تو منگوا　　کچھ مجھ کو مدینے کے مسافر کو ہے لکھنا
تحریر فقط حال کی منظور ہے مجھ کو
بھجوانے نہ بھجوانے کا مقدور ہے تجھ کو

۱۳۹ حاکم کا جو فرمان عمرِ سعد نے پایا!　　تب لے کے وہ قرطاس و دوات و قلم آیا
مسلم نے لہو زخموں کا کاغذ پہ لگایا　　اور بہرِ رقم ہاتھ میں خامے کو اٹھایا
لکھا شہِ والا کو کہ کیا حال رقم ہو
اغلب ہے کہ خط لکھنے میں سر تن سے قلم ہو

۱۴۰ ذی حج کی نویں، عزّ قے کا دن قتل کا ساماں　　پر عید یہ ہے آپ پہ ہوتا ہوں میں قرباں
شہزادوں کا اور شاہ کا اللہ نگہباں　　کرتا ہوں رقیّہ کی سفارش بہ دل و جاں
کڑھ کڑھ کے مرے غم میں نہ دم اس کا نکل جائے
صدقے میں سکینہ کے رقیہ مری پل جائے

۱۴۱ بیوہ ہے مری خواہرِ عباسؑ دلاور　　وہ مرتبہ داں خود ہے، یہ کہہ دینا مقرّر
روئے مجھے تو بانوئے شبیرؑ سے چھپ کر　　ایسا نہ ہو شرمندہ ہو کچھ بانوئے سرور
عباسؑ دلاور کے برابر میں نہیں ہوں
بانو کی وہ لونڈی، میں غلام شہِ دیں ہوں

۱۴۲ روداد بہت، وقت ہے کم اے شاہِ خوش انجام　　جلاد مرے سر پہ ہے کھینچے ہوئے صمصام
بس میرا یہی خط ہے، یہی آخری پیغام　　اب کوفے میں آنے کا بھی لینا نہ کبھی نام
خط پہلے طلب کا جو برادر نے لکھا ہے
میں نے نہیں لکھا ہے، مقدّر نے لکھا ہے

۱۴۳ تقصیر ہوئی، بخشیو، لکھنے پہ نہ جانا　　کیا جانتا تھا خوں کا پیاسا ہے زمانہ
باللہ دغا ہے، یہاں للہ نہ آنا　　اور خیر، جو تم آنا تو زینبؑ کو نہ لانا
لاؤ گے تو وہ نرغۂ اعدا میں گھرے گی
سر ننگے بہن آپ کی بلوے میں پھرے گی

۱۴۴ خط لکھ کے عمر کو دیا اور بولے یہ آقا　　تو قوم قریشی سے ہے، ہم قوم ہے میرا
بھجوانا یہ مکتوب جہاں ہوں شہِ والا　　اور قرض مرا تیغ و زرہ بیچ کے دینا
گو تیری خیانت کا مرے دل کو یقیں ہے
پر کیا کروں بے کس ہوں، مرا کوئی نہیں ہے

۱۴۵ حمران کے فرزند سے حاکم ہوا گویا　　اب دیر نہ کر، بام پہ مسلم کو تو لے جا
لٹکا دے درِ کوفہ میں سر کاٹ کے اس کا　　اور بام سے بالائے زمیں پھینک دے لاشا
ہاں باندھ کے پھر لاش کے پاؤں میں رسن کر
تشہیر کر و مسلمِ آوارہ وطن کو

۱۴۶ جلّاد نے تب بازوئے مسلم کو لیا تھام　　ساتھ اس کے غریبی سے چلے مسلمِ ناکام
ہر زینے پہ معراج شہادت ملی ہر گام　　اور بام پہ جا کر ہوئے خورشیدِ لبِ بام
چپ بیٹھے تھے مسلم وہاں صمصام کے نیچے
تھی خلق تماشے کو کھڑی بام کے نیچے

۱۴۷ ڈر کر کوئی کہتا تھا: پناہ اے مرے اللہ　　مہماں سے کوئی بھی یہ کرتا ہے سلوک، آہ
سمجھے ہیں حنا عید کی، سید کا لہو، واہ　　حاجی کا گلا کاٹتے ہیں عرفے کو بدخواہ؟
کہتا تھا لرز کر کوئی کیا قہر ہے، یا حق
اک بندۂ بے کس پہ چھری چلتی ہے ناحق

۱۴۸ تب دھیان میں شبیر کے مسلم یہ پکارے　　کعبے میں ہو یا راہ میں، صدقے میں تمہارے
اب کٹتا ہے سر، لوگ تماشائی ہیں سارے　　دیکھو مرے آقا! مری حسرت کے نظارے
اعجاز سے پردے مری آنکھوں سے اٹھا دو
یا سبطِ نبیؐ آخری دیدار دکھا دو

۱۴۹ کعبے سے اسی روز روانہ ہوئے تھے شاہ   مسلم تو لبِ گور تھے شبیرؑ سرِ راہ
جبریل نے کوفے کی زمیں سے کہا ناگاہ   ہاں حکم خدا سے تو بلند اتنی ہو واللہ
مسلم شہِ مظلوم کی تصویر کو دیکھے !
شبیرؑ اُسے دیکھے یہ شبیر کو دیکھے !

۱۵۰ کوفے کی زمیں نے سرِ رفعت کیا پیدا   پر ساری زمینوں پہ ہوا زلزلہ برپا
چلنے سے رکا راہ میں اسپِ شہِ والا   اور تھم گئے سب اشترِ ذرّیتِ زہراؑ
ہاتف نے ندا دی یہ پیمبرؐ کے خلف کو
یا سبطِ نبی ! دیکھیے کوفے کی طرف کو

۱۵۱ کوفے کی طرف شاہ نے منہ اپنا پھرایا   سیدانیوں نے محملوں سے پردہ اٹھایا
اللہ نے مسلم کا جمال اُن کو دکھایا   بیٹھا ہوا تلوار کے نیچے نظر آیا
پیہم تھی قطاروں میں صدا "ہائے اُخی" کی
یاں فاطمہؑ روتی تھی وہاں روحِ علیؑ کی

۱۵۲ چہروں پہ طمانچے حرمِ شہ نے لگائے   ملنے کے لیے ہاتھ رقیّہ نے بڑھائے
چلائی کہ لو اماں، وہ بابا نظر آئے   سب کہتے تھے بابا نے وہاں شہر بسائے
بے فرش پہ، بے سایۂ دیوار کے نیچے
بابا تو مرے بیٹھے ہیں تلوار کے نیچے

۱۵۳ کیا روتے ہو لوگو مرے بابا کو پکارو   لے جا کے رقیّہ کو پدر پر کوئی وارو
زینب پھوپھی اُشتر سے مجھے جلد اتارو   یا حضرتِ عباسؑ ! حمایت کو سدھارو
بھیّا علی اکبر ! یہ بہن تیری بلا لے
لونڈی ہوں میں تیری، مرے بابا کو بچالے

۱۵۴ پھر پیٹ کے سر ننھا سا حضرت کو پکاری   فریاد، چچا جان، دُہائی ہے تمہاری
ذات آپ کی ہے عقدہ کشا سب کی میں واری   اصغرؑ کے لیے دیکھو صغیری یہ ہماری
دیتی ہوں سکینہ کی قسم جا کے بچا لو !
بابا کو مرے تیغ کے نیچے سے نکالو !

۱۵۵ شبیر پکارے : ترا بابا ہے بہت دور   پر خالقِ مختار کو اب یوں ہوا منظور
قاتل سے وہاں کہنے لگے مسلمِ رنجور   حسرت مری پوری ہوئی اے ظالمِ مقہور
اب کاٹ لے سر کو یہی مرنے کا مزا ہے
آقا مرا اس وقت مجھے دیکھ رہا ہے

۱۵۶ قاتل نے لگائی سرِ مسلم پہ جو شمشیر   سر کٹ کے پکارا "میں فدائے سرِ شبیرؑ"
کوٹھے سے گرایا جو تنِ مسلمِ دلگیر   "یا حیدرِ کرّار" کہا اور کہی تکبیر
قطرے تو گرے خون کے دامانِ نبیؐ میں
سر گود میں زہراؑ کی، تن آغوشِ علیؑ میں

۱۵۷ سر پٹخنے کی جا ہے گرا جب کہ وہ لاشا   موجود تھے حاکم کی طرف سے وہاں اعدا
میں کیا کہوں اک اک نے دی جو لاش کو ایذا   پھر لاش کے پاؤں میں غرض رسی کو باندھا
پہلے اسے دربارِ ستمگار میں لائے
پھر کھینچتے ہر کوچہ و بازار میں لائے

۱۵۸ پر لاش کو کوچوں میں پھراتے تھے جو بدخواہ   رونے کی فرشتوں کی صدا آتی تھی، واللہ
اک بی بی بھی پوشیدہ تھی اس لاش کے ہمراہ   چلاتی تھی وہ "وا ولدی، وا ولدی" آہ
جب پوچھتا تھا کوئی کہ یہ کس کی صدا ہے؟
کہتی تھی زمیں : فاطمہؑ مشغولِ بکا ہے

۱۵۹ مظلومیِ مسلم پہ دبیر اب تو بکا کر   اس مرثیہ کو ہاتھوں پہ رکھ اور یہ دعا کر
مقبول یہ ہدیہ مرا اے بارِ خدا کر   ہر لحظہ مجھے قوّتِ تصنیف عطا کر
گو دزدِ سخن سرقہ کرے میرے بیاں سے
ملکِ سخن تازہ میں لوں تیغِ زباں سے

تحقیقِ متن

مرثیہ

کوفے میں بہار آئی جو گلگشت چمن کو

بند ۱ : دفترِ ماتم ج ۶، صفحہ ۱۵۲، طبع دوم، دبدبۂ احمدی لکھنؤ ۱۹۱۰ء

مصرع ۲ ۔ تازہ کیا ہر موج نے تقویمِ کہن کو

۴ ۔ دنداں درِ شبنم ہوئے غنچہ کے دہن کو

۶ ۔ فوارے ہوئے رطبِ لسان مدحِ چمن میں

بند ۲ : دفترِ ماتم

کوفہ جو ہوا رشک چمن فصل چمن میں — در عکس شفق سے ہوئے یاقوت عدن میں
بلبل کی طرح جان پڑی گل کے بدن میں — دنداں درِ شبنم ہوئے غنچے کے دہن میں

بیت مطابق متن ہے

بند ۳ : دفترِ ماتم

مصرع ۲ ۔ ہر غنچے نے نقارہ سلامی کا بجایا

۵ ۔ یہ تیز روی کی کہ عرق آیا جبیں پر

بند ۴ : دفترِ ماتم

آیا عملِ شاہ بہاری میں گلستاں — سبزے کو دیا خلعتِ خضر اسپِ میداں
خشکی پہ لکھا آبِ رواں سے خطِ بطلاں — اور نہر کے جاسوس پہ جاری کیا فرماں

ہاں لا تو خبر، دیکھ زمیں خشک کدھر ہے
پھر قہر ہے تو خشک ہے گر وہ نہیں تر ہے

بند ۵ :

مصرع ۲ - لالے کی سیاہی کی دوات اس نے نکالی

۵ - کیا بندۂ آزاد ملازم جزو کل تھے

بند ۵ کے بعد دفترِ ماتم کا بند ۶، یہ ہے

صیقل گری شبنم نے یہاں شاخوں کی کی صاف — خود دو کلمۂ غنچہ سراسر کیے شفاف

موجِ آبِ رواں کی یہ دکھانے لگی اوصاف — گہ تیغ و گہے تیغ گرو گاہ زرہ باف

بیت مطابق متن بند ۶

بند ۶ :

مصرع ۳ سبع مثانی "نہروں سے حریفوں" بعض نسخوں میں "لہروں سے حریفوں"

بند ۷ : مصرع ا و ۲ دفترِ ماتم

ناگاہ پئے جنگ اٹھا خسروِ یاراں — رعد اس کا نقیب، اسپ ہوا تند شترراں

باقی مصرعے مطابق متن سبع مثانی۔

بند ۸ : دفترِ ماتم

مصرع ۲ - یوں ابر کا دل آب ہوا جیسے کہ جیحوں

۳ - باران پہ پڑا لالے کے پرتو کا جو شبخوں

۴ - پھر گنبدِ نہ طارم خضرا ہوا گلگوں

۵ - باران چمن میں . . . .

بند ۹ : دفترِ ماتم ندارد، اس کے بدلے بند ۱۰ زائد ہے

جاروب گلستاں دمِ طاؤس سرِ راہ — ہر ایک قدم خضر طراوت کی قدمگاہ

ذرہ نہ ملے خاک تیمم کی ہو گر چاہ — بوئے گل تر غسل و وضو کے لیے دل خواہ

بیت مطابق بیت بند نہم۔

بند ۱۰ : دفترِ ماتم

مصرع ۳ - وہ قمریوں کا سرو کے منبر پہ ترانا

۴ وہ بلبلوں کا مصحفِ گل پڑھ کے سنانا

۵ - گلزار خوش و سبزہ خوش و آب و ہوا خوش

۶ - سب کرتے ہیں خوشنود ہیں کوئی نہیں ناخوش

بند ۱۱ جو دفترِ ماتم میں بند ۱۲ ہے

مصرع ۲ - فوارہ نمط جوش میں ہے موج معانی

۳ - بالائے فلک کرتا ہے یہ قطرہ فشانی

۴ - ہاں، گلشنِ انجم یہ پہنچاتا ہے پانی

۵ - آگے تو سحاب آتا تھا گردوں سے زمیں پر

۶ - برساتی ہے اب منہ کو زمیں چرخ بریں پر

بند ۱۲ : دفترِ ماتم بند ۹

مصرع ۳ - وہ ابر سے جاری تھی زبس رحمتِ غفار

بند ۱۳ : دفترِ ماتم بند ۱۳

مصرع اول مطلع - اے اہلِ عزا طرفہ یہ نیرنگ جہاں ہے

۴ - گھر پنجتنِ پاک کا بے نام و نشاں ہے

۵ - شمشیر کا پھل حصۂ شبیر میں آیا

۶ - اس فصل کا میوہ بھی نہ تقدیر میں آیا

دفترِ ماتم مطلع ۱۴

گرمی میں مدینے سے سفر کرتے ہیں حضرت — پاؤں سے مہم قبر کی طے کرتے ہیں حضرت

گہ یاس سے صغرا پہ نظر کرتے ہیں حضرت — گاہے درِ دولت پہ نظر کرتے ہیں حضرت

کہتے ہیں کہ ہم جا کے نہ زنہار پھریں گے

لٹ کر حرمِ احمدؐ مختار پھریں گے

بند ۱۴ : دفترِ ماتم میں مطلع کے عنوان سے ہے اور اس کا نمبر ۱۵ ہے یہ بند سبع مثانی میں نہیں ہے۔

بند ۱۸ : دفترِ ماتم بند ۱۹ میں بیت ہے۔

کیا بابا کے شیعوں پہ عنایت نہ کرو گے — کیا نانا کی امت کو ہدایت نہ کرو گے؟

بند ۱۹ : دفترِ ماتم کی بیت ہے۔

ٹھہرو کہ لحد سے میں نکلتی ہوں حسینا — سب کنبے کے رونے کو میں چلتی ہوں حسینا

بند۲۰ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ تم آن کے تربت پہ پکارو انھیں پیارے
۳۔ رخصت کا پڑھو فاتحہ مرقد پہ ہمارے
۴۔ اماں نے بھی تو مہر ترے قتل پہ کی ہے

بند۲۱ : دفترِ ماتم بند۲۲

مصرع ۵۔ مولا مرے کیوں روتے ہو منہ ڈھانپے کفن سے
۶۔ وہ کہتے ہیں شبیرؑ نکلتا ہے وطن سے

بند۲۲ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ چلّایا سرِ قبر وہ زہرا کا مسافر
۴۔ مرقد سے ندا آئی "خدا حافظ و ناصر"
۵۔ تم بن مری امت کوئی بخشا نہیں سکتا
۶۔ واں جاتے ہو پیارے کہ میں ٹھہرا نہیں سکتا

بند۲۳ : دفترِ ماتم مصرع ۱، ۲،

تب شاہ نے عمامہ دھرا قبر پہ اپنا — اور کھول کے گیسو کو کہا بارِ الٰہا!
۴۔ دل میرا رہے گردِ کدورت سے مبّرا

بند۲۴ : دفترِ ماتم

مصرع ۴۔ عریان اٹھوں آیا تھا دنیا میں بھی عریاں

بند۲۶ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ پر میں نہ کروں قتل جواں بیٹا کسی کا
۳۔ رخسارِ سکینہ کے ہوں اور سیلیِ اعدا
۶۔ پر ہاتھ نہ میرا کسی بیمار پہ اٹھے

بند۲۷ : دفترِ ماتم

مصرع ۳۔ سر ننگے پھرے بلوے میں زینب مری ہمشیر
۴۔ لوٹے نہ کسی پردہ نشیں کو ترا شبیر

بند۲۸ : دفترِ ماتم

مصرع ۳۔ خود مژدہ اجابت کا دیا ربِ ہُدا نے
۴۔ پھر قصد بقیعہ کا کیا شاہِ شہُدا نے

بند۲۹ : دفترِ ماتم

مصرع ۳۔ القصہ بقیعے میں تڑپتی رہی زہراؑ

بند۳۰ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ داخل ہوئے کعبہ میں تو تھی سوم شعباں

بند۳۱ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ مشتاق قدم آنکھ ہے ہر اک کی سرِ راہ
۶۔ کانوں پہ دھرے ہاتھ وہ بولے کہ نہ واللہ

بند۳۳ : دفترِ ماتم کے چار مصرعے یہ ہیں :

خطرے کے یہ مسلم سے بیاں کرنے لگے شاہ — لو کعبہ بھی اب چھوڑو، مدینہ تو چھٹا، آہ
امت کہیں گمراہ نہ ہو، کوفے کی لو راہ — احوال بد و نیک سے تم کیجیو آگاہ !

بند۳۴ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ القصّہ چلا ایلچیِ نائبِ حیدرؑ

بند۳۶ : سبع مثانی میں نہیں ہے دفترِ ماتم سے ہم نے نقل کیا ہے۔ بظاہر مرزا صاحب نے یہ بند نظرِ ثانی کے وقت قلم زد کر دیا۔

بند۳۷ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ کی راہبروں نے طلبِ آب ہر ایک جا
۳۔ یاں کانٹے زبانوں میں تھے اور چھالے تہِ پا
۴۔ ہوتا ہے علاج آبلے کا خار سے اِلّا

بند۳۸ : دفترِ ماتم :

مصرع ۱۔ پیاسے کے ہر اول کے جو وہ دونوں تھے رہبر
۲۔ لکھا ہے قضا کر گئے بن آب تڑپ کر

بند۳۹ : دفترِ ماتم :

مصرع ۳۔ اور قبلہ رخ اک ایک کو مرقد میں لٹایا

۶۔ پر یہ جو موے قبر بنائی نہ کسی نے

بند ۴۰ : دفتر ماتم
مصرع ۱۔ پھر پہنچ کے مدعی عسرت کا آقا کو یہ لکھا
۳۔ پیاسے مرے رہبر نہ ملا پانی کسی جا

بند ۴۱ و ۴۲۔ دفتر ماتم سے نقل کیے گئے۔ حاشیہ کا بند سبع مثانی سے نقل ہے۔

بند ۴۳ : دفتر ماتم :
مصرع ۲۔ مسلم طرف کوفہ چلے خورم و خندا ل
۳۔ وارد جو ہوا کوفے میں وہ نائب ایماں
۴۔ مہمانی مسلم کا سبھوں نے کیا ساماں
بیت : اے وائے غریبی وہ حسینؑ ابن علیؑ کی اک دن بھی ضیافت نہ ہوئی سبط نبی کی

بند ۴۵ : دفتر ماتم :
مصرع ۴۔ اب راہ پہ بخت آیا کہ یہ راہبر آیا
۵۔ اب چشمۂ ایماں پہ پہنچ جائیں گے پیاسے

بند ۴۶ : دفتر ماتم :
مصرع ۲۔ اب قبلہ و کعبہ کا ہے کب قصد ادھر کو
۳۔ اللہ کرے ماہ محرم تو یہیں ہو
۴۔ فرماتے تھے مسلم، اب انھیں آیا ہی سمجھو
۶۔ بچوں کو بھی جھولے سے لیے آتے ہیں مولا

مذکورہ بالا بند کے بعد ایک بند نمبر ۴۸ ہے جو سبع مثانی میں نہیں ہے۔
ایسا ہی وفادار تمہیں جانتے ہیں شاہ جو فاطمہؑ کی بیٹیوں کو لاتے ہیں ہمراہ
قاسم بھی اور اکبر بھی بنیں گے یہاں نوشاہ دو تین مہینے کا ہے اصغر ابھی واللہ
مکتب یہیں ہوگا یہیں دودھ اس کا بڑھے گا
چلائی اجل کوئی نہ پروان چڑھے گا

بند ۴۷ : دفتر ماتم بند ۴۹
مصرع ۴۔ منبر پہ پڑھا بزم میں یہ خطبۂ دل خواہ

بند ۴۸ : دفتر ماتم بند ۵۰
مصرع ۱۔ مسلم کو جگہ دے گا جو گھر میں سو گنہ گار
۳۔ اور بیعت شبیر کا ہوگا جسے اقرار
(بیت) مسلم پہ جفا وہ کروں حاکم کی مدد سے جو فاطمہؑ روتی ہوئی یاں آئے لحد سے

بند ۴۹ : دفتر ماتم
مصرع ۳۔ پر محفل حاکم میں طلب ہو گیا ہانی
(بیت) بس آ گیا بے رحم زد و کشت کے اوپر درے کئی سو مارے فقط پشت کے اوپر

بند ۵۰ دفتر ماتم :
مصرع ۳۔ شاہد مرے رہیو کہ مری کچھ نہیں تقصیر

بند ۵۲ : دفتر ماتم ،
مصرع ۱۔ گر میری زباں بھی تو نکالے گا وہاں سے

بند ۵۳ : دفتر ماتم
مصرع ۴۔ فتنے نے کماں ہاتھ میں لی تیر کو چھوڑا

بند ۵۴ : دفتر ماتم :
مصرع ۴۔ اور مسلم مظلوم فقط بے کس و بے یار

بند ۵۵ : دفتر ماتم :
مصرع ۲۔ اور مورد بیداد و جفا ہو گئے مسلم
مصرع ۴۔ ان صدموں سے مشتاق قضا ہو گئے مسلم

بند ۵۶ : دفتر ماتم : پہلا شعر :
اک دوست تھا ہانی سو ہوا قید وہ غم خوار پھر رہنے کا گھر میں نہ ہوا کوئی روادار
سبع مثانی مصرع ۶۔ ہاں بھیجیو مسلم کو، کوئی جانے نہ پائے

بند ۵۷ : دفتر ماتم سے اضافہ ہے۔

بند ۵۹ : دفتر ماتم :
مصرع ۶۔ یہ گھر نہیں رکھتا کوئی یا در نہیں رکھتا

بند ۶۲ : دفتر ماتم مصرع ۲۔ گھر ہوتا تو ہم کاہے کو یوں بیٹھتے در پر

٣۔ یاں میرے لیے فکر کسے ہوئے گی خواہر
٥۔ شبیر جدا مجھ سے ہیں عباس جدا ہیں
٦۔ اک ہم تنِ تنہا یہاں محبوس بلا ہیں

بند ٦٣ : دفترِ ماتم
مصرع ٢۔ شبیر ترا کون ہے اسے بندۂ اللہ
٤۔ وہ بولی : کہ کیا آیا تھا مسلم کے تو ہمراہ

بند ٦٥ : دفترِ ماتم
مصرع ١۔ لکھا ہے نویں رات تھی ذیحجہ کی وہ آہ

بند ٦٨ : دفترِ ماتم
مصرع ٣۔ قرآں کو بھی دو بیچ میں سوگند بھی کھاؤ

بند ٧١ : دفترِ ماتم
مصرع ٢۔ اسے فاطمہؑ کی لونڈی رضا دے پسِ زہراؑ

بند ٧٢ : دفترِ ماتم
مصرع ٢۔ جو زین پہ یہ مہرِ درخشاں ہوا روشن
٣۔ اب تیرا الہام ہے اس طرح ضو افگن
٦۔ مسلم کا سراپا نہ لکھے گر تو عجب ہے

بند ٧٣ : دفترِ ماتم
مصرع ٦۔ حیدرؑ نے رکاب آن کے تھامی ہے نجف سے

بند ٧٤ : دفترِ ماتم
مصرع ١۔ ہاں مشتریانِ قمرِ لفظ فصاحت
٥۔ وہ صاف بیاں ہو کہ قمر نظروں سے گر جائے

بند ٧٥ : دفترِ ماتم
مصرع ٣۔ اور چار طرف کو ہیں احاطہ کیے کفّار
٤۔ گرداب میں ہے دُرِّ گراں مایۂ غفّار

بند ٧٧ : مصرع امطابق دفترِ ماتم

مصرع ٢۔ خلعت دہِ الواحِ قلوبِ عقلا ہے
سبع مثانی مصرع ١۔ چہرہ، چمنستان تجلّیِ خدا ہے

بند ٧٨ : دفترِ ماتم۔
یہ رخ نہیں ہے مصحفِ تنجیم بحقیقت ... ابرو تو ہے بسم اللہ، خال اسکی ہے آیت
حافظ دو طرف جلد کے بدلے یدِ قدرت ... ہے روئے کتابی سے ثبوت ان کی
(اضافہ [illegible])

بند ٧٩ : دفترِ ماتم
مصرع ٢۔ پرتو سے گل رخ کے ہو وہ گل بگریباں
٥۔ تیرِ مژہ نے زخم پہ زخم اس کو دیا ہے

بند ٨٠ : دفترِ ماتم
مصرع ١۔ اللہ ری تجلّائے جلائے رخِ انور
٤۔ آئینہ میں ہو فیضِ رواں ہر رگِ جوہر
٥۔ کیا فخر جو آئینے کو آئینہ جلا دے

بند ٨١ : سبع مثانی میں نہیں ہے دفترِ ماتم سے اضافہ ہے۔

بند ٨٣ : دفترِ ماتم
مصرع ١۔ اور چینِ جبیں کی میں بیاں کیا کروں تاثیر
٥۔ پہنچے نہ کوئی نقشِ ظفر چینِ جبیں کو

بند ٨٤ : دفترِ ماتم سے نقل ہے، سبع مثانی میں نہیں ہے۔

بند ٨٥ : دفترِ ماتم میں تیسرے مصرع کی صورت میں ذرا سا فرق ہے مگر اس فرق سے زبان اور اسلوب پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔
"یہ ماہِ دو ہفتہ ہے دیا نیّرِ اعظم"

بند ٨٦ : دفترِ ماتم میں ہے سبع مثانی میں نہیں ہے۔

بند ٨٩ : دفترِ ماتم سے نقل کیا ہے۔

بند ٩٠ : مصرع ٤ دفترِ ماتم کے متن اور سبع مثانی کے حاشیے پر یوں ہے:
ہے شمع کہ آہِ جگرِ نائبِ حیدرؑ
مصرع ٦۔ یا بابِ اجابت یہ ہے اور شمع یہ سر ہے

بند ۹۱ : دفترِ ماتم بند ۹۳ :

مصرع ۱۔ بینی کا الف زیرِ جبیں ہے سخن آرا

۳۔ نون ابرو و عین آنکھ ہے فرماؤ خدارا

۴۔ ان حرفوں سے اسرارِ اِذاں کھل گیا سارا

بند ۹۳ : دفترِ ماتم بند ۹۵

پیدا شب کا کل سے سیہ روزیِ اعدا، | پر روزِ مبارک پئے شبہائے احبّا
ہر تار نفس عطر اگر دے تجھے اپنا | تب بھی یہ سرِ زلف دہ اک مو کا ہو سودا

گر مشک خطا کہیے سخن ہے یہ خطا کا
یہ سلسلہ ہے عفو کا اور مشک خطا کا

بند ۹۴ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ کا کل ہے و یا رشتۂ گلدستۂ رخسار

۳۔ پشتِ لب جاں بخش کے خط کا ہے یہ اسرار

بند ۹۵ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ ہے روزنۂ عالمِ غیب اک یہ ہویدا

بند ۹۷ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ ڈر سے ہے صدف پنبہ بگوش اور تہِ دریا

۴۔ جو عکس اُدھر سے ہے اِدھر صاف ہویدا

۶۔ پر گن لیے جتنیں گہرِ شب کو قمر سے

بند ۹۸ : سبع مثانی میں نہیں ہے۔ دفترِ ماتم سے اضافہ کیا ہے۔

بند ۹۹ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ اور چاہِ زنخداں کا ستو تازہ بیاں، واہ

کی دادو ستد صورتِ خیر البشر اس نے | امت کو دیے سنگ کے بدلے گہر اس نے

بند ۱۰۰ : دفترِ ماتم میں ہے سبع مثانی میں نہیں ہے۔

بند ۱۰۱ : دفترِ ماتم

اور سینہ تو ہے سطحِ رخِ آبِ دُرِ غلطاں | یا چشمۂ لبریزِ درخشندۂ ایماں

ہے سینۂ بے کینہ و یا موجۂ عرفاں | ظاہر ہے کہ سب رازِ خفی اس میں ہیں پنہاں

بند ۱۰۲ : دفترِ ماتم :

مصرع ۴۔ یا غنچۂ نو شگفتہ طبق میں پئے رضواں

مغلق ہے بہت، اس کو مفصل یہ بیاں ہے | اقلیمِ صفت میں یہ سرا پردۂ جاں ہے

بند ۱۰۳ : دفترِ ماتم

مصرع ۳۔ یہ رشتۂ گلدستۂ جمعیتِ تقویٰ ہے

۴۔ یا خمسۂ ارجح کا ہے شیرازۂ اجزا

بند ۱۰۴، ۱۰۵ اور ۱۰۶، دفترِ ماتم سے نقل ہے، سبع مثانی میں یہ دونوں بند ہیں۔

بند ۱۰۷ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ ہے خود کی تعریف میں یہ دعویٰ محکم

۴۔ ہے ڈھال و یا دردِ زرہ اٹھتا ہے کم کم

بند ۱۰۸ : دفترِ ماتم

مصرع ۶ ہے بوسہ زناں عرش بریں دوش کے اوپر

بند ۱۰۹، سبع مثانی

مصرع ۴۔ پروانۂ مہر سوختہ جاں طائر جاں ہو

متن کا مصرع دفترِ ماتم کے مطابق ہے۔

بند ۱۱۰ : دفترِ ماتم مصرع ۱ و ۲

محرابِ اجابت ہے کماں آپ کی گویا | بر آتی ہے فی الفور زمانے کی تمنا

بند ۱۱۱ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ گر موج سے اس تیغ کی تشبیہ کا دھیان آئے

۳۔ ساحل ہو یہ ہیبت سے گریزاں کہ بلا لائے

گرداب کو شمشیرِ اجل طوقِ گلو ہو | پیدا کبھی نہ پھر غرقِ حبابِ لبِ جو ہو

یہ بیت سبع مثانی کے حاشیہ پر بطور بدل اور دفترِ ماتم میں داخل متن ہے۔

بند ۱۱۲ : دفترِ ماتم سے لیا ہے سبع مثانی میں نہیں ہے۔

بند ۱۱۳ : دفترِ ماتم کے پہلے مصرع کی روایت یہ ہے :

تو سن کے سراپا میں ٹھہرتے نہیں مضمون

بند ۱۱۵ : دفترِ ماتم مصرع ۳ و ۴

شوخی میں جو کج رو نہیں یہ راست نشاں ہے ۔ ہوتا ہے الف راستی اس میں بھی عیاں ہے

بند ۱۱۶ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ چشم اس کی جو ہو خشم سے برہم زنِ مژگاں!

۵۔ ہے رخش کے کاوے سے حذر چرخِ بریں کو

۶۔ مانند فلک چرخ میں لاتا ہے زمیں کو

بند ۱۱۸ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ مسلم نے کہا دل میں بصد نالہ و افغاں

بند ۱۱۹ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ دیکھو جو پرواز گردیدہ گنبدِ گرداں

اک اک خمِ شمشیر سے پھیرے ہوئے رو تھا ۔ نکلا مہِ نو سلخ مہِ عمرِ عدو تھا

بند ۱۲۰ : دفترِ ماتم

مصرع ۳۔ اور پستی ہمت سے گئے بام پہ اشرار

دیواروں پہ انبوہ تھا اور بام کے اوپر ۔ بلوہ تھا عجب مسلمِ ناکام کے اوپر

بند ۱۲۱ : دفترِ ماتم مصرع ۱ و ۲

اک پھینکتا تھا چوب کو آتش سے جلا کے ۔ مسلم پہ گراتا تھا کوئی سنگ اٹھا کے

بند ۱۲۲ : دفترِ ماتم

مصرع ۳۔ کو فرش تہ و بالا تھا، رہے جرأتِ آقا

۶۔ کفار تلے گرتے تھے دیوار سے پہلے

بند ۱۲۴ : دفترِ ماتم بیت

ہر تارِ شررِ حافظِ ملبوس بقا تھا ۔ آتش تھی شفق رنگ یہ خورشید لقا تھا

بند ۱۲۵ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ پر تن پہ نزاکت سے پڑے آبلے ہر جا

۴۔ تھے صاف گہر قلزمِ رحمت کے وہ پیدا

۶۔ اعضا کو پئے شکر تو دریا کو گہر تھی

بند ۱۲۶ : دفترِ ماتم

مصرع ۵۔ کھیسہ کرن گشتہ ہوتا چرخ پڑے تھے

بند ۱۲۷ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ مرکز جو ہوا نیزہ کہیں کافِ جگر کا

۴۔ نونِ نظری ہو گیا ہر سینِ سپر کا

بند ۱۲۸ : دفترِ ماتم

مصرع ۲۔ ساحل کی طرح پا بگل اس میں ہوئے رہوار

۴۔ جنبش میں کشتی تھی، کبھی اور کبھی پار

۵۔ پل بن گئے توسن کہ بدن جن سے گزر جائیں

بند ۱۳۱ : صبح مشائی

مصرع ۳۔ پھر تھی وہی آتش وہی بیداد وہی جنگ

بند ۱۳۵ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ لکھا ہے کہ کہنے لگا اک ظالمِ گمراہ

بند ۱۳۸ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ وہ بولے کہ حاشا جو تأسف ہو کچھ اپنا

بند ۱۴۰ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ پر عید یہ ہے آپ پہ میں ہوتا ہوں قرباں

۴۔ لکھتا ہوں رقیہ کی سفارش مگر اس آں

بند ۱۵۱ : دفترِ ماتم

مصرع ۱۔ کوفے کی طرف شاہ نے چہرے کو پھرایا

بند ۱۵۴ : دفترِ ماتم

مصرع ۶۔ بابا کو مرے تیغ کے نیچے سے اٹھا لو

بند ۱۵۸ :

مصرع ۴۔ چلاتی تھی وہ یا ولدی، یا ولدی، آہ

فرہنگ مرثیہ

کوفے میں بہار آئی جو گلگشت چمن کو

۱- تجمّل : شان و شوکت

۲- مرصّع : جواہرات سے آراستہ۔ جڑاؤ

۳- فرد : ناموں کا رجسٹر۔ فہرست۔ جدولی لکھا : ملازمت پر بلایا یعنی بہار نے فوج کا دفتر سنبھالا، قلم شاخ تازہ اور ... کلی کی دوات سے ... کی فہرست لکھنا شروع کی گل و سبزہ و نرگس و سرو سب کے دستے تیار کیے ... فوج سبزہ ... تیار ہوئے سرو کی پیدل فوج اور گل کی سوار پلٹن، گل نرگس بیمار ہونے کے باوجود ڈیوٹی پر بلا لیا گیا۔ سب حکم کے پابند و منتظر کھڑے ہیں۔

۴- چم خم : تلوار کی صفت ... اور شکل۔ رسالہ : پلٹن

۵- کڑکیت : کڑکا کہنے والا۔ وہ اشعار یا جملے جو جنگ کے وقت سپاہیوں کو جوش دلانے کے لیے بلند آواز سے کہے جاتے ہیں۔ ... آئی۔ ... بجا رہی۔

۶- گنبدِ خضرا : ہرا گنبد۔ آسمان۔ وغا : جنگ۔

۷- زہر کھانا : حسد کرنا۔

۸- خطِ گلزار : وہ تحریر جس میں ہر حرف پھولوں سے بنایا گیا ہو۔

۹- صفت : مانند۔ طرح۔ قطرہ فشانی کرنا : محنت کرنا۔

۱۰- بقیعہ : جنت البقیع یا البقیع ... مدینہ کا قبرستان جس میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مزار ہے۔ دل گیر : غمزدہ۔ دل بند : اولاد

۱۱- مہر ترے قتل پہ کی ہے : شہادت ... کی رضامندی لکھی ہے محضر پر مہر لگائی ہے۔ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے شہید حق ہونے پر اللہ سے رسول و علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام سے رضا لی تھی۔

۱۲- نکوئی : حسن۔ خوبی۔

۱۳- اوجِ سناں : نیزے کی بلندی۔ تسبیح : سو دانوں کی مالا۔ سبحان اللہ کہنا، اللہ کی پاکیزگی

بیان کرنا۔

۱۴- دُرّہ : کوڑا

۱۵- ہدف : نشانہ۔ حزیں : غمگین۔ گلوگیر : گلے کو دبانے والا۔ ہونٹ کھلیں چوبِ جفا سے : اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف کہ شہادت کے بعد یزید سرِ مبارک امام کو تخت کے سامنے رکھا دیکھ کر چھڑی سے لبوں کو کھولے گا۔

۱۶- تعویذ : قبر کا اوپری حصہ۔ تعویذ گلو : بہت پیارا، ہر وقت سینے سے چمٹنے والا بچہ۔

۱۷- رکن : خانۂ کعبہ کی دیوار کا کنارہ۔ مقام : مقام حضرت ابراہیمؑ

۱۸- اختر : ستارہ۔ سعدین : ستارۂ زہرہ و مشتری۔ ثابت : وہ ستارے جو بقول نجومی حرکت نہیں کرتے۔ یہاں مراد صحیح و درست۔ قِران : دو ستاروں کا ایک برج میں جمع ہونا۔ مبارک گھڑی۔

۱۹- وارد ہونا : اترنا۔ اسپند : ہرمل، کالا دانہ۔ مجمر : انگیٹھی

۲۰- سراب : وہ ریت جو دور سے پانی کی طرح چمکتی ہے۔ ریگِ رواں : وہ ریت جو ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے اِدھر سے اُدھر رواں ہو جاتی ہے۔ جادّہ : کشادہ راستہ۔ سڑک۔

۲۱- گورِ غریباں : مسافروں کا قبرستان۔ جنابِ احدی : اللہ تعالیٰ۔

۲۲- مَد : ایک لمبا خط۔ ایک خاص قسم کی لکیر جو عرضی کی عبارت سے پہلے کھینچا جاتا تھا۔

۲۳- چشمۂ حیواں : آبِ حیات کا چشمہ۔

۲۴- عید محرم : عرب میں قبل از اسلام محرم کا مہینہ بہت مقدس مانا جاتا تھا۔ اس مہینے سے سال شروع ہوتا تھا، جنگ ممنوع تھی، چاند دیکھتے ہی جشن اور میلہ شروع کر دیتے تھے، یہودی روزہ رکھتے تھے اور عاشورا کو خاص خوشی مناتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان میں سے بہت سی باتوں کو بند کر دیا۔ مگر عوام اپنی روایت کے مطابق سرخ کپڑے پہنتے اور عید مناتے ہی رہے تا آں کہ عاشور ۶۱ھ کو امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے اس دن سے عوام اہل اسلام نے محرم کو عید منانے اور عاشورہ کو روزہ رکھنے کی تقریب بالکل بند کر دی۔

۲۵- مشرّف ہونا : عزت حاصل کرنا۔

۲۶- ہانی : کوفے کے ایک معزز رہنما، جنھوں نے حضرت مسلم سے مکمل تعاون کیا انھیں کے گھر میں حضرت مسلم کے حامیوں کا مرکز تھا۔ ہانی ابن عروہ کو اسی جرم میں عبید اللہ ابن زیاد نے قتل کیا۔

۲۷۔ ہَیہات : افسوس۔ سات : ساتھ۔ قریں : قریب۔

۲۸۔ طوعَہ : کوفے کی ایک صاحبِ دل خاتون۔ ششدر : حیران۔

۲۹۔ غُربت : مسافرت۔

۳۰۔ تردّد : فکر۔ ناموس : بال بچے۔ بیوی۔

۳۱۔ عَرفہ : نوذی حجہ کا نام۔

۳۲۔ پئے : واسطے۔ لیے۔ گویا : کہنے والا، بولنے والا۔

۳۳۔ یعنی ابھی سورج بھی نہ نکلا تھا کہ حضرتِ مسلم دامن زین / زین پر تشریف فرما ہوئے۔ نیّرِ الہام : الہام کا سورج۔ ذاکر : امام حسین علیہ السّلام کے منبر کا خطیب۔ قدسی : فرشتے۔ تائید : امداد

۳۴۔ مُحِبّ : دوست۔ برخاستہ دل : گھبرائے ہوئے۔ زِنہار : ہرگز۔

۳۵۔ مشتریاں : خریدار "مشتریانِ قمر برجِ فصاحت" قدردانِ فن۔ برج و قمر کی مناسبت سے مشتری کا استعمال صنعت مراعاۃ النظیر بھی ہے۔ فصاحت : غلط اور نامانوس ترکیبوں، ثقیل اور مشکل لفظوں سے کلام کا پاک ہونا۔ بلاغت : کلام فصیح کا تقاضائے حال کے مطابق مناسب اور واضح لفظوں میں ادا ہونا۔

۳۶۔ رَہوار : گھوڑا۔ اسوار : سوار۔ احاطہ کرنا : گھیرا ڈالنا۔ اَسرار : راز۔

۳۷۔ رضوان : جنّت کا مہتمم فرشتہ۔ بدخشاں : روسی ترکستان کا ایک علاقہ جہاں کا لعل مشہور ہے۔ باور آنا : یقین آنا۔

۳۸۔ عارض : رخسار۔ ماہِ دو ہفتہ : چودھویں کا چاند۔

۳۹۔ مصرعِ ہلال ایک : پیشانی چاند کی طرح چمکتی ہوئی یا شعر کا ایک خوبصورت مصرع۔ دو بھویں چار (مژہ) پلکیں مل کر ایک مسدس۔ یاقوتی رنگ کے لبوں کے دو حسین خط ایک شعر ہیں : "اَلْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَتَقَدَّسْ" بزرگ و برتر اللہ کی قدرت کی مدح۔ اس بند میں پیشانی، دو بھویں، چار پلکیں، دونوں لبوں کے دو خط کل نو چیزیں ہوئیں۔ چہرہ کو حسن کا آسمان کہیئے اور نواعضا کو نو مصرعے بلکہ ہر مصرع سو مصرعوں کے برابر مانیئے یا نو چاند کہیئے۔

۴۰۔ نیّرِ اعظم : سورج، آفتاب۔ جِرم : جسم شفاف۔

۴۱۔ شگفتہ ہونا : خوش ہونا۔ سلیمانی : حضرت سلیمان کی شان و حکومت۔ اقلیم، ملک، برِ اعظم۔ تجلّا : نورِ الٰہی۔ کشور : ملک۔ مگر : شاید۔

۴۲۔ قوس : کمان، قوسیں، دو کمانیں۔ دائرے کی تنصیب کے دونوں حصّے۔ بینی : ناک۔ خدنگ : تیر۔

۴۳۔ تنگ ظرف : کم حوصلہ۔ کشادِ گرہ : مشکل حل کرنا۔ شنجرف : گندھک اور پارے سے مرکب ایک دھات جس سے سرخ رنگ لیا جاتا ہے ایک خاص قسم کا رنگ۔ عَرَق : پسینہ۔

۴۴۔ ہُویدا : نمایاں۔ روشن۔ دُرج : جواہرات رکھنے کا ڈبّہ

۴۵۔ اِلّا : مگر یہ کہ۔ سَہواً : بھول سے۔ اَصلاً : بالکل۔ قطعاً۔ دادوستد : لین دین۔

۴۶۔ زنخداں : ٹھڈّی۔ چاہ : خواہش۔ نیز کنواں۔ حاشا : ہرگز نہیں۔ وِلا : محبّت۔

۴۷۔ ید : ہاتھ۔ یدِ قدرت : ید اللہ۔ حضرت علیؑ سے استعارہ۔ معدلت افگن : عدل و انصاف پھیلانے والا۔

۴۸۔ زنہار : ہرگز نہیں۔ خبردار ایسا نہ کرنا۔ شیرازہ : کتاب کا پشتہ۔ خامہ : قلم۔

۴۹۔ طوبیٰ : جنت کا ایک بہت بڑا درخت۔

۵۰۔ دُود : دھواں۔ دخاں : دھواں۔ نیز قرآن مجید کا ۴۴ واں سورہ۔

۵۱۔ مقرّر : یقیناً۔

۵۲۔ چِلّہ : وہ تاگا وغیرہ جو کسی تربت، علم وغیرہ میں دعا اور منّت کے لیے باندھا جائے۔

۵۳۔ تشبیہ : کسی صفت میں ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دینا جیسے تلوار جیسے موج دریا روانی اور چمک میں۔ مردمِ آبی : انسان نما مچھلی، ایک مچھلی جس کا بالائی حصّہ انسان کا اور کمر کے نیچے مچھلی کا جسم ہوتا ہے۔

۵۴۔ توسن : گھوڑا۔ ضیا : روشنی۔ ابرو : بھوں۔ افزوں : زیادہ۔ سُرعت : تیز رفتار۔

۵۵۔ سقفِ کہن چرخ : آسمان کی پرانی چھت۔

۵۶۔ نفَسِ سینہ : سینے کی سانس۔

۵۷۔ گردوں : آسمان۔ عیاں : روشن، نمایاں۔

۵۸۔ جولاں : گردش میں۔ آشوب : ہنگامہ۔ افراتفری۔ صور : بگل۔ تحیّر : حیران ہونا، حیرانی۔

۵۹۔ ہراول : فوج سے آگے چلنے والا سپاہی یا چھوٹا دستہ۔

۶۰۔ بُرّاں : تیز کاٹ والا۔

۶۱۔ چہل و پنج : پینتالیس۔ بام : کوٹھا، بالائی چھت۔ لرزاں : کانپتے ہوئے۔ جنبش : تھرتھراہٹ۔

۶۲۔ کمربند : پٹکا۔ عدو : دشمن۔

۶۳۔ رخشت : آٹھ ۔ ناری : جہنمی، کافر۔
۶۴۔ کاکل : چوٹی۔ خورشید لقا : سورج جیسی صورت۔
۶۵۔ رخت : لباس۔
۶۶۔ گرم عنانی : تیز رفتاری ۔ چار آئینہ : فولاد کے چار ٹکڑے جن کے کناروں میں کڑیاں ڈال کر سینہ اور پشت پر باندھ لیتے تھے اس سے سینہ و پشت تیر و تلوار سے محفوظ رہتی تھی۔ کشتہ : مقتول۔
۶۷۔ پا بگل : دلدل میں پھنسا ہوا۔
۶۸۔ روئیں : فولادی ۔ روئیں تن، فولادی بدن، مضبوط، بہادر۔ دمِ ہیجا : (دم : وقت، ہیجا : جنگ) جنگ کے وقت۔
۶۹۔ مُجرا : سلام۔
۷۰۔ تاسّف : افسوس، حسرت۔ رخصت دینا : اجازت دینا۔ وصی : جس سے وصیت کی جائے۔ مقدور ہونا : ممکن ہونا۔
۷۱۔ قرطاس۔ کاغذ۔
۷۲۔ صمصام : تلوار۔
۷۳۔ نرغہ : ہجوم۔ نرغۂ اعدا : دشمنوں کا ہجوم
۷۴۔ خیانت : امانت ضائع کرنا۔ چوری۔
۷۵۔ تشہیر کرنا : پھرانا۔
۷۶۔ حنا : مہندی
۷۷۔ اُشتر : اونٹ
۷۸۔ محمل : ہودج۔ اونٹ پر بیٹھنے کی چھت والی کاٹھی۔
۷۹۔ صغیری : بچپنے۔
۸۰۔ رنجور : غمگین۔ مقہور : مظلوم۔
۸۱۔ واولدی : ہائے میرے بیٹے۔
۸۲۔ دزدِ سخن : اشعار کا چور۔ سرقہ : چوری۔

مرثیہ نمبر ۲

ہر سنگ بنا لعل و گہر مہرِ علیؑ سے

۱۲۲ بند

بیانِ شہادت حضرت حُرؑ

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیقِ متن
- فرہنگِ الفاظ

مرثیہ پر نظر

اس مرثیہ کے پانچ مطلعے ہیں اور دو مقطعے ۔ تین مطلعے اور چھ بند مرثیے کا ابتدائیہ یا چہرہ ہیں چہرے میں حضرت علی علیہ السلام کی محبت اور اس کی اہمیت بیان کی ہے ۔ چھٹے اور ساتویں بند میں گریز اور موضوع مرثیہ کی توضیح ہے ۔

لو مومنو! حر لشکرِ کفّار سے نکلا　　یہ نور وہی نور ہے جو نار سے نکلا
یاقوت چمکتا ہوا کہسار سے نکلا　　دیں کفر سے، چاند ابر سے، گل خار سے نکلا
یہ شاہِ ولایت کی ہدایت کا اثر ہے
حر رات کو گمراہ تھا اس وقت خضر ہے

کس قدر برجستہ، رواں، اور خوبصورت بند ہے، اسی بند سے مرثیہ کی شان نمایاں ہوتی ہے نو بند آمد حر اور امام حسین علیہ السلام و اصحابِ امامؑ کے استقبال کا حال بیان کرتے ہیں۔ اٹھارہ بند "حضرت حرؑ" کے سراپا۔ اٹھ بند اسلحہ کی تعریف پر مشتمل ہیں ۔ استقبالِ حر کے سلسلے میں ایک نئی بات خواتین کے جذبات ہیں۔ ان میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کا جو کردار بنایا اور جس طرح ان کی ترجمانی دبیر نے کی ہے وہ مرزا دبیر ہی کا حصّہ ہے ۔ خواتین کے لیے یہ حصّہ رقت انگیز اور توجہ طلب ہے۔ جنگ کے دس بند ہیں۔ اس مرحلے میں مرزا صاحب لفظوں کے الٹ پھیر اور بندش کی طرف زیادہ متوجہ رہے ہیں۔ مگر جنگ سے شہادت کی طرف آتے ہوئے، غضب کا بند لکھ گئے ہیں ۔

جب پست ہوا حوصلہ کفار کا سارا　　جز مکر و فریب اور نہ کچھ ہو سکا چارا
اک غول سوئے خیمۂ شہ آ کے پکارا　　اے شمر! مبارک ہو کہ شبیر کو مارا
جس کو سرِ زینبؑ کی ردا لینی ہو آئے
اس خیمے میں اب آگ جسے دینی ہو آئے

اس کے بعد حر کے جذبات وفا، ان کی بہادری، اور نفسیاتی کیفیت کچھ اس انداز میں بیان کی ہے، جس سے دل پر خاص اثر ہوتا ہے۔ شہادت اور حضرت زینبؑ کے بین انتہائی گریہ خیز ہیں۔
یوں تو مرثیہ کا بنیادی کردار "حر" ہیں، حر کا ماضی، حر کا ذہنی رجحان، کردار کا ارتقا اور اس کا

مرثیہ پر نظر

اس مرثیہ کے پانچ مطلعے ہیں اور دو مقطعے — تین مطلعے اور چھ بند مرثیے کا ابتدائیہ یا چہرہ ہیں چہرے میں حضرت علی علیہ السلام کی محبت اور اس کی اہمیت بیان کی ہے۔ چھٹے اور ساتویں بند میں گریز اور موضوع مرثیہ کی توضیح ہے۔

لو مومنو! حر لشکرِ کفار سے نکلا　　یہ نور وہی نور ہے جو نار سے نکلا
یاقوت چمکتا ہوا کہسار سے نکلا　　دیں کفر سے، چاند ابر سے، گل خار سے نکلا
یہ شاہِ ولایت کی ہدایت کا اثر ہے
حر رات کو گمراہ تھا اس وقت خضر ہے

کس قدر برجستہ، رواں، اور خوبصورت بند ہے، اسی بند سے مرثیہ کی شان نمایاں ہوتی ہے نو بند آمدِ حر اور امام حسین علیہ السلام و اصحابِ امامؑ کے استقبال کا حال بیان کرتے ہیں۔ اٹھارہ بند "حضرت حر" کے سراپا۔ اٹھ بند اسلحہ کی تعریف پر مشتمل ہیں۔ استقبالِ حر کے سلسلے میں ایک نئی بات خواتین کے جذبات ہیں۔ ان میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کا جو کردار بنایا اور جس طرح ان کی ترجمانی دبیر نے کی ہے وہ مرزا دبیر ہی کا حصہ ہے۔ خواتین کے لیے یہ حصہ رقت انگیز اور توجہ طلب ہے۔ جنگ کے دس بند ہیں۔ اس مرحلے میں مرزا صاحب لفظوں کے الٹ پھیر اور بندش کی طرف زیادہ متوجہ رہے ہیں۔ مگر جنگ سے شہادت کی طرف آتے ہوئے، غضب کا بند لکھ گئے ہیں۔

جب پست ہوا حوصلہ کفار کا سارا　　جز مکر و فریب اور نہ کچھ ہو سکا چارا
اک غول سوئے خیمۂ شہ آ کے پکارا　　اے شمر! مبارک ہو کہ شبیر کو مارا
جس کو سرِ زینبؑ کی ردا لینی ہو آئے
اس خیمے میں اب آگ جسے دینی ہو آئے

اس کے بعد حر کے جذبات وفا، ان کی بہادری، اور نفسیاتی کیفیت کچھ اس انداز میں بیان کی ہے، جس سے دل پر خاص اثر ہوتا ہے۔ شہادت اور حضرت زینبؑ کے بین انتہائی گریہ خیز ہیں۔

یوں تو مرثیہ کا بنیادی کردار "حر" ہیں، حر کا ماضی، حر کا ذہنی رجحان، کردار کا ارتقا اور اس کا

انجام اپنی جگہ حضرت زینبؑ کی شخصیت، امام حسین علیہ السلام سے ان کی محبت اور اس کے ردِّ عمل میں حر سے آپ کی خوشنودی، اس کے کردار پر آفرین، مرثیہ کا ایک اور خوبصورت پہلو ہے۔ اس ہمت افزائی اور قدردانی میں حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی شرکت اور بیٹی کے ساتھ چاہنے والی ماں کے کردار و نفسیات کی خیال بندی قابلِ دید ہے۔ اس کے مقابلے میں حر کی زوجہ اور حر کی ماں کا شاعرانہ کرداری خاکہ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ دبیر نے یہ بالکل نئی بات، بالکل اچھوتے انداز میں نظم کی ہے:

امام حسین علیہ السلام شہید ہو چکے، خیمے جل چکے، اہلِ حرم بے ناصر و مددگار ہیں کہ رات ہو گئی اس عالم میں:

ناگاہ ہوا گنجِ شہیداں تہ و بالا   اور مشعلوں سے ہو گیا مقتل میں اجالا
زینبؑ نے سنا لاشۂ شبیرؑ کا نالا   بولی: کوئی ہووے گا نہیں پوچھنے والا
لو، روحِ حسینؑ ابنِ علیؑ روتی ہے لوگو
شاید کسی لاشے پہ جفا ہوتی ہے، لوگو!
سن کر یہ ندا، بیویں بھی رونے لگیں اک بار   یاں گنجِ شہیداں میں قیامت تھی نمودار
تھی مادرِ حر لاش کے لے جانے کو تیار   ہم قوم کئی عورتیں اس کی تھیں مددگار
اغلب تھا گرے عرشِ خدا پھٹ کے زمیں پر
طعنوں سے نمک پاش تھی زخمِ شہِ دیں پر

اس عورت کے طعنوں کا بیان سننے والوں کے لیے تیر و نشتر سے زیادہ اثر خیز ہے اس موقع پر سسکی اور بین کے آٹھ بند بار بار پڑھنے اور مطالعے کے قابل ہیں، ان منظوم تصویروں میں، حر اور امام کی آوازیں، زوجہ حر اور اہلِ حرم خواتین کے کرداروں کے نقشے مرثیے کی جان ہیں۔

مرزا صاحب نے مرثیہ کو "نظم مسلسل" لکھا ہے، شاید یہ نام تعارف و تعریف کے لیے کافی ہے۔

آخر کے دو بند مقطع کے ہیں، پہلے مقطع کے بعد دوسرا بند دعائیہ ہے اور آخری بیت

محفوظ رکھو مجھ کو ہر اک فتنہ و شر سے
آزاد کرو حر کی طرح نارِ سقر سے

زیرِ نظر متن ایک اہم مخطوطے پر مبنی ہے۔ میرے کتب خانے میں یہ مخطوطہ بہت اہم ہے ۱۰ ر جمادی الثانیہ ۱۲۷۰ھ / ۱۰ ر مارچ ۱۸۵۴ء کا لکھا ہوا یہ مرثیہ مرزا صاحب کے فکری ارتقا کی ایک منزل معین کرتا ہے۔ ۱۲۷۰ھ میں مرزا صاحب باون سال کے تھے اور چونکہ وہ ۱۲۳۰ھ میں میر ضمیر کے شاگرد ہوئے، ظاہر ہے کہ اس کے سال دو سال کے بعد انھوں نے مکمل مرثیہ لکھا ہوگا، اس بنا پر یہ مرثیہ مرزا صاحب کی چالیس سالہ شاعری سے تعلق رکھتا ہے۔ یقینی طور پر مرثیہ کی تاریخ تصنیف تو معلوم نہیں ہے مگر اس کا زمانہ آخری بیس سالہ زندگی سے پہلے کا ہے۔ مرزا صاحب کی وفات ۱۲۹۱ھ میں ہوئی اس لیے ہم ان کی شاعری کو بیس بیس سال کے تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس تقسیم کی بنا پر یہ مرثیہ دبیر کی پہلی یا دوسری منزل سے متعلق ہے۔

مخطوطہ کے سرورق پر لکھا ہے:

یا علی مشکل کشا مشکل کشائی کیجیے   بے کسوں کے بادشاہ میری رہائی کیجیے
مرثیہ تصنیف مرزا دبیر صاحب سلمہ اللہ یکصد و بست و دو بند ۱۲۲
ہر سنگ بنا لعل و گہر، مہرِ علیؑ سے

آخر مرثیہ میں ہے:

"مرثیہ ہذا بتاریخ دہم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۰ ہجری
باختتام و انجام رسید ...."

رسید کے بعد کوئی نام لکھا تھا جسے سیاہ روشنائی سے مٹا دیا گیا ہے، بقول جناب ضمیر اختر صاحب۔

دفترِ ماتم کی پانچویں جلد میں اس مرثیے کے ۱۲۹ بند ہیں اور مطلع ہے:

کیا آمدِ جبریل تھی مرغوبِ خدا کو

لیکن کراچی اور لکھنؤ میں تلاش کے باوجود عکس یا اصل جلد نہ مل سکی۔

مرثیہ

ہر سنگ بنا لعل و گہر مہرِ علیؑ سے

۱۲۲ بند

بیانِ شہادتِ حضرۃ حُرؑ

*

۱ ہر سنگ بنا لعل و گہر مہرِ علیؑ سے — پارس نمط آہن ہوا زر مہرِ علیؑ سے
روشن ہوئے خورشید و قمر مہرِ علیؑ سے — ہیں گردشِ اختر میں اثر مہرِ علیؑ سے
گُل خاک سے اور لعل ہوئے سنگ سے پیدا
اس مہر کا ہے فیض ہر اک رنگ سے پیدا

۲ ہر سنگ کو یاقوت کیا مہرِ علیؑ نے — قطرے کو شرف دُر کا دیا مہرِ علیؑ نے
بخشی مہ و انجم کو ضیا مہرِ علیؑ نے — خورشید کو بیعت میں لیا مہرِ علیؑ نے
قطرے سے گہر، خار سے گل ہوتے ہیں پیدا
صدقے سے علیؑ کے جزو و کل ہوتے ہیں پیدا

۳ شیرازۂ اجزائے دو عالم یہ ولا ہے — جس نے کہ کیا خاک کو آدمؑ یہ ولا ہے
آتش کی ولا جس سے ہے محکم یہ ولا ہے — دم جس کا ہوا بھرتی ہے ہر دم یہ ولا ہے
میوے ہیں ولائے اسداللہ سے شیریں
پانی بھی ہے دریا کا اسی چاہ سے شیریں

۴ ہے شرع میں حلّیت اُسی حیوان کی حالی — جس نے کیا اقرارِ ولائے شہِ عالی
انساں بھی ہیں برحق اسی تمغے سے جلالی — دوزخ میں بھرے جائیں گے جو اس سے ہیں خالی
اللہ کے الطاف ہیں یہ اپنے نبیؐ پر
مبعوث رسولوں کو کیا حُبِّ علیؑ پر

۵ مردہ ابھی زندہ ہو یہ قدرت ہے علیؑ کی (مطلع) خود کفر پڑھے کلمہ یہ نسبت ہے علیؑ کی
عصیاں کرے توبہ یہ ہدایت ہے علیؑ کی — خود حرص کہے بس یہ سخاوت ہے علیؑ کی
سمجھا حجرِ کعبہ جو حیدرؑ کے شرف کو
سجدے کا ہمیں حکم ہوا اُس کی طرف کو

۶ تائیدِ علیؑ نور کرے نار سے پیدا — تریاق ہو زہرِ دہنِ مار سے پیدا
ہے صدق سراسر مری گفتار سے پیدا — اب ہوئے گی تحسین لبِ حُضّار سے پیدا
پوچھے سندِ قول اگر کوئی کہ کیا ہے
افسانۂ جاؤشِ سپاہِ شہدا ہے

۷ لو مومنِ حرؑ لشکرِ کفار سے نکلا! — یہ نور وہی نور ہے جو نار سے نکلا!
یاقوت چمکتا ہوا کہسار سے نکلا! — دیں کفر سے، چاند ابر سے، گل خار سے نکلا
یہ شاہِ ولایت کی ہدایت کا اثر ہے
حرؑ رات کو گمراہ تھا اس وقت خضر ہے

۸ کیا آمدِ جبریل ہے مرغوب نبیؐ کو (مطلع) اب تک نہیں یہ آرزوئے عید کسی کو
کیا آمدِ سلمانؓ ہے پسندیدہ علیؑ کو — تفریح عجب ہوتی تھی احمدؐ کے وصی کو
دیکھو تو ہراول کے خطِ لوحِ جبیں کو
اب ہے یہ خوشی آمدِ حرؑ کی شہِ دیں کو

۹ آوازِ مبارک کا ہے غل فوجِ خدا میں — آمد ہے ہراول کی سپاہِ شہدا میں
تقریبِ ملاقات ہے سلطان و گدا میں — مصروف ہے حرؑ شکرِ رب ہدا میں
حق پشت پہ، بخت اوج پہ، اقبال فلک پر
سر شاہ کی تسلیم میں اور پاؤں فلک پر

۱۰ جنت میں جہنم سے خدا لاتا ہے حرؑ کو — جلوہ حق و باطل کا نظر آتا ہے حرؑ کو
تحسین خدا عرش پہ فرماتا ہے حرؑ کو — رضواں بھی چمن خلد کا دکھلاتا ہے حرؑ کو
حرؑ نام ہے کیوں شہ کے غلاموں میں تو حر ہے
داخل ہے غلاموں میں جہنم سے یہ حر ہے

۱۱ جبریلؑ صفت وحیِ خدا کو نہیں لایا — پر حر بھی ہے اللہ کا بھیجا ہوا آیا
گر وحی نہیں پائی تو الہام ہے پایا — واں سدرہ کا سایہ یہاں زہراؑ کا ہے سایا
جبریلِ امیں یہ نہیں پر سدرہ نشیں ہے
رضواں نہیں، پر مالکِ فردوسِ بریں ہے

۱۲ سلمانؓ کا اور حرؑ کا شرف ایک ہے یہاں — پہلے تھا غلام ایک یہودی کا وہ ذی شاں
پر دے کے یہودی کو زرِ قیمتِ سلمانؓ — سلمانؓ کو پیمبرؐ نے لیا اور دیا ایمان
اللہ رے شرف حرِّ سعیدِ ازلی کا
یہ بندۂ بے زر ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۳ ہیں دست کشادہ پئے حرؑ، سیدِ آفاق — یعقوبؑ ہم آغوشیِ یوسفؑ کا ہے مشتاق
خورشید کو ذرے کی جدائی ہوئی ہے شاق — واں کوششِ طاعت ہے، یہاں جوششِ اخلاق
دریا کی طرف چاہ تو قطرے کی عیاں ہے
یاں بحرِ امامت بھی سوئے قطرہ رواں ہے

۱۴ فرشِ رہِ حرؑ ناصیۂ اہلِ وفا ہے — سجادۂ حرؑ، جادۂ تسلیم و رضا ہے
فرسودگیِ پا کا ڈر اس راہ میں کیا ہے — گر سر سے چلے ہر سرِ مو نائبِ پا ہے
سیدھا یہی رستہ سوئے درگاہِ خدا ہے
یہ راہِ علیؑ راہِ نبیؐ راہِ خدا ہے

۱۵ آقا کے عزیز و رفقا حرؑ کے ہیں مداح — چہرہ ہے کہ قندیلِ ہدایت کی ہے مصباح
آنکھیں ہیں درِ معرفتِ خالقِ فتاح — مژگانِ رسا اس درِ عرفاں کی ہیں مفتاح
باہم پلک و چشم کی کیا جلوہ گری ہے
پر کھولے سرِ حور پہ استادہ پری ہے

۱۶ تصویر کے لکھنے میں ہے مجھ کو یدِ طولیٰ — معنی ہیں مرے نقش، بقا لفظ ہے مولا
صنعت کا چمن تختۂ کاغذ پہ ہے پھولا — منصف کو ہنر مانی و بہزاد کا بھولا
مصروف رخِ حرؑ کے نظارے میں جو اب ہوں
گلچینِ بہارِ چمنِ قدرتِ رب ہوں

۱۷ اک پتلی اور اک آئینہ، اک آب اور اک خواب   ان چاروں میں پیدا ہے نظیرِ رخِ پرتاب
ہے اُن کے زمانے میں مثال ان کی ہی نایاب   خورشیدِ جہاں تاب جبیں دیکھ کے بے تاب
خم حر کی جبیں ہے ادبِ سرورِ دیں سے
یہ سجدہ طلب ہے فلکِ ہفت[15] جبیں سے

۱۸ اس مُصحفِ رخسار کی اخلاص ہے تفسیر   اس حسن کے دفتر میں فقط عشق ہے تحریر
اس ماہ میں مہرِ شہِ مرداں کی ہے تنویر   اس باغ میں ہے بوئے گلِ حضرتِ شبیرؑ
اک ذرہ جو مہر اس رخِ رنگیں کی ضیا لے
عیسیٰؑ گلِ خورشید سے پھر عطر نکالے

۱۹ رمزِ مژۂ دیدۂ تر عقل نے جانی   اک چشمے پہ دو ابرِ کرم پیتے ہیں پانی
جن کی تہِ محرابِ حرم اشک فشانی   اس چشم پہ بینی کا کھلا رازِ نہانی
کیا ابروؤں کے بیچ میں بینی کی ضیا ہے
مابینِ دو قبلہ علمِ دینِ خدا ہے

۲۰ ابرو کی کجی راستیِ طاعت و تقوا   سیدھا ہی محرابِ عبادت کا ہے نقشا
پلکیں بنیں زیر و زبر اے مردمِ بینا   قُدسی پئے طاعت ہیں پس و پیش صف آرا
یہ پتلیاں دو سجدہ گہِ خاکِ شفا ہیں
ہم رنگِ حرم ہیں کہ ملک ناصیہ[16] سا ہیں

۲۱ ہے برقِ نگہ، نورِ شعاعِ رخِ انور!   یاں بال و پرِ مرغِ نظر جلتے ہیں یکسر
سرسبز مگر شہرۂ عارض ہوا کیونکر   اس تابشِ رخسار سے حاشا نہیں باور
یہ گردِ رخِ سرخ نہیں خطِ سیہ ہے
خاکسترِ نورِ نگہِ اہلِ نگہ ہے

۲۲ برخاستہ[17] رخ پر صفتِ سبزہ نہیں، حاشا   آئینے سے جوہر ہیں اٹھے بہرِ تماشا
ہالے نے بھی مضمون اسی خط کا تراشا   مطبوعِ[18] عطارد ہے یہ بے حد و تحاشا
خط اپنا بھی خورشید نے دکھلایا تھا پڑھ کر
اک روزنِ گردوں میں اسے رکھ دیا پڑھ کر

۲۳ دیکھیں یہ رخِ تازہ جو آئینہ اٹھا کر   آئینہ کے قالب میں پڑے روحِ سکندر
عکسِ خطِ پشتِ لبِ جاں بخش ہے یکسر   زندہ صفتِ کرمکِ[20] شب تاب ہر اک جوہر
تقریبِ خط و چاہِ ذقن ہوش رُبا ہے
لو ابرِ کرم چشمۂ[21] حیواں سے اٹھا ہے

۲۴ کیوں لب بلب اوصافِ لبِ حر نہ ہو مشہور   لبیک سنائے لبِ کوثر سے جسے حور
تھی بسکہ شراکت لبِ شبیرؑ کی منظور   ہنگام سے لبِ نہر پہ پانی سے رہا دور
لب دیتے ہیں گویا خبرِ غیبِ نہاں کو
گویا جو نہ ہو لب کوئی پائے نہ دہاں کو

۲۵ مضمونِ دہن غیب سے میں ڈھونڈ کے لایا   صانع نے فراغ اس رخِ انور سے جو پایا
تصویر کو بہرِ نظرِ ثانی اٹھایا   یعنی کہ نظارہ کروں کیا کیا ہے بنایا
سمجھو نہ دہن نقطہ یہ صانع نے دیا ہے
جو نقش کہ تحفہ تھا، نشاں اس پہ کیا ہے

۲۶ وصفِ دُرِ دنداں میں دہن کرتا ہوں اب وا   بن جائیں جو گوہر مرے دنداں تو عجب کیا
ہم تخم فشانی میں تصور اگر ان کا   ہر کشت میں گوہر عوضِ دانہ ہوں پیدا
ہنگامِ تبسم نظر آئینہ پہ گر جائے
جوہر کے عوض موتیوں سے آئینہ بھر جائے

۲۷ گوشانہ[22] بنا صورتِ انگشت سراپا   پر عُقدۂ تعریفِ دو گیسو نہ کیا وا
ہیں گوش دوات اور قلم مو ہیں مہیا   مالک ہیں سفیدی و سیاہی کے کمی کیا
گیسوؤں کے شبہ میں ہم آج تلک ہیں
یہ کاندھوں پہ اعمال کے کاتب دو ملک ہیں

۲۸ پر حُر کے عمل پر تو خطِ عفو ہے بالکل   یہ مدح بھی بے ربط ہے ہنگامِ تامّل
کیا حلقے ہیں، کیا بال ہیں، کیا دورِ تسلسل   کونین ہے پابندِ دو زنجیرۂ کاکل
حلقوں سے جو گیسو ہمہ تن چشم[23] بنا ہے
منظورِ نظر چشمِ منور کی ضیا ہے

۲۹ رو کی تھی جو غازی نے عنانِ شہِ ذی شاں — لو آنکھوں میں اب اشکِ ندامت سے ہے طوفاں
ان کشتیوں کا نوحِ ہدایت ہے نگہباں — چوبِ کفِ ملّاح ہے بینیِ دَرَخشاں
ہر چشم کے گوشے سے یہی حُر کو صدا ہے
مایوس نہ ہونا کہ درِ توبہ کھلا ہے

۳۰ ہر لختِ جگر میں عجب آنکھوں کی ضیا ہے — پروانوں نے حلقے ہیں چراغوں کو لیا ہے
رضواں نے پیامِ آمدِ حُر کا جو دیا ہے — حوروں نے چراغاں لبِ کوثر پہ کیا ہے
طوفان کا ان کشتیوں کو ڈر ہے نہ غم ہے
یاں بیچ میں اشکِ غمِ سرور کا قدم ہے

۳۱ کیا گردن و سینہ کی کہوں رفعت و شوکت — یاں شوقِ شہادت ہے، وہاں سر کی الفت
اور ہاتھوں کا کیا پوچھنا اللہ کی قدرت — دامانِ حسینؑ ان میں ہے اور دین کی دولت
سمجھو نہ کرن بس اسی پنجے کی ضیا سے
خورشید نے پنجہ لیا چہرے پہ حیا سے

۳۲ روشن ہو جو لطفِ کمر آئینے کے اوپر — بالوں کی طرح دکھ میں کٹیں گے ابھی جوہر
ہے غنچۂ فردوس شکم، نافِ مُعَطّر — یا سوزنِ قدرت کا ہے یہ حلقۂ خوشتر
یہ حلقۂ سوزن ہے تو رشتہ یہ کمر ہے
شیرازۂ اجزائے بدن اس کا ہنر ہے

۳۳ اور کوہ کی ہے پائے مبارک سے یہ نسبت — جیسے کہ فراز اور قرار ایک بصورت
کہسار پہ تو زلزلے کی رہتی ہے آفت — لغزش ہے نہ جنبش ہے انھیں تا بقیامت
ثابت قدم ایسی بھی نہیں زیرِ فلک ہیں
جس راہ میں یہ اب ہیں یہیں حشر تلک ہیں

۳۴ ہے اسلحۂ حُر، کہ سراپائے ظفر ہے — نیزہ قد اور خودِ سرِ فتح کا سر ہے
ابرو ہے کماں، آنکھ زرہ، پُتلی سپر ہے — ناوک ہے زباں، مدِّ نگہ تیغِ کمر ہے
چار آئینے یہ فتح کے ہیں چار عناصر
وہ چار عناصر ہیں یہاں حافظ و ناصر!

۳۵ پتلی میں نظر آتا ہے ملبوس کا نقشا — لیکن سپرِ حُر ہے وہ پُتلی کہ کہوں کیا
دیکھے جو اسے صاف رخِ فتح ہو پیدا — یہ روزِ ازل سے ہے رفیقِ شہِ والا
حفظ ان کے لیے فرش سے لے عرش تلک ہے
حُر کے صغرِ سن کی سپر ایک فلک ہے

۳۶ آساں نہیں جو وصفِ کماں آج کریں ہم — اک چِلّہ نہ دو چِلّہ چہل سال بھی ہے کم
یہ ہے مہِ نو اور کرن تیرِ شرر دم — مشرق سے اگر چھوٹیں تو مغرب ہی میں لیں دم
جو تارِ مژہ بہرِ ہدف مدِّ نظر ہو
لے جائیں یہ تیر اور پلک کو نہ خبر ہو

۳۷ حُر کو ہنرِ تیر و کماں یاد ہیں دل خواہ — ہے دستِ کماندار مہِ نو یہاں کوتاہ
گو مشقِ کمانداری اسے رہتی ہے ہر ماہ — زِہ کر کے کماں کو یہ مقابل ہو جو ناگاہ
اک شب مہِ نو آئے کماں کھینچ کے آگے
اور بعدِ دو ہفتہ تو سپر چھوڑ کے بھاگے

۳۸ کیوں تیر کے پلّے سے شش و پنج نہ پائے — یہ ہفت فلک کو ہدف اک بار بنائے
الزام کماں سے مَفَر اس پر بھی نہ پائے — کھنچکر یہ کماں ہندسۂ ہشت بنائے
ششدر ہیں وہاں ہفت فلک سرورِ واں سے
یاں ایک ہدف کی ہے کمی حکم کماں سے

۳۹ فرمانِ شہِ فتح ہے شمشیرِ دلاور — آتش نفس و شعلہ شرر صاعقہ پیکر
ہے دستخطِ فتح پر اک فقرۂ جوہر — یہ خط ہے، نیام اس کا لفافہ ہے سراسر
خط سے کوئی شے چاک ہو یہ حرف غلط ہے
پر جلدِ بدن پرزے جو کرتا ہے یہ خط ہے

۴۰ گر خنجرِ حُر معرکہ آرائی پر آئے! — تیغِ مہِ نو حشر کی سب کو نظر آئے
لاغر یہ فلک ہو کہ نہ ذرّے سے بر آئے — انجم کی زرہ اس کے بدن سے اتر آئے
خنجر کبھی نکلا تھا سو گرمی کے سبب سے
لرزہ، یرقاں، تپ، شہِ خاور کو ہے تب سے

۴۱ چار آئینہ کی گنبد میں ہوں ششدر و ناچار   عینک کے یہ چشمے ہیں عناصر کے لیے چار
یا چار فرشتوں کے ہیں یہ طائرِ بیدار   ہے چار طرف روشنیِ خالقِ غفار
چار آئینوں کی پشت میں تن کی جو ضیا ہے
آئینۂ دو رویہ ہر آئینہ بنا ہے

۴۲ مدِّ علم حضرت عباسؑ قدِ پاک   سب فوجِ خدا سایے سے جس کے ہے فرح ناک
اڑتا ہوا آتا ہے اِدھر توسنِ چالاک   جیسے طرفِ عرش براقِ شہِ لولاک
واں قربِ خدا کا تھا یہاں نورِ خدا کا
واں ساتھ تھا جبریل کا یاں بختِ رسا کا

۴۳ کیا منہ جو بلائیں سوئے حُر ہاتھ اٹھائیں   اب فاطمہؑ کے ہاتھ ہیں اور حر کی بلائیں
دیتے ہیں نبیؐ لاکھ زبانوں سے دعائیں   اب وقت وہ پہنچا ہے کہ شہ لینے کو جائیں
سکانِ فلک ہیں نہ جُدا حق کے کرم سے
لپٹے ہیں رکابوں سے ملک، حوریں قدم سے

۴۴ پر کھولے زبرجد کے سرِ حُر پہ ہیں جعفر   ہیں دوش پہ ہاتھوں کو رکھے حمزہؓ و حیدرؑ
موسیٰؑ یدِ بیضا پہ دھرے ساغرِ کوثر   عیسیٰؑ ہیں لیے مائدۂ رحمتِ داور
جبریل کی یہ چار طرف نعرہ زنی ہے
"حُر پنجتنی پنجتنی پنجتنی ہے"

۴۵ سیدانیاں بچوں کو لیے در پہ ہیں ایستاد   خیمہ سے عصا تھامے نکل آئے ہیں سجادؑ
بن نام لیے حُر کا ہوئے جاتے ہیں سب شاد   چلاتی ہے فضہ کہ یہ ساماں ہے خداداد
آقا مرا لینے کے لیے جاتا ہے لوگو
حُر آتا ہے، حُر آتا ہے، حُر آتا ہے لوگو

۴۶ یاں غل تھا کہ واں حر بھی قریبِ اپکے پہنچا   بالائے زمیں گاڑ دیا نیزے کو اک جا
اور باندھ کے نیزے میں عناں گھوڑے سے اترا   عمامہ کیا سر سے جدا، پاؤں سے موزا
رخسار پہ ہاتھوں سے ملا خاکِ شفا کو
رو رو کے لگا دیکھنے شاہِ شہدا کو

۴۷ گاہے تو قدم جذبۂ الفت سے بڑھاتا   یاد آتی خطا اپنی تو پیچھے کو ہٹاتا
عباسؑ کو ہاتھوں کے اشارے سے بلاتا   گاہے یہ شہزادوں کو تصور میں سناتا
قاسمؑ، مرا سر کاٹ کے سرکار میں لے جاؤ
اکبرؑ مجھے شبیرؑ کے دربار میں لے جاؤ

۴۸ آقا سے کہو حُر کو تہِ تیغ بٹھاؤ   آیا ہے گنہ گار، سزا دینے کو آؤ
درِ شہِ مرداں کی عدالت کا مناؤ   اے نورِ خدا نارِ جہنم سے بچاؤ
تعزیر اگر دو، تو عدالت ہے تمہاری
اور عفو جو فرماؤ عنایت ہے تمہاری

۴۹ سادات کا آئینۂ دل میں نے ہے توڑا   گر سنگ پڑیں حُر پہ قصاص اس کا ہے تھوڑا
ہے ہے یہ غضب، روکا نبی زادے کا گھوڑا   ہے ہے مرے سید، پسِ دنیا تجھے چھوڑا
امدادِ خجالت سے تردّد میں پڑا ہوں
فریاد، رہِ دوزخ و جنت میں پڑا ہوں

۵۰ سرکار تری شافعِ محشر کی ہے سرکار   اور گرم ازل سے تری بخشش کا ہے بازار
پھر جنسِ ہنر لے کے کدھر جائے گنہگار   حُر سا تو فروشندہ ہے اور تجھ سا خریدار
کس نے عوضِ عفو گنہ مول لیا ہے
یہ رتبۂ خاص اپنا تجھے حق نے دیا ہے

۵۱ حیران کھڑا ہوں میں کہاں تھا کدھر آیا   گمراہ پڑا پھرتا تھا، اب راہ پر آیا
ایمان کے چشمے پہ مثالِ خضر آیا   بندے کو خدا ساتھ تمہارے نظر آیا
یہ عیش، یہ عزت نہیں ماں باپ کے گھر میں
ایمان کی دولت ہے فقط آپ کے گھر میں

۵۲ فردوس و جہنم کے تو قاسم کا پسر ہے   جنت ہے تری سمت، سقر سوئے عمرؓ ہے
کہہ دو یہ غلام آپ کا اس وقت کدھر ہے   شبیرؑ پکارے مرے دل میں ترا گھر ہے
لے تیری سفارش کو رسولِؐ امم آئے
مہماں! کھڑا رہ تیرے لینے کو ہم آئے

۵۳ سن کر یہ ندا ڈیوڑھی سے زینبؑ بھی پکاری   صدقے گئی، بھیا کی بھی منگوا دو سواری
میں لینے چلوں گی ترے مہمان کو واری   رستے ہی میں خلعت اسے پہناؤں گی بھاری
حُرؑ بھی تو ہو واقف کہ بہن ہے یہ سخی کی
مہمان کی یہ قدر ہے بیٹی کو علیؑ کی

۵۴۔ عباسؑ سے کہہ دو کہ کریں پردے کا سامان   ہودج کسی ناقے پہ دھریں جلد شتربان
ماں باپ مرے حُرؑ پہ فدا، اور میں قربان   مظلوم کا مہماں ہے محتاج کا مہمان
اب آپ پہ قربان یہ ہو جائے گا آکے
لے لوں میں بلائیں تو بھلا راہ میں جاکے

۵۵ ناگاہ دو آوازیں برابر ہوئیں پیدا   زینبؑ، تری ہمت پہ فدا حیدرؑ و زہراؑ
ہودج کی سواری کی نہ رکھ آج تمنا   عباسؑ کو پردے کے لیے در پہ نہ بلوا
لکھا ہے سوار آج جو زینبؑ ہو تو کیا ہو
نے اونٹ پہ محمل نہ ترے سر پہ ردا ہو

۵۶ گر لانے کو حُر کے ہے سواری کا ارادہ   زہراؑ و علیؑ لینے کو جاتے ہیں پیادہ
یہ اس کا ہے مہمان جو کُل کا ہے تحفزادہ   اللہ کو ہے خاطرِ حُرؑ سب سے زیادہ
حُرؑ کے لیے فردوس کے در کھول دیے ہیں
اور عفو کی میزان میں گنہ تول دیے ہیں

۵۷ واں لشکرِ حق سے کے بڑھا حق کا وہ پیارا   حُرؑ پاؤں پہ گرنے کو بڑھا آگے قضا را
تب شمرِ لعین آکے برابر یہ پکارا   شبیرؑ خبردار یہ دشمن ہے تمہارا
سر پاؤں پہ اور تیغ سرِ شہ پہ دھرے گا
یہ عذر ہی کرنے میں تمہیں قتل کرے گا

۵۸ انصاف کرو پہلے تمہیں کس نے ستایا   یہ حُر ہے وہی حُر، جو تمہیں گھیر کے لایا
اس وقت ہے شیریں سخنی کرنے کو آیا   شب تیرے لیے زہر میں خنجر ہے بجھایا
عباسؑ سے کہہ دو اسے آگے سے ہٹا دیں
یہ یوں نہیں مانے گا اسے آپ سزا دیں

۵۹ حُرؑ شمر کے منہ شہ کا لگا دیکھنے اس آن   آقا نے کہا شمر سے جا دفع ہو شیطان!
اللہ سے ڈر، حضر کو بہکاتا ہے نادان   حُرؑ میرا گلا کاٹے گا کاٹے نہیں نقصان
سمجھاتا ہے تو حُر سے کنارا کرو ہٹ جاؤ
بابا مرے کہتے ہیں گلے اس کے لپٹ جاؤ

۶۰ تب دوڑ کے قدموں پہ گرا حُرِ خوش اوقات   موزے پہ ملا آنکھوں کو رو کر کہی یہ بات
حقا کہ گنہ گاروں کی ہے شرم ترے ہات   "اَدرِکنی وَالعَفو"، میں شرمندہ ہوں ہیہات
شہ نے کہا جب تو نے اِدھر قصد کیا تھا
میں نے بھی خدا نے بھی تجھے بخش دیا تھا

۶۱ پر تھامے رکابِ فرسِ حُرِ وفادار   فرمایا کہ لے بھائی تو گھوڑے پہ ہو اسوار
حُرؑ نے کہا آقا نہیں میں ہوں گا گنہ گار   شہ بولے یہی میری خوشی ہے نہ کر انکار
درگاہِ الٰہی میں تری قدر بڑی ہے
زہرا ترے مرکب کی عناں تھامے کھڑی ہے

۶۲ حُرؑ بیٹھ کے گھوڑے پہ یہ بولا شہِ دیں سے: تم چاہو جسے عرش پہ لے جاؤ زمیں سے
آیا جو درِ خیمہ پہ وہ راہِ یقیں سے   جاروب دی پلکوں سے کیا سجدہ جبیں سے
حُر کا درِ سادات پہ کامل ہوا رتبہ
سلمانؓ کا، جبریلؑ کا حاصل ہوا رتبہ

۶۳ کی ہدیوں کی کشتی حرمِ شاہ نے تیار   خوش ہو کے سکینہ نے دیئے گوہرِ شہوار
کلثومؑ سے آئی وہیں کلثومِ خوش اطوار   کشتی پہ ردا ڈال دی زینبؑ نے پھر اک بار
فضہؑ سے کہا تحفہ یہ حُر کے لیے لے جا
کہنا مرے حُر سے کہ غریبوں نے ہے بھیجا

۶۴ کشتی لیے مہماں کے حضور آئی وہ خوش ذات   حُرؑ بولا کہ یہ کیا ہے؟ کہا تحفۂ سادات
زینبؑ نے بھی دروازے سے آکر یہ کہی بات   بھائی نہ تواضع تری کچھ ہو سکی ہیہات
یاں لا کے فلک نے ہمیں نادار کیا ہے
اس وقت جو موجود تھا، وہ بھیج دیا ہے

۶۵ حر نے کہا، اے قبلۂ اربابِ سخاوت — چادر کے عوض تو مجھے دو حلۂ جنت
گوہر کے بدل آبروئے روزِ قیامت — غلماں کی حاجت نہیں بجز حلقۂ بیعت
کھانے کے عوض توشۂ راہِ ابدی دو
پانی کے عوض آبِ حیاتِ ابدی دو!

۶۶ زینبؑ کی سخاوت کہوں یا حر کی تمنا — الفت ہے ہم مادر و فرزند کی پیدا
حر ناز سے کہتا تھا: یہ درجہ دو وہ درجا — وہ کہتی تھی یہ بھی دیا وہ بھی تجھے بخشا
غل تھا کہ سخی فاطمہؑ کی بیٹی کو پا کر
کیا لوٹ رہیں حر آج پڑا ہے ادھر آ کر

۶۷ ناگہ پئے تسلیم جھکا شاہ کا شیدا — رو کر کہا زینب نے یہ کس بات کا مجرا!
وہ بولا کہ اب ہوں گا نثارِ سرِ مولا — سب درجوں سے پہلے ہے شہادت کی تمنا
زینبؑ نے کہا: سر پہ یہ الزام نہ لوں گی!
سب کچھ تجھے دوں گی پہ رضا ان کی نہ دوں گی

۶۸ ہے دھوپ غضب، سایے میں دم لے مرے مہماں — خیمہ میں رفیقوں کے تو آرام کر اس آن!
ہم دونوں بہن بھائی ہیں بے کس و تہی جاں — رہ میری حمایت کو، یا اُن پہ ہو قرباں
سید کے عوض سر کا کٹانا بھی ہے اچھا
سیدانی کی چادر کا بچانا بھی ہے اچھا

۶۹ سنتی ہوں کہ اب دوپہر آئے گی، ڈھلے گی — تلوار پیمبرؐ کے کلیجے پہ چلے گی!
مسند مرے بھائی کی مرے آگے جلے گی — تو ہوگا تو چادر مری یہ فوج نہ لے گی
محشر کو یہ کہتی ہوئی اُٹھوں گی لحد سے
پردہ مرا آفت میں رہا حر کی مدد سے

۷۰ حر نے کہا، ہر طرح سے مشکل ہے مجھے ہائے — بہتر ہے یہی پہلے سر اس بندے کا کٹ جائے
شہزادی ہو سر ننگے، نہ آقا پہ بلا آئے — سر پیٹ کے زینبؑ گری اور بولی کہ اے وائے
بے چین ہے حر شوق میں فردوسِ علا کے
سیدانیو! رخصت کرو مہمان کو آ کے

۷۱ اللہ نگہبان، ہر اک بی بی پکاری — آقا سے کہا حر نے بصد نالہ و زاری
اب آخری اک عرض ہے خدمت میں تمہاری — آقا نہ اٹھانے کے لیے لاش ہماری
فاقوں میں کہاں ڈھونڈتے مرتے کو پھرو گے
تڑپے گی مری روح جو غش کھا کے گرو گے

۷۲ شہ نے کہا لپٹا کے گلے حر کو مکرر! — کیا فاقوں میں کم ہو گئی ہمت بھی برادر
شبیرؑ ہے، عباسؑ ہے، قاسمؑ ہے اور اکبرؑ — یہ سب تجھے کاندھے پہ اٹھا لائیں گے مل کر
اے حر ترے مُردے کے تو وارث نہیں کم ہیں
جس کا کوئی لاشہ نہ اٹھائے گا وہ ہم ہیں

۷۳ یہ سن کے چلا حر تو بہن شہ کی پکاری — کچھ مجھ سے بھی کہتا ہوا جا میں ترے واری
حر بولا کہ تنہائی کا غم دل پہ ہے طاری — اُس فوج میں گو مادر و زوجہ ہے ہماری
پر بے کس و بے یار ہے یہ اہلِ وفا ہے
اب آپ جو راضی ہیں تو ماں حر کی فدا ہے

۷۴ مر جائے پہ بھی میرے وہ نہیں آنے کی حاشا — پر آپ سلامت رہیں، پروا ہے مجھے کیا
لاشہ مرا آئے تو کنیزوں سے یہ کہنا — ماتم مرے لاشے پہ کریں باندھ کے حلقا
مشہور رہے بے کس یہ غلام آپ کا ہوگا
عزت مری بڑھ جائے گی نام آپ کا ہوگا

۷۵ غصے ہوئی شفقت کے سبب دخترِ زہراؑ — فرمایا کہ اے حر! نہیں یہ درد تو سمجھا
ہے لونڈیوں کے رونے کا دستور بھلا کیا — تیرے لیے سیدانیاں سر پیٹیں گی اپنا
اے حر! تجھے مرنے پہ یہ احوال کھلیں گے
لاشے پہ ترے فاطمہؑ کے بال کھلیں گے

۷۶ ہے فاطمہؑ کے چھوٹے بڑوں پر ترا احساں — کلثوم سر اپنا کرے گی لاش پہ عریاں
کبرا مری ہووے گی تری لاش پہ قرباں — پھاڑے گی سکینہ مری ننھا سا گریباں
تا عرشِ بریں نالۂ سادات اٹھے گا
اصغر کا بھی ماتم میں ترے ہات اٹھے گا

۷۷ عباسؑ ہلا دیں گے تری لاش پہ رومال — رخ اپنا ترے خون سے اکبر کریں گے لال
پوچھے گا لہو زخموں سے خود فاطمہؑ کا لال — چوگرد حرم ہوویں گے سب کھولے ہوئے بال
میں روؤں گی اور شاہِ امم روئیں گے تجھ کو
زہراؑ کی ندا آئی کہ ہم روئیں گے تجھ کو

۷۸ حر نے کہا: اللہ! یہ ہے قدر ہماری — تحصیلِ شہادت کا ہوا وَلوَلہ طاری
توسن کو کیا گرم سوئے فرقۂ ناری — جاتے ہی خطِ تیغ کا فرماں کیا جاری
تھی ایک زباں تیغ کی لیکن تھے بیاں دو
یا بیعتِ مولا کرو یا حرب میں جاں دو

۷۹ تھی روح جو ملکِ تنِ کفار میں عامل[۳۴] — اور قریۂ ہر سینہ میں تھی شستگیِ دل
اعضا و رئیس ان کی رعیت میں تھے داخل — سب قبطِ رسانی عبادت میں تھے غافل
اک اک پہ دو دستک[۳۵] پیرِ میدانِ وغا کی
اک تیغِ شررِ بار کی اور ایک قضا کی

۸۰ پلکوں کے رسالے ہوئے سب برطرف اُس دم — تھے پانچ جواں پنجہ کے دستے میں جو باہم
یک دست گرے کٹ کے تہِ تیغ شررِ دم — باقی جو رہے اور، سو داخل بجہنم
صف مثلِ پلک زیر و زبر پیشِ نگہ تھی
شحنہ تھا، نہ عامل، نہ رعیت، نہ سپہ تھی

۸۱ موجِ دمِ شمشیر کی دیکھی جو روانی — دہشت سے زرہ پوشوں کا زہرہ[۳۶] ہوا پانی
آسان رہائیِ بدن یہ زم سے جانی — ہر حلقۂ جوشن کی کڑی قید نہ مانی
یوں صاف زرہ سے تھا رواں زہرہ عدو کا
جس طرح گرے جال سے پانی لبِ جو کا

۸۲ تھا بختِ ترقیِ ظفر تیغ سے پیدا — وہ اک قدِ نیزہ سرِ اعدا سے بھی بالا
بے وجہ تہِ خاک تنزّل نہ تھا اُس کا[۳۷] — غل پونچھتی تھی دامنِ صحرا سے وہ اپنا
گر تابعِ سبطِ شہِ لولاک نہ ہوتی
جز دامنِ محشر وہ کبھی پاک نہ ہوتی

۸۳ بیکار ہر اک دستِ سپر تھا دمِ پیکار — سالوں کی طرح خشک ہوئے پنجۂ کفار
تھا مثلِ رکابوں کے تہی قالبِ اسوار — اور سہم سے تھے ناوکِ خود رفتہ کماندار
اک نہر زرہ پوشوں کے خوں کی جو بہی تھی
موجوں کی طرح آپ زرہ کانپ رہی تھی

۸۴ ترکش میں عدو ڈھونڈتے تھے نیزوں کو ہر بار — زِہ کرتے تھے نیزوں کو کمانوں میں ستم گار
گھر جائے سپر روکتے تھے چہرے پہ تلوار — تیغوں کی جگہ ڈھالوں کا کرتے تھے کبھی وار
دہشت سے سپر گرتی تھی شمشیر سے پہلے
ہاتھوں سے کماں چھوٹتی تھی تیر سے پہلے

۸۵ اک دوش سے سر گرتا تھا اک دوش سے وہاں ڈھال — ڈر کر ہوئے کاندھوں سے جدا کاتبِ اعمال
کیا صفدریِ رخشِ جہندہ[۳۸] کا کہوں حال — حر مورچہ یکسر صفتِ مورچہ پامال
خوابیدۂ آغوشِ لحد جاگ رہے تھے
کشتے صفتِ ریگِ رواں بھاگ رہے تھے

۸۶ جن کا کہ قوی کوہ سے تھا زور میں پایا — لاغر یہ انھیں تیغ کی ہیبت نے بنایا
مغفر نے شگاف ایک ہی گر تیغ کا پایا — موزوں کی طرح پاؤں سے پھر خود اتر آیا
آدھے جو بدن ہو گئے تھے تیغ کے ڈر سے
باہر تھی زرہ تن سے، کمر بند کمر سے

۸۷ اللہ ری ضربِ دمِ تیغِ شرر افشاں — سکتے میں زمیں، رعشہ میں جن، خوف میں انساں
کہسار و بحار و فلک[۳۹] شہر و بیاباں — پُر زلزلہ، پُر غلغلہ، پُر شور و پُر افغاں
اک حُر نے جو میداں کی لاشوں سے بھرے تھے
ہے رمز، علیؑ[۴۰] پشت پہ ہاتھ اپنا دھرے تھے

۸۸ جب پست ہوا حوصلہ کفار کا سارا — جز مکر و فریب اور نہ کچھ ہو سکا چارا
اک غول سوئے خیمۂ شہ آ کے پکارا — اے شمر! مبارک ہو کہ شبیرؑ کو مارا
جس کو سرِ زینبؑ کی ردا لینی ہو آئے
اس خیمہ میں اب آگ جسے دینی ہو آئے

۸۹ خیمے کو جلا دو دہلِ فتح بجاؤ — عباسؑ اور اکبرؑ کے لیے بیڑیاں لاؤ
مختار ہو سر کاٹو کہ زنجیر پنہاؤ — چاہو جہاں سادات کو سر ننگے پھراؤ
لو دیکھو یہ نیزے پہ سرِ شاہِ زمن ہے
وہ بھائی کے لاشے پہ پڑی غش میں بہن ہے

۹۰ امداد کا یہ وقت ہے ہمت کو نہ ہارو — سیدانیاں بے وارثی اب ہو گئیں یارو
جو لوٹ کی رکھتے تھے ہوس اُن کو پکارو — اصغرؑ کی بھی سب ہنسلیاں منّت کی اتارو
اس وقت بنی فاطمہؑ آفت میں پڑے ہیں
ہم بیچ میں گھیرے ہوئے شیروں کو کھڑے ہیں

۹۱ حُر سے کہو کیوں لڑتا ہے مارے گئے شبیرؑ — لوٹے یہ اگر یوں کو تو بخش دو تقصیر
یہ بھی ہے تمہارا ہی نہ دو کچھ اسے تعزیر — سمجھاؤ کہ پھر ہے وہی منصب وہی جاگیر
نیزے پہ اسی کے رکھو شبیرؑ کے سر کو
صاف اس کی طرف سے کرو سمجھا کے عمر کو

۹۲ اس غول کا تو آہ یہ آوازہ سنانا — یک دفعہ یہ سب فوج کا نقارہ بجانا
اودھر کا وہ گھبرا کے اِدھر منہ کو پھرانا — بس منہ کو پھرانا کہ سناں پشت پہ کھانا
غل اٹھا، وہ مارا، وہ لگی برچھی قضا کی
حر بولا: دغا کی، ارے ملعونو! دغا کی

۹۳ آقا کو پکارا، مدد، اے حق کے فدائی — بے ساختہ دوڑے شہِ دیں، تاب نہ آئی
زینبؑ نے کہا: میں بھی چلوں لاشے پہ بھائی! — شہ بولے: ابھی ٹھہرو یدُاللہ کی جائی
تب جائیو تم خاک اڑاتی ہوئی سر پر
جب برچھی لگے گی علیؑ اکبر کے جگر پر

۹۴ القصہ اٹھا لائے اسے گود میں آقا — دامن سے غبار اُس کے رخِ پاک کا پونچھا
اور ماتمِ حُر فوجِ خدا نے کیا برپا — عریاں کیا قاسمؑ و اکبرؑ نے سر اپنا
خونِ جگر آنکھوں سے بہانے لگے عباسؑ
دامانِ علم منہ پہ ہلانے لگے عباسؑ

۹۵ ناگاہ شہِ دیں سے کہا حر نے یہ رو کر — جتنے ہیں عزیز آپ کے اے سبطِ پیمبرؐ
کہہ دو مرے بالیں پہ کھڑے ہوں وہ برابر — حسرت سے پھروں لوٹتا ایک ایک قدم پر
شہ نے کہا، مہماں! ترا دھیان کدھر ہے
زانوئے رسولِ عربیؐ پر ترا سر ہے

۹۶ یہ سن کے ہوا داخلِ رحمت وہ خوش اقبال — زینبؑ نے صدا ڈیوڑھی سے دی شہ کو بصد حال
تو رہیو گواہ اے نبیؐ و فاطمہؑ کے لال — زینبؑ ترے مہماں کے لیے کھولتی ہے بال
پیدا نہ وفادار کوئی ہوئے گا حُر سا
میں حُر کے لیے روتی ہوں تم دو مجھے پرسا

۹۷ یہ سن کے گرے لاشۂ حر پر شہِ ذی جاہ — اور مرثیۂ حر میں کئی شعر پڑھے آہ
مضموں سے یہ اُس کا کہ یہ فرماتا تھا وہ شاہ — واللہ خوشا حر کہ بڑا صبر کیا واہ
ہر سمت سے نیزے ہوئے پار اس کے جگر سے
پر مجھ کو یہ دیکھا کیا الفت کی نظر سے

۹۸ واللہ خوشا حُر، مرا پیارا، مرا پیارا — جس وقت حسینؑ اُس کو مصیبت میں پکارا
بے کس کی مدد سے نہ کیا اُس نے کنارا — خود نیک تھا سو نیک کی خاطر گیا مارا
جان اس پہ تصدّق پسرِ خیرِ نسا کی
یہ بندہ ہے وہ جس نے مدد کی ہے خدا کی

۹۹ حق نانا کے کلمے کا ادا اس نے کیا ہے — کیا ساتھ محمدؐ کے نواسے کا دیا ہے
جو دیں کا رتبہ تھا وہ پہچان لیا ہے — اس مُردے کے چہرے پہ عجب نور و ضیا ہے
میں سنتا ہوں جس طرح سے روتی تھی یہ زہراؑ
مظلوم کے فدیے پہ فدا ہوتی تھی زہراؑ

۱۰۰ واللہ خوشا حر کہ یہ پیاسا اِدھر آیا — اور پانی کا قطرہ بھی ضیافت میں نہ پایا
واللہ خوشا حر، کہ فقط نیزہ تو کھایا — اور بھوک میں یہ دھیان بھی کھانے کا نہ لایا
چلّاتا تھا لاشہ کہ سخی تم سا کہاں ہے
اب حصۂ حُر کوثر و گلزارِ جناں ہے

۱۰۱ اب آگے یہ راوی نے تحقیق ہے لکھا   مقتل میں رکھا شاہ نے لے جا کے وہ لاشا
اور تیغ و سپر لے کے بڑھا لشکرِ اعدا   تا عصر قلم ہو گیا سب گلشنِ زہراؑ
اللہ پہ شبیرؑ تصدّق ہوئے رن میں
اُمّت کے لیے بندھ گئے سادات رسن میں

۱۰۲ میدان میں مقام اہلِ جفا نے کیا اک شب   اور فوج میں محبوس ہوئے اہلِ حرم سب
بے گور تھے شبیرؑ نظر بند تھی زینبؑ   تھی شمر کی تاکید کہ روئے نہ کوئی اب
سر پیٹیں گے تو اب سرِ سادات کٹیں گے
ماتم جو کرے گا کوئی اب ہات کٹیں گے

۱۰۳ ناگاہ ہوا گنجِ شہیداں تہہ و بالا   اور مشعلوں سے ہو گیا مقتل میں اجالا
زینبؑ نے سنا لاشۂ شبّیر کا نالا   بولی کوئی ہووے گا نہیں پوچھنے والا
لو، روحِ حسینؑ ابنِ علیؑ روتی ہے لوگو
شاید کسی لاشے پہ جفا ہوتی ہے لوگو

۱۰۴ سر کاٹ چکے، کام بھلا لاشوں سے کیا ہے   مُردوں سے قصاص آہ کسی نے بھی لیا ہے؟
ہے ہے نہ حمیّت نہ عدالت نہ حیا ہے   کفنانے کے بدلے یہ شہیدوں پہ جفا ہے
کیسا یہ غضب ہے ہمیں رونے نہیں دیتے
مُردوں کو بھی آرام سے سونے نہیں دیتے

۱۰۵ بانو نے کہا ہو نہ ہو اصغرؑ پہ ہے بیداد   ننّھا سا گلا کاٹ رہا ہے کوئی جلّاد
پھر دودھ شلوکے پہ مرا بہتا ہے، فریاد   یہ چھوٹا سا سن اور یہ جفا اور یہ روداد
پہلے تو لگا حُرمُلہ کا تیر گلے پر!!
اب پھرتی ہے جلّاد کی شمشیر گلے پر!

۱۰۶ کچھ سوچ کے کلثوم یہ کرنے لگی نالا   اکبرؑ کے جگر سے ہے کوئی کھینچتا بھالا
چلّائی سکینہؑ مرا دل ہے تہہ و بالا   ہے سارے شہیدوں کو پناہ شہ والا
اندیشہ چچا جان کی میّت کا بڑا ہے
تنہا وہی اک لاشہ ترائی میں پڑا ہے

۱۰۷ زینبؑ پہ قلق اور بھی زیادہ ہوا طاری   مقتل کو بندھے ہاتھ اٹھا کر یہ پکاری
بھیّا کہو کیوں روح ہے بے چین تمہاری   آئی یہ ندا؛ اے اسد اللہ کی پیاری
پھر ذبح کے صدمے میں حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
اب مادرِ حر لاشۂ حر لے کے چلی ہے

۱۰۸ سن کر یہ ندا بیبیاں بھی رونے لگیں اکبار   یاں گنجِ شہیداں میں قیامت تھی نمودار
تھی مادرِ حر لاش کے لے جانے کو تیّار   ہم قوم کئی عورتیں اس کی تھیں مددگار
اغلب تھا گرے عرشِ خدا پھٹ کے زمیں پر
طعنوں سے نمک پاش تھی زخمِ شہِ دیں پر

۱۰۹ کہتی تھی کہ واہ اے جگرِ حیدرِ صفدر   کٹوا دیا ساتھ اپنے مرے لال کا بھی سر
کیوں سبطِ پیمبرؐ ہے یہی عدلِ پیمبرؐ   برباد کیا اپنی طرح اور کا بھی گھر
یہ شیر جواں خاک پہ افتادہ ہے کس کا
میں تو نہیں واقف تو نبی زادہ ہے کس کا

۱۱۰ گر لاشۂ حر سے تھی مخاطب وہ بد افعال   کیوں ماں کو بھی ساتھ اپنے تو لے ڈوبا مرے لال
ہو جائے گی اب ضبط مری ملک مرا مال   میں بھی تو ذرا دیکھ ترا کرتی ہوں کیا حال
لے چین سے تو سوئے گا اب سر کو کٹا کر
رکھوں گی کہیں دور تری لاش کو جا کر

۱۱۱ لاشہ یہ ندا دیتا تھا، ہرگز نہ اٹھانا   ملعونہ مرے ہاتھ بھی مجھ کو نہ لگانا
اے خارجیہ حر کو نہ آقا سے چھڑانا   میں حق پہ موا ہوں، ہے خدا عالم و دانا
مجھ کو نہ ترا رنج نہ زوجہ کا الم ہے
غم ہے تو نبی زادیوں کے لٹنے کا غم ہے

۱۱۲ رحم آیا نہ ملعونہ کو وا حسرت و دردا   پاؤں میں ردا باندھ کے اس لاش کو کھینچا
فریاد کی لاشے نے سوئے لاشۂ مولا   آقا میرے! دیکھ یہ مجھے دیتے ہیں ایذا
جیتے رہے مجھ سے دور رہا شاہِ امم سے
مر کر وہ جدا کرتے ہیں آقا کے قدم سے

۱۱۳ دیکھوں کہ ہے اب روح کو کیا صدمہ اٹھانا   بستی سے شہیدوں کی کدھر ہوتا ہے جانا
آقا نے ندا دی کہ ذرا رنج نہ کھانا   جب چاہیو ملنے کو شہیدوں سے تو آنا

راضی بہ رضا رہ یہی مرضیِ خدا ہے
عباسؑ کا لاشہ بھی تو بھائی سے جدا ہے

۱۱۴ اے حُر تو جدا ہم سے نہ ہوگا کسی عنواں   دنیا کے فرشتوں کو خدا کا ہے یہ فرماں
مغرب میں اگر دوست ہو شبیرؑ کا بے جاں   بٹھلا کے پروں پر اسے پہنچا دے اسی آں

تو بعدِ جدائی بھی شریکِ شہدا ہے
لشکر سے ہراول بھی کہیں دور رہا ہے؟

۱۱۵ ناگاہ وہ ملعونہ چلی کھینچتی لاشا   شق ہو گئے سب زخم بدن پھٹ گئے اعضا
لائی وہاں مردے کو کہ اب قبر ہے جس جا   بے رحمی سے چھوڑا اسے ویرانے میں تنہا

کہتی تھی کہ اس کے لیے رونا بھی خطا ہے
صدقے جو ہوا شبیرؑ پہ یہ اس کی سزا ہے

۱۱۶ منہ ڈھانپنے کو زوجۂ حُر مُردے پہ آئی   اور قوم کی سب عورتوں کو ساتھ وہ لائی
ماتم کیا ایسا کہ زمیں واں کی ہلائی   سب گرد کھڑی لاش کے دیتی تھیں دُھائی

ناگاہ ندا آئی کہ اے بی بیو سر کو
سرکو، کہ یہاں حور و ملک پیٹیں گے سر کو

۱۱۷ گھبرا کے ہٹیں بی بیاں لاشے سے تو دیکھا   اک شور ہے اک دھوم ہے اک حشر ہے برپا
قبلے سے چلا آتا ہے اک ہودجِ زیبا   اور اس پہ سیہ پردے لٹکتے ہیں سراپا

سب فوجِ ملک پشت پہ سر کھولے ہوئے ہے
جو حور جلَو میں ہے وہ سر کھولے ہوئے ہے

۱۱۸ لاشے کے سرہانے پہ جو آئی وہ سواری   سر پیٹ کے ہودج سے تب اک بی بی پکاری
حورو، تمہیں معلوم ہے حالت تو ہماری   دُرّے کی جراحت مرے شانے پہ ہے کاری

تم ہاتھ پکڑ لو، جو اٹھا لو، تو میں اتروں
پہلوئے شکستہ کو سنبھالو، تو میں اتروں

۱۱۹ حورو مجھے اس لاش کی بالیں پہ بٹھا دو   زخموں کا لہو لے کے مرے منہ پہ لگا دو
مُردے کے تلے میری ردا جلد بچھا دو   اور کان میں چپکے سے مرا نام بتا دو

کہہ دو کہ عزاداروں کا سامانِ عزا دیکھ
اُس ماں کی جفا دیکھی ہے اِس ماں کی وفا دیکھ

۱۲۰ حوروں نے اتارا تو فغاں لب پہ یہ لائی   [ہے ہے] مرے مہماں مرے بے کس کے فدائی
[میں باغِ جناں] چھوڑ کے رونے تجھے آئی   پہچان مجھے کون ہوں میں غم کی ستائی

لاشے نے ندا دی کہ مری مرتبہ داں ہو
خاتونِ جناں حضرتِ شبیرؑ کی ماں ہو

۱۲۱ زہراؑ نے کہا مرتبہ داں تیرا خدا ہے   محسن ہے مرا، تجھ پہ مری روح فدا ہے
تو پیشِ روِ لشکرِ شاہِ شہدا ہے   تو فخرِ سلیمانؑ ہے کہ حیدرؑ کا گدا ہے

یہ کہہ کے جو اس لاش پہ [زہراؑ نے] فغاں کی
بس نُطقِ دبیرؔ اب نہیں طاقت ہے بیاں کی

۱۲۲ کیا خوب دبیرؔ آج تری نظم مسلسل   محفل میں صف آرا ہے غمِ کُشتۂ اوّل
سالار ہے غم، فوج ہے اشک، آہ ہراول   سائل ہو کہ اے جدِّ حسینؑ، احمدِ مرسل

محفوظ رکھو مجھ کو ہر اک فتنہ و شر سے
آزاد کرو حُر کی طرح نارِ سقر سے

مرثیہ ہذا بتاریخ دہم شہرِ جمادی الثانی ۱۲۷۰ھ ہجری (۱۸۵۴ء) باختتام و انجام رسید۔

۲۲ جولائی ۱۹۷۵ء ایک بجے رات

تحقیق متن

مرثیہ

ہر سنگ بنا لعل و گہر مہرِ علیؑ سے

مندرجہ ذیل حواشی و تعلیقات صرف ایک قلمی نسخے پر مبنی ہیں۔ دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔

بند ۵ : چوتھے مصرع میں کاتب نے حرص سین سے لکھا ہے۔

بند ۸ : پانچویں مصرع میں ہر اوّل کاتب نے ح سے لکھا ہے۔

بند ۱۰ : مصرع ۶، متن میں ہے "داخل ہے غلاموں میں مگر نار سے حرُ ہے"
پھر اسے کاٹ کر نیچے لکھا ہے "جنّت سے یہ حرُ ہے"

بند ۲۷ : اس بند کے اُوپر کسی دوسرے کاتب نے لکھا ہے "مشکوک" کیونکہ پانچواں مصرع صاف
"گیسوؤں کے شبہ میں آج تلک ہیں" پھر اسی کاتب نے ص بنا کر بیت کے آخر
میں تصحیح کی ہے "شبہ میں ہم"

بند ۳۰ : مصرع ۳، متن میں مصرع یوں ہے "رضواں نے پیام آمدِ حرُ کا جو سنا ہے" ظاہر ہے کہ
"رضوان نے پیام آمدِ حرُ کا جو سنا ہے" دوسرے مصرع سے مربوط نہیں، اگر "نے"
کے بجائے "سے" پڑھا جائے تو ٹھیک ہے مگر منیا، لیا، کیا کا قافیہ، دیا چاہتا ہے
متن میں "نے" اور "سنا" ہی ہے ہم نے متن کی قرارت اپنے ذوق کے مطابق لکھی ہے۔

بند ۴۶ : مصرع ۷، متن میں ہے "بالائے زمیں نصب کیا نیزے کو ایک جا"
پھر تصحیح کا نشان ص بنا کر حاشیے پر کسی دوسرے کے قلم سے تحریر ہے "گاڑ دیا نیزے کو اک جا"

بند ۴۹ : پہلا مصرع متن میں ہے "سادات کا آئینۂ دل بندے نے ہی توڑا" پھر تصحیح کا نشان
ص بنا کر اوپر لکھا ہے "سادات کا آئینۂ دل میں نے ہے توڑا"

بند ۵۸ : مصرع ۵، متن "انصاف کرو پہلے تمھیں کس نے ستایا"

ص کا نشان اور بند کے نیچے لکھا ہے "عباس سے کہہ دو اسے آگے سے ہٹا دیں"

بند ۶۸ : مصرع ۱، متن ہے "ہے دھوپ غضب سایہ ہی سے دم مرے مہماں"
"بے دم" کاٹ کر اوپر "بے دم" لکھا ہے۔

بند ۶۷ : مصرع ۱، متن "ہے فاطمہؑ کے چھوٹے بڑوں پر ترا احسان"
پھر کسی نے مصرع پر لکھا ہے "خورد و کلاں" لیکن حاشیے پر مصحح کے قلم سے متبادل مصرع
لکھا ہے "ہے فاطمہ کے چھوٹے بڑوں پر ترا احسان"

مصرع ۶ متن میں ہے "اصغر کا بھی ماتم میں ترا ہاتھ اٹھے گا"
اسے کاٹ کر مصحح نے لکھا ہے :
"اصغر کے بھی ماتم میں ترا ہاتھ اٹھے گا"

میرے خیال میں، اکبر کا قربان ہونا، سکینہ کا گریبان پھاڑنا، چاہتا ہے کہ اصغر بھی حرُ کا ماتم
کریں زیادہ مربوط ہے لہٰذا مصرع یوں پڑھا جائے "اصغر کا بھی ماتم میں ترے ہاتھ اٹھے گا"

بند ۹۹ : مصرع ۴ متن "عجب نور و ضیا ہے" کو کاٹ کر بند کے نیچے لکھا ہے "نورِ ضیا ہے"
اور چھٹے مصرع کی متن میں صورت یہ ہے "مظلوم کے قدم پہ فدا ہوتی ہے زہرا" اس پر
ص لکھ کر بند کے اوپر مصحح نے لکھا ہے "مظلوم کے قدموں پہ فدا ہوتی تھی زہراؑ"

بند ۱۰۷ : قلمی نسخے میں مصحح کے قلم سے بند کے نیچے لکھا ہے "تمام ہے" اس کا مطلب یہ ہے
کہ جس نسخے سے مقابلہ کیا جا رہا تھا وہ نسخہ اس بند پر ختم ہو گیا ہے۔

بند ۱۰۹ : کاتب مرثیہ "لال" بمعنی پیارے کو "لعل" اور "گلزار" بمعنی چمن کو "گلذار" لکھتا ہے۔

بند ۱۱۰ : مصرع ۴ متن میں لکھا ہے "میں یونہی اب دیکھ ترا کرتی ہوں کیا حال"
پہلا فقرہ کاٹ کر کسی نے پنسل سے لکھا ہے "میں بھی تو ذرا"۔

بند ۱۱۱ : مصرع ۶ متن میں ہے "غم ہے تو نبی زادیوں کا لٹنے کا غم ہے" پنسل سے کاٹ کر
کسی نے لکھا ہے "نبی زادیوں کے لٹنے کا"

بند ۱۱۸ : مصرع ۴، "دُرّے کا جراحت مری سایہ پہ ہے بھاری"

بند ۱۲۰ : کے پہلے تین مصرعوں کے ابتدائی الفاظ کاغذ کے پھٹ جانے سے ضائع ہو گئے
ہم نے بریکٹ میں تقریبی قرارت لکھی ہے۔

بند ۱۲۱ : قلمی مرثیے میں آخری بند ہے اور اور بند ۱۲۲، ۱اس سے پہلے ہے، لیکن ۱۲۰

کے بعد حُر کے پہچاننے کے بعد کا ردِ عمل باقی تھا، بند ۱۲۱ میں یہ بات واضح نہیں ہوئی، غالباً مرزا صاحب نے اس نکتے کو محسوس فرمایا اور ۱۲۲ واں بند لکھا جسے اگر بند ۱۲۰ کے بعد پڑھا جائے تو بات مسلسل ہو جاتی ہے لہٰذا ہم نے اسے مقدم کر دیا۔

فرہنگ مرثیہ

ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علیؑ سے

۱- پارس : ایک پتھر جس سے لوہا رگڑ کھا جائے تو سونا ہو جائے۔ نمط : طرح۔

۲- شیرازہ : کتاب کے اوراق کو یک جا رکھنے کے لیے، جز بندی کے بند لگایا جانے والا فیتہ یا مضبوط دھاگا۔ وِلا : محبت

۳- حِلّت : حلال و مباح ہونا۔ جالی : واضح۔ بیان شدہ۔

۴- تمغہ : نشانِ اعزاز۔ جلالی : شان دار۔

۵- مبعوث کرنا : پیغامبر بنا کر بھیجنا۔

۶- تریاق : زہر کا اثر دور کرنے والی دوا۔ مار : سانپ

۷- حضّار : موجود لوگ۔ حاضرین (حاضر کی جمع)

۸- چاؤش : شاہی سواری کے آگے صدا دینے والا خادم، یہاں ہراول مراد ہے۔

۹- مرغوب : پسندیدہ۔ محبوب۔

۱۰- حُر : آزاد شخص۔ تیز۔ حُر ابنِ یزید ریاحی

۱۱- ناصیہ : پیشانی

۱۲- فرسودگیِ پا : پیروں کی تھکاوٹ۔

۱۳- مِصباح : چراغ۔ مِفتاح : کنجی۔ فتّاح : فتح کرنے والا (اسم مبالغہ) مشکلیں حل کرنے والا۔ مژگانِ رسا : خوبصورت اور بڑی پلکیں۔

۱۴- یدِ طولیٰ : پورا قابو۔ پوری مہارت۔ مُولا : قیمتی۔ مول والا۔

۱۵- فلکِ ہفت جبیں : آسمان جس کے سات طبقے، سات پرت ہیں، ہر طبقہ کو پیشانی مان کر "سات پیشانیوں والا آسمان" کہا ہے۔

مطلب : حر کی پیشانی احترامِ امام میں حضرت کی طرف جھکی ہوئی ہے اور ساتوں آسمانوں سے حُر کا اعزاز سجدہ طلب کر رہا ہے اور آسمانوں کا جھکاؤ احترامِ حُر کے لیے ہے۔

۱۶- قُدسی : فرشتے

۱۷- ناصیہ سا : پیشانی رگڑنے والا۔ سجدہ کرنے والا۔

۱۸- برخاستہ : ابھرا ہوا۔

مطلب : رخساروں پر حسین بال اور سبزۂ رخ کو سبزۂ رخ نہ کہو، بلکہ رخسار آئینہ ہیں اور موئے حسیں اس آئینے کے جوہر ہیں جو نظارے کے لیے ایستادہ ہیں۔

۱۹- مطبوع : پسندیدہ۔

مطلب : رخسار کا خط چاند کا ہالہ ہے۔ ہالا یہی مطلب بیان کر رہا ہے اور یہ مطلب ستارۂ عطارد کو بے حد پسند ہے۔

۲۰- کرمکِ شب تاب : جگنو

۲۱- چشمۂ حیوان : آب حیات کا چشمہ۔

۲۲- شانہ : کنگھا۔

۲۳- شہِ خاور : مشرق کا بادشاہ۔ سورج۔

۲۴- مائدہ : دسترخوان۔

۲۵- خوزادوں : (خوزادہ) شہزادوں۔

۲۶- فروشندہ : بیچنے والا : تاجر۔

۲۷- عُمَر : عمر ابن سعد۔ فوج یزید کا جرنیل جو کربلا کی جنگ کا نگران اعلےٰ تھا۔

۲۸- ہودج : اونٹ کا کجاوہ۔ شتربان : اونٹ چلانے والے۔

۲۹- سہم کر : ڈر کر

۳۰- اَدرِکنی : میری مدد کیجیے۔ اَلعفو : معافی۔ ہیہات : افسوس۔

۳۱- خلخال : پازیب۔ پاؤں کا زیور۔

۳۲- راہِ احدی : خدا کی راہ۔

۳۳- مجرا : سلام شاہی۔

۳۴- عامل : حاکم۔ شحنگی : شحنہ : کوتوال۔ شہر کے انتظام کرنے کا عہدہ۔

۳۵- دستک : محصول۔ قرقی۔

۳۶- زُہرہ : ایک روشن ستارہ۔

۳۷- تنزّل : پستی، اعلےٰ عہدے سے چھوٹے عہدے پر آنا۔

۳۸- قالب : جسم۔ سہم : خوف۔ ڈر۔ ناوک : تیر

۳۹- جہندہ : اچھلنے والا۔ چھلانگیں مارنے والے۔ (رخش : گھوڑا)

مورچہ : فوج کے بیٹھنے اور لڑنے کی نشیبی جگہ۔ جنگ کا میدان۔ نیز چیونٹی۔

۴۰- مغفر : لوہے کی ٹوپی۔ خود۔

۴۱- بحار : (بحر۔ واحد) سمندر

۴۲- رمز : اشارہ۔ باریک بات۔ راز۔

۴۳- ہنسلی : گلے کے نیچے کی ہڈی۔ نیز ایک زیور کا نام، جو بچوں کو منت کے لیے پہنایا جاتا ہے

۴۴- قصاص : خون کا بدلہ۔ بدلہ

۴۵- گنج شہیداں : وہ جگہ جہاں امام حسین علیہ السلام نے شہیدوں کی لاشیں جمع کی تھیں۔

۴۶- نطق : قوت گویائی۔ گویائی۔ بولنا۔

مرثیہ نمبر ۳

سیفی کا نمونہ مری شمشیر زباں ہے

۱۶۳، بند

فضائل، ولادت وشہادت حضرۃ عباسؑ

- تعارف وتبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگِ الفاظ

مرثیہ پر نظر

شاعری ایک سائنس ہے، جس سے جذبات کو متاثر کیا جاتا ہے، شعر خود جذبہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جذبہ کی استواری اور اثر آفرینی شاعر کا کام ہے۔ وہ اپنے احساس کو تاثیر و تاثر آفرینی سے جس قدر آراستہ کرتا ہے اتنا ہی بڑا ماہر فن مانا جاتا ہے۔ شاعری اور تاریخ میں شاعری اور مصوری میں شاعری اور فلسفے میں ایک فرق ہے۔ مؤرخ واقعات، اس کا پس منظر اور نتیجہ بتاتا ہے۔ مصور کسی چیز کو مجسم کرتا ہے، فلسفی کسی نظریے کا منطقی تجزیہ کرتا ہے، دعوے پر دلیل دیتا ہے اور نصب العین کو استدلال سے ثابت کرتا ہے شاعر کا عمل سائنس کی طرح ذرا گہرا ہوتا ہے۔ سائنس ایک بات کو سامنے رکھ مفردات کو مرکب، مرکبات کو مفرد بناتا ہے، وہ ایک مفروضہ بنا کر مختلف شعاعوں کے رنگ دریافت کرتا ہے۔ اس کے اثرات معلوم کرتا ہے، انھیں قابو میں لاتا ہے، وہ مثبت و منفی اشیاء کو یکجا کر کے کبھی رنگ بناتا ہے، کبھی نور، کبھی ہوا کو سرد کرتا ہے کبھی گرم، شاعر بھی واقعہ کو خاص نظر سے دیکھتا ہے۔ پھر اس کے ایک جز، یا چند اجزاء کو اپنی صوابدید کے مطابق رنگ و آہنگ دے کر، کرداروں کو مجسم کرتا ہے جذبات کو برقی رو سے دوچار کرتا ہے، حقیقت کو مجاز اور مجاز کو استعارہ بنا کر، دل و دماغ، جذبہ و فکر کو متاثر کرتا ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ حقیقت کو سپاٹ بھی دیکھنا چاہتا ہے اور تشبیہ و استعارے میں بھی، جیسے روشنی سفید فانوس میں بھی اچھی لگتی ہے اور رنگین شیشوں سے پھوٹ کر نظر کے سامنے آئے جب بھی، اب یہ کام مشعل بردار کا ہے کہ وہ اس روشنی سے راستہ منور کرنا چاہتا ہے یا فقط محدود فضا کی رنگینی دکھا کر مطمئن ہو جاتا ہے۔

اصناف سخن میں مرثیہ، وہ اثر انگیز صنف ہے، جس سے جذبات غم کو چھیڑا جاتا ہے، غم زدہ فرد یا افراد کو ان کیفیات سے دوسرے عالم میں لے جانے کے لیے کبھی رلایا جاتا ہے کہ غم کی آنچ ہلکی ہو، کبھی اس غم کی حقیقت، موضوع کے مفید نتائج اور واقعہ کے افادی پہلو نمایاں کیے جاتے ہیں تاکہ ظالم و مظلوم کے کردار سے اخلاقی، اور عملی فائدے اٹھائے جائیں۔

مرزا دبیر کا مرثیہ واقعہ کربلا سے متعلق ہے۔ اس سانحہ کے بہت سے اجزا ہیں اور اس جہاد کے بہت سے مجاہد، اور ان مجاہدوں کے الگ الگ نام اور کام ہیں [illegible]

"حضرتِ عباسؑ" اور ان کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کی ولادت سے پہلے ایک فضا دریافت کی ہے پھر وہ اسباب بیان کیے جس کے نتیجے میں ایک عاشقِ صادق جاں نثار و وفادار بھائی سامنے آیا، اس کردار کا ذہن، اس کے جذبات ایک خاص انداز سے ابھرتے ہیں، جوان ہوتے ہیں اور آخر ایک معرکہ دلاوری و وفاشعاری میں اس کردار کی لاجواب استقامت کو حیاتِ جاوداں کا تاج ملتا ہے۔

عباسؑ حق کی تلوار، بہادری کی تیغ، وفا کا چشمۂ آبِ حیات، پیاسے بچوں کی سوکھی مشک کے اٹھانے والے، نہرِ فرات پر کھینچی ہوئی فولادی دیوار کے توڑنے والے، خاص مقصد کی خاطر ہاتھوں کے کٹنے پر راضی اور بیش قیمت امام حسینؑ کی حمایت میں سرخرو ہونے والے شہید ہیں۔ اہل بیت کو ان سے محبت اور بے پناہ محبت تھی، اہل حرم کو ان سے تقویت تھی، فوجِ حسینی کے علم بردار تھے اور امام حسینؑ کے محبوب بھائی اور قوت بازو، ان کی شہادت کے واقعے پر ان لوگوں کو بہت رونا آتا ہے جو کربلا کے واقعے کو اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا سب سے بڑا المیہ جانتے ہیں۔ مرزا صاحب اس واقعہ کو شاعرانہ نظر سے دیکھتے اور شاعرانہ انداز میں بیان کر کے مجمع کو اس قدر متاثر کرتے ہیں کہ لوگ داڑھیں مار مار کر روئیں، اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ سننے والا یا پڑھنے والا تڑپ جائے۔ پھر اس گداز اور جذباتی ہیجان میں وہ وفا، ثابت قدمی، جاں نثاری اور اطاعت و محبت، اپنے وجود، اپنے جذبات کو امام حسینؑ پر قربان کرنے والے مثالی کردار کو پیش کر کے در پردہ دوسروں کو اس جذبے سے سرشار کرنا چاہتے ہیں۔ واقعۂ کربلا اور مرثیہ کی یہی بڑی خوبی ہے کہ اس میں ایمان، جہاد اور حق پرستی اور موت سے نہ ڈرنے کا عجیب درس ملتا ہے۔ عام آدمی فقط رونے پر اکتفا کرتا ہے لیکن بیدار مغز اور زندہ شعور رکھنے والا اس سے کردار کی اصلاح اور اخلاق کی تعمیر اور قربانی کے جذبے کی پرورش کا فائدہ اٹھاتا ہے۔

دبیر کا یہ مرثیہ خاص طور پر کُمکی ہے۔ اس کی اٹھان غم انگیز، اس کا عروج غم انگیز اور اس کا خاتمہ تڑپا دینے والا ہے، اسے ایک آدمی پڑھے یا بہت سے آدمی سنیں رونا ضرور آئے گا۔ مرزا صاحب نے اس مرثیہ میں کتابوں کے حوالے سے بات کی ہے اور حضرت عباسؑ کی ولادت سے شہادت تک فنی تسلسل کے ساتھ آغاز و انجام بیان کیا ہے۔ بیان میں ان کا خاص لہجہ، مصرعوں کی بندش، بندوں کی ترکیب، لفظوں کی صنعت اور خیال کی پاکیزگی کچھ ایسے انداز میں ہے کہ ماہرین فن نے اس مرثیہ کو ان کا نفیس اور بہت عمدہ مرثیہ قرار دیا ہے۔

اس مرثیے کی تین روایتیں ہمارے سامنے ہیں۔ قدیم متن منشی نول کشور کا شایع کردہ ہے۔ پھر دفتر ماتم میں مشمول نسخہ اور اس کے بعد خبیر صاحب کے انتخابی مجموعہ مراثی میں منقح اور مستند متن۔ مرزا صاحب

کے نمایندہ مرثیوں کا جو مجموعہ خبیر صاحب نے مرتب کر کے چھاپا اس کا نام ہے ۔ سبع مثانی۔ سبع مثانی کا پہلا ایڈیشن میرے سامنے ہے، مجھے خیال ہوتا ہے کہ شاید اس مجموعہ میں شائع شدہ مرثیہ مرزا صاحب کی خاص اصلاح و نظر سے آراستہ ہے، مجھے گمان ہوتا ہے کہ نول کشوری ایڈیشن والا مرثیہ نسبتاً پہلا دفتر ماتم میں چھپا ہوا مرثیہ دوسرا اور سبع مثانی والا مرثیہ نیر النقش ہے اسی وجہ سے میں نے سبع مثانی کے متن کو اپنے مجموعے کا بنیادی متن قرار دیا ہے اور ان دونوں نسخوں سے مقابلہ کر کے اختلاف کے مقامات کو تعلیقات میں قلم بند کیا ہے ۔ نول کشور کا مطبوعہ مرثیہ، جلد دوم طبع ۱۸۸۲ء میں صفحہ ۷۹ سے ۹۶ تک ایک سو اکسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔ دفتر ماتم جلد ۱۲، طبع ۱۹۱۰ء لکھنؤ کے صفحہ ۱۸۸ سے ۲۰۶ تک ایک سو اکہتر بند ہیں۔ اور سبع مثانی کی روایت میں ایک سو نو ستھ بند۔ ہم نے بعض بند دفتر ماتم سے اور بعض نسخۂ نول کشور سے لے کر جو مرثیہ مرتب کیا تو ایک سو پینسٹھ بند ہوئے۔

مرثیہ

سیفی کا نمونہ مری شمشیرِ زباں ہے

۱۶۳ بند

فضائل، ولادت و شہادت حضرۃ عباسؑ

۱ سیفی کا نمونہ مری شمشیرِ زباں ہے　　اللہ کی تلوار کے جوہر کا بیاں ہے
قبضے میں مرے معنی و الفاظ کی جاں ہے　　اب سیفِ زباں نظم کے میداں میں رواں ہے
وہ رزم کے مضمون کا رن آج پڑے گا
مصرع تو کہاں ذہن کسی کا نہ لڑے گا

۲ جتنے ہمہ داں ہیں وہ مرے مرتبہ داں ہیں　　یہ نظم وہ دیکھیں جو فصیحانِ جہاں ہیں
مصرع نہیں، موجیں یہ فصاحت کی رواں ہیں　　معنی جو بلاغت کے ہیں موقع پہ عیاں ہیں
الفاظ ہیں وہ پاک کہ ثانی نہیں رکھتے
خالی جو لغت سے ہیں معانی نہیں رکھتے

۳ جو حاشیے کی طرح طرف دار نہ ہوں گے　　میرے سخنِ صدق سے بیزار نہ ہوں گے
کیوں کر دُرِ یکتا کے خریدار نہ ہوں گے　　بحرینؑ میں ایسے دُرِ شہوار نہ ہوں گے
مضموں ہیں عباسؑ کے اعزاز و شرف کے
دیکھو تو سہی صاف یہ موتی ہیں نجف کے

۴ ہر باغ ہے گلچیں مرے مضمون کے چمن کا　　ہر بحر ہے قطرہ مرے دریائے سخن کا
مصرع ہے مرا نو مری تصنیفِ کہن کا　　نقطہ ہے عطارد قلمِ نور فگن کا!
ہے مہرِ علیؑ طبعِ خداداد کی خاطر
اور ماہِ بنی ہاشم امداد کی خاطر

۵ ممدوح مرا نام خدا، سیفِ خدا ہے　　دعویٰ جو کروں سیفِ زبانی کا بجا ہے
یوں قطع رہِ نظم کروں میں تو مزا ہے　　سب مل کے کہیں واہ یہ انداز جدا ہے
خامے کو اُدھر خواہشِ تحریر نے تھاما
اور ہاتھ ادھر بازوئے شبیرؑ نے تھاما

۶ یہ بزمِ مقدس ہے فرشتوں کی گذرگاہ!　　جس طرح سے جنت میں فقط مومنوں کی راہ
موجود ہیں تار آنسوؤں کے اور علمِ آہ　　چلّہ جو بندھا عُقدۂ دل کھل گئے واللہ
بے حل ہوئے مشکل نہیں رہتی ہے کسی کی
محفل ہے کہ درگاہ ہے عباس علیؑ کی

۷ کون اس کے سوا داورِ کون و مکاں ہے　　ہے کفر بھی قائل کہ یہ ایمان کی جاں ہے
اک وصف یہ ہے، پشت و پناہِ دو جہاں ہے　　خورشید علَمؑ، بدر نگیںؑ، چرخ کماں ہے
دریا دل و نیساں کف و سقائے حرم ہے
کوثر کا شرف، بحرِ عطا، ابرِ کرم ہے

۸ یکتائی کے سانچے میں شبیہ ان کی ڈھلی ہے　　پیروں کا عصا، بچوں کی بیّہ نادِ علیؑ ہے
چاروں کُتُبِ حق کا شرف ان سے جلی ہے　　یہ سورۂ اخلاصِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
خوش رو نہ کوئی ایسا ہوا ہو گا سلف میں
حمزہؓ سے دو بالا الفِ قد ہے شرف میں

۹ جو عزّ و شرف جعفرِؓ طیّار نے پائے　　کس جنسِ شہادت کے خریدار نے پلٹے
حاشا، نہ مہاجر نے نہ انصار نے پائے　　پر شاہِ شہیداں کے علَم دار نے پائے
جعفرؓ بھی تصدّق ہوئے حیدرؑ کے خلف پر
یاقوت کے پر خوب کھلے درِّ نجف پر

۱۰ شمعِ قدِ روشن کے دو پروانے یہ پر ہیں　　یہ نخلِ شہادت کے دو برگِ گلِ تر ہیں
رحمت کے یہ دو ابر ادھر اور اُدھر ہیں　　رخسار ہیں یا جلوہ نما شمس و قمر ہیں
قرباں ہیں اس جعفرؑ ثانی کے پروں پر
ہر دم یہ ہما رہتے ہیں شیعوں کے سروں پر

۱۱ ہر شہپر زیبا ہے ورقِ مُصحفِ خدا کا   اک حسن کا آیہ ہے اور اک نور و ضیا کا
اک اوج ہے ایماں کا، اک شرعِ ہُدا کا   اک تاج ہے زوّاروں کا، اک اہلِ عزا کا

وہ سایہ ہے اللہ کا یہ سایہ نبیؐ کا
وہ چترِ حسنؑ کا یہ حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۲ یہ پردہ ہما جن کے ہوا خواہِ سلیمانؑ   جبریلؑ کہیں مثلِ پلک آنکھوں پہ ہر آں
حوریں کہیں صدقے ہیں، تو پریاں کہیں قرباں   سو جان سے ہر موئے پہ تصدّق ہیں بنی جاں

عباسِ علیؑ روحِ شہِ جن و بشر ہیں
یہ طائرِ روحِ شہِ مظلوم کے پر ہیں

۱۳ نے شمسِ جناں ہیں نہ قمر جلوہ فگن ہے   خورشید و قمر خلد کا یہ فخرِ زمن ہے
شہپر نہ کہو، پہلوؤں میں جمع کرن ہے   پر نور کا ہے، سر نور کا ہے، نور کا تن ہے

گویا لبِ موسیٰؑ سے یہ ہیں طور کے شعلے
اک شمعِ تجلّی میں ہیں دو نور کے شعلے

۱۴ محشر میں بجھائے گا عزاداروں کی جو پیاس   عباسؑ ہے عباسؑ ہے عباسؑ ہے عباسؑ
عُریانِ بدنی سے نہیں کچھ شیعوں کو وسواس   آئے گا جہنم کا شرارہ نہ کوئی پاس

ہر سال جو رکھتے ہیں عَلَم اُن کا گھروں میں
یہ لیں گے پھریرے کی طرح اُن کو پروں میں

۱۵ دنیا میں نہ آئے تھے اور افسانہ تھا ان کا   یوسفؑ کی جو قیمت تھی وہ بیعانہ تھا ان کا
گھر فاطمہؑ زہرا کا عزاخانہ تھا ان کا   دل احمدِؐ مختار کا پروانہ تھا ان کا

نے زخم لگا تھا نہ کوئی ہاتھ کٹا تھا
پر ننھا سا زینب کا گریباں پھٹا تھا

۱۶ تقدیر ان کی کھلی مُخبِرِ صادقؑ کی زبانی   اوّل انھیں مولا نے کہا جعفرِؓ ثانی
وارث تھا عَلَم کا شہِ مرداں کا یہ جانی   شانوں پہ رہی دست بدست ان کی نشانی

بعد از حسنینؑ ان کو جو بیٹوں میں چنا تھا
حیدرؑ نے شرف ان کا پیمبرؐ سے سنا تھا

۱۷ یوں تبصرہ میں کلکِ صداقت سے ہے مسطور   جس دشت میں جعفرؓ کو شہادت ہوئی منظور
فردوس سے نزدیک تھا یثرب سے بہت دور   اک جا ثمرِ نارستے تھے اک جا چمنِ نور

مسجد یہاں روشن تھی رسولِؐ دوسرا سے
آنکھوں سے حجاب اٹھ گئے تھے حکمِ خدا سے

۱۸ آئینے کے مانند تھا رنِ پیشِ پیمبرؐ   اس آئینے میں دیکھتے تھے تیغوں کے جوہر
تھی مثلِ الف آنکھ کے آگے صفِ لشکر   جنگاہ کی روداد بیاں کرتے تھے فرفر

پیدا لبِ جاں بخش سے اسرارِ خفی تھے
اس دم ہمہ تن گوش سب اصحابِ نبیؐ تھے

۱۹ رو رو کے کہا احمدِ مُرسل نے قضا را   لو، زیدؓ علمدار کو کفّار نے مارا
جعفرؓ نے اٹھایا علم اس وقت ہمارا   رونے لگے اصحاب گریباں کیا پارا

آہوں کا دھواں جمع ہوا ہر ایک جگہ تھا
کعبے کی طرح جامۂ مسجد بھی سیہ تھا

۲۰ ناگاہ پیمبرؐ نے کہا "ہائے برادر"   مسجد میں اٹھا شور کہ مارے گئے جعفرؓ
یہ غل تھا کہ وارد ہوئے جبریل کھلے سر   آتے ہی پڑھا فاتحہ اور بولے یہ رو کر

جعفرؓ نے تو ہاتھوں کو فدا حق پہ کیا ہے
پر دیکھیے کیا کیا انھیں مالک نے دیا ہے

۲۱ اس دم سوئے میدانِ ستم دیکھیے مولا   آلودۂ خوں اپنا علم دیکھیے مولا
جعفر کا حشم حق کا کرم دیکھیے مولا   مشتاقِ حورانِ ارم دیکھیے مولا

بھائی کی ترے قدر بلند آج ہوئی ہے
تُو نیزوں پہ اک لاش کو معراج ہوئی ہے

۲۲ کیا دیکھتے ہیں رن کی طرف مڑ کے پیمبرؐ   ہے نیزوں کی نوکوں پہ علم لاشۂ جعفرؓ
کہتے ہیں عدو برچھیوں کو گردشیں دے کر   الفتح، کہ مارا گیا حیدرؑ کا برادر

تابوت ذرا جعفرِؓ طیار کا دیکھو!
انجام پیمبرؐ کے علم دار کا دیکھو!

۲۳ پرلاش کے جو گرد فرشتوں کے پرے ہیں　　یاقوت کے پر بعضوں کے ہاتھوں پہ دھرے ہیں
شہ بالِ زمرّد کہیں طوبیٰ سے ہرے ہیں　　شہپر کہیں موتی کی تجلّی سے بھرے ہیں

کہتے ہیں فرشتے کہ پسند آپ کو کیا ہے
لو جعفرؓ طیّار یہ سوغات خدا ہے

۲۴ حیدرؑ کو خبر دی یہ رسولِؐ دوسرا نے　　چاک اپنا گریباں کیا دستِ خدا نے
روکر یہ تمنّا کی شہ عقدہ کشا نے　　ہوتے جو قلم راہِ خدا میں مرے شانے

بھائی کی طرح رتبۂ برتر مجھے ملتے
اللہ کی سرکار سے شہپر مجھے ملتے

۲۵ سن کر یہ تمنّا شہِ لولاکؐ پکارے　　بس بس کہ یہ حصّہ ہے بھتیجے کا ہمارے
جو عاشقِ شبیرؑ ہے بیٹوں میں تمہارے　　شانوں کو کٹائے گا وہ دریا کے کنارے

رتبے کی بلندی میں فلک پست ملیں گے
یاقوت کے پر اُس کو سرِ دست ملیں گے

۲۶ زہرا کوئی دو تین برس اور ہے مہماں　　اک صالحہؑ سے ہوگا ترے عقد کا ساماں
اس بی بی کے فرزندِ گرامی کے ہیں قرباں　　سمجھے گا نواسے کو مرے جان اور ایماں

قرباں وہ رہے گا پسرِ خیرِ نسا پر
جس طرح سے تم مجھ پہ نثار اور میں خدا پر

۲۷ جب مطلعِ قدرت سے ہو روشن وہ ستارا　　منہ چوم کے تم کہیو سلام اس سے ہمارا
آنکھوں سے مری کیجیو چہرے کا نظارا　　کہیو کہ چچا مر گیا مشتاق تمہارا

شبیرؑ سے دیکھیں گے رفاقت کو تمہاری
دریا پہ ہم آئیں گے زیارت کو تمہاری

۲۸ سجدہ کیا حیدرؑ نے کہ ہے اوج پہ تقدیر　　کی عرض پیمبرؐ سے کہ اے صاحبِؐ تطہیر
سبطینؑ کو تو حق نے کیا شبّر و شبّیر　　تم نام مرے بیٹے کا رکھ دو کہ ہو توقیر

پر نام میں دو طرح کی تاثیر ہو پیدا
حیدر کا جلال، الفتِ شبیر ہو پیدا

۲۹ ناگاہ ندا آئی کہ ہم نام رکھیں گے　　کیا فدیۂ شبیر کو ناکام رکھیں گے؟
ہم اُن کو سدا امورِ دِ انعام رکھیں گے　　عشرے میں علم ان کا خوش انجام رکھیں گے

مختار ہیں یہ مثلِ علیؑ گھر میں ہمارے
عبّاس خطاب ان کا ہے دفتر میں ہمارے

۳۰ ہے عینؑ سرِ اسم کہ ہوں گے یہ علمدار　　بےؔ سے ہے بشارت کہ یہ ہے بازوئے سالار
ایمان کا آغاز الف سے ہے نمودار　　ہے سینؔ سے سقائے سکینہ یہ خوش اطوار

ہے عین کے سر پر جو زبر خواہش رب سے
یہ بازوئے شبیر زبردست ہے سب سے

۳۱ مسجد سے گھر اپنے گیا وہ قبلۂ عالم　　زہراؑ سے بیاں کی خبرِ شادی و ماتم
رونے لگیں وہ اور یہ علیؑ سے کہا پیہم　　مظلومیِ شبیرؑ کی کھاتے ہیں قسم ہم

لو ہم نے اجازت دی بلا جبر خوشی سے
تم عقد کرو مادرِ عباسؑ علیؑ سے

۳۲ والیؑ! وہ کہاں رہتی ہے بتلاؤ میں جاؤں　　حشمت سے تجمّل سے گھر اپنے اُسے لاؤں
ہے عین خوشی ہر قدم آنکھوں کو بچھاؤں　　دن دیکھ کے اچھا سا۔ دولہن اس کو بناؤں

سرگرم بلا عذر رہوں کام پہ اس کے
جاگیرِ فدک کی میں لکھوں نام پہ اس کے

۳۳ مقدور مجھے اس کی تواضع کا کہاں ہے　　نوشاہِ شہیداں کے فدائی کی وہ ماں ہے
کونین میں وہ محسنِ خاتونِ جناں ہے　　میں کون ہوں خود اس کا خدا مرتبہ داں ہے

گر اس کے عوض فاطمہؑ سو بار فدا ہو
حق یہ ہے کہ اُس پر بھی نہ حق اس کا ادا ہو

۳۴ پیدا ہو جو عباسؑ تو میں گود میں پالوں　　جو ناز کرے فخر سمجھ کر میں اٹھا لوں
شبیرؑ کے فدیے کے سب ارماں نکالوں　　بس دودھ چھڑاتے ہی میں نوشاہ بنا لوں

ننھی سی سپر پشت پہ ہو تیغ کمر میں
کاندھے پہ علم رکھ کے پھراؤں اسے گھر میں

۲۳ پرلاش کے جو گرد فرشتوں کے پرے ہیں   یاقوت کے پر بعضوں کے ہاتھوں پہ دھرے ہیں
شہ بالِ زمرّد کہیں طوبیٰ سے ہرے ہیں   شہپر کہیں موتی کی تجلّی سے بھرے ہیں
کہتے ہیں فرشتے کہ پسند آپ کو کیا ہے
لو جعفرؓ طیّار یہ سوغات خدا ہے

۲۴ حیدرؑ کو خبر دی یہ رسولِؐ دوسرا نے   چاک اپنا گریباں کیا دستِ خدا نے
رو کر یہ تمنّا کی شہ عقدہ کشا نے   ہوتے جو قلم راہِ خدا میں مرے شانے
بھائی کی طرح رتبۂ برتر مجھے ملتے
اللہ کی سرکار سے شہپر مجھے ملتے

۲۵ سن کر یہ تمنّا شہِ لولاکؐ پکارے   بس بس کہ یہ حصّہ ہے بھتیجے کا ہمارے
جو عاشقِ شبیرؑ ہے بیٹوں میں تمہارے   شانوں کو کٹائے گا وہ دریا کے کنارے
رتبے کی بلندی میں فلک پست ملیں گے
یاقوت کے پر اُس کو سرِ دست ملیں گے

۲۶ زہراؑ کوئی دو تین برس اور ہے مہماں   اک صالحہؓ سے ہوگا تیرے عقد کا ساماں
اس بی بی کے فرزندِ گرامی کے میں قرباں   سمجھے گا نواسے کو مرے جان اور ایماں
قرباں وہ رہے گا پسرِ خیرِ نسا پر
جس طرح سے تم مجھ پہ نثار اور میں خدا پر

۲۷ جب مطلعِ قدرت سے ہو روشن وہ ستارا   منہ چوم کے تم کہیو سلام اس سے ہمارا
آنکھوں سے مری کیجیو چہرے کا نظارا   کہیو کہ چچا مر گیا مشتاق تمہارا
شبیرؑ سے دیکھیں گے رفاقت کو تمہاری
دریا پہ ہم آئیں گے زیارت کو تمہاری

۲۸ سجدہ کیا حیدرؑ نے کہ ہے اوج پہ تقدیر   کی عرض پیمبرؐ سے کہ اے صاحبِ تطہیر
سبطینؑ کو تو حق نے کیا شبّر و شبّیر   تم نام مرے بیٹے کا رکھ دو کہ ہو توقیر
پر نام میں دو طرح کی تاثیر ہو پیدا
حیدر کا جلال، الفتِ شبیر ہو پیدا

۲۹ ناگاہ ندا آئی کہ ہم نام رکھیں گے   کیا فدیۂ شبیر کو ناکام رکھیں گے؟
ہم اُن کو سدا موردِ انعام رکھیں گے   عشرے میں علم ان کا خوش انجام رکھیں گے
مختار ہیں یہ مثلِ علیؑ گھر میں ہمارے
عبّاس خطاب ان کا ہے دفتر میں ہمارے

۳۰ ہے عینؑ سرِ اسم کہ ہوں گے یہ علم دار   بے سے ہے بشارت کہ یہ ہے بازوئے سالار
ایمان کا آغاز الف سے ہے نمودار   ہے سینؑ سے سقائے سکینہ یہ خوش اطوار
ہے عینؑ کے سر پر جو زبر خواہشِ رب سے
یہ بازوئے شبیر زبردست ہے سب سے

۳۱ مسجد سے گھر اپنے گیا وہ قبلۂ عالم   زہراؑ سے بیاں کی خبرِ شادی و ماتم
رونے لگیں وہ اور یہ علیؑ سے کہا پیہم   مظلومیِ شبیرؑ کی کھاتے ہیں قسم ہم
لو ہم نے اجازت دی بلا جبر خوشی سے
تم عقد کرو مادرِ عباسؑ علیؑ سے

۳۲ والیؑ! وہ کہاں رہتی ہے بتلاؤ میں جاؤں   حشمت سے تجمّل سے گھر اپنے اُسے لاؤں
ہے عین خوشی ہر قدم آنکھوں کو بچھاؤں   دن دیکھ کے اچھا سا۔ دولہن اس کو بناؤں
سرگرم بلا عذر رہوں کام پہ اس کے
جاگیر فدک کی میں لکھوں نام پہ اس کے

۳۳ مقدور مجھے اس کی تواضع کا کہاں ہے   نوشاہِ شہیداں کے فدائی کی وہ ماں ہے
کونین میں وہ محسنِ خاتونِ جناں ہے   میں کون ہوں خود اس کا خدا مرتبہ داں ہے
گر اس کے عوض فاطمہؑ سو بار فدا ہو
حق یہ ہے کہ اُس پر بھی نہ حق اس کا ادا ہو

۳۴ پیدا ہو جو عباسؑ تو میں گود میں پالوں   جو ناز کرے فخر سمجھ کر میں اٹھا لوں
شبیرؑ کے فدیے کے سب ارماں نکالوں   بس دودھ چھڑاتے ہی میں نوشاہ بنا لوں
ننھی سی سپر پشت پہ ہو تیغ کمر میں
کاندھے پہ علم رکھ کے پھراؤں اسے گھر میں

۴۷ بوسہ دیا رخسار پہ شاہِ شہدا نے   پر ہاتھ کئی بار ملے چوم کے شانے
بیٹا کیا اپنا خلفِ خیرِ نسا نے   عباسؑ کو مژدہ یہ دیا شیرِ خدا نے

لے آلِ عباؑ سے ترا پیوند ہے بیٹا
فرزندِ پیمبرؐ کا تو فرزند ہے بیٹا

۴۸ فرزندیِ شبیرؑ گرامی ہو مبارک   آقائی انھیں تم کو غلامی ہو مبارک
مقتل میں شہیدوں کی سلامی ہو مبارک   عزّ و شرف جعفرؑ نامی ہو مبارک

شبیرؑ جو فرزند کہیں پیار سمجھنا
تم ان کو مگر مالک و مختار سمجھنا

۴۹ اتنے میں کہا ماں نے کہ آ، فدیۂ شبیر   قربان گئی ہو گئے آقا سے بغل گیر
مجھ کو بھی سرافراز کرو، آؤ پیو شیر   خدمت یہی جاؤ کہ بڑھے دائی کی توقیر

کاہے کو پسند آئے گی اب گود کسی کی
شبیرؑ کے آغوش میں خوشبو ہے نبی کی

۵۰ تم بھائی کے دیدار کے بھوکے ہو میں واری   نے دودھ کی پروا ہے نہ کچھ یاد ہماری
یہ کہہ کے بڑھی لینے کو وہ عاشقِ باری   اور کلمے خوشامد کے زباں سے کیے جاری

منہ پھیر کے آقا کے گلے مل گئے عباسؑ
اک آن میں شبیرؑ سے یہ ہل گئے عباسؑ

۵۱ حضرت نے اشارہ کیا، پاس ان کے نہ آؤ   اماں مرے محبوب کا جی تم نہ کڑھاؤ
یہ آپ سے آئے تو اسے دودھ پلاؤ   یہ عاشقِ صادق ہے مرا بھول نہ جاؤ

جب تک کہ ہوں میں دودھ یہ جانی نہ پیئے گا
اک روز مرے واسطے پانی نہ پیے گا

۵۲ القصہ کہ ہر دم ہوئی توقیر زیادہ   سن بڑھتا تھا کم، الفتِ شبیر زیادہ
مشق رقمِ مصحف و تفسیر زیادہ   شوقِ ہنرِ نیزہ و شمشیر زیادہ

کچھ ہوش سنبھالا تھا کہ تلوار سنبھالی
بابا کی بھی بھائی کی بھی سرکار سنبھالی

۵۳ افضل یہ ہنر میں ہوئے سب اہلِ ہنر سے   جس طرح قمر تاروں سے اور شمس قمر سے
ہمت میں گراں قدر تھے یہ جن و بشر سے   جس طرح گہر سنگ سے اور لعل گہر سے

یوں حسن میں برتر تھے جوانانِ حسینؑ سے
جس طرح نبیؐ خلق سے اور عرش زمیں سے

۵۴ یوں سنتے تھے ارشادِ شہِ ارض و سما کو   جس طرح سے جبریلِ امیں وحیِ خدا کو
یوں دیکھتے تھے پیار سے شاہِ شہدا کو   جیسے اسداللہ رسولؐ دوسرا کو

فاقوں میں وہ بھائی کی زیارت کا مزہ تھا
جو روزے میں قرآں کی تلاوت کا مزہ تھا

۵۵ فرمائیں ماں پہ تھیں کہ اسے پیرو زہراؑ   ہاں، خدمتِ شبیر کے آداب ہیں کیا کیا؟
جا کر کسی محفل میں جو بیٹھیں مرے آقا!   بیٹھوں میں دو زانو عقبِ سیدِ والا؟

خدمت کو رہوں سامنے موجود، کہ در پر؟
نعلینِ حضور آنکھوں پہ رکھوں، کہ میں سر پر؟

۵۶ ماں کہتی تھی: شبیرؑ تو بھائی ہیں تمہارے   پہروں یہ جھگڑتے تھے کہ، آقا ہیں ہمارے
ہم ذرہ ہیں، وہ عرشِ معلّٰی کے ستارے   آخر وہ یہ کہتی تھی: میں قائل ہوئی پیارے

لکھ رکھنے کے قابل تری تقریر ہے، واری
یہ صحبتِ شبیر کی تاثیر ہے، واری

۵۷ اللہ رکھے ان کی غلامی میں ابد تک!   نعلینِ مبارک کا اٹھانا ہو مبارک
آنکھوں پہ رکھو، سر پہ رکھو، فخر ہے بےشک   سر پر تو ہے وہ تاج، اور آنکھوں پہ ہے عینک

اس قدر شناسی میں بڑا جاہ ملے گا
بس اور تو میں کیا کہوں اللہ ملے گا

۵۸ شہ ان سے رضامند تھے، یہ شہ سے رضامند   وہ کہتے تھے فرزند، یہ کہتے تھے خداوند
بانہوں کو بناتے تھے کبھی شہ کا کمر بند   اور ہاتھ تو تھے دامنِ شبیرؑ کا پیوند

قبضہ نہ فقط دامنِ دولت پہ کیا تھا
معشوق کا دل ہاتھ میں عاشق نے لیا تھا

۵۹ یک جان و دو قالب تو زبانوں پہ ہے اکثر — موجدِ سخنِ تازہ کی ہے طبعِ سخن ورا!
اعداد میں ہیں قالب و عبّاس برابر — شبّیر ہیں بے شبہ و شک جانِ پیمبرؐ
خود شان ہے قربان عجب شان ہے ان کی
قالب یہ ہیں اور جانِ نبیؐ جان ہے ان کی

۶۰ زہراؑ کی محبت کا سنا تھا جو فسانا — کچھ ہو پہ اُنھیں شام و سحر قبر پہ جانا
گہہ پھول چڑھانا کبھی واں شمع جلانا — اور واں سے جو آنا تو یہ مادر کو سنانا
ہیں فاطمہؑ کی روح سے طالب ہوں مدد کا
دربار[۲۴] کیا کرتا ہوں دو وقت لحد کا

۶۱ ناگاہ کیا تجربہ[۲۵] الفت کا خدا نے — مقتل کا قبالہ دیا مولا کو قضا نے
غربت پہ کمر باندھی امامِ غُربا نے — زہراؑ کی لحد پر کہا اُس اہلِ وفا نے
مولا جہاں جاتے ہیں. وہاں جاتا ہے عبّاسؑ
آدابِ غلامانہ بجا لاتا ہے عبّاسؑ

۶۲ ترتیبِ سواری میں ادھر تھے شہِ ابرار — عابدؑ کو حرم کا تھا کیا قافلہ سالار
اور سارے جواں مرگ تھے اکبرؑ کے جلودار — ناگاہ مدینہ کی زمیں ہل گئی اک بار
گردن جو بقیعہ کو پھری شاہِ ھُدا کی
دیکھا کہ لرزتی ہے لحد خیرِ نساؑ کی

۶۳ ہر بار یہ نوحہ ہے لبِ قبر سے جاری — رخصت کے لیے آیا ہے عبّاسؑ میں واری
مشہور سخی بنتِ سخی ماں ہے تمہاری — تم لا کے علم دو اسے تُربت پہ ہماری
خوش ان کو کرو منصبِ جعفرؑ کی سند سے
جائے نہ تہی دست یہ زہراؑ کی لحد سے

۶۴ لے کر علم آئے سرِ تربت شہِ ابرار — عبّاس کے کاندھے پہ دھرا اور کیا پیار
مرقد سے ندا آئی: مبارک ہو علم دار! — پر میری کمائی سے خبردار، خبردار
لو جاؤ علم دار کیا خیرِ نسا نے
خلعت یہی رخصت کا دیا خیرِ نسا نے

۶۵ عبّاس پھرے گردِ لحد سر کو جھکا کے — نعرہ یہ کیا قافلۂ شاہ میں جا کے
قربان میں خاتونِؑ قیامت کی عطا کے — دل سے ہیں فدا فدیہ پہ شاہِ شہدا کے
زہراؑ کی سفارش سے علَم ہم کو ملا ہے
اس قبر کی جاروب[۲۶] کشی کا یہ صِلا ہے

۶۶ ماہ رجب آخر تھا کہ یثرب ہوا برباد — غرّہ[۲۷] تھا محرم کا کہ صحرا ہوا آباد
عاشور کی عید آتے ہی مولا ہوئے ناشاد — قربانی نبیؐ زادوں کی کرنے لگے جلّاد
گلہائے بہشتی سُمِ اسپاں کے تلے تھے
نو لاکھ کی تیغیں تھیں بہتّر کے گلے تھے

۶۷ لکھا ہے لٹی جب دلِ زہراؑ کی کمائی — تا عرش گئی مادرِ قاسمؑ کی دُھائی
پُرسے کو گئے خیمے میں شہ، تاب نہ آئی — سینے سے پسر لپٹا ہوا، شانے سے بھائی
شہ رونے لگے مسندِ قاسمؑ سے لپٹ کر
یہ غم تھا کہ دم رہ گیا سینے میں اُلٹ کر

۶۸ پرسا تو دیا مادرِ قاسم کو بُلا کے — اور بیٹھ گئے زانووں پر سر کو جھکا کے
زینب نے بلائیں لیں شہِ تشنہ کی آ کے — سب سے کہا زردیٔ رخِ مولا کی دکھا کے
لے جان انھیں جانِ حسنؑ کر گیا لوگو!
مرنے سے بھتیجے کے چچا مر گیا لوگو!

۶۹ شہ نے کہا: قاسم نے دیا داغ دوبارا — پہلے تو ہمیں بھانجوں کی موت نے مارا
اب زرد ہے منہ اور بھی صدمے سے ہمارا — پچھلے کو جو سجّادے پہ سویا میں، قضارا
دو واقعے[۲۸] وہ دیکھے کہ ہم مر گئے زینبؑ
رو کر ہوئے بیدار تو غش کر گئے زینبؑ

۷۰ پہلے نظر آیا کہ سرا ماں کا کھلا ہے — لال اپنے لہو سے حسنؑ سبز قبا ہے
دل پکڑے ہوئے جانِ رسولؐ دو سرا ہے — اس خواب کی تعبیر تو قاسم کی قضا ہے
پھر خواب میں دیکھا یہ حسینؑ ابنِ علیؑ نے
تلواروں سے بازو مرے کاٹے ہیں کسی نے

۷۱ زینبؑ نے کہا: خیر ہو، کیا اس کی ہے تعبیر عباسؑ کا مُنہ دیکھ کے رونے لگے شبیرؑ
غل پڑ گیا، اب موت انھیں کی ہے گلوگیر چلائے حرم 'ہائے شہِ تشنہ کی تقدیر'
بٹیا اسی دن کے لیے بھائی کو کیا ہے
کیا موت نے زہراؑ ہی کا گھر دیکھ لیا ہے

۷۲ اتنے میں سکینہ نے کئے آکے اشارے بولا بھی نہیں جاتا ہے اب پیاس کے مارے
دنیا کا تو پانی نہیں حصّے میں ہمارے لے چلیے ہمیں گود میں کوثر کے کنارے
پانی ہیں وہاں ہاتھ سے دادا کے پیوں گی
دم پیاس سے ہونٹوں پہ ہے دم بھر نہ جیوں گی

۷۳ عباسؑ پکارے کہ بھلا مشک تو لاؤ تم ہاتھ سے اپنے ہمیں سقّا تو بناؤ
اور زیرِ فلک ننھا سا سجّادہ بچھاؤ سر کھول کے قبلے کی طرف ہاتھ اٹھاؤ
حق چاہے تو پتھر ابھی ہو جاتے ہیں پانی
بی بی کے لیے نہر سے ہم لاتے ہیں پانی

۷۴ مشکیزہ اُدھر لائی وہ بنتِ شہِ والا بسم اللہ اِدھر کہہ کے چچا سامنے بیٹھا
لے لے کے بلائیں وہ بنانے لگی سقّا مشکیزے سے شانے کی ہوئی شان دو بالا
حضرت سے یہ کی عرض کہ مشتاقِ قضا ہوں
شہ بولے: کمر توڑ دو میں راضی برضا

۷۵ تم زندہ ہو اور اپنی اجل آئی ابھی سے بھائی کی کمر ٹوٹ گئی بھائی، ابھی سے
لو جاتی رہی آنکھوں کی بینائی، ابھی سے ہے پیشِ نظر لاش کی تنہائی، ابھی سے
ارمان نہ پورے ہوئے مجھ کُشتۂ غم کے
تم لاش مری لائے نہ سلٹے ہیں علم کے

۷۶ گھوڑے پہ چڑھائے گا تمھیں بھائی تمہارا تم قبر میں مردہ نہ اتاروگے ہمارا؟
اللہ! علم دار کیا ہم سے کنارا! پردیس میں تابوت ہمارا نہ سنوارا
تم چھٹ گئے بھائی سے تو سب چھٹ گئے عباسؑ
سر کھل گیا زینبؑ کا، حرم لٹ گئے، عباسؑ

۷۷ غازی نے یہ سن کر سرِ تسلیم جُھکایا! اور در کے قریب آن کے زوجہ کو بلایا
کچھ اس سے کہا، سنتے ہی زیور کو بڑھایا زینب نے سبب پوچھا تو رو کر یہ سنایا
کہتے ہیں کہ نرغے میں گھروں گا
مہر اپنا مجھے بخش دو جینا نہ پھروں گا

۷۸ ہر چند رنڈاپے کا بڑا جبر و ستم ہے پھر بھی میں معصوم سکینہؑ کا قدم ہے
شاہد مری رہیو نہیں زہراؑ کی قسم ہے بخشا انھیں لونڈی نے نہ اب فکر نہ غم ہے
مہر اُن پہ تصدّق، یہ سکینہ پہ تصدّق
میں بانوئے سلطانِ مدینہ پہ تصدّق

۷۹ ناگہ درِ دولت پہ سواری کا ہوا غل چلائے شکوہ و حشم و جاہ و تجمّل!
سامانِ سواری یہاں موجود ہے بالکل رہوارِ ظفر، زینِ شرف، فوجِ توکّل
اب جانبِ خیمہ پرِ شش لشکرِ بد ہے
یا حضرتِ عباسؑ علی وقتِ مدد ہے

۸۰ اَسوار ہوا جلد علم دارِ گرامی! اکبر نے رکاب، اور عناں شاہ نے تھامی
اقبالِ دو عالم نے دیا خطِّ غلامی ہے چرخِ بریں جھک کے زمیں، اٹھ کے سلامی
کیوں دامنِ دولت نہ کھول دامنِ زیں کو
دامن میں لیا زین نے اس دولتِ دیں کو

۸۱ اللہ رے طمانچہ رخِ روشن کی چمک کا تھا دور پہ مُنہ پھر گیا خورشیدِ فلک کا
سکتے میں سبھی عالم یہ ہوا جنّ و ملک کا طالب ہوا ہر ثابت و سیّارہ کلک کا
روشن ہوئی اس درجہ زمیں نور سے زیں کے
پروانہ صفت عرش پھرا گرد زیں کے

۸۲ یک دفعہ پھری مُردنی چہرے پہ اَجل کے مہتابؑ نئی دن کو چھٹی منہ پہ زُحل کے
چلنے لگے سیدھے فلک اس وقت دہل کے سو مرتبہ سورج پہ گرا چاند اچھل کے
مریخ کشش و پنج میں تھا چرخ سے ہٹ کر
عقرب ہوا برقعِ مہِ تاباں کا اُلٹ کر

۸۳ عباس سے کیا زین مُزَیَّن نظر آیا　　یوسفؑ بھی نہ یوں چشمِ زلیخا میں سمایا
پھر نورِ نگہ دیدۂ یعقوبؑ نے پایا　　گویا سرِ کرسی پہ کیا عرش نے سایا
یوں زین پہ زینت تھی علم دارِ جری کی
جیسے دلِ مومن میں جگہ حُبِّ علیؑ کی

۸۴ لو مومنو اب نظم کے میدان کو دیکھو　　ہاں آمدِ عباسؑ کے سامان کو دیکھو
سَحبان کا سنو ذکر نہ حسّان کو دیکھو　　سقائے سکینہ کے ثنا خوان کو دیکھو
سرمہ ہے نجف کا یہ سخن، گرد نہیں ہے
آمد کے مضامیں میں آورد نہیں ہے

۸۵ مانندِ اذاں غُلغُلے ہیں صَلِّ عَلٰی کے　　حاضر ہیں فلک پیشِ نگہ سر کو جھکا کے
مَردُمِ سُمِ تَوسَن کے نشاں راہ میں پا کے　　عینک کی طرح آنکھوں پہ رکھتے ہیں اٹھا کے
چلّاتی ہے شوکت کہ درود ان پہ پڑھے جاؤ
فرماتی ہے ہمّت کہ بڑھے جاؤ بڑھے جاؤ

۸۶ جاسوسِ عمر گوشوں میں اِستادہ ہے غم ناک　　شہراہ میں شکّوں کی بھی بیٹھی ہوئی ہے ڈاک
لے لے کے خبر اُڑتے ہیں ہر کارۂ چالاک　　ہر مورچہ کے گردِ طلایہ میں ہیں سفّاک
صدقے فرسِ بازوئے شاہِ دوجہاں پر
مثلِ خبر آتا ہے خلائق کی زباں پر

۸۷ گھوڑا جو تڑپ کر تہہِ راں بول رہا ہے　　کہتے ہیں عدو : شیر کہاں بول رہا ہے
بعضوں کا اِشارہ ہے کہ واں بول رہا ہے　　رہوارِ علم دارِ جواں بول رہا ہے
نعرے میں ہے ضَیغم، یہ غضب تیز پری ہے
افلاک کے تو شیشوں میں بس ایک پری ہے

۸۸ جب باگ ہلی آمدِ محشر نظر آئی　　لشکر میں قیامت اِدھر آئی اُدھر آئی
چمکا ہے علَم چار طرف یہ خبر آئی　　لو کاہکشاں آج فلک سے اُتر آئی
جب ہاتھ میں تلوار کا پرتو نظر آیا
خورشید کے پنجے میں مہِ نَو نظر آیا

۸۹ آگے کفِ اقبال میں توسن کی عناں ہے　　اور پہلوؤں میں بختِ رسا، عقلِ جواں ہے
پائیں کو زمیں فخر سے لبّیک کناں ہے　　بالا کو جو دیکھو تو فلک فاتحہ خواں ہے
اک چشمِ ترحّم کا گذر لاکھ جگہ ہے
یاں بندہ نواز اور ادھر پیشِ نگہ ہے

۹۰ اللہ رے نورِ بدنِ پاک کا سایا　　ہر ذرّے کو خورشید کی مسند پہ بٹھایا
ہر ایک شجر کو شجرِ طور بنایا　　ہر ایک جگہ نورِ مجسّم نظر آیا
مُردوں کا یہ عالم ہوا اس جلوۂ تن سے
جیسے کوئی چونک اُٹھتا ہے سورج کی کرن سے

۹۱ خادم ہیں شجاع ان کے، یہ ہیں عین شجاعت　　بندے ہیں سخی ان کے، یہ ہیں محضِ سخاوت
ہمّت کو سکھا دیتے ہیں یہ معنیٔ ہمّت　　اعجاز کو اعجاز کرامت کو کرامت
کیسے بنی آدم کہ یہ آدم کے شرف ہیں
کس گنتی میں عالم، یہ دو عالم کے شرف ہیں

۹۲ اک حاشیہ اِس روئے کتابی کا ہے قرآں　　اک شعلہ ہے اس شمع کا خورشید درخشاں
اس باغ کی شبنم ہے بہشتوں کا گلستاں　　اس گنج کا دینار ہے اک یوسفؑ کنعاں
بندوں میں کب اس حسن و لطافت کا ہے چہرہ
حقّا کہ یہ اللہ کی قدرت کا ہے چہرہ

۹۳ یہ بھوک، یہ پیاس اور یہ جہاں کا ستم و غدر　　اس رنگ میں بھی عارضِ پر نور کی ضو، بدر
زُلف و خط و ابرو کا عجب رتبہ عجب قدر　　بس ایک انھیں تین شبوں میں ہے شبِ قدر
بیٖنی ہے کہ قدرت کی تجلّی کا نشاں ہے
یہ مدِّ نگہ بیچ میں آنکھوں کے عیاں ہے

۹۴ سبزے کو یہ خطِ خضرؑ کمُط کرتا ہے گویا　　یہ لال کو بے حرف غلط کرتا ہے گویا
طوطی کو تو آئینہ فقط کرتا ہے گویا　　آئینہ کو یہ طوطیٔ خط کرتا ہے گویا
مدّاح کا دل خط کے شرف کھول رہا ہے
لو آئینہ طوطی کی طرح بول رہا ہے

۹۵ کیا چشم ہے کیا غازیِ حق بیں کی نظر ہے　　انوارِ خدا جس میں بھرے ہیں یہ وہ گھر ہے
عاجز دمِ نظارہ ہر اک جنّ و بشر ہے　　آگے نہیں بڑھتی ہے نگہ جلنے کا ڈر ہے
پر آنکھ وہ گھر ہے کہ ضیا جس میں بڑی ہے
پلکوں کی طرح سب کی نگہ در پہ کھڑی ہے

۹۶ وہ مطلعِ ابرو جو ہے توحیدِ خدا میں　　ثانی نہیں اس فرد کا بیتِ دوسرا میں
دیکھی نہیں یہ بات مہِ نو کی ضیا میں　　ایسا نہیں اک بال پر و بالِ ہما میں
قبلے کے لیے کعبۂ آداب یہی ہے
کعبے کے لیے سجدے کی محراب یہی ہے

۹۷ گو دانت ہیں بتّیس مگر غور کی جا ہے　　موتی کی یہ سُمرن پئے تسبیحِ خدا ہے
اک دانے کو کم اس لیے سُمرن سے کیا ہے　　یعنی سخن اِن کا گہرِ دُرجِ صفا ہے
سُبحہ یہ ہے اور پیشِ امام اس میں زباں ہے
جس وقت سخن ذکرِ خدائے دو جہاں ہے

۹۸ شبّیر ہیں نام اور نگینہ ہے یہ سینہ　　دریائے محبّت کا سفینہ ہے یہ سینہ
توقیر میں تابوتِ سکینہ ہے یہ سینہ　　ایمان و شریعت کا خزینہ ہے یہ سینہ
کب علم سے اس صدر کے آگاہ ملک ہے
جبریلؑ کی تحصیل تو سدرہ ہی تلک ہے

۹۹ اس حسن سے دریا کو علم دار رواں ہیں　　رن میں عمر و شمر میں باہم یہ بیاں ہیں
اب تک نہ خبر لائے خبر دار، کہاں ہیں　　عرصہ ہوا جاسوس بھی نظروں سے نہاں ہیں
کیا ہوگا اگر یک بیک آجائیں گے عباسؑ
بس خاک میں ہم سب کو ملا جائیں گے عباسؑ

۱۰۰ ناگہ علموں نے سرِ تسلیم جھکائے　　سب فوج نے تاج و کلہ و خود گرائے
اک مرتبہ نو لاکھ نے یہ شور مچائے　　لو، جان چلی، حضرتِ عباسؑ وہ آئے
اک بولا: وہ پنجہ علمِ سبز کا چمکا
اک نے کہا: اڑتا ہے پھریرا وہ علم کا

۱۰۱ کیا دیکھتا ہے سعد کا فرزندِ بد اطوار　　ہیں گردِ سواری کی طرح پیچھے خبر دار
چلّا کے کہا: دور ہو، بس آنا ہے بیکار　　تم کیسے قدیمی ہو خلیفہ کے نمک خوار
لائے ہو خبر اب کہ ہمیں بے خبری ہے
پر سر پہ اجل ہے، وہ علم دارِ جری ہے

۱۰۲ کی عرض خبر داروں نے بھی آنکھ بدل کے　　بھیجا تھا ہمیں آپ نے تو منہ میں اجل کے
تھوڑا ہے کہ ہم مر نہ گئے ان سے دہل کے　　آ سکتا ہے بجلی سے کوئی آگے نکل کے
ہم نے جدھر اس رخش کو مڑتے ہوئے دیکھا
پارے کی طرح دھوپ کو اڑتے ہوئے دیکھا

۱۰۳ پھر دیکھ کے آئے کئی جاسوس قضا را　　للکارا عمر: ضبط ہے گھر بار تمہارا
تھرّا کے وہ بولے کہ بھلا جرم ہمارا؟!　　اک چھوٹے سے سیّد کی فغاں نے ہمیں مارا
شبّیرؑ پیمبرؐ کا پسر ہے کہ نہیں ہے؟
سادات کے نالوں میں اثر ہے کہ نہیں ہے؟

۱۰۴ اَسوار ہوا جب اسد اللہ کا پیارا　　اک طفلِ حسیں ’وا اَبتا‘ کہہ کے پکارا
اور ننھے سے ہاتھوں سے گریباں کیا پارا　　گہ زلفوں کو نوچا، کبھی ٹوپی کو اتارا
سر ننگے علم دار کا سب کنبہ کھڑا ہے
اب تک درِ خیمہ پہ وہ بیہوش پڑا ہے

۱۰۵ اب غل ہے کہ مرنے کے لیے آتے ہیں اکبرؑ　　سر، پاؤں پہ ہر بی بی کے نہوڑاتے ہیں اکبرؑ
مادر سے جو حق دودھ کا بخشاتے ہیں اکبرؑ　　اس طرح وہ روتی ہے، لرز جاتے ہیں اکبرؑ
زینبؑ کہیں بے دم ہے، کہیں مرتی ہے بانوؑ
بن بیاہے کو امّت پہ فدا کرتی ہے بانوؑ

۱۰۶ خوش ہو کے عمر نے دیا جاسوسوں کو انعام　　بولا مرے اقبال سے زہراؑ کا مٹا نام
عباسؑ نے سن کر کہا، او دشمنِ اسلام!　　کیا بکتا ہے بیہودہ، زباں تھام، دہاں تھام
کیوں نیزے کی سوزن سے کروں بخیہ دہاں کو
ہے شرط، ابھی کھینچ لوں تالو سے زباں کو!!

١٠٧ ملتا ہے [illegible] کہیں فاطمہؑ کا نام؟ — اس نام کی دو مُہریں ہیں، اک شرع، اک اسلام
قرآں کی تلاوت میں ہے یہ نامِ خوش انجام — یہ نام ہے تسبیحِ ملائک سحر و شام
باعث یہ ہوا معرفتِ ربِّ ہدا کا!
اس نام سے بندوں نے نشاں پایا خدا کا!

١٠٨ کیوں، عرش مکاں کون ہے؟ شبیرؑ ہے، شبیرؑ — قدرت کا نشاں کون ہے؟ شبیرؑ ہے شبیرؑ!
خالق کی زباں کون ہے؟ شبیرؑ ہے شبیرؑ — دینِ دو جہاں کون ہے؟ شبیرؑ ہے شبیرؑ
مانندِ خدا ایک حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
مختارِ شکوہِ ابدی و ازلی ہے

١٠٩ جو مصحفِ ناطق کا ہو خواہاں پئے تفسیر — مُصحَف کو رکھیں سر پہ حدیثیں کہ ہے شبیرؑ
کس کے لیے یہ گلشنِ جنّت ہوا تعمیر — جاری لبِ کوثر پہ ہے نامِ شہِ دلگیر
پوچھے جو بیاباں میں کوئی قبلہ کدھر ہے!
کعبے سے ندا آئے کہ شبیر جدھر ہے

١١٠ پوچھے جو قمر: نورِ خدا کون بشر ہے؟ — کلمہ یہ پڑھے صبح کہ زہراؑ کا پسر ہے
گر مہر کہے: کون نبوّت کا قمر ہے؟ — تارے یہ قسم کھائیں کہ حیدرؑ کا جگر ہے
آگاہ ہے ہر گوہرِ شہوارِ شرف سے
کونین کی ہے آبرو اس دُرِّ نجف سے

١١١ گر عرش کہے: کس کا عمل فرش تلک ہے! — ذرّے کہیں: شبیرؑ، وہ بے شبہ و شک ہے
پوچھے جو زمیں: کون امامت کا فلک ہے؟ — افلاک پکاریں: یہ شہِ جِنّ و ملک ہے
پوچھیں جو بشر: کون فرشتوں کا شرف ہے؟
جبریلؑ پکاریں، کہ وہ زہراؑ کا خلف ہے

١١٢ یہ نورِ خدا، آبِ بقا، خاکِ شفا ہیں — یہ چشمِ حیا، دستِ سخا، پائے وفا ہیں
یہ ہیں سپرِ ایماں کی تو ہم سیفِ خدا ہیں — یہ قبلۂ اسلام ہیں، ہم قبلہ نما ہیں
وہ خُلق میں شبّرؑ ہیں، مُروّت میں نبیؐ ہیں
ہم زور میں ہاشم ہیں شجاعت میں علیؑ ہیں

١١٣ کب نوحؑ کو یہ پیاس کا طوفاں نظر آیا — ایوبؑ کو کب گنجِ شہیداں نظر آیا!
یعقوبؑ کو یوسفؑ نہیں بے جاں نظر آیا — شبیرؑ کو سب آج یہ ساماں نظر آیا!
اللہ رے تحمّل کہ تأسّف نہیں کرتے
کٹتا ہے جگر تیغوں سے اور اُف نہیں کرتے

١١٤ حملے میں ہے میرا فرسِ تیز قدم شیر — روباہوں کا خوں پیے گی شمشیرِ دودم شیر
ناوک ہے مرا شیر، سناں شیر، علَم شیر — بابا مرے اللہ کے شیر اور میں شمشیر
خیبر شکن اس عہد کا ہوں صف شکنی میں
شمشیرِ خدا میں بھی ہوں شمشیر زنی میں

١١٥ اعجاز کے گل کھلتے ہیں گلشن میں ہمارے — ہر قطرہ گہر بنتا ہے معدن میں ہمارے
سر کٹنے پہ بڑھتے ہیں قدم رن میں ہمارے — شیر اُن کے چھپ رہتے ہیں دامن میں ہمارے
ہے قہرِ خدا تیغِ دو دم ضرب ہماری
گردوں کی سپر سے نہ رکے ضرب ہماری

١١٦ جنّت ہے وِلا، نار عداوت ہے ہماری — آرام ہے دیں، کفر اذیّت ہے ہماری
حیراں ہیں سب جس میں وہ قدرت ہے ہماری — جنبش ہو پہاڑوں کو وہ قوت ہے ہماری
گو ہاتھ ہیں فاقے کے شکنجے میں ہمارے
پر زورِ یداللہ ہے پنجے میں ہمارے

١١٧ جانے دو مجھے نہر پہ گر صلح کی ہے چاہ — پیاسے شبِ ہفتم سے ہیں اطفالِ شہنشاہ
کانوں پہ رکھے ہاتھ سبھوں نے کہ نہ واللہ — بھیجو ہمیں دوزخ میں تو دریا کی ملے راہ
منظور ہے شر، خیر، جئیں گے کہ مریں گے
بھر لیجیے گا مشک، تو تسلیم کریں گے

١١٨ عباسؑ نے فرمایا: بھلا، خیر نہ مانو — لو باگ میں لیتا ہوں، سنبھل جاؤ، جوانو!
مڑ کر نہیں شیر آتا ہے، ہاں برچھیاں تانو — سقّائے سکینہؑ کو لبِ نہر ہی جانو
اب بوذرؓ و سلمانؓ کا خوں زادہ نہیں رکتا
سب رکتے ہیں خالق کا ارادہ نہیں رکتا

۱۱۹ طوفاں کی طرح فوج بڑھی جوشِ وغا سے   اندھیر ہوا گھاٹ پہ ڈھالوں کی گھٹا سے
روکے ہوئے تھے آبِ رواں خوں کے پیاسے   سرعت نے کہا "ہاں" فرسِ اہلِ وفا سے
گھوڑوں کو سفرِ وقت تگاپو نظر آیا
لشکر کے سمندر میں یہ ٹاپو نظر آیا

۱۲۰ ہر سو جو کیا قلزمِ لشکر کا نظارا   دل تیغ کے پیراک کا لہرایا قضارا
عباسؑ کا پایا جو سرِ دست اشارا   ملبوسِ نیام اس نے نہانے کو اتارا
غوطے کا مزہ صاف لبِ تیغ پر آیا
پانی لبِ ساحل کی طرح منہ میں بھر آیا

۱۲۱ سب ضربِ دمِ تیغ سے المَوت، پکارے   مصرع سے ہوئے قافیہ کی طرح کنارے
تھا بحرِ خفیف آبِ دمِ تیغ کے مارے   غرقابِ عرض قطعے زمیں کے ہوئے سارے
زاہد کو تیمم کا ٹھکانا نہ کہیں تھا
شاعر کے لیے بحرِ سخن قحطِ زمیں تھا

۱۲۲ باراں کی دعا تیغ پہ جوہر سے رقم تھی   طوفاں تھا وہ قبضہ میں کہ موج اسکی ستم تھی
اک بوند تلاطم میں سمندر سے نہ کم تھی   جو کشتیِ ہستی تھی وہ غرقابِ عدم تھی
غل تھا کہ زمیں نم ہے جہنم کی، یہ کیا ہے
مالک نے کہا: قہرِ خدا، قہرِ خدا ہے

۱۲۳ طغیانیِ آب و شررِ تیغ دو دم سے   طوفان سا اٹھتا تھا دھواں فوجِ ستم سے
آزردہ جو یہ تیغ ملی زندوں کے دم سے   دم ہو گیا اس وقت جدا لفظِ عدم سے
شمشیر تھی ہشیار اجل غش میں پڑی تھی
بیٹھی تھی قضا کرنے میں، تلوار کھڑی تھی

۱۲۴ خاشاکِ صفتِ لشکرِ ملعوں کو بہایا   اشجار کو، کہسار کو، ہاموں کو بہایا
گہ گاوِ زمیں کو کبھی قاروں کو بہایا   سب ایک طرف، گنبدِ گردوں کو بہایا
لاغر خطرِ آبِ رواں سے جز و کل تھے
تم ہو کے قدِ خشکِ عدو، جو رکے پل تھے

۱۲۵ گو خوف سے خود عازمِ دوزخ تھے ستم گار   پر حشر و اقلیمِ شجاعت تھے علم دار
جب تک نہ لگی ضرب، گیا اک نہ سوئے نار   بے سکۂ شاہی نہ چلے جیسے کہ دینار
اک ضرب سے دو مثلِ زرِ قلب بدن تھا
عباس کے قبضے میں ید اللہ کا چلن تھا

۱۲۶ جب اٹھ کے گری تیغ صفِ دشمنِ دیں پر   سر کٹ کے ہوا ہو گئے آئے نہ زمیں پر
دہشت سے گرے سرِ فلکِ ہفت جبیں پر   پانی ہوا بجلی کا جگر چرخِ بریں پر
باراں نے کہا: اڑتا ہے خوں فوجِ لعیں سے
سر مردوں کے گردوں پہ برستے ہیں زمیں سے

۱۲۷ سرشار کھڑی تھیں جو صفیں نشۂ مے میں   اک فکر زر و مال میں اک خواہشِ رے میں
یہ آبِ دمِ تیغ نہ ٹھہرا کسی شے میں   نشّے کی طرح دوڑ گیا ہر رگ و پے میں
بدمستوں کے پیمانۂ دل ٹوٹے ہوئے تھے
حربوں کا تو کیا ذکر ہے، جی چھوٹے ہوئے تھے

۱۲۸ تلوار کی بجلی خس و خاشاک سے نکلی   ڈوبی جو زمیں میں تو یہ افلاک سے نکلی
تحسین دلِ لشکرِ سفّاک سے نکلی   مغفر میں چھپی سینۂ ناپاک سے نکلی
پرتو جو پڑا رنگ اڑایا سپروں کا
ہم رنگِ سپر جل کے ہوا خوں جگروں کا

۱۲۹ صرصر عقبِ رخشِ خوش انداز نہ آئی   ٹاپوں سے صدا وقتِ تگ و تاز نہ آئی
گویا کہ اڑا ہوش اور آواز نہ آئی   پریوں کو یہ رفتار یہ پرواز نہ آئی
صرصر نے وظیفہ کیا رہوار کا کلمہ!
بجلی نے پڑھا تیغِ علم دار کا کلمہ!

۱۳۰ رن تیغ سے اور چرخ گریزاں ہوا رن سے   قبریں ہوئیں مُردوں سے جدا، مردے کفن سے
ہر خود گرا فرق سے اور فرق بدن سے   دل سینہ سے، نور آنکھوں سے اور دانت دہن سے
جوہر تبر و تیغ سے اور پنجہ نشاں سے
پر تیر سے، پھل برچھیوں سے، چلّے کماں سے

۱۳۱ ٹھہرا نہ پرا شمشیر جو بائیں آئی جھپٹ کر　　پوشیدہ ہوئی قبضے میں ہر تیغ سمٹ کر
گوشے میں کماں چھپ گئی شانے سے لپٹ کر　　اسوار کو سیدھا کیا توسن سے اُلٹ کر
خود کفر یہ کہتا تھا: ارے کلمہ پڑھو تم
سر پاؤں پہ گرتے تھے کہ آگے نہ بڑھو تم

۱۳۲ اُڑ اُڑ کے یہ رنگِ سیہ فوج نے گھیرا　　کفّار کی قبروں کا ہوا رن میں اندھیرا!
منہ روز نے خورشید صفت کانپ کے پھیرا　　اندھیر پکارا کہ بس اب دور ہے میرا
ظلمت سے، زمیں رن کی سیہ پوش ہوئی تھی
باتوں کو رہِ گوش فراموش ہوئی تھی

۱۳۳ رن میں جو کسی روکنے والے کو نہ پایا　　شمشیر بکف ابرِ کرم نہر پہ آیا
اُس دُرِّ نجف کا جو پڑا موج میں سایا　　دریا گہرِ صاف کے پانی میں نہایا
انگلی سے جو ماتھے کا عرق پاک کیا تھا
دریا کا شکم موتیوں سے پاٹ دیا تھا

۱۳۴ دریا سے مخاطب ہوا حیدرؑ کا وہ جانی　　کیوں، نذرِ سکینہ میں بھروں مشک میں پانی
آئی یہ ندا: شوق سے اے جعفرؑ ثانی　　پر پیاسوں کی تقدیر میں ہے خشک زبانی
جُز صبر دوا تشنہ دہانی کی نہیں ہے
تقدیر میں اک بوند بھی پانی کی نہیں ہے

۱۳۵ دریا سے عجب شان بنائے ہوئے نکلے　　اک حسن کے قلزم میں نہائے ہوئے نکلے
مشکیزے کو کاندھے سے لگائے ہوئے نکلے　　پر زیرِ سپر اس کو چھپائے ہوئے نکلے
بدلی کی طرح چھائے عدو حکمِ عمر سے
بوچھار پڑی تیروں کی، مینہ تیروں کے برسے

۱۳۶ یاں ایک بلندی درِ خیمہ کے جو تھی پاس　　بے فوج کا سردار کھڑا تھا وہاں بے آس
سیّد کی تو آنکھیں نگراں تھیں سوئے عباسؑ　　منہ اُن کا حرم دیکھتے تھے در سے بصد یاس
واں نہر پہ غل اٹھتا تھا، یاں درد جگر میں
تاریک تھا دن آلِ پیمبر کی نظر میں،

۱۳۷ چہرہ شہِ بیکس کا ہوا زرد قضارا　　اکبر نے دعا کے لیے عمامہ اُتارا
گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ نے پکارا　　عباسؑ پہ کیا گزری؟ کہو للہ، خدارا
سنتی ہوں کہ اب خیر سے خیمے کو پھرے ہیں
حضرت نے ملے ہاتھ کہ لشکر میں گھرے ہیں

۱۳۸ منہ پیٹ کے بانو یہ سکینہ کو پکاری　　ہر بات پہ ضد کرنا برا ہوتا ہے واری
لو ہوتی ہیں اب رانڈ چچی جان تمہاری　　اب کس کے چچا جان کو گھیرے ہیں پیاری!
حضرت نہیں جیتے کے اس اندوہ و تعب سے
سب گھر کی تباہی ہوئی بی بی کے سبب سے

۱۳۹ شرما کے یہ کہنے لگی وہ نازوں کی پالی　　ہے ہے یہ بلا میں نے چچا جان پہ ڈالی!
قربان ہوئی نہر پہ میں بھیجنے والی　　اللہ نہ ٹوٹے کمرِ سیّد عالی
جس وقت بلائیں میں چچا جان کی لوں گی
یہ بالیاں کانوں کی تری راہ میں دوں گی

۱۴۰ ناگاہ ہوا عرصۂ مقتل تہہ و بالا　　اور بیٹھ گئے دل کو پکڑ کر شہِ والا
منہ پردے سے پھر زینبِ مضطر نے نکالا　　پوچھا، تو کیا شاہِ شہیداں نے یہ نالا
اب منہ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
سینہ پہ لگا تیر، گرے بھائی اُلٹ کر!

۱۴۱ زینب نے جو گردن طرفِ نہر پھرائی　　چلائی کہ ہے ہے، شہِ مرداں کی کمائی،
اک چیز چمک کر مجھے گرتی نظر آئی　　پنجہ یہ نشاں کا ہے کہ پرچم ہے، دہائی
بازوئے علمدار قلم ہو گیا لوگو!
ٹھنڈا مرے بھائی کا علم ہو گیا لوگو!

۱۴۲ کیوں صاحبو! سر ننگے میں اب خیمے سے جاؤں؟　　ماتھے پہ لہو سقّے کے شانے کا لگاؤں؟
دریا پہ صفِ ماتمِ عباسؑ بچھاؤں؟　　اماں کو بھی اس وقت بقیعے سے بلاؤں؟
بابا کی شہادت کا قلق تازہ ہوا ہے
سیدانیو! میرا علوی بھائی موا ہے

۱۴۳ پھر بیوۂ مسلم کو پکاری وہ دل افگار   بھائی ہے حقیقی ترا عباسِ خوش اطوار
دے اِذن تو ساماں کروں ماتم کا میں ناچار   وہ بولی کہ مالک ہیں حضور، اور شہِ ابرار
پر آپ ترائی میں جو کھوے ہوئے سر جائیں
اکبرؑ تو نہ غیرت سے گلا کاٹ کے مر جائیں

۱۴۴ سیدانی نے منہ اکبرؑ مظلوم کا دیکھا   نہیوڑا لیا شہزادے نے بھرا کے سراپا
سمجھیں کہ رضائے علیؑ اکبر نہیں اصلا   زینبؑ نے وہیں بیٹھ کے، منہ پر لیا پلا
یاں شورِ فغاں گنبدِ دوّار پہ پہنچا
سردار وہاں لاشِ علم دار پہ پہنچا

۱۴۵ دیکھا کہ علم دار کو قربانی کی ہے عید   منہ پھیرے ہیں دریا سے کہ تسنیم کی ہے دید
پیدا ہے ہر ایک بات سے اللہ کی تائید   گہ پڑھتے ہیں "یٰسؔ" کبھی کلمۂ توحید
معبودِ حقیقی کی عدالت کا بیاں ہے
محبوبِ الٰہی کی رسالت کا بیاں ہے

۱۴۶ ہے وردِ زباں: "حیدرِ کرّارِ امامی"   "حقّا کہ حسنؑ سیّدِ ابرار اِمامی"
"شاہِ شُہدا، فِدیۂ غفّار، اِمامی   محتاجِ دوا عابدؑ بیمار اِمامی"
یا رب میں ترے بارہ اماموں پہ تصدّق
شبّیرؑ کی اولاد کے ناموں پہ تصدّق

۱۴۷ شہ بولے لپٹ کر: یہ برادر ترے صدقے   بھائی! مرا بابا، مری مادر ترے صدقے
بھائی! مرا اکبر، میرا اصغر ترے صدقے   بھائی! مرے شیعہ، مرا سب گھر ترے صدقے
تجھ سا نہ کوئی اہلِ وفا ہوئے گا عباسؑ
میں اس پہ تصدق جو تجھے روئے گا عباسؑ

۱۴۸ غازی نے دعا دی کہ ہمیشہ رہو آباد   خالق، علی اکبر کو کرے صاحبِ اولاد
شیعوں کی ترقّی ہو، موالی رہیں دل شاد   لو جاتا ہوں اللہ نے بندے کو کیا یاد
لبّیک پیمبرؐ مجھے فرماتے ہیں آ جا
بابا بھی وہ سر ننگے چلے آتے ہیں آقا

۱۴۹ یہ کہہ کے تبسّم کیا پھر لب نہ ہلایا   سینہ میں رکی سانس، جبیں پر عرق آیا
آنکھوں کی سیاہی کو سپیدی نے چھپایا   منکا جو ڈھلا، سر قدمِ شہ پہ جھکایا
غش ہو گئے شبّیرؑ قضا کر گئے عباسؑ
تھرّا کے بدن رہ گیا اور مر گئے عباسؑ

۱۵۰ جا کر درِ خیمہ پہ کسی نے یہ سنایا!   ہم شکلِ نبی دوڑو کہ حضرت کو غش آیا
آ کر علی اکبر نے جو مولا کو اٹھایا!   شہ بولے کہ بھائی سے مقدّر نے چھڑایا
فریاد ہے عباس نے چھوڑا علی اکبرؑ
دم بھی مری آغوش میں توڑا علی اکبرؑ

۱۵۱ پھر لاش پہ یہ مرثیہ پڑھنے لگے رو کر   افسوس تری بے کسی و یاس برادر
ہے ہے مرے عاشق، تجھے گھیرے رہا لشکر   ہم بہرِ مدد آ نہ سکے وائے مقدّر
غم سے ترے تڑپے گی مری روح بدن میں
جب تک نہ بدن ہوئے گا پوشیدہ کفن میں

۱۵۲ عباسؑ! اب نہ ہو گا یہ کسی اہلِ وفا سے   بھولے نہ مری پیاس، رہے نہر میں پیاسے
کُنیتؔ جو ابوالفضل تھی افضالِ خدا سے   تم بعدِ شہادت ہوئے افضل شُہَدا سے
کیا خوب بجا لائے ہو فرمان خدا کا
عباس درود آپ پہ ہر آن خدا کا!

۱۵۳ ہے ایک روایت میں کہ لاشے کو سنبھالا   خیمے کو مع لاش چلے سیّدِ والا!
آگے علم و مشک لیے گود کا پالا   ٹکڑے تھا علم دار ہجری کا قدِ بالا
لاشے کو تو معراج تھی دوشِ شہِ دیں پر
اور پاؤں رگڑتے ہوئے آتے تھے زمیں پر

۱۵۴ سیدانیوں میں لاشۂ عباسؑ جو آیا   گھبرا گئیں، بہلا کے سکینہ کو چھپایا!
اور جعفرِؑ طیّار کی مسند کو بچھایا   آہستہ یہ لاشہ اسی مسند پہ لٹایا
شہ بولے: علم دار سفر کر گئے زینبؑ!
لشکر کا ہوا خاتمہ ہم مر گئے زینبؑ!

۱۵۵ جعفرؑ کے عزادار ہوئے تھے مرے نانا ‏ اور ان کے یتیموں کے لیے بھیجا تھا کھانا
دنیا سے مرے بھائی ہوئے آج روانا ‏ لازم ہے طعام ان کے یتیموں کو کھلانا
اس داغ سے دل میں مرے ناسور ہے زینبؑ
پانی کا بھی ہم کو نہیں مقدور ہے زینبؑ

۱۵۶ اب لاش پہ ہر سوگ نشیں اشک بہائے ‏ زینب نے کہا پہلے بہن رونے کو جائے
یاں سے تو نبی زادی چلی سر کو جھکائے ‏ واں بیوہ نے مردے کے کٹے شانے ہلائے
چلّائی کہ صاحب مرے، تسلیم کو اُٹھو
ہمشیرِ حسینؑ آتی ہے، تعظیم کو اُٹھو

۱۵۷ زینب نے کہا: سونے کی یہ کون گھڑی ہے ‏ اے بھائی اٹھو! فوجِ ستم سر پہ کھڑی ہے
رو لوں گی میں، رونے کو تو سب عمر پڑی ہے ‏ پر اب تو مجھے تم سے شکایت یہ بڑی ہے
اس وقت سدھارے جو ملاقاتِ نبیؐ کو
عباس! کسے سونپا حسینؑ ابن علیؑ کو؟

۱۵۸ ناگاہ، کہا ماں سے سکینہ نے: یہ کیا ہے؟ ‏ دم گھٹتا ہے تم نے مجھے کیوں روک رکھا ہے
پھول کے کنبہ مرا کیوں صرفِ بکا ہے؟ ‏ بی بی، کہیں مظلوموں کا مرنا بھی چھپا ہے؟
میں نے انھیں مشکیزہ دیا کیا کہ خطا کی
اب لاش بھی مجھ کو نہ دکھاؤ گی چچا کی

۱۵۹ اماں مجھے عمّوؑ کی زیارت سے نہ ترساؤ ‏ گر ہوں میں گنہ گار، سفارش مری فرماؤ
رومال سے تم ہاتھ مرے باندھ کے جاؤ ‏ دیدار چچا کا اسی تقریب سے دکھلاؤ
لونڈی کی طرح گردِ علم دار پھروں گی
زانو پہ نہ بیٹھوں گی، میں قدموں پہ گروں گی

۱۶۰ پھر گود سے ماں کی وہ تڑپ کر اتر آئی ‏ منہ پیٹ کے بالائے جبیں خاک لگائی
اور ننھے سے ہاتھوں سے ذرا بھیڑ ہٹائی ‏ منہ پیٹ کے بانو نے یہ فریاد مچائی
اب مجھ سے سنبھالی نہیں جاتی ہے سکینہ
اے بی بیو ہشیار کہ آتی ہے سکینہ

۱۶۱ زینب نے ردا لاش پہ جلدی سے اڑھائی ‏ آ پہنچی یہ کہتی ہوئی وہ شاہ کی جائیؑ
عمّو کی زیارت کو گنہ گار ہے آئی ‏ پھر ننھی سی گردن پئے تسلیم جھکائی
چلّائی چچی: یہ بھی کہیں ہوتا ہے بی بی؟
مجرا کسے کرتی ہو، چچا سوتا ہے بی بی؟

۱۶۲ منہ دیکھ کے بے ساختہ چلّائی وہ ناداں ‏ جی ہاں مجھے معلوم ہے سوتے ہیں چچا جاں
کب اُٹھیں گے؟ وہ بولی: قیامت کو میں قرباں ‏ لاشے سے اٹھانے لگی چادر کو وہ حیراں
اک حشر ہوا، روحِ علیؑ آئی نجف سے
منہ پھر گیا لاشے کا سکینہ کی طرف سے

۱۶۳ دل ہلنے لگا سہم کے بولی وہ دل افگار ‏ اللہ، چچا! ایسے سکینہ سے ہوئے زار
ہم نے تمھیں مجرا کیا جھک جھک کے کئی بار ‏ تم نے نہ بلایا، نہ دعا دی، نہ کیا پیار
تعزیر ہے یہ مشک کے دینے کی تو کہہ دو
کھائی ہو قسم گود میں لینے کی تو کہہ دو

۱۶۴ یہ کہہ کے بڑھی پھاڑ کے ننھا سا گریبان ‏ مُردے پہ گری کہہ کے، چچا جان، چچا جان،
لاشے سے ندا آئی: میں قربان میں قربان، ‏ شرمندہ ہوں، آزردہ نہیں اے مری نادان،
قابل ترے سوغات بھی رکھتا نہیں عباس
کیا گود میں لے، ہات بھی رکھتا نہیں عباس

۱۶۵ شیعوں میں دبیرؔ اب نہیں مقدور فغاں کا ‏ ہر شہر میں شہرہ ہے تری نظم و بیاں کا
دے واسطہ عباسؑ کو شاہِ دو جہاں کا ‏ لے صدقہ صعوباتِ دو عالم کی اماں کا
اقلیمِ سخن تو نے جو قبضے میں کیا ہے
جوہر یہ تجھے سیفِ الٰہی نے دیا ہے

تحقیقِ متن

- نسخۂ نول کشور، سے مراد ہے" مجموعہ مرثیہ ہای مرزا دبیر" طبع نول کشور پریس لکھنؤ طبع ۱۸۸۲ء
- دفترِ ماتم، جلد سیزدہم طبع دبدبہ احمدی لکھنؤ طبع اول۔
- سبع مثانی، مرزا صاحب کے چودہ مرثیوں کا مجموعہ طبع لکھنؤ۔

بند ۳ : اس بند کی بیت دفترِ ماتم کے بند نمبر ۵ میں مکرر ہے اور بند ۵ نسخۂ نول کشور و سبع مثانی میں موجود نہیں ہے وہ بند ہے۔

روشن ہے رقم وصفِ علم دار و علم سے　　قطروں کے عوض چاند چمکتے ہیں قلم سے
تازہ ہے سخن یاریِ سقائے حرم سے　　جس طرح گلستانِ کرم ابرِ کرم سے
مضموں ہیں عبّاس کے اعزاز و شرف کے
دیکھو تو سہی صاف یہ موتی ہیں نجف کے

بند ۵ : نسخۂ نول کشور میں مصرع ۲

مدّاح اگر سیف زباں ہو تو بجا ہے

نیز اسی نسخے میں بند ۳ میں انھیں خیالات کو تھوڑی سی تبدیلی سے مکرر لکھا ہے جسے ہم نے متن سے کم کر دیا ہے کیوں کہ وہ بند سبع مثانی اور دفترِ ماتم میں مذکور نہیں ہے :

عبّاسِ دلاور کا لقب سیفِ خدا ہے　　قبضے میں اسی سیف کے شمشیرِ وفا ہے
جوہر کو جو پوچھو تو وہ تسلیم و رضا ہے　　سب ایک طرف، فدیۂ شاہِ شہدا ہے
ہم سب کا جو سن خضر اور الیاس کا ہو گا
خمسہ نہ بیاں حضرتِ عبّاس کا ہو گا

بند ۶ : دفترِ ماتم مصرع ۲

جس طرح سے جنّت میں فقط مومنوں کو راہ

سبع مثانی و نسخۂ نول کشور مطابق متن

[illegible]

یہ آبروئے ساقیِ حجّاجِ حرم ہے

نسخۂ نول کشور میں بیت یوں ہے :

دریا دل و نیساں کف و پابندِ کرم ہے　　یہ آبروئے ہمت سقائے حرم ہے

متن کی بیت سبع مثانی کے مطابق ہے۔

بند ۸ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۵

"خوش قامت و خوش رو ہوا کون ایسا سلف میں"

متن مطابق سبع مثانی۔

بند ۹ : دفترِ ماتم میں حاشیے پر نسخے کی علامت بنا کر تین متبادل بیتیں یہ لکھی ہیں۔

۱ ہے درِ نجف قصر بھی گوہر کے ملے ہیں　　یاقوت کے پر لعل کو حیدر کے ملے ہیں
۲ میزان میں جعفر کے برابر یہ تُلے ہیں　　کیا درِ نجف پر پرِ یاقوت کھلے ہیں
۳ دنیا سے جو عازم یہ ہوئے اوجِ شرف کے　　یاقوت کے پر لگ گئے موتی میں نجف کے

آخری بیت نسخۂ نول کشور کے متن میں ہے۔ لیکن دفترِ ماتم اور سبع مثانی کے متن میں وہی بیت ہے جو ہمارے متن میں ہے۔

بند ۱۰ : نسخۂ نول کشور کے تین مصرع دفترِ ماتم و سبع مثانی اور ہماری ترتیب سے مختلف ہیں۔

شمعِ قدِ روشن کے دو پروانے یہ پر ہیں　　بستانِ شہادت کے یہ بازو گُلِ تر ہیں
یا نخلِ گلستانِ حسینی کے ثمر ہیں　　رحمت کے یہ دو ابر اِدھر اور اُدھر ہیں

دفترِ ماتم کے مصرع ۴،۲

رحمت کے یہ دو ابر اِدھر اور اُدھر ہیں　　اور بیچ میں چہرے سے عیاں شمس و قمر ہیں

بند ۱۲ : نسخۂ نول کشور مصرع ۴،۳،۲

ہیں مثلِ پلک چشمِ ملک پر یہ نمایاں
حوریں کہیں صدقے ہو گئیں پریاں کہیں قرباں
سو جان سے ہر پر پہ تصدق ہوں نبی جاں

دفترِ ماتم مصرع ۳ :

"حوریں کہیں ہم صدقے ہوں اور ماں کہیں قرباں"

بند ۱۳ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۳،۲،۱ :

"نے شمع جہاں میں نہ قمر جلوہ فگن ہے"
فردوس کا خورشید یہی فخرِ زمن ہے
قد نور کا پر نور کے اور نور کا تن ہے

دفترِ ماتم میں چوتھے مصرع کی غلطی عجیب ہے:

"بس نور کے پر نور کا منہ نور کا تن ہے"

متن سبع مثانی کے مطابق ہے۔

بند ۱۵ : نسخۂ نول کشور کی بیت دفترِ ماتم و سبع مثانی سے مختلف ہے:

نے مشک اٹھائی تھی نہ ہاتھ ان کے کٹے تھے — پر بہنوں کے شیون سے گریباں پھٹے تھے

بند ۱۶ : نسخۂ نول کشور:

قدر ان کی کھلی مخبرِ صادق کی زبانی — صادق کی زبانی یہ ہوئے جعفرِ ثانی
حق دارِ علم تھا شہِ مرداں کا وہ جانی — شانوں پہ پھری دست بدست ان کی نشانی

بند ۱۷ : نسخۂ نول کشور مصرع ۳

"فردوس سے نزدیک تھا یثرب سے وہ تھا دور"

بند ۱۸ : نسخۂ نول کشور مصرع ۲

اس آئینہ میں دیکھتے تھے تیغ کے جوہر

مصرع ۳

تھی مثلِ پلک آنکھ کے اندر صفِ لشکر

بند ۲۰ : نسخۂ دفترِ ماتم کی بیت:

ہیہات کٹے جعفرِ طیار کے شانے — پر سے کے لیے فدوی کو بھیجا ہے خدا نے

دفترِ ماتم کے متن میں سبع مثانی اور ہمارے متن کی بیت ہے، لیکن حاشیے پر نسخۂ نول کشور کی بیت بھی درج ہے۔

بند ۲۲ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۳:

"کٹتے تھے عدو برچھیوں کو گردشیں دے کر"

بند ۲۳ : دفترِ ماتم کے حاشیہ پر بطور نسخۂ بدل ہے۔ اور اس بند کی بیت نسخۂ نول کشور کی طرح یہ ہے۔

مضمون یہ ہے ہاتفِ غیبی کی ندا کا! — لو جعفرِ طیار یہ ہدیہ ہے خدا کا

حاشیہ دفترِ ماتم اور متن نسخۂ نول کشور میں ایک بند یہ ہے۔

جعفر کی شہادت کا نبی کو تھا بہت غم — پر دیکھ کے یہ رتبہ وہ اندوہ ہوا کم
حیدر کو خبر دی یہ پیمبر نے اسی دم — مل کر کفِ حسرت یہ علیؑ نے کہا پیہم
بھائی کی طرح رتبۂ برتر مجھے ملتے
اللہ کی سرکار سے شہپر مجھے ملتے

حاشیہ دفترِ ماتم کی بیت ہے:

ہیہات کٹے ہات نہ شمشیرِ جفا سے — ملتے یوں ہی شہپر مجھے درگاہ خدا سے

متنِ دفترِ ماتم میں بند ۲۴ ہے:

پر نیزوں پہ پھرتا ہے جدھر کو رخِ جعفر — پھرتے ہی ادھر غول فرشتوں کے برابر
شہ بالِ زمرد کوئی دکھلاتا ہے بڑھ کر — لاتا ہے کوئی سامنے یاقوت کے شہ پر
کہتے ہیں کہ فرماؤ پسند آپ کو کیا ہے
لو جعفرِ طیار یہ سوغاتِ خدا ہے

بند ۲۹ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۱

"آئی یہ ندا اس کا ہمیں نام رکھیں گے"

بند ۳۵ : دفترِ ماتم، بیت

سقائی کے تمغے کی جدا جلوہ گری ہو — نزدیک علم مشک بھی ننھی سی دھری ہو

نسخہ حاشیہ:

سادات کی سقائی کا تمغہ بھی جدا ہو — اک مشک پھریرے کے تلے جلوہ نما ہو
اطفالِ قریشی کا پس پشت پرا ہو — جس سمت بڑھائیں قدم اپنے یہ صدا ہو
سیدانیو تعظیم کرو تم پہ میں واری
آتی ہے علم دارِ حسینی کی سواری

نسخہ نول کشور میں: "تمغے" کو "سقے" پڑھ کر کاتب نے مصرع یوں لکھا ہے:

سقائی کے سقے کی جدا جلوہ گری ہے

بند ۳۷ : نسخۂ نول کشور پہلے چار مصرعوں کی ترتیب یہ ہے ۱، ۴، ۲، ۳ بیت:

مر کر بھی تمہارا ادب و پاس کریں گے — تسلیم کٹے شانوں سے عباس کریں گے

سبع مثانی و دفتر ماتم مطابق متن۔

بند۳۸ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم میں بیت ہے :

وہ بولی مرا فخر ہے میں پالوں گی اخی کو　　فرماؤ تو ضامن دوں حسینؑ ابن علیؑ کو

سبع مثانی کی بیت مطابق متن ہے۔

بند۳۹ : دفتر ماتم کے حاشیے پر متبادل بند لکھے ہیں :

زہرا نے کہا خیر، مگر بھول نہ جانا　　عباس کو شبیر کے جھولے میں جھلانا

اور کرتے شلوکے مری چادر کے بنانا　　دریا کے کنارے صفِ ماتم کو بچھانا

کچھ شرم سے وقفہ نہ تو اس آن کرے گی

بالوں کو بھی لاشے پہ پریشان کرے گی!

بند۴۰ : نسخۂ نول کشور مصرع ۱

یہ سن کے نہ یارا رہا احمدؐ کے وصی کو

نسخۂ نول کشور مصرع ۲

فرمایا کہ ترغیب نہ دو بنتِ علیؑ کو

دفتر ماتم مصرع ۲

فرمایا یہ ترغیب نہ دے بنتِ علیؑ کو

نسخۂ نول کشور مصرع ۴

رسی سے عدو باندھیں گے اولادِ نبیؐ کو

بند۴۱ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم مصرع ۲

غل پڑ گیا سرکارِ محمدؐ شیرِ خدا کی

بند۴۳ : نسخۂ نول کشور و سبع مثانی مطابق متن، دفتر ماتم مصرع ۲

"طوبےٰ نے کہا نخلِ شجاعت میں پھل آیا"

نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم کی بیت ہے :

اک تیغ یہ تھی قبضۂ قدرت میں خدا کے　　سو ہاتھ لگی آج شہِ عقدہ کشا کے

بند۴۴ : دفتر ماتم کے حاشیہ پر اس بند کا متبادل یہ لکھا ہے :

زینب نے کہا، لے کے بلائیں کئی باری　　اب ماں کے عوض ہوتی ہو [illegible]

بھیا وہ بڑی چاہنے والی تھیں تمہاری　　مرتے ہوئے بھی تم کو دعاوں کے سدھاری

دل پر مرے لکھا ہوا اماں کا سخن ہے

میں خادمہ ہوں آپ کی، کلثوم بہن ہے

بند۴۶ : ہمارے متن کی بیت دفتر ماتم کے مطابق ہے۔ نسخۂ نول کشور کی بیت ہے :

نے دودھ کی پروا تھی نہ مادر کی خبر تھی　　قلقاریاں تھیں اور رخِ مولا پہ نظر تھی

سبع مثانی کی بیت ہے :

یہ حوصلہ یہ فہم تھا بچپن میں انھیں کا　　وہ ننھے سے ہاتھ اور وہ دامن شہِ دیں کا

بند۴۸ : سبع مثانی مصرع ۳

مقتل میں شہیدیں کی سلامی ہو مبارک

بند۴۹ : نسخۂ نول کشور مصرع ۲

قربان گئی ہو چکے آقا سے بغل گیر

بند۵۰ : دفتر ماتم میں اس بند کے بعد بند۵۲ کی صورت یہ ہے :

پھر ہاتھوں کو پھیلا کے جو وہ آنے لگی پاس　　منہ پھیر کے حضرت سے لپٹنے لگے عباس

شہ نے کہا اماں بہت ان کو ہے مرا پاس　　ہیں سیر مجھے دیکھ کے نے بھوک ہے نے پیاس

جب تک ہوں میں یاں دودھ یہ جانی نہ پیئے گا

اک روز مرے واسطے پانی نہ پیئے گا

یہی بیت اس کے بعد والے بند میں آئی ہے دیکھیے متن کا بند نمبر ۵۱

بند۵۲ : نسخۂ نول کشور بیت کا دوسرا مصرع :

"شاہنشہ کونین کی سرکار سنبھالی"

بند۵۳ : کے بعد دفتر ماتم میں بند (۵۶) ہے :

قبلے کی بھی تحقیق تھی بچپن میں انھیں کو　　جز قبلہ و کعبہ نہ کہا کچھ شہِ دیں کو

یوں دل سے سنا حکم شہِ عرش نشیں کو　　جس طرح مزا وحی کا جبریل امیں کو

ہر صبح انھیں شوق تھا وہ شہ کی لقا کا

موسیٰؑ کو جو ارمان تھا دیدارِ خدا کا

چوں کہ یہ خیال بند نمبر ۴۵ میں آ چکا ہے اس لیے مذکورہ بند ہم نے داخل متن نہیں کیا، سبع

مثانی و دفترِ ماتم بھی اس بند سے خالی ہیں۔

بند ۵۵: نسخۂ نول کشور میں بند کے مصرعے یوں درج ہیں۔

فرمائیں ماں پہ تھیں کہ اسے پیرو زہرا۴۱   آداب مجھے خدمتِ شبیر کے بتلا
جا کر کسی مجلس میں جو بیٹھیں مرے آقا   بیٹھوں میں دو زانو عقبِ سیّد والا
مجلس میں رہوں سامنے اِستادہ کہ در پر
نعلین رکھوں شاہ کی، آنکھوں پہ کہ سر پہ

دفترِ ماتم میں مصرع ۳

"جا کر کسی محفل میں جو بیٹھیں مرے آقا"

مصرع ۵

"آقا کے رہوں سامنے اِستادہ کہ در پر"

سبع مثانی مصرع ۳

"جا کر کسی محفل میں جو بیٹھے مرا آقا"

بند ۵۶: دفترِ ماتم مصرع ۴

"ہم ذرے ہیں وہ عرشِ معلّے کے ہیں تارے"

اس بند کے بعد نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم میں ایک بند ہے:

اس کہنے پہ تو دودھ تمھیں بخش دیا آج   نعلینِ حسینی نہیں تعریف کی محتاج
آنکھوں پہ وہ عینک ہے، رکھو سر پہ تو ہے تاج   شبیر کے قدموں کے تلے جا تو معراج
کونین کا اس میں شرف و جاہ ملے گا
کونین کا کیا رتبہ ہے اللہ ملے گا

دفترِ ماتم میں اس کے بعد ہمارے متن کا بند ۵۷ ہے، لیکن نسخۂ نول کشور میں یہ بند موجود نہیں صرف مذکورۂ بالا ہی بند درج ہے، شاید مرزا صاحب نے "اللہ رکھے ان کی غلامی میں ابد تک" کا بعد میں اضافہ کیا ہے اور پہلا بند حذف کر دیا ہے، سبع مثانی میں یہ بند نہیں ہے۔

بند ۵۹: نسخۂ نول کشور کی بیت یہ ہے:

ہے جانِ نبی نام حسینؑ ابنِ علیؑ کا   یہ قالب پر نور ہے اس جانِ نبی کا

بند ۶۱: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۴:

"یا فاطمہؑ آداب بجا لاتا ہے عباس"

بند ۶۲: نسخۂ نول کشور مصرع ۲

"سجاد تھے سیّدانیوں کے قافلہ سالار"

اور مصرعوں کی ترتیب یہ ہے ۴، ۳۔ متن مطابق دفترِ ماتم و سبعِ مثانی

بند ۶۳: نسخۂ نول کشور مصرع ۲

"رخصت کے لیے آتا ہے عباس میں واری"

مصرع ۵

خورش اس کو کرو منصب جعفر کی سند ہے

مصرع ۶

ردیف و قافیہ "لحد ہے"

بند ۶۴: نسخۂ نول کشور مصرع ۲

عباس کے کاندھے پہ رکھا اور کیا پیار

بند ۶۶: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۲

"غرّہ تھا محرم کا کہ جنگل ہوا آباد"

بند ۶۷: نسخۂ نول کشور مصرع ۶

"جا بیٹھی دولھن خاک پہ گھونگھٹ کو الٹ کر"

دفترِ ماتم، بیت:

شہ رونے لگے مسندِ قاسم کو الٹ کر   جا بیٹھی دولہن خاک پہ گھونگھٹ کو الٹ کر

متن مطابق سبع مثانی۔

بند ۶۸: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم ردیف ہے "آکر" سبع مثانی میں ردیف ہے۔ "آکے"۔ دفترِ ماتم میں دوسرا مصرع ہے:

"اور بیٹھے دو زانو سرِ اقدس کو جھکا کر"

بند ۶۹: نسخۂ نول کشور مصرع ۶:

"سو کر ہوئے بیدار تو غش کر گئے زینب"

بند ... نسخۂ نول کشور ... دفترِ ماتم ...

"لال اپنے لہو میں حسینؑ سبز قبا ہے"

نسخۂ نول کشور مصرع ۳ :

"دل ٹکڑے ہے اور نیزہ کلیجے میں لگا ہے"

دفترِ ماتم "دل ٹکڑے ہیں، اک نیزہ کلیجے پہ لگا ہے

بند ۷۱ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۴

"چلائے حرم' ہائے سکینہ کی یہ تقدیر" -

نسخۂ نول کشور، مصرع ۶

"لو موت نے زہرا ہی کا گھر دیکھ لیا ہے"

دفترِ ماتم میں بیت کی ردیف ہے "تھا" کیا تھا ۔ لیا تھا ۔

بند ۷۲ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۶ :

گر یہ نہیں تو جان لو دم بھر نہ جیوں گی

دفترِ ماتم مصرع ۶

پانی نہیں تو جان لو دم بھر نہ جیوں گی

سبع مثانی متن کے مطابق ہے ۔

بند ۷۳ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۵

"حق چاہے تو تم تک ابھی پہنچاتے ہیں پانی"

بند ۷۴ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۵

"مجرا کیا حضرت کو کہ مشتاق تھا ہوں"

سبع مثانی مطابق متن ہے ۔

بند ۷۷ : دفترِ ماتم و نسخۂ نول کشور میں اس بند کے بجائے تین بند لکھے ہیں، جن کو مرزا صاحب نے اس ایک بند میں مختصر کر دیا ہے مندرجۂ ذیل بند سبع مثانی میں اور مندرجۂ متن بند نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم میں نہیں ہے۔ نسخۂ نول کشور دفترِ ماتم کے بند :

رو کر کہا عباس کی زوجہ نے، میں قربان　　تم خواب نہ کہتے تو یہ آتا نہ مجھے دھیان
ضد کر کے سکینہ نے کہا ناز سے اس آن　　بس بس نہ خوشامد کرو بابا کی چچی جان
کیا میں نہیں لونڈی پسرِ شیرِ خدا کی

یہ جانتی ہو، ہم شب ہفتم سے ہیں پیاسے　　پھر آپ یہ کہتی ہیں امام دوسرا سے
مرضی نہ ہو تو پھیر لوں مشکیزہ چچا سے　　لو گر ابھی نہ پیاس سے مرتی ہوں، بلا سے
پانی نہ طلب ایک سے کہنے میں کروں گی
خیر ان کو نہ جانے دو، میں پیاسی ہی مروں گی
در پر گئے عباسؑ تو زوجہ کو بلایا　　وہ درد کی بات اس کو سنائی کہ غش آیا
ہوش آیا تو بے ساختہ زیور کو بڑھایا　　زینب نے بہت پوچھا تو رو کر یہ سنایا
کہتے ہیں کہ نولاکھ کے زرغے میں گھروں گا
بخشو مجھے مہر اپنا میں جیتا نہ پھروں گا

بند ۷۸ : سبع مثانی، مصرع ۵

"مہر اپنا تصدق یہ سکینہ پہ تصدق"

بند ۸۰ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۴

"ہر گام فلک جھک کے زمیں اٹھ کے سلامی"

دفترِ ماتم، مصرع ۴ ۔ "سو ہاتھ فلک جھک کے زمیں اٹھ کے سلامی"

نسخۂ نول کشور کی بیت ہے :

روشن ہوئی اس درجہ زمیں نور سے زیں کے　　پروانہ صفت عرش پھرا گرد زمیں کے

بند ۸۱ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۳

"پریوں کی طرح ہوش اڑا جن و ملک کا"

نسخۂ نول کشور میں بیت ہے :

یہ شیرِ غضب ناک جو تھا دامنِ زیں پر　　ہلتی تھی زمیں شاخِ سرِ گاوِ زمیں پر

بند ۸۲ : نسخۂ نول کشور مصرع ۲

"مہتاب سی چھٹنے لگی بس منہ پہ زحل کے"

بند ۸۳ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۴

"یا عرش کے قالب میں خدا کا تھا وہ سایا"

نسخۂ نول کشور میں بیت ہے :

کیوں دامنِ دولت نہ کہوں دامنِ زیں کو　　دامن میں لیا زیں نے اس دولتِ دیں کو

بند ۸۴: نسخۂ نول کشور، مصرع ۴

"ابنِ شہِ مرداں کے ثنا خوان کو دیکھو"

اس کے بعد بند ۸۸ ہے جو دفترِ ماتم اور سبعِ مثانی میں نہیں ہے، اور ہم نے بھی تکرارِ معنی کی وجہ سے متن میں نہیں لکھا:

لو، حیدرِ لو! حیدرِ کرار کو دیکھو   لو، جعفر لو جعفرِ طیار کو دیکھو
قہرِ علیؑ و ہیبتِ جبار کو دیکھو   ہاں، آمدِ عباسِ علم دار کو دیکھو
ابنِ شہِ مرداں کی عجب شوکت و شاں ہے
مانندِ خبر سب کی زبانوں پہ رواں ہے

بند ۸۵: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۲

کہتے ہیں ملک پیشِ نگہ سر کو جھکا کے

نسخۂ نول کشور دونوں آخری مصرعوں میں

"چلاتی ہے شوکت" اور "فرماتی ہے شوکت"

بند ۸۷: نسخۂ نول کشور، مصرع ۳

"بعضوں کا اِشارہ ہے یہاں بول رہا ہے"

بند ۸۹: سبعِ مثانی میں نہیں ہے۔ نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم سے اضافہ کیا گیا ہے۔
بند ۹۰: نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"ظلمات تلک نورِ خضر کو نظر آیا"

نیز مصرعوں کی ترتیب یہ ہے:

۱، ۲، ۳، ۴۔ اور دفترِ ماتم میں ۱، ۲، ۴ اور مصرع ۴ نیز بیت یہ ہے:

ہر جادے کی سطروں پہ لکھا نور کا پایا
اُٹھ بیٹھتا ہے مُردہ ہر اک نورِ بدن سے   جیسے اُٹھے سوتا ہوا سورج کی کرن سے

بند ۹۱: نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"بندے ہیں سخی، ان کے یہ ہیں عینِ سخاوت"

نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۳

"ہمت کو سکھا دیتے ہیں یہ رتبۂ ہمت"

بند ۹۲: نسخۂ نول کشور، کی ترتیب یوں ہے ۱، ۴، ۲، ۳۔ بیت ہے:

اللہ عجب حسن و لطافت کا ہے چہرہ   یہ ابن شہنشاہ ولایت کا ہے چہرہ

بند ۹۳: نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"ان عارضوں میں عارضوں کا پرتوہ ہے بدر"

اور حاشیے پر "عارضوں" کے معنے لکھے ہیں۔ یعنے ان سب مُصیبتوں میں۔ یعنی رخساروں کا"

دفترِ ماتم میں مصرع ۲

"ان عارضوں میں عارضِ پرضو کی ضیا بدر"

نسخۂ نول کشور کی بیت ہے:

بینی کی ہر اک عین کے مابین جگہ ہے   سو بیچ میں آنکھوں کے سپہ مدِّ نگہ ہے

دفترِ ماتم کی بیت ہے:

بینی کی ہر اک آنکھ کے مابین جگہ ہے   سو بیچ میں آنکھوں کے یہی مدِّ نگہ ہے

بند ۹۴: صرف دفترِ ماتم میں ہے۔
بند ۹۵: نسخۂ نول کشور میں یہ بند نہیں ہے اور دفترِ ماتم میں سبعِ مثانی سے مصرع ۱، ۲ یہ اختلاف ہے

اور چشم یہ روشن ہے کہ خود نورِ نظر ہے   سب نورِ خدا جس میں بھرا یہ وہ گھر ہے

بند ۹۶: نسخۂ نول کشور میں یہ بند نہیں ہے دفترِ ماتم کا پہلا مصرع ہے:

اور مطلعِ ابرو تو ہے توحیدِ خدا ہیں

بند ۹۷: نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے۔ دفترِ ماتم کا مصرع ۶ " اور نام خدا، ذکرِ خدائے دو

"اور نام خدا، ذکرِ خدائے دو جہان ہے"

بند ۹۸: نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے۔ دفترِ ماتم

شبیر کے ناموں کا نگینہ ہے، یہ سینہ   ہر سینہ یہاں پشت ہے، سینہ ہے یہ سینہ
سب علم ہیں، تابوتِ سکینہ ہے یہ سینہ   ایمان و شریعت کا خزینہ ہے یہ سینہ

بند ۹۹: نسخۂ نول کشور

اس نور کے اندام سے عباس رواں ہیں   اور واں عمر و شمر کے باہم یہ بیاں ہیں

دفترِ ماتم

اس نور کے قالب سے علم دار رواں ہیں   رن میں عمر و شمر کے باہم یہ بیاں ہیں

بند ۱۰۲ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۱

"کی عرض خبر داروں نے تیوری کو بدل کے"

بند ۱۰۳ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم مصرع ۱

پھر ہانپتے آئے کئی جاسوس قضا را

بند ۱۰۴ : نسخۂ نول کشور مصرع ۲

اک ننھا پسر وا ابتا کہہ کے پکارا

دفتر ماتم مصرع ۲

"ننھا سا پسر وا ابتا کہہ کے پکارا

نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم مصرع ۳

"دکھلا کے انھیں اپنا گریباں کیا پارا"

اس کے بعد نسخۂ نول کشور میں ایک بند زائد ہے جو سبع مثانی میں نہیں ہے۔

اب سن وہ خبر جس سے کہ ہو عیش بحالی   لشکر نہیں، دربار حسینی ہوا خالی
سے مٹ گئی سرکارِ جناب شہ عالی   مرنے کی قسم اکبر و شبیر نے کھالی
سرکار نہ دربار نہ مسند ہے نہ زیں ہے
اب عرشِ معلےٰ کا مکیں خاک نشیں ہے

حاشیہ دفتر ماتم پر یہی بند یوں لکھا ہے :

منہ موتی سے بھر دے وہ خبر کہتے ہیں اس دم   خالی ہوا دربارِ شہنشاہ دو عالم
سب مسندیں الٹی گئیں، بچھی صفِ ماتم   شبیر نے مرنے کی قسم کھائی ہے اس دم

بیت مطابق نسخۂ نول کشور۔

بند ۱۰۵ : نسخۂ نول کشور

اب غل ہے کہ مرنے کے لیے جاتے ہیں اکبرؑ   سر پاؤں پہ اک بی بی کے نہوڑاتے ہیں اکبرؑ
اور بانو سے حق دودھ کا بخشاتے ہیں اکبرؑ   پر جب وہ لرزتی ہے تو تھراتے ہیں اکبرؑ
شبیوں پر پسر اپنا فدا کرتی ہے بانو
حق دودھ کا اکبر کو ہبا کرتی ہے بانو

دفتر ماتم، مصرع ۲، نیز مصرع ۴، ۳ مطابق نسخۂ نول کشور اور بیت ہے :

زینب کہیں بے دم ہے، کہیں مرتی ہے بانو   شیبوں پر پسر اپنا فدا کرتی ہے بانو

بند ۱۰۶ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۱

"خوش ہو کے عمر نے دیا جاسوس کو انعام"

مصرع ۳

"للکارے علم دار کہ او دشمنِ اسلام"

مصرع ۶

"ہے شرط ابھی کھینچ لوں گدّی سے زباں کو"

بند ۱۰۷ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"اس نام کی دو نہریں ہیں، اک شرع اک اسلام"

بند ۱۰۸ : نسخۂ کشور و دفتر ماتم، مصرع ۳

"حکمت کی زباں کون ہے؟ شبیر ہے شبیر"

بند ۱۱۰ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۱

"پوچھے جو قمر مہر خدا کون بشر ہے؟"

نسخۂ نول کشور کی بیت :

دریا سے یہ دریافت کرو یا کہ صدف سے   بہتر کوئی موتی نہیں اس درِّ نجف سے

دفتر ماتم کی بیت :

بہتر کوئی موتی نہیں اس درِّ صدف سے   کونین کی ہے آبرو اس درِّ نجف سے

بند ۱۱۱ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم مصرع ۵

"بندے جو کہیں کون فرشتوں کا شرف ہے؟"

بند ۱۱۲ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"یہ چشم ضیا، دست سخا، پائے وفا ہیں"

نسخۂ نول کشور، مصرع ۳

"یہ ہیں سپر ایمان کی ہم تیغ خدا ہیں"

بند ۱۱۳ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم مصرع ۳

یعقوب کو یوسف کہاں بے جاں نظر آیا

بند ۱۱۴ : دفترِ ماتم کی بیت ہے :

جس شیر نے شیروں سے سدا پنجہ کیا ہے میداں میں آج اس نے قدم رنجہ کیا ہے

نسخۂ نول کشور کی بیت ہے :

خیبر شکن اس عہد کا ہوں صف شکنی میں جوہر مرے کھل جائیں گے شمشیر زنی میں

بند ۱۱۶ : نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے ۔

بند ۱۱۷ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۳

"کانوں پہ دھرے ہاتھ سبھوں نے کہ نہ واللہ"

بند ۱۱۸ : نسخۂ نول کشور مصرع ۴

"سقائے سکینہ کو لب نہر پہ جانو"

دفترِ ماتم ، مصرع ۴

"سقائے سکینہ کو بس اب نہر میں جانو"

بند ۱۱۹ : متن سبع مثانی کے مطابق ہے ۔ نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم میں مصرعوں کی صورت یہ ہے ۔

طوفاں کی طرح فوج بڑھی جوششِ وغا سے اور خون گھٹا ابر کا ڈھالوں کی گھٹا سے

رُخ زرد و سیہ ہو گئے تفرینِ خدا سے پیدا پرِ طاؤس ہوئے رن کی ہوا سے

بند ۱۲۰ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"دل تیغ کے ہیراک کا بھر آیا قضا را"

بند ۱۲۳ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۲

"طوفان جہنم سے، دھواں اٹھا ارم سے"

بند ۱۲۴ : دفترِ ماتم، مصرع ۳

"گہ گاوِ زمیں کو گہے قاروں کو بہایا"

بند ۱۲۵ : نسخۂ نول کشور مصرع ۵

"اک ضرب سے دو ٹکڑے زرِ قلب بدن تھا"

بند ۱۲۶ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۱

"غصے سے گرے جب یہ صفِ دشمنِ دیں پر"

مصرع ۵ "باراں یہ پکارا کہ حذر تیغِ مبیں سے"

بند ۱۲۷ ، نسخۂ نول کشور، مصرع ۴

"نشتر کی طرح دوڑ گیا ہر رگ و پے میں"

متن کی بیت مطابق سبع مثانی ہے باقی دونوں نسخوں کی بیت ہے :

تھے مَیمنے نے میسرہ کی تیغ سے سج تھی سیدھی تو ہے یہ بات چپ و راست وہ کج تھی

بند ۱۲۸ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم

ڈوبی جو زمیں میں تو یہ افلاک سے نکلی واں چرخ میں ٹھہری اور ادھر خاک سے نکلی

نسخۂ نول کشور "تحسین لب لشکر سفاک سے نکلی"

دونوں نسخوں کی بیت :

پرتو جو پڑا ڈھال کے ہر بند کے اوپر غل تھا کہ وہ بجلی گری اسپند کے اوپر

بند ۱۳۱ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۱

"شیرانہ یہ شمشیر جو پاس آئی جھپٹ کر"

بند ۱۳۲ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۳

"منہ زردی نے خورشید صفت کانپ کے پھیرا"

مصرع ۶ "پاؤں کو رہِ گور فراموش ہوئی تھی"

بند ۱۳۳ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۲ ،

"شمشیرِ خدا تیغ بکف نہر پہ آیا"

مصرع ۳ "اس درِ نجف کا جو پڑا فوج پہ سایا"

بند ۱۳۴ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"کیوں علقمہ تیرا میں بھروں مشک میں پانی"

بند ۱۳۶ : نسخۂ نول کشور میں بند ۱۳۵ سے پہلے ہے ، اور مصرع ۱ و ۲ ہے ۔

واں ایک بلندی جو درِ خیمہ کے تھی پاس بس فوج کا سردار کھڑا تھا وہاں بے آس

مصرع ۵ "واں نہر پہ غل اٹھا یہاں درد جگر میں"

بند ۱۴۱ : دفترِ ماتم مصرع ۲ "چلائی کہ رہے ہے، شہ مرداں کی دُھائی"

نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۴

"پنجہ یہ نشاں کا ہے کہ پرچم ہے طلائی"

بند ۱۴۶: دفترِ ماتم، مصرع ۶

"شبیرؑ کے فدیوں پہ، غلاموں پہ تصدیق"

بند ۱۴۷: نسخۂ نول کشور مصرع ۳، ۴، ۵، ۶

بھائی مرے شبیر، مرا سب گھر ترے صدقے ‏— اے بے کس و مظلوم و لاور ترے صدقے
تجھ سا نہ کوئی اہلِ وفا ہوئے گا بھائی ‏— ہیں اس پہ تصدق جو تجھے روئے گا بھائی

بند ۱۵۰: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۵

"جیراً ہمیں عباسؑ نے چھوڑا علیؑ اکبر"

بند ۱۵۳: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم:

پھر گھر کو چلے لاش اٹھا کر شہِ والا ‏— آگے علم و مشک لیے گود کا پالا
ٹکڑے تھا جو عباسِ علی کا قدِ بالا ‏— گہ آپ سنبھالا گئے کبھی اکبر کو سنبھالا

نسخۂ نول کشور مصرع ۶

"پڑ پاؤں لٹکتے ہوئے آتے تھے زمیں پر"

بند ۱۵۶: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۱

"اب لاش پہ سیدانی ہر اک اشک بہائے"

بند ۱۵۸: نسخۂ نول کشور:

ہے ہے کہیں مظلوموں کا مرنا بھی چھپا ہے ‏— ناگاہ کہا ماں سے سکینہ نے کہ یہ کیا ہے
سر کھول کے کیوں کنبہ مرا جمع ہوا ہے ‏— دم رکتا ہے تم نے مجھے کیوں روک لیا ہے
منگوایا تھا پانی یہ بڑی میں نے خطا کی

بند ۱۵۹: نسخۂ نول کشور مصرع ۲

گر ہوش میں آئیں تو سفارش مری کر جاؤ
زانو پہ نہ بیٹھوں گی نہ قدموں پہ گروں گی ‏— لونڈی کی طرح گردِ علم دار پھروں گی

بند ۱۶۰: دفترِ ماتم، مصرع ۳

"اور ننھے سے ہاتھوں سے وہ بھیڑ اس نے ہٹائی"

نسخۂ نول کشور مصرع ۳

"اور ننھے سے ہاتھوں سے وہ سب بھیڑ ہٹائی"

مصرع ۴

"بانو نے صدا دی کہ دُہائی ہے دُہائی ہے"

بند ۱۶۱: نسخۂ نول کشور، مصرع ۳

"عمّو کی زیارت کو گنہ گار بھی آئی"

نسخۂ نول کشور میں مذکورہ بالا بند کے بعد بند ۱۶۱ پر مرثیہ ختم ہے، بند ہے:

بس دوڑ کے چادر جو سکینہ نے اتاری ‏— لاشے سے لپٹ کر یہی رو کے پکاری
افسوس گئی خلد کو عمّو کی سواری ‏— میں جیتی رہی رونے کو میّت پہ تمہاری
خاموش دبیر اب کہ ہر اک شیعہ ہے بے دم
مجلس میں ہے چاروں طرف اک حشر کا عالم

سبع مثانی و دفترِ ماتم میں مذکورہ بالا بند نہیں ہے۔ اس کے عوض میں چار بند تحریر ہیں جو ہم نے متن میں نقل کیے ہیں۔

بند ۱۶۲: دفترِ ماتم مصرع ۴

"لاشے سے وہ چادر کو اٹھانے لگی اس آن"

بند ۱۶۴: دفترِ ماتم مصرع ۴

"آزردہ نہیں، تم سے میں شرمندہ ہوں اس آن"

فرہنگ

۱۔ سیفی: ایک دعا، جلالی عمل، جو دشمن کی تباہی کے لیے ہے۔ نیز سیف، تلوار، سیفی، تلوار سے نسبت رکھنے والی۔ سیف۔ شمشیر۔ تلوار۔ مترادفات ہیں، سیفی، شمشیر و جوہر لفظوں کا خوبصورت استعمال ہے۔ جوہر: روح، تلوار یا آئینہ کے وہ خطوط جو پالش کے بعد ابھرتے ہیں۔ کمال
مطلب: میری تلوار جیسی تیز و رواں زبان، سیفی کا نمونہ ہے اور میرا کلام دشمن کو شکست کیوں نہ دے میں سیف اللہ، حضرت عباسؑ کے کمال کا تذکرہ کر رہا ہوں (اللہ کی تلوار سے مراد، حضرت علیؑ ہوں تو ان کا جوہر حضرت عباسؑ ہوں گے)۔

۲۔ حاشیہ: کنارہ، طرف۔ کتاب یا فرش کا کنارہ درمیانی حصے کا اردگرد۔ سخنِ صدق: سچی بات۔

۳۔ بحرین: خلیج فارس کی ایک عرب ریاست، یہاں سے موتی نکالے جاتے تھے۔ شہوار: قیمتی۔

۴۔ چلّہ: علم کا یا ضریح میں کسی تمنا کے بر آنے کے لیے گرہ باندھنا۔ عُقدۂ دل: مشکل، آرزو۔

۵۔ بدر نگین: چاند ان کی مہر ہے۔ نیساں: ماہِ نیسا کا پانی، جس کے برسنے سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔
مطلب: حضرت عباسؑ دین و دنیا کے مددگار ہیں۔ ان کا علم سورج، ان کی مہر چاند، ان کی کمان آسمان، ان کا دل دریا، ہاتھ آبِ نیساں کہ موتی عطا کرتا ہے، یہ اولادِ رسول کے بہشتی، کوثر کی آبرو، بخشش میں سمندر، سخاوت میں برستے بادل ہیں۔

۶۔ نادِ علی: ایک دعا ہے جو حفاظت کے لیے پڑھی اور لکھ کر بچوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے، دعا یہ ہے: "نادعلیا مظهر العجائب تجده عونا لك فی النوائب كلّ هم و غم سینجلی، بنوتك یا محمد بولایتك یا علی یا علی"۔
چاروں کتب: توریت، انجیل، زبور، قرآن۔ سورۂ اخلاص: سورۂ "قل هو الله احد"۔ خوش رو: خوبصورت۔ سلف: بزرگانِ گذشتہ۔

۷۔ مہاجر: مکے سے مدینے آن کر بسنے والے مسلمان۔ انصار: وہ مسلمانان مدینہ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ آنے والوں کی پذیرائی کی۔ جعفر: حضرت ابوطالب کے بیٹے جو غزوۂ موتہ میں دونوں بازو کٹوا کر شہید ہوئے اور اللہ نے انھیں دو پر عطا کیے اس لیے جعفرِ طیارؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لقب دیا۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے بند ۱۶ تا ۲۰۔

۸۔ ہما: عقاب کی قسم کا ایک نایاب پرندہ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر اس کا سایہ کسی کے اوپر پڑ جائے تو وہ شخص بادشاہ ہو جاتا ہے۔

۹۔ صُنع: تخلیق۔ زوّار: قبر پر زیارت کو آنے والا۔

۱۰۔ مُو: بال، رویاں۔ بنی جان: جنات۔

۱۱۔ تجلّی: کوہِ طور پر چمکنے والی روشنی۔

۱۲۔ مخبرِ صادق: سچی خبر دینے والا۔ آنحضرتؐ کا لقب۔

۱۳۔ تبصرہ: ایک کتاب کا نام۔ کلکِ صداقت: سچی باتیں لکھنے والا قلم۔ مسطور: تحریر۔

۱۴۔ جنگاہ: میدانِ جنگ۔ اسرارِ خفی: پوشیدہ راز، غیب کی باتیں۔

۱۵۔ زید ابن حارثہ جنگِ موتہ کے علم دار، ۸ھ میں آنحضرت نے یروشلم کے قریب موتہ نامی آبادی کی طرف فوج روانہ کی۔ اس فوج کے لیے سپہ سالارِ اعظم زید ابنِ حارثہ (بعض روایات میں پہلے علم دار) پھر جعفر اور ان کی شہادت کے بعد عبداللہ ابن رواحہ نام زد کیے گئے، ایک کے شہید ہونے پر دوسرا کمان سنبھال لیتا تھا۔ رضوان اللہ علیہم۔

۱۶۔ شہِ لولاک: آنحضرتؐ، جن کے بارے میں ہے "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمان پیدا نہ کرتا۔

۱۷۔ صالحہ: نیک خاتون، یہاں اشارہ ہے ام البنین مادر حضرت عباسؑ کی طرف۔ خیر النسا: حضرت فاطمہ زہراؑ۔

۱۸۔ صاحبِ تطہیر: مالک عصمت و طہارت نبیؐ۔

۱۹۔ مَوْرِد: مرکز۔ منزل۔

۲۰۔ والی: آقا، شوہر۔

۲۱۔ مُہرۂ افلاک: قرعہ، پانسہ، رمالوں اور نجومیوں کے حساب کا ایک آلہ، آسمانوں کو زائچۂ ولادت کی مناسبت پانسہ کہا ہے۔

۲۲۔ ہمکنا: بچہ کا کسی کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھنے کا اظہار۔ روزِ تولّد: پیدائش کا دن۔

۲۳۔ آلِ عبا: اہل بیت۔ وہ لوگ جو ایک عبا، ایک چادر کے نیچے جمع ہوئے تو آیۂ تطہیر اتری تھی۔

۲۴۔ دربار کرنا: دربار شاہی میں سلام کے لیے حاضری دینا۔

۲۵۔ تجربہ : امتحان۔ قبالہ : سند، پروانہ، جاگیر کی دستاویز۔

۲۶۔ بقیع : مدینہ منورہ کا قبرستان۔

۲۷۔ جاروب کشی : جھاڑو دینا۔

۲۸۔ غرّہ : چاند کی پہلی، دوسری تیسری تاریخ۔

۲۹۔ واقعہ : خواب۔

۳۰۔ یورش : یورش، حملہ۔

۳۱۔ مہتاب چھوٹنا : ہوائیاں اڑنا، ڈر سے چہرے کا رنگ بدل جانا۔ زحل : ایک ستارہ جس کو جلّادِ فلک کہتے ہیں۔ شش و پنج میں ہونا : حیران و فکر مند ہونا۔

۳۲۔ سحبان : خاندان وائل کا مشہور خطیب، زُفَر ابن ایاد کا لڑکا جس کی وفات تقریباً ۵۴ھ/۶۷۴ء میں ہوئی۔ حسّان بن ثابت : مشہور عرب شاعر جنھوں نے آنحضرت کی بہت مدح کی۔ ان کی وفات ۵۴ھ/۶۷۴ء میں ہوئی۔

۳۳۔ پیک : قاصد، پیغام رساں۔ ڈاک بیٹھنا : دور دور تک ہرکاروں کا سلسلہ ہونا۔

۳۴۔ ہرکارہ : ڈاکیہ۔ طلایہ میں ہونا : (طلایہ) چاروں طرف گھوم کر پہرہ دینا۔ سفّاک : خونخوار۔ قاتل۔

۳۵۔ فاتحہ خواں : برکت و فتح کے لیے سورہ الحمد پڑھنے والا۔

۳۶۔ ترحّم : مہربانی کرنا۔

۳۷۔ بینی : ناک۔

۳۸۔ نمط : طرز۔ طرح۔

۳۹۔ فرد : تنہا شعر۔ بیت : سلسلے کا ایک شعر۔ مطلع : غزل یا قصیدے کا پہلا شعر۔ وہ شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو۔ (مطلع، فرد، بیت ایک ہی جنس کے کلمات ہیں)

۴۰۔ سُمرن : کنٹھا۔ ۳۲ دانوں کی تسبیح۔ موتیوں کی مالا۔ سُبحہ : تسبیح۔ پیش امام : تسبیح کا صراحی نما دانہ۔ یا وہ دانہ جو گرہ کے اوپر اور تسبیح کے بند پر پروتے ہیں۔

۴۱۔ تابوتِ سکینہ : انبیائے بنی اسرائیل کے تبرکات کا خزانہ۔ میر انیس نے کہا ہے :
کچھ عنبر کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

۴۲۔ صدر : سینہ۔ تحصیل : قابلیتِ علمی۔ آمدنی حاصل کرنے کا علاقہ۔

۴۳۔ سوزن : سوئی۔ بخیہ کرو : سی دو۔ دہاں : منہ

۴۴۔ تحمّل : صبر۔ برداشت۔ تأسّف : افسوس کرنا۔ غم کرنا۔

۴۵۔ حرب : جنگ۔ ضرب : چوٹ۔ مار

۴۶۔ وِلا : محبت۔ نار : جہنم۔

۴۷۔ مرکب : گھوڑا۔

۴۸۔ خوزادہ : (خدازادہ) شہزادہ۔

۴۹۔ سقر : جہنم۔ تگاپو : دوڑ دھوپ۔

۵۰۔ بحر : سمندر۔ خفیف : سبک۔ شرمندہ۔ زمین : بحر، عروضی وزن۔ (بحر، خفیف، قطعہ، سخن، زمین عروضی اصطلاحیں ہیں)

۵۱۔ ہامُوں : میدان۔

۵۲۔ عازم : تیار، ارادہ کرنے والا۔ جانے کے لیے تیار۔

۵۳۔ زرِ قلب : کھوٹا سکہ۔

۵۴۔ رَے : طہران کے قریب ایک بستی، ایران کا ایک قدیم و عظیم شہر جس کو صوبائی مرکز کی حیثیت حاصل تھی، حکومت بنی اُمیّہ کے فرماں روا یزید نے کہا تھا کہ جو شخص امام حسین علیہ السلام کو قتل کرے گا اسے رَے کی حکومت دوں گا

۵۵۔ تحسین : تعریف، آفریں۔

۵۶۔ صرصر : آندھی۔

مطلب : گھوڑا ایسا تیز رفتار کہ آندھی نہ پا سکی اور ایسا سبک قدم کہ سرپٹ دوڑنے میں بھی ٹاپوں کی صدا نہیں نکلتی۔

۵۷۔ دَور : حکومت، عہد۔

۵۸۔ عرصہ : میدان۔

۵۹۔ علوی : اولاد حضرت علی علیہ السلام۔ مُوا ہے : فوت ہوا ہے۔

۶۰۔ پلّا : ڈوپٹے کا کنارا۔

۶۱ وِردِ زباں حیدرِ کرّار امامی : امامی، میرے امام، بند نمبر ۱۴۵ کی بیت سے توحید و رسالت و امامت کی شہادت ادا کی ہے۔ توحید، عدالت، رسالت کے بعد امامت میں چار اماموں کا ذکر ہے۔ حیدر کرار۔ حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام و امام زین العابدین علیہم السلام، مجموعی طور پر

بارہ اماموں کا تذکرہ کیا ہے۔

۶۲۔ مَوالِی: چاہنے والے۔

۶۳۔ کُنیّت: بیٹے یا باپ کے رشتے کو ظاہر کرنے والا نام جیسے ابوالقاسم اور ابنِ حسن۔ دلوگ کُنیّت بولتے اور پڑھتے ہیں جو غلط ہے۔)

۶۴۔ عَمُّو: چچا۔

۶۵۔ جانی: بیٹی، پیاری

۶۶۔ شُقّہ: شاہی خط۔ صُعُوبات: مشکلات۔

مرثیہ نمبر ۴

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

۱۴۹ بند

جنگ و شہادت حضرت عباسؑ

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیقِ متن
- فرہنگِ الفاظ

مرثیہ پر نظر

یہ مرثیہ مرزا دبیر کے نمایندہ کلام میں شمار ہوتا ہے۔ اسی بنا پر برصغیر کی یونیورسٹیوں اور اردو کے کلاسیکی نصابوں میں داخل درس رہا ہے مرثیہ کا چہرہ میدان جنگ کے اس نفسیاتی منظر سے متعلق ہے جس میں ایک دہشت نیز خبر اور عظیم ترین جبرئیل کی آمد کا چرچا ہے۔ فضا پر خوف طاری اور فوج مخالف میں مایوسی اور کم ہمتی پھیلی ہوئی ہے۔

مرزا صاحب کا الفاظ پر قبضہ، دقت پسند ذہن، خیال کی پرواز، مبالغہ در مبالغہ آمیز مضمون عالی دبدبہ، بھاری لہجہ، اور حضرت عباسؑ کے رعب و جلال کے مطابق بھاری بھرکم بندش اشعار نے مرثیہ کی فنی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ زبان کی وسعت اور معلومات کی گہرائی کے لیے ۱۴۹ بند پڑھنے کے بعد اردو کے اس معمار اعظم کی محنت پر حیرت ہوتی ہے۔

غزوات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث و تاریخ اسلام سے مستعار تلمیحات، قاری کو اپنے قیمتی روایات کی اہمیت بتاتے ہیں، شاندار ماضی یاد دلاتے ہیں اور صاحبان فکر و فن کو ادب کی ان قدروں سے آشنا کراتے ہیں، جن کو غزل و مثنوی کی نئے نئے وہار کھا ہے۔ حسن و عشق کی داستان، ہجر و وصل کی آرزو مندی و محرومی کے بڑھتے سیلاب میں، شجاعت و جوانمردی، انسانیت کی اعلیٰ اخلاقی تمثیل اور انفعال و شک کے مقابلے میں جوش اور تاثر کا آہنگ حوصلہ افزا درس ہے۔

مرثیہ میں زندگی اور حق پرستی کے لیے جدوجہد کے بیان میں رزم و جہاد، بلند نگاہی اور دلیری، اقدام اور فتح کا واضح بیان ہے پھر اسلام کی راہ میں موت سے ہم کنار ہونے کا منظر اور اس کے بعد عظیم خواتین اور انسانیت عظمیٰ کا دل رکھنے والے کرداروں کی رقت قلب، احساس کرب اور انسان دوستی کی تمثیل گری کی ہے۔

زندہ شاعری، ادب برائے زندگی، شعر برای حیات قوم، فن برائے کردار سازی اور شمشیر و سنان کی بات دیکھنے اور سمجھنے کے لیے مرثیہ کو دیکھیے اور اس کا حیاتیاتی و نفسیاتی تجزیہ کیجیے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہنا صحیح ہے کہ مرثیے کے ایک سو چودہ بند رزم و جنگ و شجاعت آفرینی، شرافت افروزی کا پیام دیتے ہیں، یعنی تین سو بتیس شعر زندگی کی تابناکی سے متعلق ہیں اور ایک سو دو شعر المیہ جذبات، عظیم شخصیت

نے سے پیدا ہونے والے تاثرات، انسانی دل کی نرمی اور شریف و کریم افراد کے جذباتی احوال
یں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زیر نظر مرثیہ فقط رونے رُلانے کے تذکرے کا فائدہ نہیں دیتا، بلکہ
ں، اخلاقی اور تدریسی مقاصد ادا کرنے میں زیادہ حصّہ لیتا ہے۔
یں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مرثیۂ زیر نظر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس مرثیہ کا ستر فی صد حصّہ، سادہ
رہ کے بیان اور صاف و روان انداز کا حامل ہے، چہرہ، سراپا، گھوڑا، تلوار اور رجز کے بند نسبتاً
محاسن سے آراستہ ہیں۔
عالمانہ و خطیبانہ زبان و بیان کا علم بردار اور نوحہ و بین و بکا کا استاد مانا گیا ہے اس مرثیے میں
نو د بڑی معتدل اور گریہ و زاری و بکائیہ قوت بیان مکمل طور پر نظر آتی ہے۔ متعدد بند تو ایسے
س قدر سہل ممتنع ہیں کہ انھیں بار بار پڑھیے تو لطف بڑھتا ہی جائے گا۔ مثلاً

جے سے سپر کے مقابل ہوا دشمن   تبلانے لگے تیغ سے یہ ضرب کا ہر فن
ینہ، یہ بازو۔ یہ کمر اور یہ گردن   یہ خود، یہ چار آئینہ، یہ ڈھال، یہ جوشن
کس وار کو وہ روکتا؟ تلوار کہاں تھی!
آنکھوں میں تو پھرتی تھی، نگاہوں سے نہاں تھی

ب نے نہ پھر ڈھال نہ تلوار سنبھالی   اک ہاتھ سے سر، ایک سے دستار سنبھالی
نے سناں غصّے میں اک بار سنبھالی   اس شیر نے شمشیر شرر بار سنبھالی
تانی جو سناں اس نے علم دار کے اوپر
نیزہ یہ اڑائے گئے تلوار کے اوپر

ی سے واقف جانتے ہیں کہ تلوار کے اکثر ہاتھ اور شمشیر زنی کے سادے پینترے تقریباً سب
ریئے اور اتنی تیزی اور اس قدر مختصر کہ تصویر کھینچ گئی ہے۔

مرثیہ کی تاریخ و تحقیق

ر مرثیہ کے چار متن ہمارے سامنے ہیں اور چاروں میں بہت اختلاف ہے، یہ اختلاف کیوں
کا جواب مقدمہ میں دیا جا چکا ہے، غالباً مرزا صاحب نے مختلف اوقات میں یہ مرثیہ پڑھا
ہر دو مرتبہ اس پر نظر کی ہے، ہر نظر میں ترمیم و تنسیخ کا عمل بھی ہوا۔ ان چاروں متنوں میں ایک
ۂ کا چھپا ہوا ہے دوسرا متن ۱۹۱۰ء کا اور تیسرا متن لکھنؤ اور پشاور کے داخل نصاب مجموعہ سے

عبارت ہے۔ چوتھا متن ایک مستند مخطوطے پر مبنی ہے جسے مرثیہ گوئی کے استاد جناب مہذب صاحب
نے ۱۹۵۱ء میں شمار دبیر میں شائع کیا تھا۔
۱۸۷۵ء کے متن میں چھیتر بند ہیں جو ہمارے متن کے بندوں کے حساب سے یوں مرتب کیے
جا سکتے ہیں۔

ترتیب نسخۂ ۱۸۷۵ء	ترتیب نسخۂ زیر نظر
۱ ــــ تا ــــ ۹	۱ ــــ تا ــــ ۹
۱۰ ــــ تا ــــ ۴۳	بند، ۵۰ تا ۵۳ - ۵۶ تا ۶۵، ۷۳، ۷۶، ۷۴، ۷۷،
بند ۴۴ تا ۷۶	۸۲، ۹۱، ۹۰، ۸۵،
ختم متن اول کے بعد	۸۳، ۹۲ تا ۹۴، ۹۶ تا ۹۸، ۱۰۶، ۱۱۴، ۱۱۵

اس متن میں آخری بند کے پانچویں مصرعہ میں "شاہ زمن" کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی عام یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے اس سے مراد غازی الدین حیدر ہوں جنہوں نے ۱۸۱۸ء میں "ابو المظفر معز الدین شاہ زمن، غازی الدین حیدر، بادشاہ غازی" کے نام و لقب کے ساتھ اپنی شاہی کا اعلان کیا۔ غازی الدین حیدر کی وفات ۱۸۲۷ء میں ہوئی۔ دوسرے اشارے کو مان لیا جائے تو مرثیہ کا زمانۂ تصنیف تقریباً ۱۸۲۰ء و ۱۸۲۷ء کے حدود میں قرار پاتا ہے۔

دوسرا متن دفتر ماتم کا ہے، یہ متن مرزا اوج صاحب کے عطا کردہ قلمی نسخے پر مبنی ہے اور ایک سو تینتالیس بندوں پر مشتمل ہے لیکن اس میں تخلص کا بند موجود نہیں۔

تیسرا متن جسے ہم نے نسخۂ پشاور کا نام دیا ہے، چھیانوے بندوں کا مرثیہ ہے اس کے آخری بند کے چوتھے مصرع میں ہے "اک ہفتے میں تصنیف کیا مرثیہ سارا" گویا مرثیہ کی کوئی سی تخلیق سات دن میں ہوئی۔ مرزا صاحب کی جراٗنی اور قدرت نظم و مہارت فن کی بات یہاں واضح ہو جاتی ہے۔

ہم نے نسخۂ پشاور و نسخۂ دفتر ماتم کو ملا کر دیکھا تو یہ محسوس ہوا کہ جیسے مرزا صاحب نے اضافہ اشعار کے علاوہ کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی ہے۔ مگر نسخۂ ۱۸۷۵ء یعنی مطبوعہ نول کشور و مطبوعہ تیغ بہادر کو آمنے سامنے رکھ کر مقابلہ کیا تو صاف نظر آیا کہ مرزا صاحب نے ایک مرثیہ مختصر لکھا، پھر اس میں گوشے نکال کر نئے بند دوسری مرتبہ ہشتط بند بڑھا کر اسی مرثیہ کو مفصل کر دیا۔ زیر نظر متن میں، زائد اور چھ بندوں اور مصرعوں کو ہم

موابدید کے مطابق ترتیب دے کر مرثیہ کو ایک سو انچاس بندوں تک پہنچا دیا ہے لیکن نسخہ نول کشور
۴ تا ۷ کو ختم مرثیہ کے بعد الگ منضبط کیا ہے تاکہ اگر کوئی صاحب اس مفصل میں سے مجمل اور اس
سے مختصر مرثیہ پڑھنا چاہیں، تو نسخہ نول کشور کے مطابق ترتیب وار بندوں پر نمبر لگا کر پڑھ لیں۔
ں مرثیہ کی مقبولیت اور قدردانی کی طویل تاریخ میں سے کسے معلوم، کہ مرزا صاحب نے کتنی مجلسوں
ں پڑھا اور کس صاحب ذوق نے کیا داد دی، اور مجلس نے کس قدر پسند کیا؛ ہاں افضل حسین،
نے یہ روایت لکھ کر ہمیں مرثیہ و دبیر کے قدردان اور دبیر کی سیرت کا ایک چکتا گوشہ ضرور نظر آیا۔
احب کا بیان ہے:

یہ مرثیہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کی تصنیف ہے۔ تمام مرثیہ خاص کر اس کا بین مرزا صاحب کو
ت پسند تھا، اکثر ان کے شاگردوں اور دوستوں نے مانگا مگر مرزا صاحب نے کسی کو نہ دیا۔
ب محسن الدولہ نبیرہ غازی الدین حیدر شاہ اودھ اور خویش محمد علی شاہ بادشاہ اس مرثیے کے
ت مشتاق تھے، انھوں نے بارہا اپنے احباب سے فرمایا کہ جو شخص یہ اصلی مرثیہ مرزا صاحب
مجھے کسی ترکیب سے لا دے میں اس کو پانچ سو روپیہ انعام دوں۔ مرزا صاحب کو بھی اس کی
ر ہو گئی۔ وہ ہر مرثیہ کو خاص کر نئے مرثیے کو بہت احتیاط سے رکھتے تھے۔
۱۸۵۷ء کے بعد ایک سید صاحب کے پاس آئے اور ان سے کہا: میں لڑکی کی شادی
وں گا اور پھر کربلائے معلے جاؤں گا، آپ پانچ سو روپے کسی رئیس سے مجھے دلوا دیجیے۔
زمانہ لکھنؤ کی تباہی کا تھا، اکثر رئیس اپنے حال میں مبتلا تھے مگر نواب محسن الدولہ کے پاس
ی لاکھ روپے کے نوٹ اور پنشن معقول اور جائداد تھی، مرزا صاحب نے کچھ سوچ کر ان
اپنا یہی مرثیہ دے دیا اور کہا، آپ نواب محسن الدولہ کی ڈیوڑھی پر جا کر اطلاع دیجیے گا کہ
رے پاس یہ مرثیہ ہے اور یہ بھی کہیے گا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا اشتہار ہے کہ جو شخص
رثیہ "کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے" لا دے، میں اس کو پانچ سو روپیہ دوں گا۔ اب مجھے
نچ سو روپیہ دیجیے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، پہلے تو محسن الدولہ مرحوم سمجھے کہ صرف مطلع مرزا صاحب کا
، باقی بند کسی اور کے، مگر سید صاحب نے خط و قلم کی طرف متوجہ کیا تو نواب صاحب مان گئے کیوں کہ ان
بیگم صاحبہ مرزا صاحب کی شاگرد تھیں، نواب صاحب نے پانچ سو روپے سید صاحب کو دیے اور مرثیہ کی نقل لے کر
ل مرثیہ سید صاحب کے حوالے کیا، نواب صاحب نے بہت پوچھا کہ مرثیہ کیوں کر ملا، مگر سید صاحب نے اصل راز نہ بتایا۔

(حیات دبیر ج ۱ ص ۷۰)

مرثیہ:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

۱۴۹ بند

بیان جنگ و شہادت حضرت عباسؑ

۱ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے — رن ایک طرف، چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے — ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

۲ طبلِ وُدُہلِ و بُوق کو سکتا ہوا، ڈر سے — اک بار اڑا تاج ہما شاہوں کے سر سے
خنجر گرے کھل کھل کے شجاعوں کی کمر سے — تائب ہوئے مریخؔ و زحل فتنہ و شر سے
خورشید و مہِ نو نے کہا چرخِ بریں پر
اب کھول کے رکھ دو سپر و تیغ زمیں پر

۳ ہیبت سے ہیں نُہ قلعۂ افلاک کے در بند — جلادِ فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمرِ چرخ سے جوزا کا کمر بند — سیارے ہیں غلطاں صفتِ طائرِ پربند
انگشتِ عطاردؔ سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

۴ خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہیں فاتحۂ خیر — کہتے ہیں "انا العبد، انا العبد" بتِ دیر
جاں غیر ہے، تن غیر، مکیں غیر، مکاں غیر — جز رنگِ رخِ فوج نہ اڑتا تھا کوئی طیر!
سکتے میں فلک خوف سے مانند زمیں ہے
جز طالعِ اعدا کوئی گردش میں نہیں ہے

۵ بے ہوش ہے بجلی، پہ تُشندہ اُن کا ہے ہشیار — خوابیدہ ہیں سب، طالعِ عباسؑ ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید، عَلَم اِن کا نمودار — بے نور ہے منہ چاند کا، رخ ان کا ضیا بار
سب جزو ہیں، کُل رتبے میں کہلاتے ہیں عباسؑ
گو نیزہ پیادہ ہے، سوار آتے ہیں عباسؑ

۶ ہر بند کھلا قبر میں رستم کے کفن کا! — اور چرخ پہ ڈھلنے لگا بہرام کا منکا!
تھا ہوش تہمتن کو نہ اپنے سر و تن کا! — نام اڑ گیا مہروں سے سلاطینِ زمن کا!
جس شیر نے شیروں سے سدا پنجہ کیا ہے
جنگاہ میں آج اس نے قدم رنجہ کیا ہے

۷ چمکا کے مہ و خوار، زر و نقرہ کے عصا کو — سرکاتے ہیں بے پیرِ فلک پشتِ دوتا کو
عدل آگے بڑھا، حکم یہ دیتا ہے قضا کو — ہاں! باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے البغض و حسد و کبر و ریا کا
سر کاٹ لے، حرص و طمع و مکر و دغا کا

۸ راحت کے محلوں کو بلا پوچھ رہی ہے — ہستی کے مکانوں کو فنا پوچھ رہی ہے
تقدیر سے عمر اپنی قضا پوچھ رہی ہے — دوزخ کا پتہ فوجِ جفا پوچھ رہی ہے
غفلت کا تو دل چونک پڑا خوف سے ہل کر
فتنے نے کیا خواب گلے کفر سے مل کر

۹ "النشر" کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر میں — "القبور" کا آوازہ ہے اب جن و بشر میں
"الہجر" کا ہے تذکرہ باہم وتن و سر میں — "الوصل" کا غل ہے سقر و اہلِ سقر میں
"الحشر" جو مردے نہ پکاریں تو غضب ہے
"الموت" زبانِ ملک الموت پہ اب ہے

۱۰ رو کش ہے اس اک تن کا نہ بہمن نہ تہمتن — سہراب و نریمان و پشن، بے سر و بے تن
قاروں کی طرح تحتِ زمیں غرق ہے قارن — ہر عاشقِ دنیا کو ہے دنیا چَہِ بیژن
سب بھول گئے اپنا حسب اور نسب آج
آتا ہے جگر گوشۂ قتّالِ عرب آج

۱۱ ہر خود نہاں ہوتا ہے خود کا سہ سر میں — مانندِ رگ و ریشہ زرہ چھپتی ہے بر میں
بے رنگ ہے رنگ اسلحہ کا فوجِ عمر میں — جوہر ہے نہ تیغوں میں نہ روغن ہے سپر میں
رنگ اڑ کے بھرا ہے جو رخِ فوجِ لعیں کا
چہرہ نظر آتا ہے فلک کا نہ زمیں کا

۱۲ ہے شور فلک کا یہ خورشیدِ عرب ہے — انصاف یہ کہتا ہے کہ چپ باجائے ادب ہے
خورشیدِ فلک، پرتوِ عارض کا لقب ہے — یہ قدرتِ رب، قدرتِ رب، قدرتِ رب ہے
ہر ایک کب اس کے شرف و جاہ کو سمجھے
اس بندے کو وہ سمجھے جو اللہ کو سمجھے

۱۳ یوسفؑ ہے یہ کنعاں میں، سلیماںؑ ہے سبا میں — عیسٰیؑ ہے مسیحائی میں، موسیٰؑ ہے دعا میں
ایوبؑ ہے یہ صبر میں، یحییٰؑ ہے بکا میں — شبّیرؑ ہے مظلومی میں، حیدرؑ ہے وغا میں
کیا غم جو نہ مادر نہ پدر رکھتے ہیں آدمؑ
عباسؑ سا دنیا میں پسر رکھتے ہیں آدمؑ

۱۴ پنجے میں یدُ اللہ ہے، بازو میں ہے جعفرؓ — طاعت میں مَلک، خو میں حسنؑ، زور میں حیدرؑ
اقبال میں ہاشم ہے، تواضع میں پیمبرؐ — اور طنطنہ و دبدبہ میں حمزہؓ صفدر
جوہر کے دکھانے میں یہ شمشیرِ خدا ہے
اور سر کے کٹانے میں یہ شاہِ شہدا ہے

۱۵ بے ان کے شرف کچھ بھی زمانہ نہیں رکھتا — ایمان سوا ان کے خزانہ نہیں رکھتا
قرآن بھی کوئی اور فسانہ نہیں رکھتا — شبیرؑ بغیر ان کے یگانہ نہیں رکھتا
یہ روحِ مقدّس ہے فقط جلوہ گری میں
یہ عقلِ مجرّد ہے جمالِ بشری میں

۱۶ ہر سو جو گرا عکسِ رخِ سرخ قضا را — اک تختۂ یاقوت بیاباں ہوا سارا
سورج کی کرن نے کیا شرما کے اشارا — یوں دھوپ اڑی آگ پہ جس طرح سے پارا
ذرّوں نے چمک کر کہا اس روپ کے اوپر
لو سایہ کا شجون گرا دھوپ کے اوپر

۱۷ قربان، ہوائے[23] علمِ شاہِ امم کے   سب خار ہرے ہو گئے بنے سرو ارم کے
ہیں رازِ عیاں خالقِ ذوالفضل و کرم کے   جبریل نے پر کھولے ہیں[24] پردے میں علم کے
پرچم کا جہاں عکس گرا صاعقہ چمکا
پرچم کہیں دیکھا نہ سنا اس چم و خم کا

۱۸ قرنا[25] میں گو دم ہے، نہ جلاجل میں صدا ہے   بوق و دہل و کوس کی بھی سانس ہوا ہے
ہر دل کے دھڑکنے کا مگر شور بپا ہے   باجا جو سلامی کا اسے کیسے بجا ہے
سکتے میں جو آواز ہے نقارہ و دف کی
نوبت[26] ہے وُرودِ خلفِ شاہِ نجف کی

۱۹ آمد[27] کو تو دیکھا، رخِ پرنور کو دیکھو   "والشمس" پڑھو، روشنیِ طور کو دیکھو!
نے روشنیِ ماہ کو، نے ہُور کو دیکھو   اس شمعِ مرادِ ملک و حور کو دیکھو!
ہے کون تجلیِ رخِ پرنور کی مانند
یاں روشنیِ طور جلی طور کی مانند

۲۰ مداح[28] کو اب تازگیِ نظم میں کد ہے   یا حضرتِ عباسِ علی! وقتِ مدد ہے
مولا کی مدد سے جو سخن ہے وہ سند ہے   اس نظم کا جو ہو نہ مُقِر اس کو حسد ہے
حاسد سے صلہ بھی نہیں درکار ہے مجھ کو
سرکارِ حسینی سے سروکار ہے مجھ کو

۲۱ گلزار ہے یہ نظم و بیاں، بیشہ[29] نہیں ہے   باغی کو بھی گل گشت میں اندیشہ نہیں ہے
ہر مصرعِ برجستہ ہے پھل، تیشہ نہیں ہے   یاں مغزِ سخن کا ہے رگ و ریشہ نہیں ہے
صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانندِ قلم ہاتھ میں ہے نبض سخن کی

۲۲ گر کاہ[30] ملے، فائدہ کیا کوہ کنی سے   میں کاہ کو گل کرتا ہوں رنگیں سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ عقیقِ یمنی سے   یہ ساز ہے سوزِ غمِ شاہِ مدنی سے
آہن[31] کو کروں نرم تو آئینہ بنا لوں
پتھر کو کروں گرم تو میں عطر نکالوں

۲۳ گو خلعتِ[32] تحسیں مجھے حاصل ہے سراپا   پر وصفِ سراپا کا تو مشکل ہے سراپا
ہر عضوِ تن اک قدرتِ کامل ہے سراپا   یہ روح ہے سرتابقدم، دل ہے سراپا
کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضمون بھی اپنا نہیں لڑتا ہے کسی سے

۲۴ سورج کو چھپاتا ہے گہن، آئینہ کو زنگ   داغی ہے قمر، سوختہ دل لالۂ خوش رنگ
کیا اصل دُر و لعل کی، وہ پانی ہے یہ سنگ   دیکھو گل و غنچہ، وہ پریشاں ہے یہ دل تنگ
اس چہرے کو[33] داور ہی نے لاریب بنایا
بے عیب تھا خود، نقش بھی بے عیب بنایا

۲۵ انساں کہے اس چہرے کو کیا چشمۂ[34] حیواں!   ہے نور وہ ظلمت، یہ نمودار وہ پنہاں
برسوں سے ہے آزارِ برص[35] میں مہِ تاباں   کب سے یرقاں مہر کو ہے اور نہیں درماں
آئینہ ہے گھر زنگ کا یہ زنگ نہیں ہے
اس آئینے میں رنگ ہے اور زنگ نہیں ہے

۲۶ آئینہ کہا رخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی   صنعت[36] وہ سکندر کی، یہ صنعت ہے خدا کی
واں خاک نے صیقل، یہاں قدرت نے جلا کی   طالع نے کس آئینہ کو خوبی یہ عطا کی؟
ہر آئینہ میں چہرۂ انساں نظر آیا
اس رخ میں جمالِ شہِ مرداں نظر آیا

۲۷ بے مثل جبیں ہے نگہِ اہلِ یقیں میں   بس ایک یہ خورشید ہے افلاک و زمیں میں
جلوہ ہے عجب ابروؤں[37] کا قربِ جبیں میں   دو مچھلیاں ہیں چشمۂ خورشیدِ مبیں میں
مردم کو اشارہ ہے یہ ابرو کا جبیں پر
ہیں دو مہِ نو جلوہ نما چرخِ بریں پر

۲۸ بینی[38] کے تو مضمون پہ دعوٰی ہے یقینی   اس نظم کے چہرے کی وہ ہو جائے گا بینی
منظور نگہ کو جو ہوئی عرش نشینی   کی سایۂ بینی نے فقط جلوہ گزینی
درکار اسی بینی کی محبت کا عصا ہے
یہ راہ تو ایماں سے بھی باریک سوا ہے

۲۹ بینی کو کہوں شمع، تو لَو اس کی کہاں ہے — پُرنور بھووں پر مجھے شعلے کا گماں ہے
دو شعلے اور اک شمع یہ حیرت کا مکاں ہے — ہاں زلفوں کے کوچے سے ہَوا تُند رواں ہے

سمجھو نہ بھَویں بسکہ ہوا کا جو گذر ہے
یہ شمع کی لَو، گاہ اِدھر گاہ اُدھر ہے

۳۰ اس درجہ پسند اس رخِ روشن کی چمک ہے — خورشید سے برگشتہ ہر اک ماہِ فلک ہے
ابرو کا یہ غل کعبۂ افلاک تلک ہے — محرابِ دعاء بشر و جنّ و ملک ہے

دیکھا جو مہِ نو نے اس ابرو کے شرف کو
کعبے کی طرف پشت کی، رخ اس کی طرف کو

۳۱ جو معنیٔ تحقیق سے تاویل کا ہے فرق! — پُتلی سے وہی کعبے کی تمثیل کا ہے فرق
سرمے سے اور اس آنکھ سے اک میل کا ہے فرق — میل ایک طرف نور کی تکمیل کا ہے فرق

اس آنکھ پہ اُمّت کے ذرا خشم کو دیکھو
ناوک کی سلائی کو اور اس چشم کو دیکھو

۳۲ گر آنکھ کو نرگس کہوں ہے عینِ حقارت — نرگس میں نہ پلکیں ہیں، نہ پُتلی، نہ بصارت
چہرے پہ مہِ عید کی بے جا ہے اِشارت — وہ عید کا مژدہ ہے یہ حیدر کی بشارت

ابرو کی مہِ نو میں نہ جنبش ہے نہ ضَو ہے
اک شب وہ مہِ نو ہے، یہ ہر شب مہِ نو ہے

۳۳ مُنہ عرقِ عرق دیکھ کے خورشید ہوا تَر — ابرو سے ٹپکتا ہے نرا تیغ کا جَوہر
آنکھوں کا عَرَق روغنِ بادام سے بہتر — عارض کا پسینہ ہے گلابِ گلِ احمر

قطرہ رخِ پُرنور پہ ڈھلتے ہوئے دیکھو
عطرِ گلِ خورشید نکلتے ہوئے دیکھو

۳۴ تسبیح کناں منہ میں زباں آٹھ پہر ہے — گویا دہنِ غنچہ میں برگِ گلِ تر ہے
کب غنچہ و گل برگ میں یہ نور مگر ہے — یہ برج میں خورشید کے ماہی کا گذر ہے

تعریف میں ہونٹوں کی جو لب تر ہوا میرا
دنیا ہی میں قابوِ لبِ کوثر ہوا میرا

۳۵ یہ منہ جو ردیفِ لبِ خوش رنگ ہوا ہے — کیا قافیہ غنچے کا یہاں تنگ ہوا ہے
اب مدحِ دہن کا مجھے آہنگ ہوا ہے — پر غنچے کا نام اس کے لیے ننگ ہوا ہے

غنچہ کہا اس منہ کو، حَذَر اہلِ سخن سے
سونگھے کوئی، بو آتی ہے غنچے کے دہن سے؟

۳۶ شیریں رَقموں میں رقم اس لب کی جدا ہے — اک نے شکر اور ایک نے یاقوت لکھا ہے
یاقوت کا لکھنا مگر انسب ہے بجا ہے — یاقوت سے بڑھ کر جو لکھوں میں تو مزا ہے

چوسا ہے یہ لب مثلِ رُطَب حق کے ولی نے
یاقوت کا بوسہ لیا کس روز علیؑ نے

۳۷ جانِ فصحا [۵۵]، روحِ فصاحت ہے تو یہ ہے — ہر کلمہ ہے موقع پہ بلاغت ہے تو یہ ہے
اعجازِ مسیحا کی کرامت ہے تو یہ ہے — قائل ہے نزاکت کہ نزاکت ہے تو یہ ہے

یوں ہونٹوں پہ تصویرِ سخن وقتِ بیاں ہے
یاقوت سے گویا رگِ یاقوت عیاں ہے

۳۸ اب اصل میں شیریں دہنی کی کروں تحریر — طفلی میں کھلا جب کہ یہ غنچہ سے تقریر
پہلے یہ خبر دی کہ میں ہوں فدیۂ شبیرؑ — اس مژدے پہ مادر نے انھیں بخش دیا شیر

منہ حیدرِؑ کرّار نے میٹھا کیا ان کا!
شیرینیٔ اعجاز سے منہ بھر دیا ان کا!

۳۹ اس لب سے دمِ تازہ ہر اک نے زندہ نے پایا — جیسے شہِ مرداں نے نُصَیری کو جلایا
جاں بخشیٔ اموات کا گویا ہے یہ آیا — ہمدم دمِ روح القدس اس کا نظر آیا

دم قالبِ بے جاں میں جو دم کرتے تھے عیسےٰؑ
ان ہونٹوں کے اعجاز کا دم بھرتے تھے عیسیٰؑ

۴۰ دانتوں کی لڑی سے یہ لڑی عقلِ خدا داد — وہ بات کھٹکنے کی کہوں اب کہ رہے یاد
یہ گوہرِ عباسؑ ہیں، پاک ان کی ہے بنیاد — عباسؑ و نجف ایک ہیں گنیے اگر اعداد!

معدن کے شرف ہیں یہ جواہر کے شرف ہیں
دنداں دُرِ عباس ہیں تو دُرِّ نجف ہیں

۴۱ اب چاہنے والے کریں ہاتھوں کا نظارا — دس انگلیاں ہیں شکلِ علم ان میں صف آرا
ہر پنجہ کا ہے اپنے محبوں کا اشارا — اے دوستو! عشرے میں علم رکھنا ہمارا
پہلے مرے آقا مرے سالار کو رونا!
پھر زیرِ علم ان کے علمدار کو رونا!

۴۲ ناموسے کمرِ فکر کا رشتہ نہیں جاتا — فکر ایک طرف وہم بھی جا نشا، نہیں جاتا
پرِ فکرِ رسا کا مری دعوے نہیں جاتا — مضمون یہ نازک ہے کہ باندھا نہیں جاتا
اب زیبِ کمر تیغ شرربار جو کی ہے
عباسؑ نے شعلے کو گرہ بال کی دی ہے

۴۳ ہیں تیے چرخ کے سو دورے تراک رخش کا کاوا[۲۰] — دیتا ہے سدا عمرِ رواں کو یہ بھلاوا
یہ فہم ہے ترکیبِ عناصر کے علاوا — اللہ کی قدرت ہے ٹرچھل بل نہ چھلاوا
چلتا ہے غضب چال، قدم شکل ہے قضا کا
توسن نہ کہو، رنگ اڑا ہے یہ ہوا کا

۴۴ گردش میں ہر اک آنکھ ہے فانوسِ خیالی — بندش میں ہیں نعل اُس کے رباعی[۲۱] ہلالی
روشن ہے کہ جوزا نے عناں دوش پہ ڈالی — بھرتی سے ہے مضمون رکابوں کا بھی خالی
سرعت ہے اندھیرے اور اجالے میں غضب کی
اندھیاری[۲۲] اسے چاندنی ہے چودھویں شب کی

۴۵ گردوں ہو کبھی ہم قدم اس کا، یہ ہے دشوار — وہ قافلے کی گرد ہے، یہ قافلہ سالار
وہ ضعف ہے یہ زور، وہ مجبور، یہ مختار — یہ نام ہے، وہ ننگ ہے یہ فخر ہے وہ عار
اک جست میں رہ جاتے ہیں یوں ارض و سما دور
جس طرح مسافر سے دمِ صبح سرا دور

---

[۱] مندرجہ ذیل بند، اشعارِ دبیر کے علاوہ دوسرے مآخذ میں نہیں ہے:
مشتاق ہوں اب عالمِ بالا کی مدد کا — درپیش ہے مضمون علمدار کے قد کا
یہ ہے قدِ بالا پسرِ شیرِ صمد کا — یا سایہ مجسم ہوا اللہ احد کا
اس قد پہ دو ابرو کی کشش کیا کوئی جانے
کھینچے ہیں دو مد ایک الف پر سرِ خدا نے

۴۶ جو بوند پسینے کی ہے، شوخی سے بھری ہے — ان قطروں میں پریوں سے سوا تیز پری ہے
گلشن میں صبا، باغ میں یہ کبکِ[۲۳] دری ہے — فانوس میں پروانہ ہے، شیشے میں پری ہے
یہ ہے وہ ہما جس کے جلو[۲۴] دار مَلک ہیں
سایے کی جگہ پر کے تلے ہفت فلک ہیں

۴۷ ٹھہرے تو فلک سب کو زمیں پر نظر آئے — دوڑے، تو زمیں چرخِ بریں پر نظر آئے
شہبازِ ہوا کا نہ کہیں پر نظر آئے — راکب ہی فقط دامنِ زیں پر نظر آئے
اس راکب[۲۵] و مرکب کی برابر جو ثنا کی
یہ علم خدا کا، وہ مشیت ہے خدا کی

۴۸ شوخی میں پری، حسن میں ہے حورِ بہشتی — طوفاں میں راکب کے لیے نوحؑ کی کشتی
کب ابلقِ[۲۶] دوراں میں ہے یہ نیک سرشتی — یہ خیر ہے، وہ شر ہے، یہ خوبی ہے، وہ زشتی
صحرا میں چمن، فصلِ بہاری ہے چمن میں
رہوار ہے اصطبل میں، تلوار ہے رن میں

۴۹ اِس رخش کو عباسؑ اڑاتے ہوئے آئے — کوسِ "یمنِ[۲۷] الملک" بجاتے ہوئے آئے
تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے — اک تیغ نگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے
بے چلّے کے کھینچے ہوئے ابرو کی کماں کو
بے ہاتھ کے تانے ہوئے پلکوں کی سناں کو

۵۰ لکھا ہے مورخ نے کہ اک گبرِ[۲۸] دلاور — ہفتم سے فزوں کش تھا میانِ صفِ لشکر
روئیں تن و سنگیں دل و بد باطن و بدبر — سر کر کے مہم نیزوں پہ لایا تھا کئی سر
ہمراہِ شقی فوج تھی ڈنکا تھا نشاں تھا
جاگیر کے لینے کو سوئے شام رواں تھا

۵۱ تقدیر جو رن میں شبِ ہفتم[۲۹] اُسے لائی — خلوت میں اسے بات عمر نے یہ سنائی
درپیش ہے سادات سے ہم کو بھی لڑائی — واں پنجتنی چند ہیں یاں ساری خدائی
اکبرؑ کا نہ قاسمؑ کا نہ شبّیرؑ کا ڈر ہے
دولاکھ کو اللہ کی شمشیر کا ڈر ہے

۵۲ بولا وہ لرز کر کہ ہوا مجھ کو بھی وَسواس — شمشیرِ خدا کون؟ عمر بولا کہ عباسؑ
اس نے کہا: پھر فتح کی کیونکر ہے تجھے آس؟ — بولا کہ کئی روز سے اُس شیر کو ہے پیاس

ہم بھی ہیں بہادر، نہیں ڈرتے ہیں کسی سے
پر روح نکلتی ہے تو عباسِ علیؑ سے

۵۳ تشریف علم دارِ جری رن میں جو لایا! — اُس گبَر کو چپکے سے عمر نے یہ سنایا
اندیشہ تھا جس شیر کے آنے کا، وہ آیا — سر اُس نے پرے سے سوئے عباسؑ اٹھایا

دیکھا تو کہا، کانپ کے یہ فوجِ دغا سے
رُوباہو! لڑاتے ہو مجھے شیرِ خدا سے؟

۵۴ مانا کہ خدا یہ نہیں، قدرت ہے خدا کی — مجھ میں ہے نِرا زور، یہ طاقت ہے خدا کی
کی خوب ضیافت مری، رحمت ہے خدا کی — سب نے کہا: تجھ پر بھی عنایت ہے خدا کی

جا، عذر نہ کر، نام ہے مردوں کا اِسی سے
تو دبدبہ و زور میں کیا کم ہے کسی سے

۵۵ بادل کی طرح سے وہ گرجتا ہوا نکلا! — جلدی میں سلحِ جنگ کے سجتا ہوا نکلا!
ہر گام رہِ عمر کو تجتا ہوا نکلا — اور سامنے نقارہ بھی بجتا ہوا نکلا!

غالب تھا تہمتن کی طرح اہلِ جہاں پر!
دھنستی تھی زمیں پاؤں وہ رکھتا تھا جہاں پر

۵۶ تیار کمر کس کے ہوا جنگ پہ خونخوار — اور پیکِ اجل آیا ہوئی قبر بھی تیار
خنجر لیا منہ دیکھنے کو اور کبھی تلوار — مثلِ ورمِ مرگ چڑھا گھوڑے پہ اک بار

وہ رخش پہ، یا دیوِ دنی تختِ زری پر!
غل رن میں اٹھا، کوہ چڑھا کبکِ دری پر

۵۷ اس ہیبت و ہیئت سے وہ نخوت سِیَر آیا — آسیب کو بھی سائے سے اس کے حذر آیا
میداں میں قیامت کو بھی محشر نظر آیا — گردا پنے لیے نیزوں پہ کشتوں کے سر آیا

زندہ ہی پئے سیر نہ ہر صف سے بڑھے تھے
سر مُردوں کے نیزوں پہ تماشے کو چڑھے تھے

۵۸ سیدھا کبھی نیزے کو ہلایا، کبھی آڑا — پڑھ پڑھ کے رجز باغِ فصاحت کو اجاڑا
ظالم نے کئی پشت کے مُردوں کو اکھاڑا! — بولا: مری ہیبت نے جگر شیروں کا پھاڑا

ہم پنجہ نہ رستم ہے نہ سہراب ہے میرا
مرحب بنِ عبدُ القمر القاب ہے میرا

۵۹ فتراک میں سر باندھتا ہوں پیلِ دماں کا — پنجے میں سدا پھیرتا ہوں شیرِ ژیاں کا
نظارہ ذرا کیجیے ہر شاخِ سناں کا — اُس نیزے پہ وہ سر ہے فلاں ابنِ فلاں کا

جو جو تھے یلانِ کہن اس دَورۂ نو میں
تن اُن کے تہِ خاک ہیں، سر میرے جلو میں

۶۰ انساں کا کیا حوصلہ جو مجھ سے کرے جنگ — جنّات کے رخ کا مری دہشت سے اڑا رنگ
ہنگامِ وغا دیوِ فلک مجھ سے ہے دل تنگ — اک وار میں دو شیروں کو کرتا ہوں تہِ چوڑ رنگ

بہمن کو میں اور گیو کو ہوں مور سمجھتا
میں رستم و دستاں کو ہوں کمزور سمجھتا!

۶۱ ہاں، سیفِ زباں سیفِ الٰہی نے علم کی — فرمایا: مرے آگے یہ تقریر رستم کی؟!
اب منہ سے کہا کچھ تو زباں میں نے قلم کی — کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی

طاقت ہے ہماری اسدُ اللہ کی طاقت
پنجے میں ہمارے ہے یدُ اللہ کی طاقت

۶۲ تو یہ، تو خدا جانتا ہے شمس و قمر کو؟! — وہ شام کو ہوتا ہے غروب اور یہ سحر کو
ایمان سمجھ مہر شہ جن و بشر کو! — شمعِ رہِ معراج ہیں یہ اہلِ نظر کو

خورشیدِ بنی فاطمہ تو شاہِ اُمم ہیں
اور ماہِ بنی ہاشمی آفاق میں ہم ہیں

۶۳ عبدُ القمرِ نحس کا تو داغِ جگر ہے — میں چاند علیؑ کا ہوں، تجھے کچھ بھی خبر ہے
تو کفر ہے، میں دین ہوں، میں خیر تو شر ہے — میں مالکِ فردوس ہوں، تو اہلِ سقر ہے

تو غولِ بیاباں میں سلیمانِ علیؑ ہوں
تو روبہ ہے میں شیرِ نیستانِ علیؑ ہوں

۶۴ مرحب ہے تو ہم مرحب و عنتر کے کُشندے　　عنتر کے کُشندے ہیں تو اژدر کے دَرِندے
اژدر کے دَرندے ہیں تو خیبر کے کَنَندے　　خیبر کے کَنندے ہیں تو لشکر کے بَرندے
لشکر کے برندے ہیں، تو شمشیرِ خدا ہیں
شمشیرِ خدا ہیں، سپرِ آلِ عبا ہیں

۶۵ شاہوں کا چراغ آتے ہی گُل کر دیا ہم نے　　ہر جا عَمَلِ ختمِ رُسُل کر دیا، ہم نے
خندق پہ درِ قلعہ کو پُل کر دیا ہم نے　　اک جزو تھا کُلمہ اسے کل کر دیا ہم نے
کیا جانے یہ تو، سب شرفِ آلِ عبا ہیں
وہ ہیں نہ جدا ہم سے نہ ہم ان سے جدا ہیں

۶۶ خورشیدِ درخشاں میں بتا نور ہے کس کا؟　　کلمہ ورقِ ماہ پہ مسطور ہے کس کا؟
اور سورۂ "والشمس" میں مذکور ہے کس کا؟　　ذرّے کو کرے مہر یہ مقدور ہے کس کا؟
یہ صاحبِ مقدور نبیؐ اور علیؑ ہیں
یا ہم کہ غلامِ خَلَفُ الصِّدقِ نبیؐ ہیں؟!

۶۷ دو چاند کو کرتی ہے اک انگشت ہماری　　ہے مہرِ نبوت سے ملی پشت ہماری
ہے تیغِ ظفر وقتِ زد و کُشت ہماری　　سَوگُرزِ قضا، ضربتِ یک مشت ہماری
قدرت کے نیستان کے ہم شیر ہیں، ظالم
ہم شیر ہیں اور صاحبِ شمشیر ہیں، ظالم

۶۸ سب کو ہے فنا، دورہ ہمیشہ ہے ہمارا　　سر پیشِ خدا رکھنا یہ پیشہ ہے ہمارا
ہیں شیرِ خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا　　عاری ہے اجل جس سے وہ نیشہ ہے ہمارا
ہم جزوِ بدن اس کے ہیں جو کل کا شرف ہے
رشتے میں ہمارے گھرِ پاکِ نجف ہے

۶۹ جوشن جو دعاؤں میں ہے وہ اپنی زرہ ہے　　ہر عقدے کا ناخن مرے نیزے کی گرہ ہے
تلوار سے پانی جگرِ ہر کہ و مہ ہے　　کاٹا پرِ جبریل کو جس تیغ نے یہ ہے
سر، خود و کلہ کا نہیں محتاج ہمارا
شبیرؑ کا ہے نقشِ قدم تاج ہمارا

۷۰ احمد ہے چچا، میرا پدر حیدرؑ صفدر　　وہ کل کا پیمبر ہے یہ کونین کا رہبر
اور مادرِ زینب کی ہے لونڈی مری مادر　　بھائی مرا اک عون، دو عبداللہ و جعفر
اور شبّرؑ و شبیرؑ ہیں سردار ہمارے
ہم ان کے غلام اور وہ مختار ہمارے

۷۱ قاسمؑ کا عزادار ہوں اکبرؑ کا میں غم خوار　　لشکر کا علم دار ہوں، سرور کا جلودار
میں کرتا ہوں پر وہ تو حرم ہوتے ہیں اسوار　　تھا شب کو نگہبانِ خیامِ شہِ ابرار
اب تازہ یہ بخشش ہے قدیرِ ازلی کی!
سقّا بھی بنا اس کا جو پوتی ہے علیؑ کی!

۷۲ ہم بانٹتے ہیں روزیِ ہر بندۂ غفّار　　رزّاق کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
پر حق کی اطاعت ہے جو ہر کار میں درکار　　خود وقتِ سحر روزے میں کھا لیتے ہیں تلوار
ہیں عُقدہ کشا، دستِ کشا قلعہ کشا بھی
پر صبر سے بندھواتے ہیں رسّی میں گلا بھی

۷۳ ناری کو بہشتی کے رَجز پر حسد آیا　　یوں جل کے پئے حملہ وہ ملعونِ بد آیا
گویا کہ سقر سے عَمرِ و عبدِ وَد آیا!　　اور لرزے میں مرحب بھی میانِ لحد آیا
نفریں کی خدا نے اُسے تحسین عُمرؑ نے
مجرا کیا عباسؑ کو یاں فتح و ظفر نے

---

۸۵ شعارِ دبیر میں یہ مصرع یوں ہے:
"اب تازہ یہ بخشش ہے خدائے ازلی کی"

۸۶ شعارِ دبیر میں اس کے بعد ایک عمدہ بند زائد ہے:
اُس کے قدمِ پاک کا فدیہ ہے سر اپنا　　قربان کیا جس پہ نبیؐ نے پسر اپنا
نذرِ سرِ اکبر ہے دل اپنا جگر اپنا　　بیت الشرف شاہ پہ صدقے ہے گھر اپنا
مشہور جو عباس زمانے کا شرف ہے
شبیر کی نعلین اٹھانے کا شرف ہے

۷۴ شبیرؑ کو بڑھ بڑھ کے نقیبوں نے پکارا لوٹوٹتا ہے دستِ زبردست تمہارا!
ہے مرحبِ عبدُ القراب معرکہ آرا شبیرؑ یقیں جانو کہ عباسؑ کو مارا
یہ گرگ ہے، وہ یوسفؑ، یہ خزاں ہے وہ چمن ہے
وہ چاند، یہ عقرب ہے، وہ سورج یہ گہن ہے

۷۵ اس شور نے تڑپا دیا حضرت کے جگر کو اکبرؑ سے کہا، جاؤ تو عمّوؑ کی خبر کو
اکبرؑ بڑھے اور مڑ کے پکارے یہ پدر کو گھیرا ہے کئی نحس ستاروں نے قمر کو
اک فوج نئی گردِ علمدار ہے رن میں
لو ماہِ بنی ہاشمی آتا ہے گہن میں [1]

۷۶ غل ہے کہ دلِ آلِ عبا توڑے گا مرحب اب بازوئے شاہِ شہدا توڑے گا مرحب
بندِ کمرِ شیرِ خدا توڑے گا مرحب گوہر کو تہِ سنگِ جفا توڑے گا مرحب
مرحب کا نہ کچھ اس کی توانائی کا غم ہے
فدوی کو چچا جان کی تنہائی کا غم ہے

۷۷ شہ نے کہا: کیا روحِ علیؑ آئی نہ ہوگی! نانا نے مرے کیا یہ خبر پائی نہ ہوگی؟
کیا فاطمہؑ فردوس میں گھبرائی نہ ہوگی! سر ننگے وہ تشریف یہاں لائی نہ ہوگی؟
بندوں پہ عیاں زورِ خدا کرتے ہیں عباسؑ
پیارے مرے، دیکھو تو کہ کیا کرتے ہیں عباسؑ

۷۸ سن کر یہ خبر بیبیاں کرنے لگیں نالا! ڈیوڑھی پہ کمر پکڑے گئے سیدِ والا
چلّائے کہ فضّہ! علی اصغر کو اٹھا لا، ہے وقتِ دعا چھوٹتا ہے گود کا پالا
سیدانیو! سر کھول دو، سجّادہ بچھا دو
دشمن پہ علمدار ہو غالب یہ دعا دو

---

[1] شعار دبیر میں یہاں ایک بند کا اضافہ برمحل ہے:
اک گبر قوی آیا ہے کھینچے ہوئے تلوار کہتا ہے کہ اک حملے میں ہے فیصلۂ کار
سر کشتوں کے نیزوں پہ ہیں گرد اس کے نمودار یاں دست بقبضہ متبسم ہیں علمدار
اللہ کرے خیر کہ ہے قصدِ شر اس کو
سب کہتے ہیں مرحب بنِ عبدالقراس کو

۷۹ خیمے میں قیامت ہوئی فریاد و بکا سے سہمی ہوئی کہتی تھی سکینہ، یہ خدا سے
غارت ہو الٰہی، جو لڑے میرے چچا سے وہ جیتے پھریں، خیر میں مر جاؤں بلا سے
صدقے کروں، قربان کروں اہلِ جفا کو
دو لاکھ نے گھیرا ہے مرے ایک چچا کو

۸۰ ہے ہے کہیں اس ظلم و ستم کا ہے ٹھکانا سقّے پہ ستا ہے کہیں تلوار اٹھانا!
کوئی بھی روا رکھتا ہے سیّد کا ستانا جائز ہے کسی پیاسے سے پانی کا چھپانا
ہفتم سے غذا کھائی ہے نے پانی پیا ہے
بے رحموں نے کس دکھ میں ہمیں ڈال دیا ہے

۸۱ اچھی مری اماں! مرے سقّے کو بلا دو! کہہ دو کہ سکینہ ہوئی آخر ادھر آؤ!
اب پانی نہیں چاہیے: تابوت منگاؤ کاندھے سے رکھو مشک جنازے کو اٹھاؤ
ملنے مری میت سے گلے آئیں گے عباسؑ
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلے آئیں گے عباسؑ

۸۲ اس عرصے میں حملے کیے مرحب نے وہاں چار پر ایک بھی اس پنجتنی پر نہ لگا وار!!
مانندِ دل و چشم ہر اک عضو تھا ہشیار عاریؑ ہوئی تلوار، مخالف ہوا ناچار
جب تیغ کو جھنجھلا کے رخِ پاک پہ کھینچا
تلوار نے انگلی سے الف خاک پہ کھینچا

۸۳ غازی نے کہا: بس اسی فن پر تھا تجھے ناز سیکھا نہ یدُاللّٰہؑ سے ضرب کا انداز
پھر کھینچی اس انداز سے تیغِ شرر انداز جو میان کے بھی منہ سے ذرا نکلی نہ آواز
یاں خوف سے قالب کو کیا میان نے خالی
واں قالبِ اعدا کو کیا جان نے خالی

۸۴ یہ تیغ سراپا جو برہنہ نظر آئی پھر جامۂ تن میں نہ کوئی روح سمائی
ہستیؑ نے کہا توبہ، قضا بولی، دہائی انصاف پکارا کہ ہے قبضے میں خدائی
تو فتحِ مجسّم کا وہ سر جیبؐ سے نکلا
نصرت کے فلک کا مہِ نو غیب سے نکلا

۸۵ بجلی گری بجلی پہ، اجل ڈر کے اجل پر — اک زلزلہ طاری ہوا گردوں[۹۴] کے محل پر
سیّارے ہٹے کر کے نظر تیغ کے پھل پر — خورشید تھا مریخ پہ، مریخ زحل پر
یہ ہَول دیا تیغِ درخشاں کی چمک نے
جو تاروں کے دانتوں سے زمیں پکڑی فلک نے

۸۶ مرحب سے مخاطب ہوئے عباسِ دلاور: — شمشیر کے مانند، سراپا ہوں میں جوہر
ممکن ہے کہ اک ضرب میں دو ہو تو برابر — پر اس میں عیاں ہوں گے نہ جوہر مرے تجھ پر
لے روک مرے وار ترے پاس سپر ہے
زخمی نہ کروں گا ابھی اظہارِ ہنر ہے

۸۷ کاندھے سے سپر لے کے مقابل ہوا دشمن — بتلا نے لگے تیغ سے یہ ضرب کا ہر فن
یہ سینہ، یہ بازو، یہ کمر اور یہ گردن — یہ خود، یہ چار آئینہ، یہ ڈھال، یہ جوشن
کس وار کو وہ روکتا، تلوار کہاں تھی!
آنکھوں میں تو پھرتی تھی نگاہوں سے نہاں تھی

۸۸ مرحب نے نہ پھر ڈھال نہ تلوار سنبھالی — اک ہاتھ سے سر ایک سے دستار سنبھالی
ظالم نے سناں غصے سے اک بار سنبھالی — اس شیر نے شمشیرِ شرر بار سنبھالی
تانی جو سناں اس نے علم دار کے اوپر
نیزہ یہ اڑا لے گئے تلوار کے اوپر

۸۹ جو چال چلا وہ ہوا گمراہ و پریشاں — پھر زائچہ[۹۵] کھینچا جو کماں کا سرِ میداں
تیروں کی لڑائی پہ پڑا قُرعۂ پیکاں — تیروں کو قلم کرنے لگی تیغِ درخشاں
جوہر سے نہ تیروں ہی کے پھل داغ بدل تھے
گرشنت کے تھے ساتھ تو چلتے کے پھل تھے

۹۰ اُس تیغ نے ترکش کے جو ترکش میں کیا گھر — غل تھا کہ گرا برج کبوتر میں وہ اژدر[۹۶]
پر تیروں کے کٹ کٹ کے اُڑے مثلِ کبوتر — مرحب ہوا مضطر صفتِ طائرِ بے پر
بڑھ کر کہا غازی نے بتا کس کی ظفر ہے
اب مرگ ہے اور تو ہے، یہ تیغ اور وہ سر ہے

۹۱ نامرد نے پوشیدہ کیا رخ کو سپر سے — اور کھینچ لیا خنجرِ ہندی کو کمر سے!
خنجر تو اُدھر سے چلا اور تیغ اِدھر سے — اُس وقت ہوا اچل نہ سکی پیچ میں ڈر سے
اللہ رے شمشیرِ علم دار کے جوہر
جو ٹھہر[۹۷] کیے اُس خنجرِ خوں خوار کے جوہر

۹۲ خنجر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ سپر پہ — ٹھہری نہ سپر پر تو وہ سیدھی گئی سر پہ
سیدھی گئی سر پہ تو وہ تھی صدر[۹۸] و کمر پہ — تھی صدر و کمر پر تو وہ تھی قلب و جگر پر
تھی قلب و جگر پر تو وہ تھی دامنِ زیں پر
تھی دامنِ زیں پر تو نہ مرکب تھا زمیں پر

۹۳ دو کرتی ہوئی دامنِ[۹۹] بد کیش سے نکلی — ارواح صفت جسمِ بد اندیش سے نکلی
مچھلی کی طرح بازوے دل ریش سے نکلی — آڑی کبھی ہو ہو کے پس و پیش سے نکلی!
دم سینے میں کافر کے رکا اور یہ الگ تھی
دو ہو کے وہ دو سمت گرا اور وہ الگ تھی

۹۴ ایماں نے اچھل کر کہا: وہ کفر کو مارا — قدرت نے پکارا کہ یہ ہے زور ہمارا
حیدرؑ سے نبیؐ بولے: یہ ہے فخر ہمارا — حیدرؑ نے کہا: یہ مری پتلی کا ہے تارا
پروانۂ شمعِ رخِ تاباں ہوئی زہراؑ
محسن کو لیے گود میں قرباں ہوئی زہراؑ

۹۵ ہنگامہ ہوا گرم یہ ناری جو ہوا سرد[۱۰۰] — واں فوج نے لی باگ، بڑھا یاں یہ جواں مرد
ٹاپوں کی صدا سے سرِ قاروں میں ہوا درد — رنگِ رخِ اعدا کی طرح اڑنے لگی گرد
قاروں کا زرِ گنجِ نہانی نکل آیا!
یہ خاک اڑی رن سے کہ پانی نکل آیا!

۹۶ اس صف پہ گری تیغ الٹ کر اسے مارا — سیدھی گری اُس پر تو الٹ کر اسے مارا
ہٹ کر اسے مارا تو پلٹ کر اُسے مارا — بڑھ کر اسے مارا کبھی گھٹ کر اُسے مارا
اللہ ری صفائی کہ ذرا خوں نہ بھرا نہ تھا
یہ کاٹ[۱۰۱] کے نکلی بھی تو سر تن پہ دھرا تھا

۹۷ توسن نے کہا: دیکھ میں بجلی ہوں، ہوا ہوں! — تلوار پکاری کہ میں آفت ہوں، بلا ہوں
وہ بولا: میں طاؤس ہوں، عنقا ہوں، ہما ہوں — ہنس کر یہ کہا تیغ نے: میں قہرِ خدا ہوں
گھوڑے نے کہا: لاشوں کو میں روند کے نکلوں
شمشیر پکاری میں کدھر کو ندکے نکلوں

۹۸ اس برق نے چورنگ سرِ قاف کیا تھا — ہر قافؑ میں گھر تیغ نے تا قاف کیا تھا
منصب نے عجب طرح کا انصاف کیا تھا — مطلع پئے خورشیدِ علیؑ صاف کیا تھا
جب خون میں ڈوبی ہوئی انبوہ سے نکلی
تھا شور کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی

۹۹ جو زندہ تھے "اَلعَظمَۃُ لِلّٰہ" پکارے — مردوں کے جو سر نیزوں پہ تھے "واہ" پکارے
ڈر کر عمرِ سعد کو گمراہ پکارے — خوش ہو کے علمدار سوئے شاہ، پکارے
یاں تو ہوا "یا حضرتِ شبیر" کا نعرہ
شبیرؑ نے ہنس کر کیا تکبیر کا نعرہ

۱۰۰ پردے کو اٹھا کر یہ بہن شہ کی پکاری: — عباسؑ نے کی فتح، مبارک ہو، میں واری!
اب کہتی ہوں، میں دیکھتی تھی جنگ یہ ساری — عباسؑ کی اک ضرب میں ٹھنڈا ہوا ناری
مرحب کو تو خیبر میں یداللہ نے مارا
ہم نام کو ابنِ اسداللہ نے مارا

۱۰۱ میدان میں علمدار کے جانے کے میں صدقے — اس فاقے میں تلوار لگانے کے میں صدقے
باہم علم و مشک اٹھانے کے میں صدقے — اس پیاس میں اک بوند نہ پانے کے میں صدقے
سقا بنا پیاسوں کا مروت کے تصدق
بے سر کیا شہ زوروں کو قوت کے تصدق

۱۰۲ تم دونوں کا ہر وقت نگہبان خدا ہو — دیکھے جو بری آنکھ سے، غارت ہو، فنا ہو
دونوں کی بلا سے کے یہ ماں جائی فدا ہو — رو کر کہا حضرت نے: بہن دیکھیے کیا ہو
منہ چاند سا مجھ کو جو دکھائیں تو میں جانوں
دریا سے سلامت جو پھر آئیں تو میں جانوں

۱۰۳ زینب سے بحسرت یہ بیاں کرتے تھے مولا — ناگاہ سکینہ نے سنا فتح کا چرچا
چلائی میں صدقے ترے! اچھی مری فضا! — جا جلد، بلائیں مرے عمّو کی تو لے آ!
دکھ پیاس کا کہہ کر انھیں بے ہوش نہ کرنا
پر یاد دلانا کہ فراموش نہ کرنا

۱۰۴ لینے کو بلائیں گئی فضہ سوئے جنگاہؑ — عباس نے آتے ہوئے دیکھا اسے ناگاہ
چلائے کہ پھر جائیں، ہوا آتے سے آگاہ — کہہ دینا سکینہ سے ہمیں یاد ہے واللہ
دل پیاس سے بی بی کا ہوا جاتا ہے پانی
لے کر ترے بابا کا غلام آتا ہے پانی

۱۰۵ دریا پہ چلے ابر صفت سے اللہ لیے برق — مرحب کے شریکوں کا جدا کرتے ہوئے فرقؑ!
سردار میں اور فوج میں باقی نہ رہا فرق — مرحب کی طرح سب پہ ہٹ ہٹ میں ہوئے غرق
تلوار کی اک موج نے طوفان اٹھایا
طوفان نے سر پہ وہ بیابان اٹھایا

۱۰۶ لڑتا ہوا دریا میں دلاور جو درؑ آیا — دی خضر نے آواز علیؑ کا پسر آیا
دریا میں ہوا شور کہ عالی گہر آیا — تھی دھوم ترائی میں کہ وہ شیرِ نر آیا
سکتہ یہ ہوا خضر کو الیاس نے دیکھا
پانی کو اتر گھوڑے سے عباس نے دیکھا

۱۰۷ پانی ہوئی ہر موج زرہ فوج کے تن میں — باقی نہ رہا دم کسی خنجر کے بدن میں
تلواریں بھی اس تیغ سے عاجز رہیں ران میں — سر تیغ نے جوہر سے رکھے تنکے دھن میں
پھر غولِ بیاباں نہ خضر کو نظر آئی
امڈے ہوئے دریا کی طرح نہر پرائی

۱۰۸ دریا کے نگہبان بڑھے ہونے کو چورنگ — پہنے ہوئے مچھلی کی طرح بر میں زرہ تنگ
کھینچے ہوئے موجوں کی طرح خنجرِ بے زنگ — سقے نے کہا، پانی پہ جائز ہے کہاں جنگ؟
دریا کے نگہبان ہو پر غفلتِ دیں ہے
مانندِ حباب آنکھ ہے بینائی نہیں ہے

۱۰۹ مذہب ہے یہ کیسا کہ رہ شرع نہ جانی — مشربؑ ہے یہ کیسا کہ پلاتے نہیں پانی
بے شیر کا بچپن علی اکبر کی جوانی — برباد کیے دیتی ہے اب تشنہ دہانی
سب غنچہ دہانوں کی زبان پیاس سے شق ہے
دریا ہی سے پوچھو تو کس پیاسے کا حق ہے

۱۱۰ پانی مجھے اک مشک ہے اس نہر سے درکار — پینے دو تو ہے خیر، نہیں کرتا ہوں فی النّار
وہ بولے کہ اک بوند کا لینا بھی ہے دشوار — حضرت نے کہا: ہاں، یہ ارادہ ہے تو ہشیار
لو سیل کو اور برقِ شرر بار کو روکو
رہوار کو روکو مری تلوار کو روکو!

۱۱۱ یہ کہہ کے کیا اسپِ سبک ناز کو مہمیز — بجلی کی طرح کوند کے چمکا فرسِ تیز
اشرار کے سر پر ہوا غلغلوں سے شرر ریز — سیلاب فنا تھا کہ وہ طوفانِ بلاخیز
جھپکی پلک اس رخش کو جب قہر میں دیکھا
پھر آنکھ کھلی جب تو رواں نہر میں دیکھا

۱۱۲ یہ تیغ جو چمکی، ہوئی آنکھوں میں چکاچوند — جوہر کی یہ چشمک تھی اِدھر کوند اُدھر کوند
مرکب سے اجل بولی: اِسے روند اُسے روند — وضعاتؓ میں لشکر کا مہِ عمر ہوا کوند
جھپکی پلک اس رخش کو جو قہر میں دیکھا
پھر آنکھ جو کھولی تو رواں نہر میں دیکھا

۱۱۳ دریا پہ ہوا غل کہ "وہ دُرِّ نجف آیا" — الیاسؑ و خضر بولے: ہمارا شرف آیا
عبّاس شہنشاہِ نجف کا خلف آیا! — پابوسؓ کو موتی لیے دستِ صدف آیا
یاد آگئی پیاسوں کی جو حیدرؑ کے خلف کو
دل خون ہوا دیکھ کے دریا کی طرف کو

۱۱۴ سوکھے ہوئے مشکیزے کا پھر کھولا دہانا — بھرنے لگا خم ہو کے وہ سرتاجِ زمانا
اعدا نے کیا دور سے تیروں کا نشانا — اور چوم لیا روحِ یداللہ نے شانا
فرمایا کہ کیا کیا مجھے خوش کرتے ہو بیٹا
پانی مریؑ پوتی کے لیے بھرتے ہو بیٹا

۱۱۵ دریا سے جو نکلا اسد اللہ کا جانی — تھا شور کہ "دیکھو وہ لیے جاتا ہے پانی"
پھر راہ میں حائل ہوئے سب ظلم کے بانی — سقائے سکینہ کی یہ کی مرتبہ دانی
قبریں نبی و حیدرؑ و زہراؑ کی ہلا دیں
برچھوں کی جو نوکیں تھیں کلیجے سے لگا دیں

۱۱۶ وہ کون سا تھا تیر کہ دل پر نہ لگایا! — مشکیزے کے پانی سے سوا خون بہایا
یہ نرغہ تھا جو شمرؓ نے حیلے سے سنایا — عبّاسؑ بچو اغول کمیں گاہ سے آیا
مڑ کر جو نظر کی خلفِ شیرِ خدا نے
شانوں کو نشہ تیغ کیا اہلِ جفا نے

۱۱۷ لکھا ہے کہ اک نخلِ رُطَب تھا سرِ میداں — ابنِ وَرَقہ، زیدِ لعیںؓ اُس میں تھا پنہاں
پہنچا جو وہاں سرورِ روانِ شہِ مرداں — جو شانہ تھا مشک و علم و تیغ کے شایاں
وار اس پہ کیا زید نے شمشیرِ اجل سے
یہ پھول چلی شاخ کٹی تیغ کے پھل سے

۱۱۸ مشک و علم و تیغ کو بائیں پہ سنبھالا — اور جلد چلا عاشقِ روئے شہِ والا
پر ابنِ طُفَیل آگے بڑھا تان کے بھالا — نیزے کی اَنی سے تو کیا دل تہہ و بالا
اور تیغ کی ضربت سے جگر شاہ کا کاٹا
یہ ہاتھ بھی فرزندِ یداللہ کا کاٹا!

۱۱۹ سقّے نے کٹی باہوں پہ مشکیزے کو رکھ کر — مانند زباں منہ میں لیا تسمۂ اطہر
ناگاہ کئی تیر لگے آ کے برابر — اک مشک پہ، اک آنکھ پہ، اور ایک دہن پر
مشکیزے سے پانی بہا اور خون بدن سے
عباس گرے گھوڑے سے اور مشک دہن سے

(حاشیہ صفحہ سابقہ) شعارِ دبیر میں اس کے بعد یہ بند ہے:-
کچھ فرق تری کوشش و ہمت میں نہیں ہے — پانی مگر اُس پیاسی کی قسمت میں نہیں ہے
وقفہ مرے پیارے کی شہادت میں نہیں ہے — جو زخم میں لذت ہے وہ جراُت میں نہیں ہے
اک خون کی نہر آنکھوں سے زہراؑ کے بہی ہے
رونے کو تری لاش پہ سر کھول رہی ہے

١٢٠ گرکرلب زخمی سے علم دار پکارا — کہہ دو کوئی پیاسوں سے کہ سقا گیا مارا
سن لی یہ صدا شاہِ شہیداں نے قضارا — زینب سے کہا: لو نہ رہا کوئی ہمارا
اصغر کا گلا چھد گیا، اکبر کا جگر بھی
بازو بھی مرے ٹوٹ گئے اور کمر بھی

١١١ گویا کہ اسی وقت جلے خیمے ہمارے — ظالم نے طمانچے بھی مری بیٹی کے مارے
بیڑی میں سلاسل ہوئے عابد مرے پیارے — رسی میں مرے خرد و کلاں بندھ گئے سارے
اعدا میں ہے غل مالکِ شمشیر کو مارا
یہ کیوں نہیں کہتے ہیں کہ شبیر کو مارا

١٢٢ زینب نے کہا: سچ ہے تمہیں مر گئے بھائی — سب کنبے کو عباس فنا کر گئے بھائی
آفاق سے اب حمزہؓ و حیدرؑ گئے بھائی — ہم مجلسِ حاکم میں کھلا سر گئے بھائی
میں جان چکی قیدِ مصیبت میں پڑی ہوں
اب گھر میں نہیں بلوے میں سر ننگے کھڑی ہوں

١٢٢ ناگاہ صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے لال! — جلد آؤ کہ لاشا مرا اب ہو نہ سے پامال
زینبؑ نے کہا زندہ ہیں عباسؑ خوش اقبال — تم جاؤ میں یاں سر پہ ردا کھولتی ہوں بال
شہ بولے اب گور سکینہ کا چچا ہے
اس فوج کا مارا ہوا کوئی بھی بچا ہے

١٢٤ اکبر کے سہارے سے چلے نہر کو آقا! — گہ ہوش تھا گہ غش کبھی سکتہ کبھی نوحا
دیکھا ہے کہ ٹکڑے ہوئے یوں سقے کے اعضا — اک ہاتھ تو مقتل میں تھا اور اک لبِ دریا
زہراؑ کا پسر رن میں جو زیرِ شجر آیا
اک ہاتھ نزپتا ہوا شہ کو نظر آیا

١٢٥ گر کر شہِ والا نے یہ اکبر سے کہی بات — اے لال! اٹھا لو مرے بازو کا سے یہ ہات
یہ ہاتھ رکھے سینہ پہ وہ وارثِ سادات — پہنچا جو سرِ لاشۂ عباسِ خوش اوقات
بغلوں میں کٹے تیغوں سے شانے نظر آئے
سر ننگے ید اللہ سرہانے نظر آئے

١٢٦ بے ساختہ ماتھے پہ رکھا شاہ نے ماتھا — لب رکھ کے لبوں پر کہا: وَاحَسرَتٰہ وَذُلَّاہ
یہ تیر، یہ آنکھ اور یہ نیزہ، یہ کلیجا — وَاقُرَّۃُ عَینَا مرے، وَادَاخِلَۃُ قَلبَا
کچھ منہ سے تو بولو مرے غم خوار برادر
عباس، ابو الفضل، علم دار، برادر!

١٢٧ اس جاں شکنی میں جو سنا شیونِ مولا — تعظیم کی خدمت میں رکے شانوں کو ٹپکا
پھر پاؤں سمیٹے کہ نہ ہوں پائنتی آقا — شہ بولے نہ تکلیف کرو اے مرے شیدا
کی عرض میں پھیلائے ہوئے پاؤں پڑا ہوں
حضرت نے کہا: میں تو سرہانے پہ کھڑا ہوں

١٢٨ یاں تھی یہ قیامت وہاں خیمے میں یہ محشر — در پہ تھیں نبی زادیاں سب کھولے ہوئے سر
تشویش تھی کیوں لاش کو لے آئے نہ سرور — عباس کا فرزند سراسیمہ تھا باہر
تن رعشے میں خورشیدِ درخشاں کی طرح تھا
دل ٹکڑے یتیموں کے گریباں کی طرح تھا

١٢٩ ضد کرتا تھا ماں سے مرے بابا کو بلا دو — میں نہر پہ جاتا ہوں مرا نیمچہ لا دو!
ماں کہتی تھی: بابا نے سکینہ کو دعا دو — بابا بھی چچا کو کہو، بابا کو بھلا دو
حیدرؑ سے نویں سال چھڑایا تھا قضا نے
واری ترے بابا کو بھی پالا تھا چچا نے

١٣٠ دریا پہ ابھی گھر گئے ہیں بابا تمہارے — پیارے کے چچا جان ہیں لینے کو سدھارے
تو رو نہیں اے میرے رنڈاپے کے سہارے — بابا کو چچا جان لیے آتے ہیں پیارے
تھا عشق جو عباس سے اُس نیک خلف کو
بڑھ بڑھ کے نظر کرتا تھا دریا کی طرف کو

١٣١ ناگاہ پھرا پیٹتا منہ کو وہ پریشاں — زینبؑ نے کہا: خیر تو ہے، میں ترے قرباں
چلایا کہ خادم کی یتیمی کا ہے ساماں — بھیا علیؑ اکبر نے ابھی پھاڑا گریباں
بن باپ کا بچپن میں ہمیں کر گئے بابا
مُردے سے لپٹتے ہیں چچا، مر گئے بابا

۱۳۲ یہ غل تھا کہ مولا لیے مشک و علم آئے خیمے میں کمر پکڑے امام امم آئے!
اور گردِ علم بال بکھیرے حرم آئے زینب سے کہا شہ نے بہن لٹ کے ہم آئے
بھائی کے یتیموں کی پرستار ہو زینبؑ
تم تھنیتم سوگِ علم دار ہو زینبؑ

۱۳۳ ہاں، سوگ کا حیدرؑ کے سیہ فرش بچھاؤ ہیں رخت عزا جن میں وہ صندوق منگاؤ
دو سب کو سیہ جوڑے، عزادار بناؤ شبّرؑ کے عزا کا ہمیں ملبوس پہناؤ
تم پہنو وہ کالی کفنی آلِ عبا میں
جو فاطمہؑ نے پہنی تھی حمزہ کی عزا میں

۱۳۴ عبّاسؑ کا یہ سوگ نہیں سوگ ہے میرا عباس کا ماتم بھی مرے گھر میں ہو برپا
نوحے میں نہ عبّاس کہے کوئی نہ سقا جو بین کرے رو کے کہے ہائے حسینا
سب لونڈیاں روئیں شہِ والا گیا مارا
چلّائے سکینہؑ بھی کہ بابا گیا مارا

۱۳۵ زینب نے کہا: ہیں مری قسمت کے یہی کام دینے لگی ماتم کے سیہ جوڑے وہ ناکام
فضہؑ نے کہا: کون سی شادی کا ہے انعام بولی: ہُوا ٹھنڈا علمِ لشکرِ اسلام
زہراؑ کا لباس اپنے لیے چھانٹ رہی ہوں
عبّاس کا ملبوسِ عزا بانٹ رہی ہوں

۱۳۶ پھر زیرِ علم فرشِ سیہ اس نے بچھایا اور بیوۂ عباسؑ کو خود لا کے بٹھایا
تھے جتنے سیہ پوش انھیں رو کے سنایا قسمت نے جواں بھائی کا بھی داغ دکھایا
ناسور نہ کس طرح سے ہو دل میں جگر میں
ماتم ہے علم دار کا سردار کے گھر میں

۱۳۷ باقی کوئی دستورِ عزا رہنے نہ پائے اب خیمے میں اپنے ہر اک اس خیمے سے جائے
ایک ایک جدا پرسے کو عبّاس کے آئے سر ننگے لبِ فرش سے زینب اُسے لائے
یہ جعفرؓ و حمزہؓ کا، یہ حیدر کا ہے ماتم
شبّیرؑ کا، اکبرؑ کا، اور اصغر کا ہے ماتم

۱۳۸ سب خیموں میں اپنے گئیں کرتی ہوئی زاری یاں کرنے لگی بین یدُ اللہ کی پیاری
ناگاہ قریب آن کے فضہ یہ پکاری اے بنتِ علیؑ آتی ہے بانو کی سواری
منہ ڈھانپے علم دارِ خوش اطوار کی بی بی
پرسے کے لیے آتی ہے سردار کی بی بی

۱۳۹ بانو نے قدم پیچھے رکھا فرشِ سیہ پر پہلے وہاں بٹھلا دیا اصغرؑ کو کھلے سر
پھر سوئے علم پیٹتی دوڑی وہ یہ کہہ کر قربان وفا پر تری اے بازوئے سرور
سنتی ہوں تہِ تیغِ ستم ہو گئے بازو
دریا بہشتی کے قلم ہو گئے بازو

۱۴۰ عبّاس کو تو میں نہ سمجھتی تھی برادر میں ان کو پسر کہتی تھی اور وہ مجھے مادر
اس شیر کے مر جانے سے بے کس ہوئے سرور بے جان ہوا حافظِ جانِ علی اکبرؑ
سب کہتے ہیں حضرت کا برادر گیا مارا
پوچھو جو مرے دل سے تو اکبر گیا مارا

۱۴۱ زینبؑ نے کہا بیٹھ کے اب شور مچاؤ چھاتی سے علم دار کی بیوہ کو لگاؤ
وہ بولی کہ ہے ہے نہ مجھے پاس بلاؤ پرچھاویں سے بیوہ کے سہاگن کو بچاؤ
سکھ مانگ کا اور کوکھ کا پائے مری بی بی
پوتوں پھلے اور دودھوں نہائے مری بی بی

۱۴۲ اتنے میں سنی بالی سکینہؑ کی دہائی زینب نے کہا: روح علم دار کی آئی
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ شبّیرؑ کی جائی کہتی تھی: سزا پانی کے منگوانے کی پائی
تعزیر دو، یا دخترِ شبّیر کو بخشو!
اچھی چچی امّاں! مری تقصیر کو بخشو!

۱۴۳ میں نے تمہیں بیوہ کیا رنڈ سالہ پنہایا! ہے ہے مری اک پیاس نے سب گھر کو رُلایا
کوثر پہ سدھارا اسد اللہ کا جایا اور کُنبے کا الزام مرے حصّے میں آیا
انصاف کرو لوگو! یہ کیا کر گئے عمّو!
میں پیاسی کی پیاسی رہی اور مر گئے عمّو!

۱۴۴ بعد اس کے ہوا شور کہ لو آتی ہے بیوہ   تشریف نئی بیوہ کے گھر لاتی ہے بیوہ
گھونگھٹ کو الٹتے ہوئے شرماتی ہے بیوہ   سر گوندھا ہوا ساس سے کھلواتی ہے بیوہ

زینب نے کہا بیوۂ فرزندِ حسنؑ ہے
یہ کیوں نہیں کہتے، مرے قاسمؑ کی دلہن ہے

۱۴۵ گبرا کو پھپی پاس جو زینب نے بٹھایا   اس بیوہ نے گھونگھٹ کو رخِ گبرا سے ہٹایا
اور پوچھا کہ دولہا ترا کیوں ساتھ نہ آیا!   افسوس پھپی نے تجھے مہماں نہ بلایا!

پُرسے کو تو آئی خلفِ شیرِ خدا کے
پہلا ترا چالا یہ ہوا گھر میں چچا کے

۱۴۶ ناگاہ فغاں زیرِ علم یہ ہوئی پیدا   سیدانیو، دو مادرِ عباسؑ کو پرسا
تعظیم کو سب اٹھے کہ ہے نالۂ زہراؑ   زینبؑ نے کہا ہے گی وطن میں تو وہ دکھیا

آئی یہ ندا: پاس ہوں میں دور کہاں ہوں
عباسؑ مرا بیٹا، میں عباسؑ کی ماں ہوں

۱۴۷ رنڈسالہ بھوکے میں پہناتے کو ہوں آئی   اک حلۂ پُر نور میں فردوس سے لائی
عباسؑ کے ماتم کی تو صفت تم نے بچھائی   سامانِ سوگ نہ ہوگا نہ کچھ اے مری جائی

تم روزِ سوم یاں سے رواں شام کو ہوگی
چہلم کو کفن لاشِ علم دار کو دوگی

۱۴۸ لو حیدریو! واردِ مجلس ہوئیں زہراؑ   دو فاطمہؑ کی روح کو عباس کا پُرسا
اب تک نہیں کفنائے گئے ہیں شہِ والا   لے گور ہے سردار و علم دار کا لاشا

روتے نہیں دیتے ہیں عدو آلِ نبیؐ کو
تم سب کے عوض رو دو حسینؑ ابنِ علیؑ کو

۱۴۹ خاموش دبیر اب کہ نہیں نظم کا یارا!   مدّاح کا دل خنجرِ غم سے ہے دو پارا
کافی پئے بخشش یہ وسیلہ ہے تمہارا   اک ہفتہ میں تصنیف کیا مرثیہ سارا

تجھ پر کرمِ خاص ہے یہ حق کے ولی کا
یہ فیض ہے سب مدحِ جگر بندِ علیؑ کا

زائد و مربوط بند

(۲)

۴۴ واحسرت و دردا کسی بے پیر نے آکر   اک گرز لگایا کہ جھکے خوں میں نہا کر
یہ سانحہ دیکھا جو درِ خیمہ پہ جا کر   زینب نے کہا ہاتھ سوئے قبلہ اٹھا کر

اے ربِّ ہُدا شہ کے فدائی کو بچانا
شہ نے کہا: یارب مرے بھائی کو بچانا

۴۵ واں حشر ہوا کٹ گئے بازوئے علم دار   گل رنگ ہوا سنبلِ گیسوئے علم دار
ہنستے ہوئے آتے ہیں عدو سوئے علم دار   ٹکڑے ہوئے آئینۂ پہلوئے علم دار

تھے شیر ترائی کی طرف پھر پڑے عباس
"یا حیدرِ کرّار" کہا، گر پڑے عباس

۴۶ دی سیدِ بے کس کو ندا، وقتِ مدد ہے!   یا شاہِ غریب الغربا وقتِ مدد ہے!
دنیا سے یہ جانباز چلا وقتِ مدد ہے!   اے اوجِ سعادت کے ہما وقت

یا سبطِ رسول الثقلینؐ! آیئے جلدی
فدوی ہے سرِ راہ حسینؑ! آیئے جلدی

۴۷ اس قہر کی آواز نے دل شہ کا ہلایا   عمامے کو اپنے سرِ اقدس سے گرایا
رو رو کے قدم جانبِ جنگاہ بڑھایا   اس طرح سے رو رو کے تب اکبر کو سنایا

لو ماہِ بنی ہاشمی آتے ہیں اُدھر کو
گھیرا ہے کسی نحس ستارے نے قمر کو

۴۸ چلائی سکینہ کہ خدارا ارے لوگو   بتلاؤ، نہیں ضبط کا یارا ارے لوگو
بابا کو ابھی کس نے پکارا ارے لوگو   کیا میرے چچا جان کو مارا ارے لوگو

نکلوں تو خفا ہوتے ہوئے آئیں گے بابا
سر ننگے مجھے دیکھ کے جھنجھلائیں گے بابا

۴۹ پھر دھوم ہوئی : مارلو، یہ جانے نہ پائیں   صورت شہِ مظلوم کو دکھلانے نہ پائیں
آئیں جو حسینؑ ابنِ علیؑ آنے نہ پائیں   غنچے چمنِ زخم کے مرجھانے نہ پائیں
مہلت کوئی دم شہ کے فدائی کو نہ دینا
ہاں، کاٹ کے سر بھائی کا بھائی کو نہ دینا

۵۰ سن کر یہ سخن فوج کا تھرّا گئے شبیرؑ   شمشیر تڑپنے لگی، جھنجھلا گئے شبیرؑ
کھینچے ہوئے تیغ دوزباں آگئے شبیرؑ   سرکا کے سبھوں کو لبِ دریا گئے شبیرؑ
بند آنکھیں کیے بے کس و بے آس کو دیکھا
غش میں شہِ مظلوم نے عباس کو دیکھا

۵۱ دیکھا کہ جبیں ریگِ بیاباں سے بھری ہے   پہلو میں چھدی مشک سکینہ کی پڑی ہے
خورشیدِ ید اللہ چراغِ سحری ہے   پیکاں تو پسِ پشت ہے سینہ میں چھری ہے
تڑپے جو علم دار سنبھالا شہِ دیں نے
منہ پھیر کے پھر تیر نکالا شہِ دیں نے

۵۲ جھک جھک کے شگافِ سرِ صفدر کبھی دیکھا   خوں پونچھ کے بازوے دلاور کبھی دیکھا
پہلوے علم دار دبا کر کبھی دیکھا   پھر گردِ رخِ دلبرِ حیدر کبھی دیکھا
نالے کیے شبیرؑ نے غازی سے لپٹ کر
منہ منہ سے ملا خوب نمازی سے لپٹ کر

۵۳ ماتھے پہ دھرا ہاتھ ولی ابنِ ولی نے   پہچان لیا شہ نے کو سعیدِ ازلی نے
ہنس کر یہ کہا حضرتِ عباس علی نے   ممتاز کیا سبطِ رسولِ عربی نے
عباس شہنشاہِ حجازی کے تصدّق
اس پیار کے اس بندہ نوازی کے تصدّق

۵۴ یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ   شبیرؑ تو دیکھا کیے اور مر گئے عباسؑ
شہ بولے کہ پیاسے لبِ کوثر گئے عباسؑ   ٹکڑے ہوئے اور خون میں بھی بھر گئے عباسؑ
کیا کیا نہ قلق دل پہ خجالت سے کہوں گا
پوچھے گی تو کیا خیمے میں بھاوج سے کہوں گا

۵۵ یہ کرتے تھے لاشے سے علم دار کے گفتار   جو نوحہ سنا زوجۂ عباسؑ کا اک بار
اے بیبیو! رنڈسالے کا جوڑا کرو تیار   غل کیسا ہے؟ مارے گئے کیا رن میں علم دار
دریا پہ جوابِ "ہائے برادر" کی صدا ہے
شہ روتے ہیں والی کو مرے قتل کیا ہے

۵۶ میں رانڈ ہوئی، دل مرا دیتا ہے گواہی   پردیس میں آئی مرے بچوں پہ تباہی
یہ ایک، اُدھر نہر پہ دو لاکھ سپاہی   کس کس سے لڑے دلبرِ ضرغامِ الٰہی
پیاسے پہ جو کوہِ غم جاں کاہ گرا ہے
یا مشک چھدی، یا علمِ شاہ گرا ہے

۵۷ فضّہ سے کہا: پردے کا اس وقت نہ کر دھیان   بچے مرے روتے ہیں لبوں پر ہے مری جان
ہے ہے مجھے ماتم کا نظر آتا ہے سامان   لا دے مرے والی کی خبر، میں ترے قربان
دریا پہ ہیں یا شام کی بدلی میں نہاں ہیں
دیکھ آ کہ سکینہ کے چچا جان کہاں ہیں

۵۸ فضّہ گئی روتی ہوئی اور پیٹتی آئی   تھا لب پہ مکرر کہ دُہائی ہے، دُہائی
سیّدانیوں مارا گیا شبیرؑ کا بھائی   حیدرؑ کے بھرے گھر کی ہوئی آج صفائی
ہر سمت نظر لشکرِ غم آتا ہے لوگو
عباس نہ آئیں گے علم آتا ہے لوگو

۵۹ حضرت کو ہے بھاوج کے رنڈاپے کا بڑا غم   پُرسے کے لیے آئیں گے اب سرورِ عالم
عباس کے خیمے میں بچھا دو صفِ ماتم   روئیں وہاں سب بی بیاں سر کھول کے باہم
پردیس میں عمّو سے چھٹی ہائے سکینہ
تھامو اسے ایسا نہ ہو مر جائے سکینہ

۶۰ ہوش اڑ گیا بانو کا ہوا حال مُکدّر   سر کھول دیا پھینکی سرِ پاک سے چادر
زوجہ کیا عباس کے ماتم میں یہ رو کر   ہے ہے مرے دیور، مرے دیور، مرے دیور
سقائے سکینہ، مہِ تاباں، بہشتی!
بھاوج ترے صدقے ترے قربان بہشتی!

۶۱ اس حال سے بانو کو سکینہ نے جو دیکھا　　سر پیٹا کبھی اور کبھی سینے کو پیٹا
مادر سے یہ گھبرا کے کہا: وائے دریغا　　ہاں، میرے عمو جان پہ کیا حادثہ گذرا

اکبر کی قسم تم کو سفر کر گئے عباسؑ
بانو نے کہا پیٹ کے سر، مر گئے عباسؑ

۶۲ ناگاہ علم شہ کا چمکتا ہوا آیا!　　ماتم تھا کہ پنجہ بھی لچکتا ہوا آیا
مشکیزہ بھی بے آب لٹکتا ہوا آیا　　اور خون پھریرے سے ٹپکتا ہوا آیا

لشکر کی جو زینت کو قضا لوٹ گئی تھی
صدمے سے علم کی بھی کمر ٹوٹ گئی تھی

۶۳ تھامے ہوئے دامانِ علم سبطِ پیمبر　　خوں منہ پہ ملے چاک گریباں کھلے سر
دامن کو سنبھالے ہوئے چلاتے تھے اکبر　　حمزہؑ کی وفات آج ہوئی، اٹھ گئے حیدرؑ

عمو پہ تمامی ہوئی اس جاہ و حشم کی
بس آخری ہے آج زیارت بھی علم کی

۶۴ ڈیوڑھی سے جھکا کر اسے جو خیمے میں لائے　　سب اہلِ حرم زیرِ علم پیٹتے آئے
غل پڑ گیا، ہے ہے اسد اللہ کے جائے　　مشکیزہ بھی نیزوں سے چھدا، زخم بھی کھائے

پیاسے رہے پانی نہ پیا نہر پہ جا کے
صدقے تری سقائی کے، قربان وفا کے

۶۵ ناشاد سکینہ کا عجب حال تھا غم سے　　ماں تھامتی تھی اور وہ لپٹی تھی علم سے
آنکھوں کو چرائے ہوئے سلطانِ امم سے　　چلاتی تھی: فریاد، چچا چھٹ گئے ہم سے

یہ تشنہ جگر قابلِ تعزیر ہے لوگو!
کیوں پانی کو بھیجا، مری تقصیر ہے لوگو!

۶۶ اب کون مری پیاس کا غم کھائے گا ہے ہے　　کون اب مرے مشکیزے کو بھر لائے گا ہے ہے
کیا جانتی تھی یہ پیچ یہ پڑ جائے گا ہے ہے　　ڈوبا ہوا خوں میں یہ علم آئے گا ہے ہے

روکو نہ کوئی واسطے دیتی ہوں خدا کے
اب جا کے میں سر پیٹوں گی لاشے پہ چچا کے

۶۷ اُس شور میں زینبؑ سے کہا شہ نے کہ جاؤ　　اب زیرِ علم زوجۂ عباسؑ کو لاؤ
زینب نے کہا بانوئے بیکس کو بلاؤ　　پہلے جو مناسب ہو تو رنڈسالہ پنہاؤ

تقدیر نے لوٹا اسے آفت کے سفر میں
اک دن تھا کہ یہ بن کے دلہن آئی تھی گھر میں

۶۸ بے آئیں اسے بیبیاں کرتی ہوئی زاری　　چلائی سکینہ کہ چچا جان میں واری
دیکھو تو ذرا خون بھری مشک ہماری　　وہ زیرِ علم خاک پہ گر کر یہ پکاری

مشکیزہ تو دیکھا یہ تنِ پاش کہاں ہے
تبلاؤ کہ وارث کی مرے لاش کہاں ہے

۶۹ یہ سن کے اٹھے خاک سے روتے ہوئے سرور　　مسند پہ لٹایا علم اور ڈال دی چادر
بھاوج سے یہ فرمایا کہ اے بیکس و مضطر　　مجبور تھا دریا سے انھیں لاتا میں کیوں کر

"لاشہ نہ اٹھانا" یہ وصیت تھی اُخی کی
سمجھو کہ یہی لاش ہے عباسِ علیؑ کی

۷۰ پھر کر جو لگی دیکھنے وہ بیکس و ناچار　　معلوم ہوا صاف کہ ہے لاشِ علمدار
دم گھٹنے لگا سینہ میں گھبرایا دلِ زار　　تاریکی سی آنکھوں کے تلے چھا گئی اک بار

طاقت یہ نہ پائی کہ گرے جا کے علم پر
غش ہو گئی، سر رکھ کے سکینہ قدم پر

۷۱ پھر غش سے ذرا ہوش جو اس بی بی کو آیا　　زینب نے اسے دوڑ کے سینے سے لگایا
شبیرؑ نے تب خواہرِ بیکس کو بلایا　　اور کان میں آہستہ یہ رو رو کے سنایا

بیوہ ہے زیادہ اسے تڑپاتی ہو زینبؑ
رنڈسالہ کا جوڑا نہیں پہناتی ہو زینب!

۷۲ زینبؑ نے جو رنڈسالہ کے جوڑے کا سنا نام　　رعشہ یہ ہوا غم سے لگے کانپنے اندام
رنڈسالہ پنہانے لگی جس وقت وہ ناکام　　سادات کے رونے سے ہوا خیمہ میں کہرام

سب کہتے تھے، مٹتا ہے نشاں آج علیؑ کا
فرزند زبردست ہے احمدؐ کے وصی کا

۳۔ تب رو کے یہ کی زوجۂ عبّاس نے تقریر — اے بیبیو ماتم میں تو نہیں بانوئے شبیرؑ
سایہ نہ پڑے اُس پہ مراب کسی تدبیر — جیویں صد و سی سال شہ بے کس و دل گیر
صد شکر کہ شوہر ہوا سرور پہ تصدّق
اولاد مری اکبر و اصغر پہ تصدّق

۴۔ روتی تھی بہت حضرتِ عبّاس کی دختر — فرمایا سکینہ نے بہن میرا مقدّر
آیا ہے یہ غم دونوں کے حصّے میں برابر — تو منہ پہ مرے خاک لگا، میں ترے منہ پر
آفت میں گرفتار ہیں محبوسِ بلا ہیں
عبّاسِ علم دار کے ہم اہلِ عزا ہیں

۵۔ جب خاکِ عزا دونوں نے ماتھے پہ لگائی — اور ہائے علم دار کہا، دھوم مچائی
حضرت کو مگر دیکھ کے واں تاب نہ آئی — آخر چلے میداں کو شہِ کرب و بلائی
طاقت نہ رہی ضبط کی سلطانِ اُمم کو
"اللہ نگہبان" کہا شہ نے حرم کو

۶۔ خاموش دبیرؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار — ہر مصرعِ برجستہ ہے سلکِ دُرِ شہوار
بے مثل ہے یہ مرثیہ بے منّت و تکرار — جز عونِ علم دار یہ تقریر ہے دشوار
روشن ہے یہ سب پر کرم شاہِ زمن سے
کیا گوہرِ مضمون نکلتے ہیں دہن سے

تحقیقِ متن

- دفترِ ماتم جلد اول ص ۷۶ طبع جنوری ۱۹۱۰ء لکھنؤ، مطبع تیغ بہادر
- مرثیہ دبیر جلد اول ص ۷۳۶ طبع دسمبر ۱۸۷۵ء لکھنؤ، مطبع نول کشور
- انتخاب مراثی انیس و دبیر، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور
- شعارِ دبیر، مرثیۂ مہذب صاحب، انجمن محافظ اردو لکھنو، مارچ ۱۹۵۱ء

بند ۱ : مصرع ۴، دفترِ ماتم میں :

خود عرشِ خدا و تہ زمین کانپ رہا ہے

شعارِ دبیر، مصرع ۲۔ رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے — / جگر

۴ سب ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

بند ۲ : دفترِ ماتم و شعارِ دبیر میں نہیں، طبع نول کشور سے اضافہ کیا ہے۔

بند ۳ : مصرع ۴، نول کشور

رنگت پہ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے

بند ۴ : دفترِ ماتم کے مطابق ہے، شعارِ دبیر نسخۂ نول کشور میں بند کے الفاظ یہ ہیں۔

خود فتنۂ و شر پڑھ رہے ہیں فاتحۂ خیر — کہتے ہیں "انا العَبد" لرز کر صنمِ دَیر
جاں غیر ہے، تن غیر، مکیں غیر، مکاں غیر — نے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارے کی ہے سیر
سکتے میں فلک خوف سے مانندِ زمیں ہے
جز بختِ یزید اب کوئی گردش میں نہیں ہے

ڈاکٹر طاہر فاروقی اور شعارِ دبیر مصرع ۴ یوں نقل ہے :

نے چرخ کا دور، نہ سیارے کی ہے سیر

دفترِ ماتم اس بند کی متبادل بیت حاشیے پر یہ لکھی ہے :

پرکارِ فلک خوف سے خود نقطہ بنی ہے — گردش میں فقط طالعِ اعدائے دنی ہے

بند ۵ : نسخۂ نول کشور اور شعارِ دبیر میں نہیں ہے۔

بند ۶ : دفتر ماتم اور شعار دبیر میں نہیں۔ نسخۂ نول کشور سے نقل ہے نیز یہ بند اس نسخے میں مقدم مؤخر ہے۔
بند ۸ تا ۴۶، مرثیہ دبیر طبع نول کشور میں نہیں ہیں، دفتر ماتم سے نقل کیے گئے۔
بند ۹ : شعار دبیر میں نہیں ہے۔
بند ۱۲ کی بیت کے حاشیے پر دفتر ماتم میں متبادل بیت یہ ہے :

کیا امر ہے سب اس شرف و جاہ کو سمجھیں
اس بندے کو سمجھیں، اگر اللہ کو سمجھیں

شعار دبیر : مصرع ۲ انصاف یہ کہتا ہے کہ چپ، ترک ادب ہے

بند ۱۶ : دفتر ماتم سے نقل، ڈاکٹر طاہر فاروقی کے نسخے میں اس بند کے مصرعے یہ ہیں۔

صحرا میں گرا پرتو عارض جو قضارا
سورج کی کرن نے کیا شرما کے کنارا
یوں دھوپ اڑی، آگ میں جس طرح سے پارا
موسیٰؑ کی طرح غش ہوئے سب، کیسا نظارا
جز مدح نہ دم روشنیٔ طور نے مارا
شب خون عجب دھوپ پہ اس نور نے مارا

شعار دبیر مصرع ۴۔ "آگ پہ جس طرح سے پارا"
بند ۱۷ : شعار دبیر مصرع ۴۔ جبریل نے پر کھولے ہیں دامن میں علم کے
بند ۱۹ : شعار دبیر میں نہیں ہے۔
بند ۲۰ : مصرع ۴۔ نسخۂ طاہر فاروقی و شعار دبیر

اس نظم کا جز ہو نہ مُقِر اس کو حسد ہے

دفتر ماتم مصرع ۴۔ "اس کو یہ حسد ہے" اور دفتر ماتم کے حاشیہ پر اس بند کی یہ بیت متبادل کر کے لکھی ہے۔

کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضمون بھی ہمارا نہیں لڑتا ہے کسی سے

لیکن یہ بیت بند ۲۳ میں داخل متن ہے۔
بند ۲۲ : شعار دبیر، مصرع ۶ "گرم تو عطر اس کا نکالوں"
بند ۲۳ : دفتر ماتم کے حاشیہ پر اس بند کی دوسری بیت یہ لکھی ہے :

کیا ہاتھ ہیں، کیا سینہ ہے، کیا چہرہ ہے، کیا سر
اے صلِ علیٰ نور کا مجمع ہے سراسر

بند ۲۶ : مصرع ۶، دفتر ماتم "اس رو میں جمال شہ مرداں نظر آیا"

بند ۳۰ مصرع ۶، دفتر ماتم "رو اس کی طرف پشت کی قبلے کی طرف کو"
بند ۳۴ : دفتر ماتم کی بیت :

ہر بُند نے اک شیشۂ امید نکالا
رخسار نے عطر گلِ خورشید نکالا !

بند ۳۵۔ مصرع ۳، دفتر ماتم "اب مروج دہن کا" تصحیح از شعار دبیر
بند ۳۶، اضافہ از دفتر ماتم۔
بند ۳۷ : مصرع ۴، دفتر ماتم "کل جمع مسیحائی کی طاقت ہے تو یہ ہے"
بند ۳۸، ۳۹، ۴۲۔ دفتر ماتم سے اضافہ۔
بند ۴۱، متن مطابق شعار ماتم ہے، دفتر ماتم میں مصرعوں کی صورت یہ ہے۔

اثنا عشری اب کریں ہاتھوں کا نظارا
دس انگلیاں ہیں شکل علم ان میں صف آرا
ہر پنجے کا ہے پنجتنی کو یہ اشارا
اے مومنو! عشرے میں علم رکھنا ہمارا

بند ۴۳۔ مصرع ۶ تو سن نہ کہو، رنگ اڑاتا ہے ہوا کا
نسخۂ نول کشور میں یہ ساتواں بند ہے۔ اور بیت ہے :

طاؤس ہے، سیماب ہے، عنقا ہے، ہوا ہے
آہو ہے، فرشتہ ہے، پری ہے کہ ہما ہے

متن مطابق پشاور

بند ۴۴ مصرع ۲، دفتر ماتم۔ بندش میں ہیں سب، نعل رباعی و ہلالی
مصرع ۳ دفتر ماتم۔ روشن ہے کہ جوزا نے عناں منہ میں ہے ڈالی
بند ۴۶ مصرع ۲ و ۴ دفتر ماتم میں مقدم مؤخر ہے۔
بند ۴۹ : نسخۂ نول کشور میں گریز کا بند ۹ ہے اور اس کے مصرعے یہ ہیں :

ناگاہ ہوا غل کہ علمدار وہ آیا
لختِ جگرِ حیدرِ کرار وہ آیا!!
قہر و غضب حضرت جبار وہ آیا
فرزند پیمبر کا مددگار وہ آیا!!
اب جانوں کے بچنے کا کوئی طور نہیں ہے
عباس ہے عباس، کوئی اور نہیں ہے

بند ۵۰ : نسخۂ نول کشور میں یہ دسواں بند ہے اور اس کا پانچواں مصرع ہے :

حاضر یہ جلو فوج تھی ڈنکا تھا نشاں تھا

بند ۵۱، نسخۂ نول کشور میں گیارہواں بند ہے۔ اور مصرع نمبر ا یوں ہے:

تقدیر جو اس کو شبِ ہفتم یہاں لائی

مصرع ۳۔ سادات سے درپیش ہمیں بھی ہے لڑائی

۴۔ واں پنجتنِ پاک یہاں ساری خدائی

۵۔ ہم کو تو نہ اکبر کا نہ شبیر کا ڈر ہے

بند ۵۲، نسخۂ نول کشور بند ۱۲ سے مندرجۂ ذیل اختلاف ہیں:

مصرع ۳۔ وہ بولا کہ پھر بچنے کی کیونکر ہے تجھے آس

۴۔ یہ بولا کہ دو روز سے عباس کو ہے پیاس

۵۔ ہم بھی ہیں سپاہی نہیں ڈرتے ہیں کسی سے

۶۔ پر روح لرزتی ہے تو عباس علی سے

بند ۵۳: نسخۂ نول کشور بند ۱۱ سے ۵ مصرعوں میں تبدیلی ہوئی ہے۔

مصرع ۱۔ یہ ذکر تھا وہ شیر جو میدان میں آیا!

۳۔ اندیشہ تھا جس شیر کا لے دیکھ وہ آیا!

۴۔ اس گبر نے سر فوج کی جانب سے بڑھایا

۵۔ دیکھا تو لرز کر کہا اس اہلِ جفا سے

۶۔ بندے سے لڑاتا ہے وہا شیرِ خدا سے

بند ۵۴، ۵۵ نول کشور ندارد۔

بند ۵۶، نسخۂ نول کشور بند ۱۲

مصرع ۱۔ پھر اسلحہ بجنے لگا وہ گبر ستمگار

۲۔ اور پیکِ اجل آیا کہ ہے قبر بھی تیار

۵ غصے کی حرارت تھی عجب طبع لعیں میں

جو بیٹھتے ہی آگ لگی خانۂ زیں میں!

شعار دبیر: مصرع ۵ "وہ رخش پہ یا دیو دنی تختِ زری پر

دفتر ماتم و نسخۂ نول کشور مصرع ۵:

وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر

بند ۵۷، نسخۂ نول کشور میں اس بند کے مصرع یہ ہیں:

مصرع ۱۔ اس طنطنہ سے رن پہ وہ نخوت ریسَر آیا

۲۔ جو سایے کو بھی ساتھ سے اس کے حذر آیا

۳۔ گرد اپنے لیے نیزوں پہ کشتوں کے سر آیا

۴۔ جو دیکھ سب فوج کا منہ کو جگر آیا!

۵۔ زندہ بھی پئے سیر نہ کچھ رن میں کھڑے تھے

بند ۵۸: نسخۂ نول کشور

مصرع ۱۔ نیزے کو ہلاتا کبھی ترچھا کبھی آڑا

۴۔ بولا مری ہمت نے جگر شیروں کا پھاڑا

بند ۵۹، ۶۰: بلا اختلاف نسخۂ نول کشور

بند ۶۰، شعار دبیر میں نہیں ہے۔

بند ۶۱، کا تیسرا مصرع نول کشور میں بدلا ہوا ہے:

گر منہ سے کہا کچھ تو زباں صاف قلم کی

بند ۶۲ تا ۶۵، نول کشوری نسخے سے اضافہ کیے ہیں۔

بند ۶۲ شعار دبیر کے مطابق ہے، نسخۂ نول کشور میں بند یوں چھپا ہے:

توبہ تو خدا جانتا ہے شمس و قمر کو ہے شب میں زوال ایک کو اور اک کو سحر کو

ہم چاہیں تو سرسبز کریں خشک شجر کو معلوم مری قدر ہے ہر جن و بشر کو

جب قبلے کو ہم نے رخِ امید پھرایا

مشرق کی طرف شام کو خورشید پھرایا

دفتر ماتم میں بند ۶۳، ۶۴، ۶۶ نہیں ہے۔

شعار دبیر میں بند نمبر ۶۵ کی بیت ہے:

دھوکا نہ ہو یہ سب شرفِ شیر خدا ہیں پھر وہ نہ جدا ہم سے نہ ہم ان سے جدا ہیں

بند ۶۶ تا ۶۹، نسخۂ پشاور و شعار دبیر سے اضافہ ہیں۔ لیکن شعار دبیر کا چوتھا بند مطابق متن ہے اور نسخۂ پشاور میں ہے۔ جبریل کو صارم ہے تو یہ ہے

بند ۷۳، نسخۂ نول کشور میں اس کے مصرعے یوں ہیں:

مصرع ۱۔ اُس غازی کو غازی کے رجز پر حسد آیا

۵ نفرین پیمبر نے کی تحسین عُمر نے

بند ۷۶، نسخۂ نول کشور میں ہے :

غل تھا کہ دلِ آلِ عبا توڑے گا مرحب — بندِ جگرِ شیرِ خدا توڑے گا مرحب
اور بازوے شاہِ شہدا توڑے گا مرحب — گوہر کو بتہِ سنگِ جفا توڑے گا مرحب
یہ خار وہ گل ہے یہ خزاں ہے وہ چمن ہے
وہ چاند یہ عقرب ہے وہ سورج یہ گہن ہے

متن دفترِ ماتم و نسخۂ پشاور کے مطابق ہے :

یاں بڑھ کے لعینوں نے شہِ دیں کو پکارا — لو ٹوٹتا ہے دستِ زبردست تمہارا
اب دیکھنا، مرحب نے اسے جان سے مارا — اس نے ہے ہزاروں ہی کا سر تن سے اتارا
آفت کا ہوا سامنا، عبّاسِ علی سے
اب تک نہیں رخ پھیرا ہے مرحب نے کسی سے

بند ۷۶۔ شعارِ دبیر میں۔ بیت کی ردیف ہے "ڈر ہے"۔ اور نول کشوری نسخے میں "غم ہے"

بند ۷۷، ۷۸: نول کشوری نسخے میں بدلے ہوئے ہیں۔

شہ نے کہا کیا روحِ علیؑ آئی نہ ہو گی! — کیا روحِ حسنؑ قبر میں چلّائی نہ ہو گی؟
جنت میں خبر فاطمہ نے پائی نہ ہو گی! — کیا روحِ نبیؐ خُلد میں گھبرائی نہ ہو گی؟
اعدا پہ عیاں زورِ خدا کرتے ہیں عباسؑ
سن لینا ابھی جنگ میں کیا کرتے ہیں عباسؑ

یہ کہہ کے گئے خیمہ میں پھر سبطِ پیمبر — بہنوں سے کہا مانگو دعا ہاتھ اٹھا کر
مرحب مرے عباس کے آیا ہے برابر — سب اہلِ حرم نے کہا، اے خالقِ اکبر!
یہ غم نہ دکھانا تو شہنشاہِ امم کو
مرحب پہ ظفر دیجیو سقائے حرم کو

بند ۷۷ تا ۸۰: شعارِ دبیر و دفترِ ماتم میں ہیں۔ نسخۂ نول کشور و پشاور میں نہیں ہیں۔

بند ۸۱: شعارِ دبیر مصرع ۵۔ "ملنے مری تربت کے گلے آئیں گے عباس"

متن مطابق دفترِ ماتم ہے۔

بند ۸۲: نسخۂ نول کشور میں ان مصرعوں کے اختلاف یہ ہیں :

۳۔ آڑی ہوئی تلوار تو ناری ہوا ناچار
۴۔ بیکار ہوا اس کا ہر اک بازوے پیکار
۵۔ تب تیغ کو جھنجھلا کے رخِ پاک پہ کھینچا

شعارِ دبیر مصرع ۲۔ "پر ایک بھی اس پنجتنی پر نہ چلا وار"

بند ۸۳ سے پہلے نسخۂ نول کشور میں تین بند ہیں جنہیں مرزا صاحب نے دفترِ ماتم والے مرثیے سے مختلف انداز میں لکھا ہے۔ یعنی متن کے بند ۸۲ کے بعد

اس تیغ نے سرکش کے جو ترکش میں کیا گھر — غل تھا کہ گرا برجِ کبوتر میں وہ اژدر
پر تیروں کے کٹ کٹ کے گرے مثلِ کبوتر — ظالم ہوا مضطر صفتِ طائرِ بے پر
ناری نے نہ پھر نیزہ و تلوار سنبھالی
اک ہاتھ سے سر ایک سے دستار سنبھالی

اک وار میں اس دستِ ستم گار کو کاٹا — خود و زرہ و بکترِ خونخوار کو کاٹا!
پرزے کیے اسوار کے رہوار کو کاٹا — اک شور ہوا نور نے کیا نار کو کاٹا!
خرمن پہ جفا کار کے کیا آگئی بجلی
یہ کوندی کہ بے پیر کو لیس کھا گئی بجلی

(دیکھیے متن کا بند ۹۰) اس کے بعد ہے ۸۵ اس کے بعد بند ۸۳ اور بند نمبر ۸۳ کی بیت کا دوسرا مصرعہ یوں ہے: "یاں خوف سے قالب کو کیا میان نے خالی"

نول کشور کے پہلے ایڈیشن میں مذکورہ بالا بند میں پہلا مصرعہ تھا:

" اوس تیغِ سرکش کے ....."

طبع دوم میں ہے: " اس تیغ نے سرکش کے ....."

شعارِ دبیر میں بند ۹۰ کا مصرع ۲ :

"غل تھا کہ نیستاں میں گری برق چمک کر"

بند ۸۵، نسخۂ نول کشور میں یوں ہے :

۳۔ سیارے ہٹے کرکے نظر تیغ کے پھل پر — ۴۔ مریخ گرا شمس پہ اور شمس زحل پر
۵۔ چہرہ نہ کیا سامنے سورج کی چمک نے — ۶۔ خود دانتوں سے تاروں کی کرن پکڑی فلک نے

بند۸۶ : شعارِ دبیر، مصرع ۴ :

ممکن ہے کہ اک ضرب میں دو ہو تو سراسر

بند۹۱ : نسخۂ نول کشور میں یہ بند نمبر ۳۰ ہے اور اختلافات یہ ہیں :

۱۔ تلوار جو اُٹھی ہوئی حضرت کی سپر سے　　۲۔ خنجر ترا دھر سے چلا تلوار ادھر سے

۴۔ اس وقت ہوا آ نہ سکی پیچ میں ڈر سے　　۵۔ اسوار کے سر پر جو پڑی ہانپ کے بیٹھا

۶۔ ہفترا کے یہ اٹھے تو فرس کانپ کے بیٹھا

بند۹۳ ، نسخۂ نول کشور میں ہے، شعارِ دبیر اور دفترِ ماتم میں نہیں ہے۔

بند۹۴ : نسخۂ نول کشور میں اس بند کا نمبر ۳۷ ہے اور متن کے بند سے کچھ مصرعے مختلف ہیں :

۲۔ حوروں سے نبی بولے یہ ہے فخر تمہارا　　۳۔ قدرت نے صدا دی کہ یہ ہے زور ہمارا

بند۹۵ ، نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے اور شعارِ دبیر میں بند ۹۶ تا ۱۰۴ نہیں ہے۔

بند ۹۶ : ۹۷، ۹۸ دفترِ ماتم میں نہیں ہے، نسخۂ نول کشور سے نقل کیا۔

بند ۹۹ : نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے۔ نسخۂ پشاور میں مصرع نمبر ۲ ہے۔

سرمُردوں کے نیزوں پہ جو تھے واہ پکارے

بند ۱۰۰ تا ۱۰۵ ، نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے ہم دفترِ ماتم سے نقل کر رہے ہیں، بند ۱۰۵ نسخۂ پشاور میں ہے

"دریا پہ" کے بجائے "دریا کو" چھپا ہے۔

بند ۱۰۶، نسخۂ نول کشور سے نقل ہے، دفترِ ماتم میں یہ بند موجود نہیں ہے۔

بند ۱۰۷ تا ۱۱۳، نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے۔ شعارِ ماتم میں بند ۱۰۶ نہیں ہے۔ اور بند ۱۰۷ یوں ہے :

پانی ہوئی ہر موجِ زرہ فوج کے تن میں　　ملبوس میں زندے تھے کہ مُردے تھے کفن میں

خنجر کی زبانوں کو قلم کر کے دہن میں　　اک تیغ سے تلواروں کو عاری کیا رن میں

حیدر کا اسد قلزمِ لشکر میں در آیا!

امڈے ہوئے بادل کی طرح نہر پہ آیا

اور بند ۱۰۹ کی بیت شعارِ دبیر میں ہے :

لب خشک ہیں بچوں کی زباں پیاس کشش ہے　　دریا ہی سے تم پوچھ لو، کس پیاسے کا حق ہے

بند ۱۱۰۔ شعارِ دبیر : مصرع ۲، ۳، ۴ :

پھر لیٹے دو مجھ کو نہ کرو حجت و تکرار　　چلائے ستمگر، ہے گذر نہر پہ دشوار

غازی نے کہا : ہاں یہ ارادہ ہے تو ہشیار

بند۱۱۲ : شعارِ دبیر میں نہیں ہے۔

بند۱۱۳، نسخۂ پشاور مطابق متن، دفتر میں ہے :

۱۔ دریا میں ہوا غل کہ وہ درِ نجف آیا

۴۔ پابوس کو ہر گوہرِ بطنِ صدف آیا

بند۱۱۴ ، نسخۂ نول کشور میں چوتھا مصرع یوں ہے :

اور چوم لیا حیدرِ کرار نے شانا

بند۱۱۵ ، نسخۂ نول کشور میں ہے :

دریا سے جو نکلا وہ ید اللہ کا جانی　　غل پڑ گیا وہ ابرِ کرم لے چلا پانی

سقائے سکینہ کی نہ کی مرتبہ دانی　　لیکن آن کے سب ٹوٹ پڑے ظلم کے بانی

اور دفترِ ماتم کے مصرعے ہیں :

دریا سے جو نکلا اسد اللہ کا جانی　　تھا شور کہ وہ ابرِ کرم لے چلا پانی

پھر ٹوٹ پڑے ایک پہ اک ظلم کے بانی　　سادات کے سقے کی یہ کی مرتبہ دانی

متن نسخۂ پشاور کے مطابق ہے۔

نسخۂ نول کشور میں مرثیہ کو یہاں سے مختصر کر کے شہادت، بین اور تخلص کے ساتھ ۳۲ بندوں پر ختم کر دیا ہے۔ یہ بند صفحہ پر ملاحظہ ہوں۔

بند۱۱۹ : نسخۂ پشاور و شعارِ دبیر میں دوسرا مصرع ہے۔

مانند زباں منہ میں لیا تسمہ سراسر

بند ۱۲۰ ، دفترِ ماتم مصرع ۶۔ چادر بھی تری چھن گئی اور کھل گیا سر بھی

شعارِ دبیر مصرع ۴، ۳ ہے اور مصرع ۵ ہے :

"عباس کے غم میں ہوئے ہم گور کنارے"

بند ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، نسخۂ پشاور میں نہیں ہیں۔

بند ۱۲۴۔ مصرع ۴ نسخۂ پشاور :

اک ہاتھ تو مقتل میں رہا اک لبِ دریا

بند ۱۲۵ نسخۂ پشاور میں نہیں ہے۔

بند ۱۲۶ ، دفترِ ماتم مصرع ۴ : "وامهجة قلبا" متن مطابق نسخۂ پشاور

بند ۱۲۷ : نسخۂ پشاور اس بند پر ختم ہے اس کے بعد تخلص ہے تخلص کا بند دفترِ ماتم سے مختلف ہے، ہم نے یہ بند نمبر ۱۴۹ پر نقل کیا ہے۔

شعارِ دبیر، مصرع ۲ :

"تعظیم کی نیت میں کٹے شانوں کو ٹیکا"

نسخۂ پشاور میں کل بند ۹۶ ہیں۔

بند ۱۳۲، متن مطابق شعارِ دبیر، دفترِ ماتم، مصرع ۵ :

بیروں کی یتیموں کی پرستار ہو زینبؑ

بند ۱۳۵، مصرع ۳، ۴ :

فضہ سے کہا: سوگ کا کرتی ہوں سرانجام   ٹھنڈا ہوا ہے ہے۔ علمِ لشکرِ اسلام

بند ۱۳۶ : نسخۂ نول کشور

اور بیوۂ عباس کو سر ننگے بٹھایا

سرکا کے سیہ پوشوں کو واں سے یہ سنایا   سیدانیو! اس گھر پہ بڑا حادثہ آیا

ناسور پڑے حیدر و زہراؑ کے جگر میں

بند ۱۳۸ : شعارِ دبیر مطابق متن۔ نسخۂ نول کشور، مصرع ۳

فضہ نے کہا زینبِ مضطر سے، میں واری

شعارِ دبیر مصرع ۵ :

"منہ زیرِ علم ڈھانپے علم دار کی بی بی

بند ۱۳۹۔ متن شعارِ دبیر کے مطابق ہے، نسخۂ نول کشور میں مصرع ۴ تا ۶ یوں ہے:

ہے ہے مرادپور، مرادپور، مرادپور

اے بھائی علم دار کدھر تو گیا گھر سے

سردار تڑپتا ہے ترا در کمر سے

بند ۱۴۰، متن مطابق شعارِ دبیر، لیکن نسخۂ نول کشور:

لوگو! نہ سمجھتی تھی میں اس شیر کو دیور   میں اس کو پسر کہتی تھی اور یہ مجھے مادر

فریاد، موا خادمِ گہوارۂ اصغر

بند ۱۴۱ ، شعارِ دبیر میں نہیں ہے۔

بند ۱۴۳ : نسخۂ نول کشور، بیت کی ردیف "عباس" ہے۔

کیا گر گئے عباس ——— مر گئے عباس

متن مطابق شعارِ دبیر ہے۔

بند ۱۴۶ ، شعارِ ماتم، مصرع ۴ :

زینب نے کہا: اماں وطن میں ہے وہ دکھیا

بند ۱۴۸ ، اس بند پر دفترِ ماتم کا مرثیہ ختم ہوگیا، وہاں کل بند ۱۴۳ ہیں اور تخلص نہیں ہے۔ شعارِ دبیر میں ۱۲۳ بند ہیں۔

فرہنگ

۱۔ طبل: نقارہ۔ دُھل: ڈھول۔ بُوق: بگل تینوں ساز جنگ کے وقت استعمال ہوتے ہیں۔

۲۔ مِرّیخ: ایک بڑے ستارے کا نام جسے ہندی میں منگل تارا کہتے ہیں۔ نجومیوں کے خیال میں یہ ستارہ جنگ و خوں ریزی کی علامت ہے۔ اسی بنا پر "جلّادِ فلک" کہلاتا ہے۔ زُحَل: سینچر تارا۔ نحوست و ہلاکت کا نشان

۳۔ نہ قلعۂ افلاک: سات آسمان، آٹھویں عرش، نویں کرسی۔ نو بالائی کرے۔

۴۔ جَوزا: متّھن راس، فلکی حساب سے تیسرا برج جو دو جڑواں بچوں کی صورت کا ہے دونوں کی کمر چونکہ جڑی ہوتی ہے اس لیے فلک کو ان کا کمر بند یا پٹکا کہا ہے۔

۵۔ عُطارِد: بدھ تارا، علم و ادب سے منسوب ستارا، منشیِ فلک۔

۶۔ فاتحۂ خیر پڑھنا: مردہ سمجھنا۔ زندگی سے ہاتھ اٹھانا۔

۷۔ اَنَا العَبْد: میں بندہ ہوں۔ غلام ہوں۔

بند کا مطلب: حضرت عباسؑ کی آمد سے فتنہ و شر کو زندگی سے مایوس ہو گئی، دَیر کے صنم، مندروں کے بت اپنی خدائی سے ہاتھ دھو کر آپ کی بندگی کا دم بھرنے لگے، جسم و جاں، مکین و مکاں کے رشتے ٹوٹ گئے، سیاروں نے گردش چھوڑ دی زمیں و آسمان ٹھٹکے اور حیرت میں گردش بھول گئے، صرف یزید کا ستارہ نحوست ضرور چکر میں ہے۔

۸۔ سَمَند: گھوڑا۔ شعرا گھوڑے کی تشبیہ بجلی سے دیا کرتے ہیں، یعنی برق مشبّہ بہ ہوتی ہے اور مشبّہ بہ کو مشبّہ سے وجہِ شبہ میں بہتر ہونا چاہیے، مرزا صاحب یہ نہیں چاہتے کہ ان کے ممدوح کا گھوڑا برق سے کم تر ہو، لہٰذا وہ مشبّہ میں ایک خوبی اور اس کے مقابلے میں مشبّہ بہ کے اندر عیب بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سمند اور برق میں تشبیہ کیسی، گھوڑا با ہوش و تمیز اور بجلی بے ہوش و حواس۔

۹۔ طالِع: وہ برج یا درجہ جو نجومیوں کے حساب سے کسی کی ولادت یا کسی واقعہ کے وقت افق مشرق سے نمودار ہوتا ہے" طالع بیدار" اقبال مندی۔ خوش نصیبی۔

۱۰۔ کَونَین: دو جہان۔ دنیا و آخرت۔

۱۱۔ بہرام: مریخ تارہ، جلّادِ فلک۔ نیز ایک مشہور ایرانی بہادر جرنیل "منکا ڈھلنا" موت کے آثار پیدا ہونا۔ گردن کا لٹک جانا، مڑ جانا۔ تہمتن: رستم۔ (تفصیل آگے آتی ہے)

۱۲۔ جنگگاہ: میدان جنگ ۱۳ "قدم رنجہ کرنا" آنا، تشریف لانا۔

۱۴۔ مہ، ماہ: چاند۔ خُور: خورشید، سورج۔ زر: سونا۔

نُقرہ: چاندی۔ استعارہ۔

۱۵۔ پیر فلک (بے اضافت) بوڑھاپے وفا آسمان۔ پشت دوتا: جھکی کمر والا، کبڑا۔

مطلب: علمدار کی آمد کے وقت چاند کی روپہلی اور سورج کی سنہری کرنیں عطا تھیں، چاند اور سورج عصا برادروں کی طرح راہ سے بوڑھے اور جھکی کمر آسماں کو ہٹا رہے تھے۔

۱۶۔ اَلنَّشر: پھیلنا، پھیلانا۔ حشر و نشر، قیامت کے روز مُردوں کا قبروں سے نکلنا۔ مرزا دبیر نے "حَشَر" کو عربی لغت اردو محاورۂ عوام میں "حَشَر" پھر اس کی دوسری صورت "اَلحَشَر" لکھ کر دونوں استعمال سے باخبر ہونا واضح کر دیا ہے۔

۱۷۔ اَلصُّور: وہ آلہ جس کی صدا سے پہلے سب جاندار مر جائیں گے اور جب وہ دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا تو مردہ مخلوق جی اٹھے گی۔

۱۸۔ اَلہَجر: جدائی

۱۹۔ اَلوَصل: ملاپ۔ سَقَر: جہنّم۔

۲۰۔ روکش: مقابل، حریف۔ بَہمَن: اسفندیار کا ایک بہادر کیانی بادشاہ۔ تہمتن: تنومند، قوی ہیکل، رستم کا لقب۔

۲۱۔ سہراب: رستم کا فرزند۔ نریمان: رستم کا دادا۔ بہمن، تہمتن رستم، سہراب۔ نریمان، پشن، قارن، بیژن، پہلوانوں کے نام اور شاہ نامہ کے ہیرو۔

۲۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک بہت بڑا سرکش و دولت مند شخص قارون جو حضرت موسیٰؑ کی بددعا سے اپنی دولت اور خزانوں سمیت زمیں میں دھنس گیا۔

۲۳۔ چہِ بیژن: منیژہ کے عاشق بیژن کو ایک داستان کے مطابق کنویں میں قید کیا گیا تھا۔

۲۴۔ قتّال: بہت بڑا قاتل۔ قتّالِ عرب: حضرت علیؑ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۵۔ خَود: فولاد کی ٹوپی۔ زِرَہ: فولادی کڑیوں کا کرتہ جو تیر تلوار کی ضرب سے بچنے کے لیے پہنا جاتا تھا۔ جَوہر: فولاد کے وہ شفاف رنگ جن سے لوہے کی عمدگی معلوم کی جاتی ہے۔ فولاد کی چمک۔

بَرْ : جسم ۔ سپر میں روغن : گینڈے کی کھال سے بنی ہوئی ڈھال پر چڑھا ہوا روغن جس کی وجہ سے تلوار پھسل جاتی تھی ۔

۲۶۔ عمر ابن سعد : کربلا میں یزید کی طرف سے معین شدہ جرنیل ۔

۲۷۔ پرتو : چمک ، چھوٹ ۔ عارض : رخسار ۔

۲۸۔ وَغا : جنگ ۔ اس بند میں یوسفؑ وکنعان (وطن حضرت یوسف) سلیمانؑ وسبا (جس کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمان سے مفتوح ہوئی) اس کے علاوہ بھی ہر نبی وامام کے خاص صفات وواقعات کی تلمیحات یکجا کر دی گئی ہیں ۔

۲۹۔ ید اللہ : حضرت علی علیہ السلام کا لقب ۔ دستِ خدا ۔ جعفرؓ : حضرت علی علیہ السلام کے بھائی حضرت ابو طالبؓ کے بیٹے ، جو حبشہ ومدینہ کے مہاجر تھے ، جنگِ موتہ میں علم دار سپاہ اسلام تھے اسی جنگ میں آپ کے دونوں شانے قلم ہوئے جس کے بعد آپ شہید ہوئے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ذوالجناحین" لقب دیا ۔ اس بند میں ہاشم (جدِ پیغمبرؐ وعلیؑ) کا اقبال ، آنحضرتؐ کی انکساری وتواضع ، حضرت علیؑ کا زورِ دست ، جعفرؓ کا زورِ بازو ، حضرت کا مزاج اور رعب وداب میں حضرت حمزہؓ سے حضرت عباس کی تشبیہ دی ہے ۔

۳۰۔ خو : مزاج عادت ۔ طنطنہ : شان ، دبدبہ ۔ ٹھاٹ ۔

۳۱۔ روح مقدس ہے : یعنی جس طرح روح کی حقیقت نہیں معلوم ہاں آثار سے اس کا وجود ثابت ہے اور عقل جو غیر مادی ہے نظر نہیں آتی مگر انسان کا حسن اسی پر قائم ہے اسی طرح حضرت عباسؑ کا جلوہ نظر آتا ہے حقیقت نوریہ کا علم کسی کو نہیں ۔

۳۲۔ یہاں سے علم کی تعریف شروع ہوتی ہے ۔ شاہِ اُمم : امتوں کے حاکمِ اعلیٰ ، حضرت امام حسین علیہ السلام مراد ہیں ۔ اِرَم : جنت ۔ صاعقہ : آسمانی بجلی اور کڑک ۔ چم وخم : تلوار اور عام حسین چیز کی چمک دمک ۔

۳۴۔ دفتر ماتم "پردے میں علم کے" "ڈاکٹر طاہر" دامن میں علم کے"

۳۵۔ قرنا : ایک قسم کا بگل (بڑی ترئی جیسا ساز) جلاجل ، مفرد جلجل ، جھانجھ ، پیتل کے دو ساز جو دونوں ہاتھوں سے بجائے جاتے ہیں ۔ بوق : بگل کی قسم کا ساز ۔ کوس : بڑا نقارہ ۔ دف : بڑی ڈفلی ، دائرہ جس کے ایک رخ پر کھال منڈھی ہوتی ہے ۔

ـ قرنا ، بوق ، جلاجل ، دُہل ، کوس ، نقارہ ، دف ۔ بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر سلامی کے لیے بجتے تھے

اور "نوبت" کہلاتے تھے ۔

۳۶۔ نوبت : باری ۔ وُرود : اترنا ۔ آنا ۔ خلفِ شاہِ نجف : حضرت علیؑ کے بیٹے حضرت عباسؑ ۔

۳۷ آمد : مرثیے کا وہ حصہ جس میں کسی دلیر کا میدان میں آنا اور اس کی شان نظم ہو ۔ تہوّر : شجاعت بعض نسخوں میں "حور" غلط چھپا ہے ۔

۳۸۔ مدّاح : تعریف کرنے والا ۔ کد ہونا : مراد کوشش میں مصروف ہونا ۔ مُقِر : اقرار کرنے والا ۔ معترف ۔ حد ہے : چیلنج ہے ۔

۳۹۔ بیشہ : خودرو گنجان جھاڑی ۔ جنگل ۔ باغی ، بیشہ ، گل گشت ، پھل ، مغز ، رگ وریشہ میں لفظی رعایتیں ہیں ، پھر رگ ، نبض ، ہاتھ ، تشخیص ۔ چاروں الفاظ باہم متناسب ہیں ۔ مغز کے معنی ہیں گودا ۔ تشخیص : اصل مرض پہچاننا ، مرض معین کرنا ۔

۴۰۔ کاہ : گھاس کا تنکا ۔ کوہ کنی : پہاڑ کھودنا ۔ محنت کرنا "کوہ کندن کاہ بر آوردن" پہاڑ کھودنا اور تنکا نکالنا ، بے فائدہ محنت کرنا ۔

۴۱۔ آہن : لوہا ۔ آئینہ = آئینہ ، صاف وجلا دار فولاد کا ٹکڑا ۔

۴۲۔ خلعت : شاہی لباس ۔ تحسین : تعریف کرنا ۔ سراپا : از اول تا آخر ۔ کسی کے جسم کی تعریف ۔ مکمل ۔ کامل ۔ ہو بہو ۔

۴۳۔ داور : اللہ ۔ لاریب : بے شبہ ۔

۴۴۔ چشمۂ حیواں : آبِ حیات کا چشمہ ۔

۴۵۔ برص : خون کی خرابی سے جلد پر سفید داغ پڑنا ۔ یا جلد کا سفید ہو جانا ۔ یرقان : ایک بیماری جس سے جسم کا رنگ زرد اور آنکھوں میں پیلاہٹ آجاتی ہے ۔ درماں : علاج ۔

۴۶۔ مشہور ہے کہ آئینہ سب سے پہلے سکندر بادشاہ یونان نے بنوایا تھا ، فولاد کے ٹکڑے پر خاکستر یا کیمیاوی پاؤڈر سے پالش کی جاتی تھی ، اور وہ ٹکڑا صاف وآبدار ہو جاتا تھا اسے آہینہ کہتے تھے یہی آہینہ ، آئینہ بن گیا اور لوگوں نے فولاد کے بجائے شیشے سے صورت دیکھنے کا کام لینا شروع کر دیا ۔ صیقل : جلاکاری ۔ شیرِ مرداں : لقب حضرت علی علیہ السلام ۔

۴۷۔ جبیں : پیشانی ۔ ابرو : بھوں ۔ مچھلیاں : بازوؤں کا ابھرا ہوا گوشت ۔ مردم : آنکھ کی پتلیاں ۔

۴۸۔ بینی : ناک ۔

۴۹۔ تحقیق : کسی عبارت کا وہ مطلب جو ہر شخص کے لیے واضح ہو ۔ تاویل : عبارت سے خاص معنی سمجھنا ،

سمجھانا۔معنی نکالنا۔تمثیل : مثال دینا۔میلِ : سرمہ کی سلائی۔لوہے کی سلاخ، ناوک : تیر۔خشم : غصہ۔

۵۰۔ عین : ہوبہو۔بالکل۔آنکھ۔

۵۱۔ عرق : پسینہ۔نیز پھولوں سے کشید کرکے نکالا ہوا پانی۔گلاب : عرقِ گل۔احمر : سرخ

گل خورشید : سورج مکھی۔

۵۲۔ تسبیح کناں : تسبیح کرتے، سبحان اللہ پڑھنے والے۔ دہن : منہ۔برج : آسمان کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ہر حصے کو ایک برج اور ہر برج کا ایک نام ہے ان میں بارہواں برج حوت ہے۔ماہی اور حوت کے معنی ہیں مچھلی۔

مطلب : ممدوح کے منہ میں زبان ہر وقت تسبیح کرتی رہتی ہے، منہ میں زبان یوں ہے جیسے غنچے (کلی) کے اندر گلاب کی پتی، مگر کلی اور اس کی پتی کی تشبیہ مکمل نہ سمجھیے گا میرے ممدوح کا دہن نورانی اور زبان حمد سرا۔ اور غنچہ و برگِ گل میں نور نہیں ہوتا، یہاں منہ کیا ہے برج خورشید ہے اور اس میں زبان جیسے مچھلی۔ (دستور کے مطابق سورج برجِ حوت میں داخل ہوتا ہے مگر مرزا صاحب نے بڑے حسین پیرایے میں خورشید کو برج اور ماہی کو متحرک بنا کر اس میں جانے والا بنایا ہے) دہن وزبان کے بعد لبوں کی تعریف میں یہی کافی ہے کہ جیسے ہی ان لبوں کی تعریف میں میرے لب ہلے اور آبِ گوہر میرے لبوں سے آلگا۔ منہ، زبان، غنچہ، برگ گل، نور، خورشید، گہر، ماہی، برج، خورشید، نور سب لفظی ومعنوی رعایتوں کا حسن رکھتے ہیں۔

۵۳۔ ردیف : وہ لفظ و کلمہ جو شعر کے آخر اور قافیہ کے بعد آئے اور پوری غزل یا مسلسل اشعار میں نہ بدلے، قافیہ : وہ کلمہ جو اپنے ہم وزن کلمہ سے بدلتا اور ردیف سے پہلے آتا ہے۔

قافیہ تنگ ہونا" گفتگو میں عاجز آنا"۔ آہنگ" ارادہ"۔حذر" احتیاط۔بچنا۔ننگ : رسوائی۔

اہلِ سخن : شاعر۔

۵۴۔ شیریں رقم : خوش خط۔خوش نویس۔رقم : تحریر۔خط۔ساخت۔عدد۔قسم۔جواہرات میں عدد کے لیے۔ یاقوت : مستعصم باللہ عباسی کے عہد کا مشہور کاتب وخوش نویس۔ایک سرخ رنگ قیمتی پتھر۔مجازاً لب۔انسب : زیادہ مناسب۔رطب : کھجور۔

مطلب : لبِ ممدوح کو یاقوت یا نیشکر کہنا، تشبیہ کا کوئی حسن نہیں ہے، کیوں کہ حضرت علیؑ نے کبھی یاقوت کو نہیں چوسا، ہاں، ان لبوں کے لوسے لیے ہیں۔ البتہ اس کو رطب کہنے میں ایک حسن ہے، وہی رنگ، وہی نزاکت اور اس سے بڑھ کر شیرینی۔

۵۵۔ فصحا : (مفرد، فصیح) ادیب، شیریں کلام لوگ۔فصاحت : وہ خوبصورت کلام جس میں علم قواعد کی رو سے کوئی غلطی نہ ہو، نامانوس، ثقیل اور مشکل الفاظ نہ ہوں۔بلاغت : وہ کلام جس میں فصاحت کی صفت کے ساتھ برمحل ہونا پیش نظر ہو۔

۵۶۔ فدیہ : قربانی۔جاں نثار۔شیر : دودھ۔

۵۷۔ نصیری : حضرت علیؑ کو خدا ماننے والا، ایک شخص نے حضرت علیؑ کو خدا کہا، امام نے اسے سزا کے طور پر جلا دیا۔ آیات = آیہ۔آیت۔ روح القدس : جبریل یا ایک خاص فرشتہ۔ہم دم : ساتھی۔

۵۸۔ عباس کے اور نجف کے مجموعی عدد ایک سو سینتیس ہیں حساب جمل سے۔ معدن : کان۔ دُرِ نجف : صحرائے نجف میں ملنے والا ایک پتھر جسے انگوٹھی میں نگینہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔دُر : موتی۔

۵۹۔ موئے کمر : کمر کی لکیر، باریک کمر۔ حاشا : انکار میں تاکید، ہرگز نہیں۔

۶۰۔ کاوا : گھوڑے کا دائرے میں چکر لگانا۔گھوڑے کا وہ چکر جس سے زمیں پر دائرہ بن جائے۔ میرانیس کہتے ہیں :

وہ ان کے اشہبوں کی رو وارو ادھر اُدھر   کاوے میں پس کے مرگئے سو سو، ادھر اُدھر

چُلبل : تیزی۔شوخی۔ چھلاوا : ایک ہوائی مخلوق جو کہیں قرار نہیں لیتی اور دم بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ میر نفیس نے کہا ہے :

ممکن نہ ہوا کا گذر اس تک نہ ہوس کا

غل تھا، یہ چھلاوا ہے کہ سایہ فرس کا

فرس : گھوڑا۔رخش : نفیس عمدہ گھوڑا۔رستم کے گھوڑے کا نام۔

۶۱۔ ہلالی : فارسی کا سادہ گو شاعر جس کی وفات ۹۳۶ھ میں ہوئی۔رباعی : معین عروضی وزن کے دو شعر جن میں تیسرا مصرع عموماً قافیہ سے خالی ہوتا ہے۔

۶۲۔ اندھیاری : گھوڑے کی آنکھوں کے ٹوپ۔یعنی اندھیرا ہو یا اجالا، اس گھوڑے کی تیزی کم نہیں ہوتی، گویا اس کی اندھیاری چودھویں رات کی چاندنی ہے جو ہر جگہ کام دیتی ہے۔

۶۳۔ کبکِ دری : پہاڑی چکور جس کی چال کا حسن مسلم ہے۔

۶۴۔ جلودار : وہ شخص جو گھوڑے کی باگ پکڑ ساتھ چلے۔

۶۵۔ رَاکِب : سوار۔ مَرکَب : سواری۔ گھوڑا۔ مَشِیَّت : ارادہ۔
۶۶۔ اَبلَق : سیاہ و سفید رنگ کا گھوڑا۔ اَبلَقِ دوراں : دن رات۔ نیک سَرِشتی : نیک مزاجی۔ زِشتی : برائی۔
۶۷۔ لِمَنِ المُلک : کس کا ملک ہے؟ کوسِ لِمَنِ المُلک بجانا، یکتائی کا دعویٰ کرنا۔
۶۸۔ گَبر : آتش پرست۔ مجوس۔ کافر۔ فروکش ہونا : اترنا۔ قیام کرنا۔
رویں تن : فولادی بدن، مضبوط۔ قوی ہیکل۔ ہتھیاروں سے آراستہ۔ بَدبَر : ظاہر کا برا۔
۶۹۔ رَن : میدانِ جنگ۔ عُمَر : عمر ابنِ سعد۔ فوج یزید کا ایک افسرِ اعلیٰ۔
۷۰۔ روباہ : لومڑی۔ روبا ہونا : بزدلو۔
۷۱۔ زِرا : خالص۔ فقط۔
۷۲۔ سِلَح : ہتھیار۔ (جمع اَسلِحہ)۔ تجنا : قربان کرنا۔ لٹایا۔ تَہَمتَن : رستم کے لیے فردوسی نے شاہ نامے میں لکھا ہے کہ جب وہ چلتا تھا تو قدم دھنس جاتے تھے۔
۷۳۔ پَیک : قاصد۔ پَیکِ اَجَل : موت کا پیام لانے والا۔ ملک الموت۔
۷۴۔ ہَیئَت : شکل صورت۔ ہَیبَت : رعب۔ دھاک (ہیئت و ہیبت میں صنعتِ تجنیس ہے)۔
نَخوَت : غرور۔ نَخوَت ہیبر : غرور پسند۔ حَذَر آنا : ڈرنا۔ آسیب : سایہ، جن پری، بھوت کا اثر۔
۷۵۔ رَجَز : سپاہی کا حریف کے سامنے آکر اپنا حسب نسب فخریہ طور پر بیان کرنا۔ کڑکا۔
۷۶۔ فِتراک : شکاربند۔ تو بڑے کی طرح جالی دار تھیلا جس میں عموماً شکار کا گوشت رکھتے ہیں۔
پیلِ دماں : مست ہاتھی۔ ژیان : غضبناک۔ بپھرا ہوا۔ سِنان : نیزہ۔ یلانِ کہن : بوڑھے تجربہ کار پہلوان۔ جِلَو : سامنے۔
۷۷۔ ہَنگام : وقت۔ وَغا : جنگ۔ دیوِ فلک : آسمان۔ دیو جیسا آسمان۔ چورنگ کرنا : ایک ہاتھ میں حریف کے چار ٹکڑے کر دینا، ہاتھ کی صفائی کہ تلوار سر و کمر پر اس طرح تیزی سے چلے کہ حریف کے چار ٹکڑے ہو جائیں۔ بہمن، گیو، رستم۔ ایران کے پرانے جرنیل۔ مور : چیونٹی۔
۷۸۔ شمس : سورج، قمر : چاند۔ اس شعر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ نے قوم کو درس توحید دیا ہے اور چاند، ستاروں کو دیکھ کر کہا یہ خدا ہوں گے جب وہ ڈوب گئے تو فرمایا نہیں یہ خدا نہیں ہو سکتے۔ سورج کو ابھرتے دیکھ کر کہا۔ ہاں یہ خدا ہوگا، یہ تو بہت بڑا ستارہ ہے مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا : میں ڈوبنے والوں کو پسند

نہیں کرتا ایک رات کو زوال کرتا جاتا ہے ایک دن کو نظر نہیں آتا۔ اسی طرح دوسرے شعر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے اور حضرت علیؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے ان دونوں معصوموں نے اپنے اپنے وقت میں سوکھے درخت دعا کر کے ہرے کر دیئے تھے۔ اور بیت میں ردِّ شمس کا واقعہ یاد دلایا ہے کہ حضرت علیؑ نے اول وقت نماز پڑھنا چاہی تو ڈوبتا ہوا سورج پلٹ آیا۔
۷۹۔ غُول : بھوت، بیابانی جن۔
۸۰۔ کُشندہ : قتل کرنے والا۔ دَرندہ : پھاڑ ڈالنے والا۔ کَنَندَہ : اکھیڑنے والا۔ بُرِندہ : کاٹ ڈالنے والا۔ مصرع میں حضرت علیؑ کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ نے بچپنے میں گہوارے کے اندر اژدھے کو چیر ڈالا، جوانی میں مرحب و عنتر یہودی جرنیلوں کو قتل کر کے قلعۂ خیبر کا دروازہ اکھیڑ ڈالا۔ لشکر کو کاٹ کے پھینک دیا، سیف اللہ خطاب پایا۔
۸۱۔ خیبر کی جنگ میں حضرت علیؑ نے قلعہ کا دروازہ ایک اشارے سے اکھاڑ کر اپنے ہاتھ پر لیا اور قلعہ کے سامنے کی خندق میں ہاتھ سے روک کر پل بنا دیا کہ فوجِ اسلام خندق پار کر کے قلعے میں داخل ہو گئی۔
کلمہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ایک جز تھا علی ولی اللّٰہ وصی رسول اللّٰہ وخلیفتہ بلافصل" دوسرا جز، ملا کر کلمہ مکمل ہوا۔
۸۲۔ زد و کشت : قتل و جنگ۔ گُرز : پہلوانوں کے اٹھانے کا ایک بھاری ہتھیار۔ مُشت : مکا۔
۸۳۔ عاری ہے : عاجز ہے۔
۸۴۔ جَوشَن : فولادی جالی، کڑیوں دار فولادی لباس جسے زرہ کی طرح پہنتے ہیں۔ بازو کا ایک زیور۔ دو دعائیں جو حفاظت کے لیے پڑھی بھی جاتی ہیں۔ اور بازو پر باندھی بھی جاتی ہیں۔ ایک کو جوشن صغیر اور دوسری کو جوشن کبیر کہتے ہیں۔ زِرہ : فولادی جالی کا کرتہ۔ کہ و مہ : چھوٹا بڑا۔ صارِم : تلوار، جنگ خندق میں حضرت علیؑ کی تلوار جو چلی تو فرشتے نے زمین پر پر بچھا دیئے۔ ذوالفقار جبریل کے پر پر جا ٹھہری۔ خود و کلہ : لوہے کی ٹوپی۔ تاج۔
۸۵۔ قدیرِ اَزَلی : دائمی قدرت و اختیار کا مالک۔ اللہ تعالیٰ۔ سَقَّہ : بہشتی۔ حضرت سکینہ کے لیے پانی لانے والا۔
۸۶۔ ہمارے بزرگ رزاق اللہ کی بارگاہ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں ان کے صدقے میں سب کو روزی ملتی ہے۔ اس کے باوجود اطاعت حق میں اشارۂ قدرت ہو تو موت کا استقبال کرتے ہیں،

مشکل کشا و قلعہ کشا ہوتے ہوئے جب کسی نے گلے میں رسی ڈالی تو انھوں نے صبر کیا، ۲۱ رمضان کو حضرت علیؑ نے وقت نماز صبح ابن ملجم کی تلوار سے شہادت پائی۔

۸۷۔ ناری : جہنمی۔ عمرو ابن عبدِ وُد، جسے حضرت علیؑ نے جنگ خندق میں قتل کیا۔ اور مرحب جو جنگ خیبر میں حضرت امیرالمومنینؑ کے ہاتھوں مارا گیا۔ نفرین : لعنت۔ تحسین : تعریف۔ مجرا کرنا : بادشاہ کو سلام کرنا۔

۸۸۔ گرگ : بھیڑیا۔ عقرب : بچھو۔ بارہ برجوں میں سے ایک برج کا نام۔

۸۹۔ عَمّو : چچا۔

۹۰۔ فِدوی : خادم۔

۹۱۔ عاری ہوئی تلوار : تلوار بیکار ہو گئی۔ تلوار نے خاک پر الف کھینچا : وار خالی گیا اور تلوار زمین پر خط کھینچ کے اٹھی۔

۹۲۔ یَدُاللّٰہی : حضرت علیؑ کو ماننے والا۔ حضرت علیؑ کی اولاد۔ تیغ شرر انداز : آگ برسانے والی تلوار۔ قالب : بدن۔ جسم

۹۳۔ ہستی : زندگی۔ وجود

۹۴۔ گردوں : آسمان۔ تیغ کا پھل : نوک سے نیچے اور قبضے کے اوپر تک کا حصہ، پھیلا۔

۹۵۔ اس بند میں فن نجوم و رمل کے اصطلاحات جمع کیے گئے ہیں۔ زائچہ : وہ نقش جس سے نجومی کسی واقعے کے وقت ستاروں کی چال، ان کا محل وقوع اور ان کے اثرات معلوم کرتے ہیں۔ چال، زائچہ، قرعہ، تیر۔ زائچہ کے متعلق اصطلاحیں ہیں۔ یوں قرعہ سے مراد فالؔ، پیکان : تیر یا برچھی کی انی۔ درخشاں : روشن۔

مطلب : حریف نے پریشانی اور گھبراہٹ میں جو قدم اٹھایا، جو ٹھاٹ باندھا وہ غلط ہوا۔ آخر کمان سے زائچہ کھینچا اور تیر چلانے کا فیصلہ کیا مگر آپ کی چمکتی تلوار نے تیروں کو کاٹا، پھلوں کو کاٹا۔ شصت : کمان کی تانت کے ساٹھ اور چلے کے چالیس ٹکڑے کر دیے۔ جوہر، پھل، داغ بر دل۔ شصت (معنی ساٹھ)، چلّے (چلّہ معنی چہل، چالیس) میں بہت سی لفظی مناسبتیں ہیں۔

۹۶۔ اژدر : اژدھا۔ مُضطَر : بے چین۔ ظفر : فتح۔

۹۷۔ جوہر : فولاد کے نفیس ہونے کے نشان۔ جوہر کرنا : قتل کرنا۔ ننگ و ناموس کی خاطر اپنے بال بچوں کو قتل کرنا۔

۹۸۔ صدر : سینہ۔

۹۹۔ بدکیش : بدخصلت۔ ریش : زخم۔

۱۰۰۔ سرد ہونا : مرجانا۔ قارون : موسیٰؑ کا ایک دولت مند دشمن، جو اپنے مال و خزانہ سمیت زمین میں دھنس گیا۔

۱۰۱۔ کاٹ : برش۔ تلوار کی تیزی۔

۱۰۲۔ توسن : گھوڑا۔

۱۰۳۔ قاف : ایک پہاڑ کا نام جہاں پریاں رہتی ہیں (شعراء کا ایک مفروضہ)

۱۰۴۔ واری جانا : قربان، صدقے ہونا۔

۱۰۵۔ جنگاہ : میدانِ جنگ۔

۱۰۶۔ فرق : سر۔ اختلاف۔ چَہِ ہَبْ ہَبْ : عذاب کا کنواں۔

۱۰۷۔ در آنا : داخل ہونا۔

۱۰۸۔ مشرب : طریقہ۔ مسلک۔ گھاٹ۔ تشنہ دہانی : پیاس۔

۱۰۹۔ وضعات : منہا۔ حساب سے خارج کرنا۔ لوند : ایک زائد مہینہ

۱۱۰۔ پابوس : قدم چومنا۔

۱۱۱۔ نرغہ : گھیراؤ۔

۱۱۲۔ نخلِ رُطب : کھجور کا درخت۔ زید ابن ورقہ، حضرت عباس کا شانہ قلم کرنے والا دشمن۔

۱۱۳۔ مُسَلسَل : زنجیر میں جکڑا ہوا۔

۱۱۴۔ واحسرتا و دردا : ہائے حسرت ہائے غم۔ واقُرّۃ عیناہ : ہائے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ راحۃ قلبا : ہائے دل کے آرام۔

۱۱۵۔ شیون : فریاد و بکا۔

۱۱۶۔ رخت عزا : سوگ کے کپڑے۔ شبّر : امام حسن علیہ السلام۔ ملبوس : کپڑے، لباس۔ کفنی : ایک لمبا ٹکڑا، جس کا گریباں پھاڑ کر گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ آلِ عبا : اہل بیت۔ چادر تطہیر والے۔

۱۱۷۔ فِضّہ : حضرت فاطمہ زہراؑ کی خادمہ۔

۱۱۸۔ رنڈسالہ : شوہر کی موت پر بیوہ کا پہلا لباس سفید۔

۱۱۹۔ کبرا : حضرت قاسم ابن حسن کی دولہن۔

۱۲۰۔ حُلّہ : لباس جنت۔ ۱۲۱۔ عون : امداد

مرثیہ نمبر ۵

کِس کا عَلَم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے

۱۳۷ بند

بیان شہادت حضرۃ عبّاسؑ

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگ الفاظ

۱

مرثیہ پر نظر

یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کی شان میں ہے۔ اور دو واضح طور دو فنی حیثیتوں کا حامل ہے ایک رُخ حضرت عباس، ان کے علم اور ان کی ضریح کی شان و مدح ہیں۔ دوسرا رخ، تلوار، فرس، سراپا، رجز، جنگ اور شہادت، بَین اور خاتمہ ہے۔

مجموعی طور پر مرثیہ سادگی اور حسن مدح شمشیر و فرس ہیں۔ تلوار کی تعریف میں چھبیس اور رجز میں تیرہ بند — زور بیان، سادگی اور اثر آفرینی میں بے حد دلکش ہیں۔ جہاں سادگی کا بھرپور مظاہرہ ہے وہاں علمیت کا زور بھی کم نہیں۔ کم و بیش چالیس، پینتالیس بند صنائع و بدائع سے مرصع ہیں، باقی سادگی و پُرکاری کا نمونہ۔ اور دونوں میں ایسا توازن و تناسب ہے کہ مرثیہ سادہ نگاری کی صنف میں شمار کیا جاتا ہے اور مرزا صاحب کے نمایندہ مرثیوں کا شاہ کار قرار پاتا ہے۔

مرزا صاحب لغت کے حافظ ہیں، عربی فارسی و اردو الفاظ پر انھیں بلا کی دسترس ہے، تشبیہ، استعارہ، توجیہ، تلمیح (مرثیے میں دس بارہ واقعات و قصص کے بارے میں تلمیحیں ہیں) ایہام جیسے لفظی و معنوی تصرف ان کے لیے معمولی بات ہے۔ اور جب وہ اصطلاحات و اشارات سے ہٹ کر بات کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے سادہ ترکیبوں اور رواں جملوں پر انھیں اُس سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔ گھوڑے کی تعریف میں یہ بند دیکھیے:

رکھنے لگا جو ہاتھ تصوّر عناں پر — بگڑا بنا کے منہ کہ نہ کھیل اپنی جان پر
بولی زمیں کدھر؟ تو کہا: آسمان پر — پوچھا جو آسماں نے، کہا: لا مکان پر
یہ کہہ کے فکر و وہم کی حد سے گذر گیا
سایہ ہوا سے پوچھ رہا تھا: کدھر گیا؟

لفظوں کا آہنگ، صوت و صدا کا چڑھاؤ، فکر و خیال کی اڑان، تیزی اور حرکت بیت کے آخری مصرع پر پہنچ کر اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ ایک اور پہلو سامنے آیا، اب نقشہ کشی میں فرس کے ساتھ علم کو بھی شریک کر لیا ہے:

غل لامکاں سے، واہ، کا تا لامکاں اٹھا — ایسا جھکا کہ پھر نہ سرِ آسماں اٹھا
شعلہ علم کے نور سے اک نا گہاں اٹھا — جنگل میں دھوپ جل گئی، کوسوں دھواں اٹھا
انسان کیسے، جان جنوں کی نکل پڑی
گاوِ زمیں پہ تڑپی کہ مچھلی اچھل پڑی

گھوڑا، علم کے ساتھ چلا، تیزی میں یہ نظر آیا کہ اڑا، کربلا کا ریگستان اور عرب کی دوپہر، دھوپ کی شدت، فضا سے علم، پھریرے اور فرس کا سایہ جو دکھائی دیا۔ تو واقعتاً یہ معلوم ہوا جیسے دھواں اڑ رہا ہے۔ چوتھے مصرعے کا ٹکڑا۔ "جنگل میں دھوپ جل گئی"، کس قدر خوبصورت استعارہ ہے، فضا کی زردی، جنگل سے گرم ہوا کے شعلے، فضا میں حرارت کی لپٹیں۔ اور اس کو مزید تقویت دینے والا، وہ متحرک سایہ جسے دیکھ کر "کوسوں دھواں" کہنا کوئی مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔

جناب نسیم امروہوی جو خود اس دور کے سب سے بڑے قادر الکلام مرثیہ گو اور استادِ فن ہیں، اس مرثیے کو مرزا صاحب کا بہترین مرثیہ سمجھتے ہیں، میں نے یہ مرثیہ موصوف ہی کی تجویز سے شریکِ انتخاب کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہر صاحبِ ذوق اس کے مطالعے سے وجد کرے گا۔

(۲)

یہ مرثیہ دو قدیم مطبوعہ مجموعوں کو سامنے رکھ کر ایڈٹ کیا گیا ہے۔ پہلا مجموعہ "مراثیِ دبیر" کے نام سے دسمبر ۱۸۷۵ء میں نول کشور نے لکھنؤ سے چھاپا، اس مجموعے کے مرثیے مرزا دبیر مرحوم کی زندگی کے لکھے ہوئے اور خاص لستوں سے حاصل کیے ہوئے تھے، دوسرا مجموعہ "دفترِ ماتم" ہے اس کا مرثیہ، مرزا محمد جعفر صاحب اوج کی مدد سے حاصل شدہ تھا، دونوں میں سے بظاہر پہلا مرثیہ ابتدائی فکر ہے اور دوسرا مرثیہ نظرِ ثانی شدہ و اصلاح و ترمیم یافتہ ہے۔ نول کشوری نسخے میں ۱۲۰ بند اور دفترِ ماتم میں ایک سو سینتیس بند ہیں۔ دونوں میں کچھ بند مکرر ہیں کچھ بند مشتبہ، کچھ بند ایسے ہیں جو ایک نسخے میں ہیں دوسرے میں نہیں۔ ہم نے ان دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر جو مرثیہ مرتب کیا اس کے اختلافات حاشیے میں لکھ دیے ہیں تحقیق کے لیے نوٹ مفید ہوں گے۔

دفترِ ماتم میں مرثیے کے دس مطلعے قرار دیئے ہیں۔

۱۔ کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے
۲۔ کس کے علم کے سائے سے طوبیٰ نہال ہے

۳۔ درگاہ کس جناب کی عالم پناہ ہے
۴۔ کیوں عرشِ ذوالجلال کا سرتاج عین ہے
(نسخۂ نول کشور کا مرثیہ اسی مطلع سے شروع ہوتا ہے)
۵۔ کیوں حرف عین افسرِ عرشِ جلیل ہے
۶۔ عرشِ بریں غبار ہے کس بارگاہ کا
۷۔ کس کے علم کے پنجے سے خورشید زرد ہے
۸۔ فولاد کی ضریح میں کس کا مزار ہے
۹۔ جب رن میں گل چراغِ مزارِ حسنؑ ہوا (یہاں سے ۱۰۶ بند رہ جاتے ہیں)
۱۰۔ عباس جب کہ جانبِ باغِ جناں چلے (یہاں سے ۸۱ بند باقی رہ جاتے ہیں)

مرثیہ

کس کا عَلَم حسین کے منبر کی زیب ہے

۱۳۷ بند

بیان شہادت حضرۃ عباسؑ

۱ کس کا عَلَم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے مطلع کس جنّتی کی مشک سے کوثر کی زیب ہے
لشکر ہے اُس کی زیب وہ لشکر کی زیب ہے چہرے کی فردِ مالکِ دفتر کی زیب ہے
رِفعت علم کی کہتی ہے ہر عقل مند سے
سقّے پہ پڑھ درود صدائے بلند سے

۲ کس کے عَلَم کے سائے سے طوبیٰ نہال ہے؟ سقّائے ازل سے کون بہشتی جمال ہے
ہر ماہ کس قمر کا عروج و کمال ہے؟ وہ رشکِ بدر، حیدرِ صفدر کا لال ہے
کہتے ہیں شیعیانِ علیؑ کہہ کے "یا علیؑ"
عبّاسؑ میں ہے دَبدَبۂ مرتضا علیؑ

۳ یہ اس کی بارگاہِ ملائک پناہ ہے دربارِ حق میں جس کی محبت سے راہ ہے
فوجِ خدا گواہ، خدا بھی گواہ ہے عبّاس، شیرِ بیشۂ شیرِ الٰہ ہے
تصویر ہے یہ فاتحِ بدر و حنین کی
شمشیر ہے خدا کی، سپر ہے حسینؑ کی

۴ کیوں حرفِ عین افسرِ عرشِ جلیل ہے؟ کیوں حرفِ با بہشتِ بریں میں دخیل ہے؟
کیوں اوجِ آسماں کی الف سے دلیل ہے؟ کیوں سین سربسر سندِ سلسبیل ہے؟
سب صورتوں سے حق نے فضائل دکھائے ہیں
عبّاسؑ کے خطاب میں یہ حرف آئے ہیں

۵ عرشِ بریں غبار ہے کس بارگاہ کا! مطلع مہرِ مُبیں نگینہ ہے کس رشکِ ماہ کا
کس کا علم نشان ہے فضلِ الٰہ کا کس کی وِلا چراغ ہے کوثر کی راہ کا
پھرتے ہیں کس کے دستِ بریدہ نگاہ میں
ڈوبے ہوئے ہیں پنجتنی کس کی چاہ میں

۶ کس کے علم سے پنجۂ خورشید زرد ہے مطلع یہ دھوپ کس کے مرقدِ انور کی گرد ہے
کس کی ضیا سے چاند کا بازار سرد ہے چہرہ وہ ہے کہ دفترِ قدرت میں فرد ہے
ان کے سخن سے جوہرِ تیغ آشکار ہیں
خود سیفِ ذوالجلال ہیں، لب ذوالفقار ہیں

۷ صَلِّ عَلیٰ، یہ شاہِ شہیداں کا بھائی ہے مشکل کشائی آپ نے بابا سے پائی ہے
شانے نہیں پہ ہاتھ میں مشکل کشائی ہے تیغِ خدا کے قبضے میں ساری خدائی ہے
سقّائے شاہِ خشک لباں یہ دلیر ہے
دریائے آبرو کی ترائی کا شیر ہے

۸ فولاد کی ضریح میں کس کا مزار ہے مطلع نمگیرہ جس کا رحمتِ پروردگار ہے
باہم ضریح و قبر سے نور آشکار ہے اِس کی بہار وہ ہے یہ اُس کی بہار ہے
قبر و ضریح سے ہے نمود آب و تاب کی
وہ آفتاب ہے یہ کرن آفتاب کی

۹ تربت بھی اور ضریح بھی ہے نور سے بھری صاحب مزار ماہِ بنی ہاشمی، جری
تربت پہ وہ ضریحِ مُشبّک نہیں دھری اُترا ہے برجِ سنبلہ بہرِ مجاوری
کیا قبر نے ضریح کے رتبے بڑھائے ہیں
حور و ملک نے دیدۂ حق میں چڑھائے ہیں

۱۰ روضے کا فرش قدسیوں کی پاک دامنی جھاڑوں سے دونوں وقت ہے دنیا میں روشنی
کیا جانے واں کی خاک ہے کس نور سے بنی ہنگامِ صبح دھوپ، سرِ شام چاندنی
آتی ہے یہ ندا جو درِ روضہ وا کرو
خیبر کشا! محبّوں کی حاجت روا کرو

۱۱ روشن چراغ شمعوں سے عقل و شعور کا — پروانوں کے پروں میں پرا فوجِ حور کا
قندیل کہہ رہی ہے: میں ایماں ہوں طور کا — تربت کا یہ سبق ہے کہ سورہ ہوں نور کا
کیوں کر پڑھیں نہ معتقدِ خاص فاتحہ
الحمد کی ندا ہے بہ اخلاص فاتحہ

۱۲ پیارے ستون و سقف ہیں عرشِ جلیل کو — جیسے عصا کلیمؑ کو کعبہ خلیلؑ کو
قُبّے کی تازگی سے حیا سلسبیل کو — سدرہ کی راہ بھولتی ہے جبرئیلؑ کو
دیتا ہے چرخ گنبدِ انور کی شان سے
جس طرح پیر زور میں عاجز جوان سے

۱۳ حاضر جو اس جناب کی درگاہ میں ہوا! — گھر اس کا شاہ کے دلِ آگاہ میں ہوا
جو غرقِ حُبِّ ابنِ ید اللہ میں ہوا! — نہرِ لبن سے بہرہ ور اس چاہ میں ہوا
قرباں ہے عرش زائرِ مولا کی شان پر
سر آستان پر ہے قدم آسمان پر

۱۴ ہونے کو تو جہان میں کیا کیا نہیں ہوا — پر حضرتِ حسینؑ سا آقا نہیں ہوا
عباس سا حسینؑ کا شیدا نہیں ہوا — سقّہ شہید نہر پہ پیاسا نہیں ہوا
یہ آب و گل میں حُبِّ شہِ نیک خو ملی
جتنی بھی پیاس اس کے سوا آبرو ملی

۱۵ سقائیِ حسینؑ کی مدت تمام ہے — پیاسی سکینہ ہے نہ شہِ تشنہ کام ہے
اب کیوں حضور کا لبِ دریا مقام ہے؟ — در پیش اپنے خاص غلاموں کا کام ہے!
اب جو کنارہ کش نہیں دریا سے ہوتے ہیں
شیعہ گناہ کرتے ہیں عباس دھوتے ہیں

۱۶ چشمِ کرم ہے شیعوں کے حالِ تباہ پر — جیسے خدا کی مہر حسینی سپاہ پر
یوں بند ہے زبانِ سخن عذر خواہ پر — جیسے کھلا ہوا درِ توبہ گناہ پر
مشرق کا سکہ مہر ہے مغرب کا ماہ ہے
دن رات اختیارِ سفید و سیاہ ہے

۱۷ بے دست و پا کے کام سرِ دست آتے ہیں — پاؤں کے ناخنوں سے گرہ کھول جاتے ہیں
قاتل کو طرفہ زورِ شہادت دکھاتے ہیں — شب کو اسے جلاتے ہیں دن کو جلاتے ہیں
سب اُن کے اختیار سے بے اختیار ہیں
کیا کہیے اور قدرتِ پروردگار ہیں

۱۸ کہتا ہے اک مجاورِ فرزندِ مرتضیٰؑ — شب کو بھی باریاب میں ہوتا تھا بارہا
اک شخص دفن صحنِ علمدار میں ہوا — اُس شب گیا جو روضے میں تو دیکھتا ہوں کیا
اک گرا وہ شعلہ کہ شورِ فغاں اٹھا
فانوسِ قبر جلنے لگی اور دھواں اُٹھا

۱۹ مُردے نے پھر تو دھوم مچائی دُہائی ہے — اے حضرتِ حسینؑ کے بھائی دُہائی ہے
نارِ سقر جلائے کرائی، دُہائی ہے — یاں بھی نجات ہم نے نہ پائی دُہائی ہے
سقائے دخترِ شہِ ابرار الغیاث
عباسؑ الغیاث، علمدار الغیاث

۲۰ اُس عارضِ سکینہ کی مولا تمہیں قسم — شمرِ لعیں کی جس پہ لگی سیلیِ ستم
اُس ناتواں کے واسطے، اے صاحبِ کرم! — جو بیڑیوں کے بوجھ سے گرتا تھا ہر قدم
مجھ سے فلک کے رنگ بدلنے کو دیکھیے
روضے کو اپنے اور مرے جلنے کو دیکھیے

۲۱ کہتا تھا یہ کہ نار وہیں نور ہو گئی — زیرِ کفن جو آگ تھی کافور ہو گئی
فانوسِ قبر قُبّۂ طور ہو گئی — آئی ندا کہ خوش ہو بلا دور ہو گئی
ہم کو رلا دیا جو ترے شور و شین نے
تجھ کو بچا لیا مرے آقا حسینؑ نے

۲۲ کیوں مومنو! کہاں سے کہاں ہے یہ معجزہ — آیاتِ کبریا کا نشاں ہے یہ معجزہ
عاجز کنندۂ دو جہاں ہے یہ معجزہ — دشمن بھی کہہ رہے ہیں کہ ہاں ہے یہ معجزہ
عباسؑ چاند ہیں شہِ بدرِ حنین کے
لیکن یہ سارے جلوے ہیں حبِّ حسینؑ کے

۲۳ دیکھی جہاں ضریحِ شہِ کم سپاہ کی　　پہلو میں اس کے اُن کے علم پر نگاہ کی
تربت پہ ہے جو نذرِ شہِ دیں پناہ کی　　حاضر ہے حاضری بھی علم دارِ شاہ کی
کچھ شیعہ "یاحسینؑ" بصد یاس کہتے ہیں
کچھ رو کے وُہائے حضرتِ عباسؑ، کہتے ہیں

۲۴ وہ رازِ حق، تو سینۂ مشکل کشا یہ ہیں　　علمِ خدا وہ ہیں، تو دلِ مرتضیٰؑ یہ ہیں
حسنِ قبول وہ ہیں، علیؑ کی دعا یہ ہیں　　عیسےٰؑ گواہ ہیں کہ شفا وہ، دوا یہ ہیں
غازی کے سر پہ شاہِ حجازی کے ہاتھ ہیں
حق ہے علیؑ کے ساتھ، علیؑ حق کے ساتھ ہیں

۲۵ بچپن سے تھے یہ عاشقِ سلطانِ مشرقین　　طاعت خدا کی جانتے تھے طاعتِ حسینؑ
آقا کے دیکھنے کو سمجھتے تھے فرضِ عین　　اور بے طوافِ کعبۂ رخ، دل کو تھا نہ چین
جھکنا قدم پہ شاہ کے معراج تھی اُنھیں
نعلینِ ابنِ فاطمہؑ سرتاج تھی اُنھیں

۲۶ لیتے تھے اُٹھتے بیٹھتے شبّیرؑ کا جو نام　　ہنس ہنس کے اُن سے والدہ کرتی تھی یہ کلام
تم کون ہو حسینؑ کے؟ یہ کہتے تھے 'غلام'　　وہ پوچھتی تھی، کچھ سند اے عاشقِ امام!
قیمت میں کیا دیا ہے شہِ مشرقین نے
کتنے کو۔ واری۔ مول لیا ہے حسینؑ نے

۲۷ یہ کہتے تھے: غلام بھی حاضر جواب ہے　　اس بات کی حضور! نہیں دل کو تاب ہے
دعویٰ تمھیں بتولؑ سے کیا اے جناب ہے؟　　کہتی ہو، میری بی بی وہ عفت مآب ہے
آقا ہے یہ مرا جو وہ بی بی تمھاری ہے
قیمت جو آپ کی وہی قیمت ہماری ہے

۲۸ بے ساختہ لپٹ کے وہ کہتی تھی 'مرحباؑ'　　کیا ڈھونڈ کر جواب دیا، واری، واہ وا
تیوری نہ اب چڑھایئے بس غصہ ہو چکا　　کچھ چھیڑ ہے، میں ہنستی تھی، تم ہو گئے خفا
شفقت رہے مُدام شہِ مشرقین کی
روزی نصیب تم کو غلامی حسینؑ کی

۲۹ اب روئیں مومنین کہ شبّیر روتے ہیں　　نامی جواں تو گنجِ شہیداں میں سوتے ہیں
بچے تمام پیاس سے جاں اپنی کھوتے ہیں　　اور اب جدا حسینؑ سے عباسؑ ہوتے ہیں
خالی رفیق و یار سے ہے پہلوئے حسینؑ
کس وقت توڑتی ہے اجل بازوئے حسینؑ

۳۰ آرام جانِ فاطمہؑ اب بے قرار ہے　　رو دیتے ہیں، کچھ اور نہیں اختیار ہے
اتنا ہی غم ہے جتنا کہ بھائی کا پیار ہے　　پھر ماتمِ علیؑ ولی رُو بکار ہے!
حضرت کو موت ان کی جدائی کا داغ ہے
یہ داغ اور کا نہیں بھائی کا داغ ہے

۳۱ پوچھو علیؑ کی روح سے یہ حالِ دردناک　　کیسا کفن، جگر ہے امیرِ عرب کا چاک
اب تک نجف میں کانپ رہا ہے مزارِ پاک　　کہتے ہیں انبیائے سلف یہ اڑا کے خاک
عباس نام، ناموری داشتی چہ شد؟
یا مرتضیٰ علی! پسری داشتی چہ شد!

۳۲ جب رن میں گُل چراغِ مزارِ حسنؑ ہوا　　مطلع یعنی شہید قاسمِ گُل پیرہن ہوا
رخصت شہانہ لاش کی خاطر کفن ہوا　　حجلہ دولھن کے واسطے بیت الحزن ہوا
غل تھا اُدھر تو دولھا کو مہماں روتے ہیں
یاں شاہ سے وداع علم دار ہوتے ہیں

۳۳ ہوتا ہے بے پسر پدرِ شیعیانِ پاک　　کیسا کفن، جگر ہے امیرِ عرب کا چاک
چھپتا ہے چاند ہاشمیوں کا بزیرِ خاک　　افلاک پر ہے فاطمہؑ کی آہِ دردناک
واں عرش ہل رہا ہے فغانِ حسینؑ سے
یاں حشر ہے حسینوں کے شور و شین سے

۳۴ تصویرِ خاصِ حیدرِ کرار مٹتی ہے　　تفسیرِ نورِ خالقِ غفار مٹتی ہے
لشکر کے بعد شکلِ علم دار مٹتی ہے　　شیعوں کے بادشاہ کی سرکار مٹتی ہے
افسوس، جس کی مادر بیوہ وطن میں ہے
باری اب اُس جوان کے مرنے کی رن میں ہے

ص، یہاں سے مرثیہ کی نئی اٹھان شروع ہوتی اور یہاں سے مرثیہ پڑھا جا سکتا ہے

۳۵ تمہید شہ سے بہرِ اجازت اُٹھائی ہے ۔۔۔ جوڑے ہیں ہاتھ، پاؤں پہ گردن جھکائی ہے
یوں حرف[۲۴] زن وہ فدیۂ حق کا فدائی ہے ۔۔۔ سب مر چکے غلام کی باری اب آئی ہے
کوثر دیا شہیدوں کو مولا ہمیں بھی دو
اک قبر کی جگہ لبِ دریا ہمیں بھی دو

۳۶ سوکھے ہیں ساتویں سے لبِ شاہِ بحر و بر ۔۔۔ ہوتا ہے خون خشک مراد یکھ دیکھ کر
آنکھیں ملا کے کہتے ہیں خادم سے بدگہر[۲۳] ۔۔۔ سقائے اہلِ بیت ہو تو آؤ نہر پر
تم بھی فقط زبان سے قربان جاتے ہو
پانی نہیں امام کو اپنے پلاتے ہو؟!

۳۷ دیکھی ہیں جاں نثار نے آنکھیں حضور کی ۔۔۔ چشمک[۲۴] زنی اٹھے گی نہ اہلِ غرور کی
حالت ہے اب تباہ دلِ ناصبور کی ۔۔۔ آیندہ جو رضا ہو امامِ غیور کی
گو بے کفن ہے بھائی ہر اک اس غلام کا
پر مجھ کو غم ہے خشکیِ حلقِ امام کا

۳۸ صفیں[۲۵] میں بھی گھیرے تھے یہ نہر خود پسند ۔۔۔ فوجِ معاویہ لبِ دریا تھی بہرہ مند
مشکل کشا کی فوج پہ آبِ رواں تھا بند ۔۔۔ تھی مورچوں سے "واعطشا" کی صدا بلند
پر مضطرب نہ والدِ عالی صفات تھے
اصغرؑ سے ننھے بچے نہ بابا کے سات تھے

۳۹ طاقت دکھائی آپ نے زہراؑ کے شیر کی ۔۔۔ دیکھی گئی نہ پیاس جنابِ امیرؑ کی
سقائی کی سپاہِ شہِ[۲۶] قلعہ گیر کی ۔۔۔ الٹیں صفیں جناب نے فوجِ شریر کی
بابا کو لا کے نہر سے پانی پلا دیا
سب مر چکے تھے پیاس سے تم نے جِلا دیا

۴۰ آقا نے میرے حقِ پدر یوں ادا کیا ۔۔۔ فرمایئے، غلام نے حضرت سے کیا کیا
فدوی[۲۷] کو پال پوس کے تم نے بڑا کیا ۔۔۔ بابا کے آگے بھی تمہیں 'بابا' کہا گیا
میں جانتا ہوں قبلۂ کونین آپ کو!
اور دیکھتا ہوں پیاس سے بے چین آپ کو

۴۱ اصرار کر کے آپ نے بابا سے لی رضا ۔۔۔ میں بار بار عرض کروں یہ مجال کیا
جو ناز کرتے آپ علیؑ سے وہ تھا بجا ۔۔۔ سبطِ نبیؐ ہو اور پسرِ اشرف[۲۸] النسا!
پڑھتا ہوں کلمہ آپ کے میں نانا جان کا
ہے فرق مجھ میں تم میں زمیں آسمان کا

۴۲ پانی ہے جب سے بند مجھے انفعال ہے ۔۔۔ کہتا ہوں دل سے صبر کر اب انفصال[۲۹] ہے
حضرت کو آبرو کا مری خود خیال ہے ۔۔۔ اب بھی مُصر نہیں ہوں فقط عرضِ حال ہے
یوں فوج کو نہ کوئی علم دار روئے گا
ایسا بھی واقعہ نہ ہوا ہے نہ ہوئے گا

۴۳ صفیں میں جو پیاسے شہِ ذوالفقار تھے ۔۔۔ منہ اُن کا دیکھ دیکھ کے آپ اشکبار تھے
پھرتے تھے آس پاس بہت بے قرار تھے ۔۔۔ عباس کی طرح سے نہ بے اختیار تھے
اپنا ہی سا ہر ایک کا دل جان لیجیے
اب تو غلام کا بھی سخن مان لیجیے!

۴۴ تم باپ کی جگہ ہو یہ خادم پسر کی جا ۔۔۔ صفیں کا وہ دشت تھا یہ دشتِ کربلا
واں اک معاویہ تھا، یہاں لاکھ اشقیا ۔۔۔ واں ابتدا تھی پیاس کی اور یاں ہے انتہا
شامی وہی ہیں اور وہی نہرِ فرات ہے
انصاف اب غلام کا آقا کے ہات ہے

۴۵ رو کر کہا حسینؑ نے: دریا پہ جاؤ گے؟ ۔۔۔ عباس پانی لاؤ گے، ہم کو پلاؤ گے!
واللہ بھائی داغِ جدائی دکھاؤ گے ۔۔۔ ہم آئے تھے فرات سے پر تم نہ آؤ گے
سمجھو تو خیمہ کیوں لبِ دریا سے اُٹھ گیا
پانی مرے نصیب کا دنیا سے اُٹھ گیا

۴۶ صفیں میں گیا تھا جو دریا پہ میں حزیں[۳۰] ۔۔۔ بابا بھی میرے بے کس و تنہا تھے کیا یونہیں؟
حیدر کو میرے پانی کے لانے کا تھا یقیں ۔۔۔ ہم کو تو آس آپ ہی کے آنے کی نہیں
یہ جان لو جدا جو ہوئے تم تو ہم نہیں
کٹنے سے سر کے ٹوٹنا بازو کا کم نہیں

۴۷ بھائی! جدائی بھائی کی، بھائی کی ہے قضا   بن ہاتھ کا کرے نہ کسی بندے کو خدا
اکبر عصا ہے میری ضعیفی کا، یہ بجا   پر ہاتھ ہی نہ ہوں گے تو پھر کیا کرے عصا
کس درد سے جگر کا مرے سامنا ہوا
دشوار اب حسینؑ کو دل تھامنا ہوا

۴۸ خیمے کے ایک گوشے میں چرچا تھا بپا   اور سن رہی تھی چپکی سکینہ یہ ماجرا
مولا جو چپ ہوئے تو پکاری وہ مہ لقا   اے لوگو! یاں تو آؤ کہ یہ گفتگو ہے کیا
دریا کے آنے جانے کے کچھ ذکر ہوتے ہیں
لے لو، چچا بھی روتے ہیں بابا بھی روتے ہیں

۴۹ شہ سے کہا: چچا کو نہ آنسو بہانے دو   اچھا تو کہتے ہیں، اُنھیں دریا پہ جانے دو
پانی حضور کے لیے لاتے ہیں لانے دو   غصّے کی آنکھ اہلِ ستم کو دکھانے دو
پانی جو آپ کے لیے عبّاس لائیں گے
صدقہ تمھارا ہم بھی کوئی گھونٹ پائیں گے

۵۰ میں بیچ میں پڑوں جو یہ ضامن کسی کو دیں   ضامن جو دیں تو روحِ جنابِ علیؑ کو دیں
ایسا نہ ہو کہ رنج یہ میری چچی کو دیں   عبّاسؑ بولے: آپ تسلّی یہ جی کو دیں
مولا بھی ہیں حسینؑ مرے اور امام بھی
آقا کو بھول جاتا ہے کوئی غلام بھی

۵۱ صدقے چچا، نثار چچا التجا کرو   کچھ تو سفارش اور برائے خدا کرو
حضرت سے جو کہا تھا ابھی پھر ادا کرو   حاجت روا کی پوتی ہو، حاجت روا کرو
ضامن چچا کے آنے کی ہوتی ہو کیوں نہ ہو
حلّالِ مشکلات کی پوتی ہو کیوں نہ ہو

۵۲ لے لو قسم فرات سے آگے نہ جائیں گے   اور جائیں گے تو کیا شہِ دیں لے نہ آئیں گے
دل میں کہا امام نے ہاں لاش لائیں گے   پر کیوں کر ایسے شیر کا مردہ اٹھائیں گے
حضرت نے اس خیال میں دریا بہا دیا
عبّاس کو سکینہ نے مشکیزہ لا دیا

۵۳ رو کر پکارے عترتِ اطہار، الوداع!   عبّاس الوداع، علم دار الوداع
اے زیبِ پہلوئے شہِ ابرار! الوداع   اے نام دارِ حیدرِ کرّار، الوداع
جعفرؑ کی روح آپ کے لاشے پہ روئے گی
ہے ہے اب اس علم کی زیارت نہ ہوئے گی

۵۴ زینبؑ نے بڑھ کے کان میں سقّے کے کچھ کہا   سنتے ہی بہرِ سجدہ جھکا ابنِ مرتضیٰؑ
زینبؑ سے پوچھنے لگیں رانڈیں جُدا جُدا   ہم سے بھی کہہ دو، بھائی سے ارشاد کیا کیا؟
باچھیں خوشی سے کھل گئیں اس باتمیز کی
بولا! قسم حسینؑ کی جانِ عزیز کی

۵۵ رو کر کہا یہ زینبِ عالی مقام نے   اُمّ البنین پھرتی ہے آنکھوں کے سامنے
یثرب سے جب کہ کوچ کیا تھا امام نے   کی تھی سفارش اِن کی یہ اُس نیک نام نے
جب مشک یہ اٹھائیں تو بس دودھ بخشیو
میری طرف سے دودھ مرا بخش دیجیو

۵۶ لوگو گواہ رہیو کہ تم سب کے سامنے   اُن کا سخن ادا کیا مجھ تشنہ کام نے
کھوئے حواس بیبیوں کے اِس کلام نے   پردہ اٹھایا بازوئے شاہِ انام نے
جھک کر ہلال برجِ فلک سے نکل گیا
نورِ نگاہ تھا کہ پلک سے نکل گیا

ص
۵۷ عبّاسؑ جب کہ جانبِ باغِ جناں چلے   مطلع شانے پہ لا کھ شاں سے رکھ کر نشاں چلے
زوجہ نے پوچھا: اے مرے والی، کہاں چلے؟   بولے: جہاں سے اب نہ پھریں گے وہاں چلے
اب آخری وداع کی باری نہ آئے گی
آئی ہے سب کی لاش ہماری نہ آئے گی

۵۸ عبّاس سے سُنا جو یہ اس تشنہ کامؑ نے   دنیا سیاہ ہو گئی آنکھوں کے سامنے
اک آہ کی کمر کو پکڑ کر امام نے   پردہ اٹھایا بازوئے شاہِ انام نے
جھک کر ہلال برجِ فلک سے نکل گیا
نورِ نگاہ تھا کہ پلک سے نکل گیا

ص: ۔ اگر مرثیہ کو یہاں سے شروع کیا جائے تو سلسلۂ کلام میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔

٥٩ پاسِ ادب سے مجرے کو سب دُور دُور آئے — عفوِ قصور کے لیے کبر و غرور آئے
غل پڑ گیا ’جلو کے لیے فوجِ نور آئے‘ — ہاں لاؤ مرکبِ دُوُر کا یہ، حضور آئے
آیا سجا سجایا تگا ور جناب کا!
پاکھر کرن کے تاروں کی زین آفتاب کا

٦٠ پابوسی کو رکاب کا حلقہ دہاں بنا — اور اُس دہن میں پائے مبارک زبان پہ بنا
پھر آستانِ خانۂ زین آسمان بنا — عرشِ جلیل زینِ تجلی نشاں بنا!
آنسو مگر نہ تھمتا تھا اُس راہوار کا
یعنی مجھی پہ آئے گا لاشہ سوار کا

٦١ انگلی سے لکھ کے گردنِ توسن پہ ’یا علیؑ‘ — اک جست میں سوار ہوا حق کا وہ ولی
فی الفور نورِ طور کے معنی ہوئے جلی — بجلی جلانا بھول کے خود رشک سے جلی
ٹھنڈی ہوئی ہوا جو یہ گرمِ عناں ہوا
صرصر کی سانس رک گئی جب یہ رواں ہوا

٦٢ رکھنے لگا جو ہاتھ تصوّر عناں پہ — بگڑا بنا کے منہ کہ نہ کھیل اپنی جان پر
بولی زمیں ’کدھر؟‘ تو کہا ’آسمان پر‘ — پوچھا جو آسماں نے، کہا ’لامکاں پر‘
یہ کہہ کے فکر و وہم کی حد سے گذر گیا
سایہ ہوا سے پوچھ رہا تھا کدھر گیا

٦٣ غلؔ ہر مکاں سے ’واہ‘ کا تا لامکاں اٹھا — ایسا جھکا کہ پھر نہ سرِ آسماں اٹھا
شعلہ علم کے نور سے اک ناگہاں اٹھا — جنگل میں دھوپ جل گئی کوسوں دھواں اٹھا
انسان کیسے جان جنوں کی نکل پڑی
گاوِ زمیں پہ تڑپی کہ مچھلی اُچھل پڑی

٦٤ کچھ عقل سے سروں میں نہ بن آئی، گر پڑی — تسکیں نے کہیں نہ جگہ پائی، گر پڑی
ہر سقفِ سینہ خوف سے تھرائی، گر پڑی — لرزے یہ طاقِ چشم کہ بینائی گر پڑی
قائم نہ دین لشکرِ کفّار کا رہا
[illegible] غفّار کا رہا

٦٥ خیبر شکن کے لال کی آمد ہے صف شکن — گرتی ہے فوج فوج پہ، پڑتا ہے رن پہ رن
تیغِ خدا کی تیغ کا سایہ ہے تیغ زن — غلطاں کہیں قدم ہے، کہیں سر، کہیں بدن
نے حوصلہ، نہ بُغضِ امامِ مُبیں رہا
اب دل میں بھاگنے کے سوا کچھ نہیں رہا

٦٦ آمد کے غلغلے سے پراگندہ ہوش ہیں — قبریں کفن سے مردوں کی پنبہ بگوش ہیں
گاہک اجل کے شامیِ ایماں فروش ہیں — بازار مثلِ شہرِ خموشاں خموش ہیں
پیدل جلو میں خضرؑ اور الیاسؑ آتے ہیں
اک دھوم ہے کہ حضرتِ عباسؑ آتے ہیں

٦٧ اب فرقِ روز و شب سپہِ شام کو نہیں — ہلنے کا ہوش گردشِ ایام کو نہیں
دنیا میں آبرو کسی صمصام کو نہیں — سوفار کے لبوں پہ ہنسی نام کو نہیں
تیروں سے بے گریز نہ کچھ رن میں بن پڑی
ترکش میں آستیں کی صورت شکن پڑی

٦٨ بڑھ کر کہا عمر نے وحیدِ زماں یہ ہے — ہم نامِ ذوالجلال کا نام و نشاں یہ ہے
ہاں لشکرِ خدا کا نمودی جواں یہ ہے — جعفرؓ شکوہ، حمزہؓ صاحب قراں یہ ہے
سیفِ خدا خطاب ہے عباس نام ہے
یہ بازوئے حسین علیہ السلام ہے

٦٩ عباسؑ بولے مدح کے قابل امام ہیں — بھائی بھی اُن کے بس حسنؑ سبز فام ہیں
باقی جو اور بھائی ہیں وہ سب غلام ہیں — وہ رہنما، وہ قبلۂ ہر خاص و عام ہیں
گمراہ ہے تو دور ہو، جا اپنی راہ لے
ورنہ یہ ہے نبیؐ کا علم، آ، پناہ لے

٧٠ ذکرِ حسینؑ حور و ملک کا وظیفہ ہے — تیرا خلیفہ طالبِ دنیائے جیفہ ہے
وہ ہے خلافِ حق یہ نبی کا خلیفہ ہے — وہ خود غلط ہے اور یہ خدا کا صحیفہ ہے
ناداں بتا! خدا کا شناسا نہیں حسینؑ؟
لے تو ہی کہہ نبیؐ کا نواسا نہیں حسینؑ؟

۷۱ یہ رتبہ زر کے زور سے حاشا نہ ہوئے گا ادنیٰ ہوا و حرص سے اعلا نہ ہوئے گا
فرعون جا کے طور پہ موسیٰؑ نہ ہوئے گا حکمت سے اپنی کوئی مسیحا نہ ہوئے گا
کس نے دی انگوٹھی رکوع و سجود میں
آیا نہ آیہ مثلِ علیؑ مدح و جود میں

۷۲ ہر سبز پوش خضر نہیں عزّ و جاہ میں سر سبز حیدریؑ ہیں جنابِ الٰہ میں
یوسفؑ نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ میں دن رات کا ہے فرق سپید اور سیاہ میں
کوئی یتیم فاطمہؑ سا خوش گہر نہیں
ہر اک یتیم دُرِّ یتیم، اسے عمر نہیں

۷۳ چاہے زرہ بنا کے جو داؤدؑ کا وقار واللہ جعل ساز ہے، کیا اس کا اعتبار
ہر بخیہ گر نہ ہو کبھی ادریسؑ نام دار ہر ناخدا کو نوحؑ کہے گا، نہ ہوشیار
کیا جاہلوں کے عیش کا سامان ہو گیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمانؑ ہو گیا

۷۴ گوسالے نے کیا تھا جو دعویٰ، تو کیا ہوا کہہ تو ہی صدق کذب ہوا، بت خدا ہوا؟
یوں ہی یزید بھی جو خلیفہ ہوا، ہوا باطل نہ اس سے حقّ امام ہُدا ہوا
جس طرح سے خدا کوئی غیر از خدا نہیں
یوں ہی بجز حسینؑ امام ہُدا نہیں

۷۵ وارث ہر اک نبی کا ہے یہ سیدِ جلیل بیٹے کو ذبح کرنے لگے جس گھڑی خلیل
دنبہ ریاضِ خلد سے لے آئے جبرئیل فدیہ ہوا ذبیحؑ کا حیوانِ بے عدیل
نعلین اس کے پوست کی ہے شہ کے پاؤں میں
اور چتر حق کے سائے کا ہے دھوپ چھاؤں میں

۷۶ قرآں ورق ورق سے سپر ہے حسینؑ کی چشمِ نبیؐ زرہ ہے شہِ مشرقین کی
اور تیغ تیز فاطمہؑ کے نورِ عین کی ہے ذوالفقار فاتحِ بدر و حنین کی
اتری تو ہے زمیں پہ عرشِ جلیل سے
پر کاٹنے کا حال کھلا جبرئیل سے

۷۷ جس کی زمیں عرش ہے وہ گھر ہمارا ہے کرسی خدا کے نور کی منبر ہمارا ہے
ایماں ہے جس کی فرد وہ دفتر ہمارا ہے مکتب ازل سے عرشِ منوّر ہمارا ہے
احمدؐ مدینہ علم کے، در بوتراب ہے
اس باب میں حدیثِ رسالت مآبؐ ہے

۷۸ اپنی وِلا سے فوق ملک پر ہے روحؑ کو ہم روحِ تازہ دیتے ہیں سام ابن نوحؑ کو
حکمِ خدا سے قبض بھی کرتے ہیں روح کو ہم کھولتے ہیں جنگ میں بابِ فتوحؑ کو
فیصل ہوا ہے قول یہ خیبر کے قصّے میں
آیا ہے لافتیٰ مرے بابا کے حصّے میں

۷۹ لذّت ملے گی حشر کے دن ان کلاموں کی جس دم نکل پڑے گی زباں تشنہ کاموں کی
کوثر نبیؐ کا ہوگا حکومت اماموں کی سقائی ہم کریں گے علیؑ کے غلاموں کی
آلِ رسولؐ مالکِ روزِ حساب ہے
کیا قہر ہے انھیں کے لیے قحطِ آب ہے

۸۰ یہ دن وہ ہیں تپش سے کہ سب رحم کھاتے ہیں اکثر سبیلیں رکھتے ہیں، پانی پلاتے ہیں
پردیسیوں کو سائے میں لا کر بٹھاتے ہیں یاں اپنے مہمانوں سے پانی چھپاتے ہیں
ہے ہے قلق یہ ہوں چھ مہینے کی جان کو
آنکھیں پھرا کے ہونٹوں پہ پھیرے زبان کو

۸۱ اب بھی سمجھ خدا کے لیے، آ، جناں میں آ دے پانی، لے بہشت، نہ جا نار میں، نہ جا
بیعت ہے ابنِ فاطمہؑ کی بیعتِ خدا تیری بھلائی کے لیے کہتے ہیں، ہم کو کیا
سب خاک ہے، نہ زر نہ پسر کام آئیں گے
تربت میں بوتراب ہی آ کر بچائیں گے

۸۲ بولا وہ منہ پھرا کے، سنو اے گروہِ شام! لو ہم سے لینے آئے ہیں یہ بیعتِ امام
میں حُر نہیں کہ مان لوں حاکم کا ہوں غلام دنیا مجھے پسند ہے۔ ایمان کو سلام
بیعت یزید کی تو نہ شاہِ اُمم کریں
قدرت خدا کی، بیعتِ شبیرؑ ہم کریں؟

۸۳ یاں کان آشنا تھے کب اس بول چال سے — دیکھا لرز کے تیغ کو قہر و جلال سے
بھاگا چھپا کے روئے سیہ کو وہ ڈھال سے — بادل اُٹھے نشانوں کے دشتِ قتال سے
تیغیں اُپی ہوئی جو یکایک نکل پڑیں
بازو کی مچھلیاں سرِ بازو اُچھل پڑیں

۸۴ کڑکیت[۴۵] پینتروں کو بدل کر بڑھے کہ ہاں، — شیرو، دلیرو، غازیو! تازی کی لو عناں
مرتے ہیں مرد نام پہ، نامردِ بے نشاں — سنبھلے ہوئے کہ سامنے ہے ہاشمی جواں
لینا نہ مُنہ پہ ڈھال کہ ہستی حباب ہے
دینا نہ آبرو کہ یہ موتی کی آب ہے

۸۵ بولی یہاں رضائے خداوند ذوالجلال — بسم اللہ اے جنابِ امیرِ عرب کے لال
عدلِ خدا پکارا کہ خونِ عدو حلال — پنجہ بڑھایا مہر علیؑ نے سوئے ہلال
قبضہ د فورِ شوق سے دو ہاتھ اچھل پڑا
قالب سے ماہِ نو کے مہِ نو نکل پڑا

۸۶ نکلی غلافِ نور سے تفسیرِ جوہری — یا آ کے دستِ بوسِ سلیماں ہوئی پری
یا حجلے سے عروس نے کی جلوہ گستری — یا تھی یہ شاخ میوۂ طوبیٰ ہری بھری
اس ہاتھ سے مرادیں تھیں جو جو وہ مل گئیں
باچھیں خوشی سے تیغ کے قبضے کی کھل گئیں

۸۷ شاخِ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا — پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمیں پہ تڑپی، اجل جدا — خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مقابلۂ جسم و جاں نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیاں نہیں!

۸۸ سایہ بھی صاف تیغ سے فوراً جدا ہوا — مطلب ملا کہ پانی سے روغن جدا ہوا
تنہا نہ رنگِ چہرۂ دشمن جدا ہوا — گردن سے سر تو روح سے ہر تن جدا ہوا
پیہم صدا دلوں کے دھڑکنے کی آتی تھی
آوازِ بوق اٹھتی تھی اور بیٹھ جاتی تھی

۸۹ سیدھی ہوئی جو تیغ تو لشکر الٹ گیا — میداں سے پاؤں، جینے سے دل سب کا ہٹ گیا
سب رو رہے تھے زرد کو داں، سن بھی گھٹ گیا — مانندِ ناف خوف سے سینہ سمٹ گیا
بولی یہ تیغ دم سرِ اعدا پہ لوں گی میں
بُرّش پکاری تو یہ ٹھہرنے نہ دوں گی میں

۹۰ پڑھتی ہوئی زبان سے وہ "لا فتا" چلی — روشن نگاہ، کہتے کہ آگے قضا چلی
بائیں کو پھر داہنی جانب بلا چلی — بالکل چراغِ عمر ہوئے گل ہوا چلی
کھینچے نہ تیغ دولہا کو برچھی لگائی تھی
ابنِ حسنؑ کی آہ سے بجلی گرائی تھی!

۹۱ پھل وزن میں تھا پھول، تجلّی میں نخلِ طور — گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور
آسیب سایہ، چال پری، قبضہ چشمِ حور — خود لہر آپ زہر، تڑپ قہر، شورِ صور
یوں دفعتہً زمیں سے گئی آسمان پر
جس طرح غصہ آئے کسی ناتوان پر

۹۲ تیغیں بڑھیں تو اور گھٹی شانِ اشقیا — دستِ سوال جیسے سب اعضا میں بدنما
الزام ان کی تیغ نے سب تیغوں کو دیا — گرمی سے اس کی سرد تھے اعدا کے دست و پا
جوہر کے خرمنوں پہ یہ مثلِ شرر گری
ہر تیغ پھلجھڑی کی طرح چھوٹ کر گری

۹۳ پھر تو پکارتی تھی یہ اِدھر، وہ اُدھر گرا — وہ نیمچہ، وہ ہاتھ، وہ خود، اور وہ سر گرا
بن بن کے برق، سایۂ تیغِ ظفر گرا — واں مورچے سے باپ اٹھا، یاں پسر گرا
گر گر کے سر یہ رن میں برابر نہاں ہوئے
جو رن میں سر زمیں کے معنی عیاں ہوئے

۹۴ اس تیغ سے تھا سارے زمانے میں ماہِ عید — روشن تھا پنجتن کے گھرانے میں ماہِ عید
آتے میں روزِ وعدہ تو جاتے میں ماہِ عید — صائمؑ کو تھا غذا کے کھلانے میں ماہِ عید
دل کے شکست ہونے سے روزے کا در کھلا
برسوں کے بعد روزۂ فتح و ظفر کھلا

۹۵ مشکل ہے ابتدا بہ سکوں، سب کو ہے خبر — گلیئہ یہ حسام نے باطل کیا مگر
ساکن بنائی زخم کے جرموں سے سین سر — سب وقتِ پیشِ تیغ تھے، کیا زیر کیا زبر
آخر کی صف میں کچھ حرکت آشکار تھی
سو بسملوں کی طرح وہ بے اختیار تھی

۹۶ دینارِ تیغ رونقِ بازار ہو گیا — نادار اُس کے چلتے ہی زردار ہو گیا
اور دورِ مفلسی کا سب آزار ہو گیا — یہ آبِ تیغ شربتِ دیدار ہو گیا
صد پارہ رن میں قالبِ ہر بیدریغ تھا
اس تیغ میں یہ خوردۂ دینارِ تیغ تھا

۹۷ آندھی تھی گرد، گھوڑے نے وہ خاک اڑائی تھی — دریائے تیغ نے نئی گرمی دکھائی تھی
آندھی نے آگ پانی کے اندر لگائی تھی — نعلوں کی بجلیوں سے ہر اک صف جلائی تھی
چل پھر سے اس کی تیغ کی جنبش زیاد تھی
کشتیِ تیغ کے لیے بادِ مراد تھی

۹۸ چہروں پہ مُردنی کی طرح تیغ چھا گئی — ہر استخواں میں مثلِ تپِ دق سما گئی
اعجازِ خاکساریِ حیدرؑ دکھا گئی — مانندِ خاک ناریوں کے تن کو کھا گئی
سب کے گلوں سے ملتی تھی لیکن رُکی ہوئی
جوہر یہ تھے کہ بوجھ سے تھی خود جھکی ہوئی

۹۹ باطل کو حق سے تیغ نے یوں کر دیا پرے — خورشید جیسے رات کو دن سے جدا کرے
خالی طرارے رخشِ جہندہ نے جو بھرے — میدان سے ہرن ہوئے روباہوں کے پرے
شعلہ جو اس کے مشعلِ سُم سے عیاں ہوا
کیا کیا چراغ پا فرسِ آسماں ہوا

۱۰۰ آتے تھے جوڑ توڑ غضب تیغِ تیز کو — سر سے ملی جدا کیا پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اس شعلہ ریز کو — برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بو گل نے رنگ لالے نے سرعت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کیا ہے اپنی نیابت قضا نے دی

۱۰۱ قربانِ فیضِ بازوئے شاہِ جلیل پر — ترجیح دستِ جود کو ہے سلسبیل پر
یوں فوج کا ہجوم تھا تیغِ اصیل پر — گرمی میں جیسے پیاسوں کا انبوہ سبیل پر
تازے خواص تیغِ رواں نے دکھا دیئے
پانی کے بدلے پیاس کے تیور بجھا دیئے

۱۰۲ ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے — پا کر کے بیچ میں نہ پڑی سیدھی چال سے
اٹھ کر زرہ میں آئی شکوہ و جلال سے — اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے
گذری جو چار آئینے سے منہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشے کو توڑ کے

۱۰۳ شکانِ شام و کوفہ میں اک باخدا نہ تھا — اُن کا سوائے قہرِ خدا ناخدا نہ تھا
مطلب بجز خلاصیِ جاں تیغ کا نہ تھا — ڈوبا وہی حسینؑ سے جو آشنا نہ تھا
رنگِ سپہ کے اڑنے میں یہ امتیاز تھا
دریائے تیغ میں وہ دھوئیں کا جہاز تھا

۱۰۴ بازو دست و گردن و سر بہتے پھرتے تھے — گھوڑے اِدھر، سوار اُدھر بہتے پھرتے تھے
طائر تھے آشیانوں میں پر بہتے پھرتے تھے — سب سنگ دل تھے کوہ، مگر بہتے پھرتے تھے
نے مرتے تھے نہ جیتے تھے لیکن سسکتے تھے
بھیگے تھے مرغِ روح کے پر اڑ نہ سکتے تھے

۱۰۵ قربانِ برق و بارقۂ تیغِ شعلہ تاب — موتی کی آب و تاب، سمندر کا پیچ و تاب
خود نوحؑ، خود سفینہ و خود ماہی و خود آب — سرگرشیاں فرات میں کرنے لگے حباب
ظرفِ تنک میں تھی نہ جگہ اس کے آب کی
بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

۱۰۶ ہے قاعدہ کہ بھرتا ہے پانی جو ناگہاں — دریا میں بیٹھ جاتی ہے ہر کشتیِ رواں
پر اس جہازِ تیغ کو خطرہ نہ تھا وہاں — عباسؑ ناخدا تھے، علم شہ کا بادباں!
دریائے خوں تھا تیغِ سبک رو کی ناؤ پر
پر یوں رواں تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

۱۰۷ پوچھا فلک نے، امن واماں زیرِ ناؤ ہے؟ آواز دی زمیں نے کہ 'تیرا اُڑ باؤ ہے'
اس نے کہا کہ تختِ ثریٰ میں بچاؤ ہے؟ بولی: نمودِ سینۂ ماہی و گاؤ ہے
اس پوچھنے میں تیغ کا دریا جو بڑھ گیا
تو پُل فلک سے کیا ہی کئی پُل پہ چڑھ گیا

۱۰۸ کاٹا پلک میں آنکھ کو، پتلی میں نور کو پاؤں میں کج روی کو سروں میں غرور کو
سینے میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زباں، زباں میں کاٹ آئی بات کو

۱۰۹ جب سرکشوں پہ سایۂ تیغِ اجل پڑا بالوں کی طرح ہوش سروں سے نکل پڑا
جھگڑا سر و قدم میں عجب بے محل پڑا دونوں کی بے خودی پہ بدن خود اچھل پڑا
سر بھاگنے کو پائے سپاہِ عمر بنے
بچنے کی آرزو میں قدم اُڑ کے سر بنے

۱۱۰ مردہ تھا سر میں ہوش سراسیمہ سر فروش سر قبر، خود گنبدِ قبر، حواس و ہوش
بے جاں سلاحِ جنگ، پریشاں سلاح پوش دم مارا تیغ نے نہ ہلایا سپر نے گوش
چلّایا کی کمان نہ تیر اک رواں ہوا
ڈھالوں کے پھول چلنے کا چالیسواں ہوا

۱۱۱ روکی جو ڈھال اور بھی اندھیر چھا گیا روزِ سیاہ شامیوں کے منہ پہ آ گیا
آخر بغیر بھاگے نہ ہرگز رہا گیا اور نہرِ علقمہ میں یہ بحرِ سما گیا
دریائے آبرو سے جو دریا کو بھر دیا
دُرِّ نجف نے بحر کو بحرین کر دیا

۱۱۲ چلّو بھر افرات سے سرکا کے آستیں عبرت سے دیر تک اُسے دیکھا کیے وہیں
پھر لائے امتحان کے لیے ہونٹوں کے قریں سینے میں دل تڑپ کے پکارا، نہیں نہیں
گو مہرِ فاطمہؑ ہے پہ مجھ پر حرام ہے
وارث جو فاطمہؑ کا ہے وہ تشنہ کام ہے

۱۱۳ پانی جو بے حسینؑ کے منہ سے لگائے گا ہے ہے وفا کا نام ابھی ڈوب جائے گا
اس وقت آبرو جو گئی پھر نہ پائے گا یہ روز اب زمانے میں کاہے کو آئے گا
چلیے تو آب نہر سے کوثر بھی پاس ہے
جب ہاتھ کٹ گئے تو نہ فاقہ نہ پیاس ہے

۱۱۴ غازی نے دل کے شور سے پُر مرحبا کہا دریا سے رو کے پیاسوں کا سب ماجرا کہا
کاندھے پہ مشک بھر کے دھری 'یا خدا' کہا چلتے ہوئے اجل نے پیامِ قضا کہا!
ہے ہے نصیب پیاسوں کا رستے میں پھر گیا
سقّہ حرم کا فوج کے طوفاں میں گھر گیا

۱۱۵ اکبرؑ یہاں کھڑے تھے سنبھالے حسینؑ کو سمجھا رہے تھے دیکھنے والے حسینؑ کو
اِن کی فغاں تھی 'بھائی بلالے احسین کو' عباسؑ آ گلے سے لگالے حسینؑ کو
تنہائی اپنے بھائی کی بھائی پسند کی
کوثر پہ آپ پہنچے ترائی پسند کی

۱۱۶ بانو پکاری: ضامنِ عباس کو بلاؤ لوگو کہو سکینہ سے لاؤ چچا کو لاؤ
انگلی پکڑ کے فضہ کی سوئے فرات جاؤ حضرت تڑپ رہے ہیں علم دار سے ملاؤ
بھیجا تھا کیوں جو اُن کو نہیں اب بلاتی ہو
عاشق ہو کیسی باپ کو اپنے رلاتی ہو

۱۱۷ سہمی ہوئی سکینہ قریب آئی ننگے پا ننھے سے ہاتھ جوڑ کے حضرت سے یہ کہا
میں جاؤں بابا جان! نہ آئیں اگر چچا ضامن دیا ہے تو مجھے جھوٹا کریں گے کیا
ایسے تو وہ نہیں ہیں کہ وعدہ بھلائیں گے
فرما گئے ہیں نہر سے آگے نہ جائیں گے

۱۱۸ شہ رو کے بولے: ٹوٹ پڑا ہم پر آسماں سچے ہیں بھائی، ٹھیک تمہارا بھی ہے بیاں
اچھا نہ آگے جائے گا حیدرؑ کا وہ نشاں کیا منہ پر اجل نہیں آ سکتی میری جاں
دریا پہ کون روکنے والا قضا کا ہے
دو لاکھ سے مقابلہ تیرے چچا کا ہے

۱۱۹ یہ سن کے ہوگئی وہ سراسیمہ اور کہا — ہے ہے یہ اب کھلا مجھے بہلا گئے چچا
لائے کہیں صحیح و سلامت انھیں خدا — یوں روٹھوں ہیں کہ ان کو بھی معلوم ہو بھلا
مجھ کو بھی ضد ہے پیاس سے جان اپنی دوں گی میں
پانی بھی ان کا لایا ہوا اب نہ لوں گی میں

۱۲۰ یہ ذکر تھا کہ نہر سے ماتم کا غل اٹھا — نوحہ یہ تھا کہ "واولدی وامصیبتا"
اکبر لپٹ کے رونے لگے شہ سے اور کہا — دادا کی روح روتی ہے، مارے گئے چچا
ان کی عزا کا آپ بھی سامان کیجیے
شہ بولے چاک میرا گریبان کیجیے

۱۲۱ ناگہ ندا یہ آئی: میں قربان یا حسینؑ — آقا حسینؑ، قبلۂ ارض و سما حسینؑ
اے میرے وقتِ نزع کے حاجت روا حسینؑ — اے جاں بلب غلاموں کے مشکل کشا حسینؑ
ہچکی لگی ہے دم کو قرار ایک دم نہیں!
بالیں پہ میری آہ تمہارا قدم نہیں!

۱۲۲ شہ نے کمر پکڑ کے کہا: ہائے بھائی جاں — جانا نہ بے ملے ہوئے ہم آئے بھائی جاں!
اللہ تم تلک ہمیں پہنچائے، بھائی جاں — دھڑکا یہ ہے نہ غش کہیں آجائے بھائی جاں
گو نورِ چشم تھامے ہوئے ہاتھ میرا ہے
اس پر بھی دونوں آنکھوں کے آگے اندھیرا ہے

۱۲۳ اکبر کو ساتھ لے کے چلے شاہِ کربلا! — یاں قبۂ خیام گرے ہل کے جا بجا
دوڑی سکینہ ڈیوڑھی سے اور رو کے دی صدا — ہے ہے ستم ہوا، ارے لوگو غضب ہوا
بابا سوئے فرات ابھی ننگے سر گئے
لو صاحبو، ہمارے چچا جان مر گئے

۱۲۴ واں شہ کو نہر پر گہرِ مدعا ملا — پُر لال خون میں وہ دُرِ بے بہا ملا
مچھلی کی طرح شیر تڑپتا ہوا ملا — آنکھیں عطش سے بند ملیں، منہ کھلا ملا
دیکھا کہ روحِ پاک سوئے حق رجوع ہے
رکتی ہے سانس موت کی ہچکی شروع ہے

۱۲۵ یہ دیکھتے ہی آگے بڑھے اکبرِ جواں — بڑھنا تھا بس کہ ہوگئے کپڑے لہو لہاں
دیکھا کہ دھار خون کی سینے سے ہے رواں — حضرت نے پوچھا: کیا ہے؟ کہا: کیا کروں بیاں
نوکِ سناں چچا کے جگر میں در آئی ہے
کیا بے جگر کسی نے یہ برچھی لگائی ہے

۱۲۶ لاشے پہ تھرتھرا کے گرے شاہ نامدار — جھک کر کہا یہ کان میں ہو ہو کے بے قرار
ہمدم، رفیق، دوست، وفادار، جاں نثار! — بازو، جگر، ضیائے بصر، رونقِ کنار
ہر زخم پر حسینؑ فدا ہو، نثار ہو
آنکھوں کو کھولو، بات کرو ہوشیار ہو

۱۲۷ سننا تھا یہ کہ ہونٹ علمدار نے ہلائے — شہ نے جو کان لب پہ دھرے تو سنا، یہ ہائے
چپکے سے کہہ رہے ہیں میں صدقے حضور آئے — بچپن سے ناز آپ نے کیا کیا مرے اٹھائے
اپنا غلام کہہ کے پکارو تو بولیں ہم
آئی نہ ہو سکینہ تو آنکھوں کو کھولیں ہم

۱۲۸ یہ کہہ کے بے کسوں کے مددگار مر گئے — حمزہؓ سدھارے جعفرِ طیارؓ مر گئے
جبریل بولے حیدرِ کرار مر گئے — اب مصطفیٰؐ کے سارے علمدار مر گئے
مولا جدا نہ بھائی کے لاشے سے ہوتے تھے
شانوں کا خون چہرے پہ مل مل کے روتے تھے

۱۲۹ مل کر لہو جبیں پہ امامِ اُمم چلے — لاشے سے مڑ کے بولے کہ لو بھائی ہم چلے
اکبر اٹھا کے کاندھے پہ مشک و علم چلے — دو حشر سوئے خیمۂ اہلِ حرم چلے
سقے کو ڈھونڈھتے ہوئے گھر میں پھرے حسینؑ
پھر ہائے بھائی کہہ کے زمیں پر گرے حسینؑ

۱۳۰ بانو نے رو کے پوچھا علمدار کیا ہوئے — بولے تمہاری بیٹی پہ پیاسے فدا ہوئے
شبیر کے حقوق سب ان سے ادا ہوئے — ہم مبتلائے صدمۂ شرم و حیا ہوئے
اس بے کسی میں سوگ کا سامان کیا کریں
عباس کے یتیموں پہ احسان کیا کریں

۱۳۱ اس نے کہا کہ سچ ہے نہ مقدور ہے نہ وطن — موجود ہے سکینہؑ و اکبرؑ کا پیرہن
عباسؑ کے یتیموں کو بخشیں شہِ اُمَمؑ — پہنیں پدر کا خلعتِ ماتم وہ گل بدن
چادر کو پھاڑ کر کفنی اب بناتی ہوں
رنڈسالہ اُن کی بیوہ کی خاطر میں لاتی ہوں

۱۳۲ زیرِ علم بچھائی نبی زادیوں نے صف — بیوہ بھی آئی کہتی ہوئی یا شہِ نجف،
سر ننگے بیٹی اِس طرف اور بیٹا اُس طرف — ملبوس لائی بچوں کا بانوئے باشرف
یہ پیرہن تو سقّے کی اولاد کے لیے
اور سادہ کپڑے بیوۂ ناشاد کے لیے

۱۳۳ آئی نظر جو اکبرؑ مظلوم کی قبا — تھرّائی تڑپی بیوۂ عباسِ باوفا
اور دونوں ہاتھ جوڑ کے بانو سے یہ کہا: — ٹھہرو خدا کے واسطے ہے ہے یہ کیا کیا
اکبرؑ کے کپڑے خلعتِ ماتم میں دیتی ہو
زینبؑ کھڑی ہیں ان سے نہیں پوچھ لیتی ہو

۱۳۴ کیوں لائیں فرشِ سوگ پہ بن بیاہے کا لباس؟ — زینبؑ بھی بے حواس ہیں، لونڈی بھی بے حواس
وسواس ہے شہزادے کی جاتے سے بے قیاس — میٹھا برس تو خیر، غضب ہے یہ بھوک پیاس
سب کنبہ اب تو جیتا ہے اکبرؑ کی آس پر
صدقے اتاروں بچوں کو میں اس لباس پر

۱۳۵ اکبرؑ پہ جو کہ آئی ہو میرے پسر پہ آئے — اللہ شاہزادے کا سہرا انہیں دکھائے
کرتی سکینہ جان کی اور میری بیٹی ہائے — بس اب سدھاریے کہ مرا سایہ پڑ نہ جائے
پُرسے سے سرفراز نہ فرمائیے مجھے
یہ سادے کپڑے آپ نہ پہنائیے مجھے

۱۳۶ رو کر کہا یہ بانو نے اس نیک ذات سے — بس بس کلیجہ پھٹتا ہے ہر ایک بات سے
رنڈسالہ پہنو فاطمہ کبریٰ کے ہات سے — یہ نامراد بیوہ ہے شادی کی رات سے
بیٹی حسینؑ کی ہے بہو یہ حسنؑ کی ہے
گھونگھٹ میں فکر دولہا کی خاطر کفن کی ہے

۱۳۷ رو رو کے بین فاطمہ کبریٰ نے یہ کیے — ہے ہے دولھن بنی تھی میں ان کاموں کے لیے
بس اے دبیرؔ خوب چلے نظم کے لیے — تائیدِ غیب کے ہیں نمونے یہ مرثیے
بحرِ رواں ہے یا کہ طبیعت ملی ہے یہ
سقائے اہلِ بیت کی دریا دلی ہے یہ

تحقیقِ متن

- مرثیہ دبیر، جلد اول، طبع نول کشور، دسمبر ۱۸۷۵ء لکھنؤ۔
- دفترِ ماتم، جلد ہشتم، طبع دوم ۱۹۱۲ء مطبع شاہی لکھنؤ۔

بند ۱ : مرثیہ طبع نول کشور میں یہ تیسرا بند ہے، نول کشوری نسخے میں پہلا مطلع ہے۔

کیوں عرشِ ذوالجلال کا سرتاج عین ہے　　کیوں حرف با، دل نبی مشرقین ہے
روشن الف سے نام امیرِ حنین ہے　　وجہ حسن سے سین شریکِ حسینؑ ہے
سب صورتوں سے حق نے فضائل دکھائے ہیں
عبّاس کے خطاب میں یہ حرف آئے ہیں

دفترِ ماتم میں تیسرا مصرع ہے :

"کیوں حرفِ با میں روشنیِ مشرقین ہے"

دفترِ ماتم میں یہ بند نمبر ۴ پر درج ہے، لیکن اس کے بعد اسی بیت کے ساتھ چار مصرعے بدل کر لکھے گئے ہیں، میرا خیال ہے کہ مرزا صاحب نے پہلی یا دوسری نظر میں یہ مصرعے بدلے ہوں گے اور اصل مسودہ میں انھیں نسخۂ بدل لکھا ہوگا، مگر لوگوں نے انھیں مستقل بند مکرر سمجھ لیا۔ میں نے اشتراک مفہوم کی بنا پر مذکورہ بالا بند کو متن سے حذف کر دیا ہے۔

بند ۲ : نول کشوری نسخہ مصرع ۳ و ۴

کس چاند کا عروج ہر اک ماہ و سال ہے　　کس کا جلال شیرِ خدا کا جلال ہے

دفترِ ماتم میں چوتھا مصرعِ بدل حاشیہ پر ہے۔

روشن ہے سب پہ یہ کہ وہ حیدر کا لال ہے

بند ۳ : دفترِ ماتم میں مکرر چھپا ہے۔ پہلی مرتبہ نمبر ۳ پر پھر نمبر ۱۴ پر بند نمبر ۳ میں پہلے اور دوسرے مصرعے کی صورت یہ ہے :

درگاہ کس جناب کی عالم پناہ ہے　　کس کے علم کے سایے میں طوبیٰ کی راہ ہے

ہم نے صرف ایک ہی بند لکھا ہے۔ جیسا کہ نسخۂ نول کشوری میں ہے۔

بند ۶ : دفترِ ماتم میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ نمبر ۱۶ پر بھی درج ہے۔ دفترِ ماتم اور نسخۂ نول کشوری کے (بند ۱۲) کے پہلے اور دوسرے مصرعے کی صورت یہ ہے :

ان کے علم کے پنجے سے خورشید زرد ہے　　پرچم کے سامنے چمک انجم کی گرد ہے

بند ۷ : دفترِ ماتم میں ہے :

اے میں فدا یہ شاہِ شہیداں کا بھائی ہے　　مشکل کشائی آپ نے بابا سے پائی ہے
یے ہاتھ ہیں پہ الفت حق ہاتھ آئی ہے　　تیغ خدا کے قبضے میں ساری خدائی ہے

نسخۂ نول کشوری میں پہلا مصرع متن کے مطابق ہے دوسرا مصرع ہے۔

مشکل کشائی باپ سے ورثے میں پائی ہے

بند ۹ : نسخۂ نول کشوری مصرع ۳

"فولاد کی ضریح نہیں قبر پر دھری"

بند ۱۳ : دفترِ ماتم میں یہاں پر بند نمبر ۳، ۷، ۶ علی الترتیب درج ہیں، چونکہ یہ بند ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس لیے ان کی تکرار بے مقصد سمجھ کر حذف کر دیا ہے۔

نیز ہمارے متن کا بند ۱۳ دفترِ ماتم میں نمبر ۲۰ درج ہے ہم نے معنوی تسلسل کی بنا پر اسے مقدم کرنا ضروری سمجھا۔

بند ۱۴ : نول کشوری نسخے میں نہیں ہے۔

بند ۱۷ : دفترِ ماتم میں نہیں ہے۔ نول کشوری نسخہ طبع اول ۱۸۷۵ء سے نقل کیا ہے۔ نول کشوری نسخہ مرثیہ دبیر جلد اول طبع چہارم ۱۸۹۰ء میں تیسرا مصرعہ بے معنی و غلط ہے۔

"قاتل کو طرفہ زور شفاعت دکھاتے ہیں"

بند ۲۰ : دفترِ ماتم "جو بیڑیوں کے بوجھ سے گرتا ہے ہر قدم" نسخۂ نول کشوری سے اصلاح کی ہے۔

بند ۳۱ و ۳۲، ۳۳ : نول کشوری نسخے میں نہیں ہیں۔ بند ۳۲ مطلع ہے اور یہاں سے مرثیہ کی نئی اٹھان ہے مجالس میں ۳۲، یا ۳۳ ویں بند سے مرثیہ شروع کیا جا سکتا ہے۔

بند ۳۳ ، دفترِ ماتم۔ "نسخہ" سے شروع ہوتا ہے یعنی یہ بند ۳۲ کا متبادل ہے اور کسی قلمی نسخے سے

نقل ہے۔

بند ۳۵ ؛ نول کشوری نسخہ مصرع ۳، ۴

کہتے ہیں اب روا مری حاجت روائی ہے — آقا کے ہاتھ بندے کی مشکل کشائی ہے

بند ۴۳ : مصرع ۶ ، نسخۂ نول کشور

"اب تو غلام کا بھی کہا مان لیجیے"

بند ۴۷ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"بن بھائی کا کرے نہ کسی بندے کو خدا"

بند ۴۸ : نسخۂ نول کشور مصرع ۲

"اور سن رہی تھی چھپ کے سکینہ یہ ماجرا"

بند ۵۱ : دفترِ ماتم، مصرع ۴

"حاجت روا کی بیٹی ہو حاجت روا کرو"

متن کا مصرع نسخۂ نول کشور کے مطابق ہے۔

بند ۵۲ : نسخۂ نول کشوری، مصرع ۴

"مٹتا ہے نام حیدر کرار ، الوداع"

بند ۵۶ ، چوتھا مصرع اور بیت بعینہ بند ۵۴ میں مکرر ہے ۔ مرثیہ طبع نول کشور پریس اور دفترِ ماتم دونوں میں بند اسی طرح لکھے ہیں۔

بند ۶۰ ، دفترِ ماتم، مصرع ۱ "پابوس کو رکاب کا حلقہ" نسخۂ نول کشور "پابوس کو رکاب کا حلقہ" مصرع ۳ و ۴ میں غلطی سے ردیف بدل دی ہے یعنی "بنا" کے بجائے "ہوا" چھپا ہے۔

بند ۶۲ : نسخۂ نول کشور میں اس بند کی بیت یہ ہے :

انسان کیسے جان جنوں کی نکل پڑی — گاوِ زمیں یہ تڑپی کہ مچھلی اچھل پڑی

دفترِ ماتم میں ہے۔

مردوں کو زیرِ خاک نہ بے کل پڑی — گاوِ زمیں یہ تڑپی کہ مچھلی نکل پڑی

بند ۶۶ : نسخۂ نول کشور میں بند کی صورت یہ ہے :

گاہک اجل کے شامی ایماں فروش ہیں — بازار میں مثلِ شہر خموشاں خموش ہیں

آمد کے غلغلے سے پراگندہ ہوش ہیں — قبریں کفن سے مردوں کی پنبہ بگوش ہیں

لبیک کہتے خضر اور الیاس آتے ہیں

غل ہے جناب حضرتِ عباس آتے ہیں

بند ۷۶ : نسخۂ نول کشور کی بیت ہے :

خنجر مثالِ طائر بسمل پھڑکتے ہیں — دل کی طرح سے ڈھالوں کے سینے دھڑکتے ہیں

بند ۶۸ : نسخۂ نول کشور ، مصرع ۱

"بڑھ کر کہا عمرؑ نے وحید الزماں یہ ہے"

بند ۷۶ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۵

"اتری ہے گو زمیں پہ عرشِ جلیل سے"

بند ۷۷ : دفترِ ماتم میں نہیں ہے، نسخۂ نول کشور سے نقل کیا ہے۔

بند ۸۱ : دفترِ ماتم مصرع ۴

"تیری بھلائی کے لیے کہتے ہیں اور کیا"

بند ۸۴ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۱

"بڑھ کر نقیب بولے کہ ہاں سرفروشو ہاں"

متن دفترِ ماتم کے مطابق ہے۔

بند ۸۷ : دفترِ ماتم، مصرع ۴

"خنجر جدا زمیں پہ گرا اور زحل جدا"

بند ۹۰ : نسخۂ نول کشور مصرع ۶

"رن پر حسن کی آہ نے بجلی گرائی تھی"

بند ۹۴ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۳

"آنے میں روزِ عید تو جانے میں ماہِ عید"

بند ۹۵ ؛ دفترِ ماتم میں ہے، نسخۂ نول کشور میں یہ بند نہیں ہے۔

بند ۹۶ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

"نادار اس کے چلنے سے زردار ہو گیا"

مصرع ۲ : "اس عہد میں یہ خوردۂ دینار تیغ تھا"

بند ۹۷ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ : آندھی تھی گرد گھوڑے نے وہ گرد اڑائی تھی"

بند ۱۰۰ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۱
"آتے تھے جوڑ توڑ عجب تیغ تیز کو"

بند ۱۰۴ : یہ بند صرف دفتر ماتم میں ہے۔
بند ۱۰۸ : یہ بند دفتر ماتم میں نہیں ہے نسخۂ نول کشور سے اضافہ کیا ہے۔
بند ۱۱۳ : نسخۂ نول کشور کی بیت ہے :

حضرت کہاں؟ فرات کہاں؟ کربلا کہاں؟ تا عصر خاتمہ ہے یہ دکھ یہ بلا کہاں

بند ۱۱۴ : دفتر ماتم، مصرع ۶ : "سقۂ حرم کا شام کے طوفاں میں گھر گیا"
بند ۱۱۵ : صرف دفتر ماتم میں ہے۔
بند ۱۲۵ : نسخۂ نول کشور مصرع ۴
"حضرت نے پوچھا کیا ہے کہا ہائے بابا جانؑ"

بند ۱۲۶ : نسخۂ نول کشور مصرع ۲
"جھک جھک کے کان میں کہا ہو ہو کے بے قرار"
مصرع ۳ ہمدم، رفیق، دوست، مددگار، جاں نثار"

بند ۱۲۵ : دفتر ماتم مصرع ۱
"اکبر پہ جو کہ آنی ہو میرے پسر پہ آئے"

بند ۱۳۷ : دفتر ماتم میں مصرع ۱، ۲ یوں چھپا ہے :

رو کر کہا یہ بانو سے اس نیک ذات نے اماں دولھن بنی بھی تھی میں ان کے سامنے

فرہنگ

۱۔ چہرہ کی فرد : وہ رجسٹر یا ورق جس میں سپاہی کے کوائف لکھے جائیں۔ رِفعت : بلندی۔
۲۔ طوبیٰ : جنت کا ایک بہت بڑا درخت۔ نہال : پودا۔
۳۔ افسر : تاج۔ دخیل : شریک۔ داخل۔ سلسبیل : جنت کی ایک نہر۔
۴۔ مہرِ مبین : چمکتا سورج۔ وِلا : محبت۔ دستِ بریدہ : کٹے ہوئے ہاتھ۔
۵۔ ضریح : قبر کے گرد لگی ہوئی چوکور جالی۔ گذشتہ زمانے میں حضرت عباسؑ کی قبر پر فولاد کی جالی لگی تھی، اب چاندی سونے کی بہت نفیس جالی لگی ہوئی ہے۔ شگیرہ : شامیانہ۔
۶۔ مشبک : جالی دار۔ بُرجِ سُنبلہ : سورج کے بارہ برجوں میں سے ایک برج۔
مجاوری : روضے کی خدمت۔
۷۔ سقف : چھت۔ سِدرہ : عرش کی ایک منزل۔
۸۔ نہرِ لبن : دودھ کی نہر۔ جنت کی ایک نہر۔ بہرہ ور : فائدہ اٹھانے والا۔ چاہ : محبت۔ کنواں۔
۹۔ اب جو کنارہ کش نہیں دریا سے ہوتے ہیں الخ حسن تعلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عباسؑ جو اب تک نہر کے کنارہ اور اس کے قریب آرام فرما ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے گناہوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں (وہ گناہ کرتے ہیں یہ انھیں دھوتے ہیں) ایک مبالغہ ہے۔
۱۰۔ مہر : محبت۔ نگاہِ کرم۔
۱۱۔ طرفہ : عجیب و حیرت انگیز۔
۱۲۔ فانوس : وہ شیشہ جس کے اندر شمع یا چراغ ہو۔
۱۳۔ اَلغیاث : المدد۔ مدد کو پہنچو۔
۱۴۔ سیلی : تمانچہ۔
۱۵۔ حاضری : ایک خاص قسم کی روغنی روٹی۔ وہ نذر کا سامان جس پر حضرت عباسؑ کی نیاز دی جائے۔
۱۶۔ مرحبا : آفریں۔

۱۷۔ گنجِ شہیداں : وہ میدان جہاں شہدائے کربلا دفن ہوئے۔

۱۸۔ رُو بکار ہے : عمل میں ہے۔

۱۹۔ انبیائے سلف : گذشتہ پیغمبر ۔ عبّاس نام ۔ ناموری داشتی چہ شد الخ عباس نام کا ایک مشہور فرزند تھا، اے علیؑ مولا، وہ فرزند کہاں گیا؟

۲۰۔ حجلہ : وہ کمرہ جہاں دولھن کو آراستہ کرتے ہیں۔ بَیْتُ الحُزن : وہ کمرہ جہاں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے والدِ بزرگوارؐ کو یاد کرکے رویا کرتی تھیں۔

۲۱۔ مادرِ بیوہ : حضرت امّ البنینؑ، والدہ حضرتِ عبّاس اور حضرت علی علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ جو مدینے میں تھیں۔

۲۲۔ حرف زن ہونا : بات کرنا۔

۲۳۔ بدگہر : بدفطرت، بدذات۔

۲۴۔ چشمک زنی کرنا : اشارے کرنا، طنز کرنا۔

۲۵۔ صِفّین : وہ مقام جہاں حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ سے جنگ ہوئی تھی، معاویہ نے نہر پر قبضہ کرکے حضرت کی فوج پر پانی بند کر دیا تھا، لیکن آپ نے نہر کا پہرہ توڑ کر کنارے پر قبضہ کر لیا اور دوست دشمن سب کو پانی استعمال کرنے کی اجازت دی۔

۲۶۔ شیرِ قلعہ گیر : حضرت علی علیہ السلام فاتح قلعۂ خیبر۔

۲۷۔ فِدوی : خادم۔

۲۸۔ اَشرفُ النّساء : تمام عورتوں سے زیادہ شرف والی بی بی، حضرت فاطمہ زہراؑ۔

۲۹۔ اِنفصال : فیصلہ۔ مُصِر : اپنی بات پر اصرار کرنے والا۔

۳۰۔ حزیں : غمگیں۔

۳۱۔ جعفر : حضرت ابوطالبؑ کے بیٹے۔ اور جنگ موتہ کے علم دار لشکرِ رسولؐ اس جہاد میں آپ کے دونوں ہاتھ قلم ہو گئے تھے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے فرمایا کہ اللہ نے جعفر کو دو باز (پر) عطا کیے ہیں کہ وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑ کر جا سکتے ہیں۔ حضرت جعفر طیّار حضرت عبّاس کے چچا تھے۔

۳۲۔ تشنہ کام : پیاسے۔

۳۳۔ مجرا : سلام شاہی۔ اَسپِ دور کابہ : وہ قد آور گھوڑا جس پر دور کابیں لگائی جائیں۔ تگاور : تیز

رفتار گھوڑا۔ گھوڑا۔ پاکھر : زرہ جیسی ایک فولادی پوشش جو جنگ کے وقت گھوڑے پر ڈالتے ہیں دَور دورا آنا : حلقہ در حلقہ آنا۔

۳۴۔ پنبہ بگوش : کانوں میں روئی ڈالے ہوئے۔ خضرؑ : وہ زندہ نبی جو سمندروں کے راستے بھولنے والے مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں اور الیاسؑ وہ زندہ نبی جو خشکی میں راستہ بھولنے والوں کو منزل کا پتہ بتلاتے ہیں۔

۳۵۔ صَمصام : تلوار۔ سوفار : تیر کی چٹکی۔ تیر کا وہ سوراخ جو کمان کی تانت پر رکھا جاتا ہے۔

۳۶۔ وحیدِ زمان : یکتائے زمانہ۔ نبردی جواں : مشہور سپاہی۔ حمزہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، جنگ احد کے علم دار اور شہید۔ صاحبِ قِراں : وہ بلند اقبال جس کی ولادت کے وقت دو مبارک ستارے ایک برج میں ہوں۔ سَیف : تلوار۔

۳۷۔ رجیفہ : مُردار۔

۳۸۔ نماز میں انگوٹھی دینا : ایک واقعہ کی طرف ہے۔ ایک مرتبہ ایک سائل مسجدِ نبیؐ میں آیا، لوگوں سے سوال کیا، کسی نے اس کی مدد نہیں کی، اتنے میں اس کی نظر پڑی اور حضرت علیؑ کو رکوع میں دیکھا، حضرت نے انگلی کا اشارہ کیا اس سائل نے آپ سے انگوٹھی لے لی، اللہ کو یہ بات پسند آ گئی اور جبریل آیت لے کر اترے۔

"انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" یہ سورۃ المائدہ کی ۵۵ ویں آیت جس کے معنی ہیں :

"بلاشبہ تمہارا ولی اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ جو نماز قائم کرتے اور رکوع کی حالت میں خیرات دیتے ہیں" ——— اس آیت کا مصداق حضرت علیؑ کے علاوہ پوری امت میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

۳۹۔ سرسبز ہونا : کامیاب ہونا۔ سرخرو ہونا۔ جناب : بارگاہ۔ یوسف و چاہ : تلمیح ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ کی بے انتہا محبت یوسفؑ سے جل کر ایک فریب کے ذریعے والد سے اجازت لی، بھائی کو جنگل میں لاکر ایک اندھے کنویں میں پھینک کر گھر چلے گئے۔ ادھر ایک قافلہ گذرا اس نے پانی کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا، حضرت یوسفؑ کنویں سے نکلے، قافلہ نے حسین و جمیل نوجوان کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے، حضرت یوسفؑ کو غلام بنا کر مصر لائے اور وہاں ان کو فروخت کر دیا، غرض طویل واقعات کے بعد حضرت یوسفؑ مصر کے حاکم ہو گئے ——— اس واقعے

کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی کنوئیں میں گرایا جائے وہ یوسف علیہ السلام کا عروج حاصل کرے گا۔

۴۰۔ داؤدؑ و زرہ: مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سب سے پہلے لوہے سے ملبوس تیار کیا، اللہ نے آپ کو یہ قدرت بخشی تھی کہ لوہے کو موم کی طرح جس طرح چاہتے تھے استعمال فرماتے تھے۔ بخیہ گر: کپڑے سینے والا۔ کہتے ہیں کپڑے سینے کا دستور حضرت ادریس علیہ السلام نے شروع کیا۔

۴۱۔ گوسالہ: سامری نامی جادوگر نے دھاتوں سے ایک گائے کا بچھڑا بنایا تھا اور اس میں کوئی ایسی تکنیک رکھی تھی کہ اس سے وہ بولتا تھا، لوگ اس فریب میں آگئے اور اسے دیوی دیوتا اوتار ماننے لگے۔ راستی: سچ۔ کذب: جھوٹ۔ امام ہدیٰ: امام ہدایت و حق۔

۴۲۔ ذبیح: ذبیح اللہ، راہ خدا میں ذبح ہونے والے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا لقب۔ خلیل: دوست۔ حضرت ابراہیم کا لقب تھا خلیل اللہ۔ بے عدیل: بے مثال۔ نعلین: دونوں جوتیاں۔

۴۳۔ احمد مدینہ علم کے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا ترجمہ ہے۔ حدیث ہے: "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا" میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس شہر کا دروازہ ہیں۔

۴۴۔ روح: ایک مقرّب فرشتے کا نام۔ جبرئیل۔ دوسرے مصرعے میں روح کے معنی ہیں جان۔ فتوح: کامیابیاں۔ فتح باب: اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث کی طرف جس میں حضور نے فرمایا تھا "کل میں اسے علم دوں گا جو مرد ہوگا۔ کرار ہوگا وہ کبھی بھاگا نہ ہوگا۔ اللہ و رسول سے اسے اور اللہ و رسول کو اس سے محبت ہوگی اور اللہ اس کے ہاتھوں خیبر کو فتح کرائے گا۔"

۴۵۔ کڑکیت: کڑکا کہنے والا، کڑکا وہ اشعار یا جملے جو میدان جنگ میں فوج کو جوش دلانے کے لیے بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں۔ زحل: ایک ستارہ جسے خون و تباہی کی علامت سمجھتے ہیں۔ بہرِ ناں: روٹی کے لیے۔ مصالحہ: صلح۔

۴۶۔ ابنِ حسن: حضرت قاسمؑ امام حسنؑ کے فرزند، دولھا۔

۴۷۔ نیمچہ: چھوٹی تلوار۔ ظفر: فتح۔

۴۸۔ صائم: روزہ دار۔

۴۹۔ مشکل ہے ابتدا بہ سکون: عربی زبان کے قواعد میں بات مسلّم ہے کہ ان کی زبان میں کوئی کلمہ ایسا نہیں جس کا پہلا حرف ساکن ہو۔ اس بند میں اصطلاحات نحو کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس قسم کے استعمالات کو مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔

مطلب: سب جانتے ہیں کہ میدان میں جاکر شروع ہی میں ٹھہر کر لڑنا مشکل تھا، مگر یہ کلمہ تلوار نے

باطل کر دیا، جسے اس نے چھولیا وہ ساکن ہوگیا، سر پر اتنے زخم لگائے کہ اس کا ہلنا ممکن نہ رہا، زیر و زبر فاتح و مفتوح سب تلوار کے سامنے حاضر تھے۔ ہاں آخری صفیں کچھ آگے بڑھتے دکھائی دیتی تھیں لیکن ان کی حرکت ایسی ہی تھی جیسے کوئی بسمل تڑپے۔ ابتدا، خبر، ساکن، وقف: حرف آخر کا ساکن ہونا۔ حرکت (زیر، زبر، پیش)۔ جرم زخم: زخم کا نشان۔

۵۰۔ طرارہ: تیزی سے دوڑنا۔ رخش جہندہ: اچھلتا دوڑتا گھوڑا۔ روباہ: لومڑی۔

۵۱۔ ترجیح: برتری۔ فوقیت۔ جود: سخاوت۔ انبوہ: مجمع، ہجوم۔ خواص: اثر۔ خوبیاں۔

۵۲۔ سکاں: ساکن کی جمع، رہنے والے۔

۵۳۔ بارقہ: چمک۔ پنجابی لشکارا۔

۵۴۔ تحتِ ثریٰ: خاک کے نیچے۔ فلک کے نو پل: یعنی سات آسمان اور عرش و کرسی دریائے تیغ کے سامنے پل ہیں یہ نو آسمانوں کے پار پہنچ رہی ہے۔ نمودِ سینۂ ماہی و گاؤ: یعنی خاک اڑ کر حدِ آخر تک پہنچ چکی ہے، اب تو گائے اور گائے کے نیچے کی مچھلی نظر آرہی ہے۔

۵۵۔ فریب: فریب۔ زور: دھوکا۔

۵۶۔ وا ولدی: ہائے میرے بیٹے۔ وا: کلمۂ فریاد۔

۵۷۔ بالیں: سرہانا۔

۵۸۔ خوزادے: شہزادے۔ میٹھا برس: اٹھارواں سال۔

مرثیہ نمبر۶

سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل

بند، ۱۳۷

بیان شہادت علی اکبرؑ

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگ الفاظ

مرثیہ پر نظر

حضرت علی اکبرؑ کے بارے میں دبیر کا یہ مرثیہ مدت سے پڑھا جا رہا ہے۔ مرثیہ کی مقبولیت کا راز اس المیہ اظہار اور مجلس کی ذہنی کیفیت سے ہم آہنگی ہے، مرثیہ کے اجزا میں مرزا صاحب نے جو خصوصیات ملحوظ رکھے ہیں وہ یہ ہیں:

چہرہ: مجلس کی تعریف، حاضرین کے نفسیات کو تقدس اور بکا کی طرف مائل کرنے والے خیالات پر مشتمل ہے۔ اجتماع کی شان، مکان، فرش، نشست نتیجۂ اجتماع پر ذہنی پس منظر میں گفتگو ہے۔

سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل، دربانی جبریل کے قابل ہے یہ محفل، حتیٰ کہ یہ دربار حسینؑ ابن علیؑ ہے، دروازہ ہے یا ہاتھ سخی کا یہ کھلا ہے، اور چونکہ مجلس موسم گرما میں ہو رہی ہے، اور حاضرین کی آمد پر نفیس قسم کا شربت پیش کیا جا رہا ہے لہذا شربت کے لیے معجزہ کا قند گھلا ہے، اخلاص یہ کہتا ہے، ریا سے میں بری ہوں، جو سورۂ اخلاص کے پڑھنے میں اثر ہے، وہ مرتبہ ذکر شہ جن و بشر ہے۔ آئینہ ہے دیکھو صف ماتم کی صفائی فردوس کا چہرہ نظر آتا ہے یہاں سے۔

مصرعوں کی سادگی، ہمواری، مصوری اور تاثیر دیکھیے اور چھٹے بند پر اس کیفیت آفرینی کا کمال:

یہ بزم ہے گلدستہ بہشتوں کے چمن کا — لازم ہے بیاں وصف گل شاہ زمن کا
اکبر جو ہے دل بند شہ قلعہ شکن کا — آغاز جوانی میں وہ مشتاق ہے رن کا
مرنے کو جو پوچھو تو سب اک روز مریں گے
لیکن یہ شباب اور یہ اجل یاد کریں گے

ساتواں بند مطلع ہے۔ اس میں مذکورہ بندوں کا خلاصہ اور گریز ہے تاکہ اگر کوئی شخص مجلس میں مختصر خوانندگی چاہے تو پہلے چھ بند چھوڑ کر مرثیہ نئے مطلع سے شروع کرے ورنہ اس بند کو ان کے ساتھ ملا کر پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔

گریز: یعنی تمہید سے موضوع کی طرف آنے کے لیے اور اصل مرثیہ شروع کرنے کے لیے تین بند ہیں، تیسرے بند کا پہلا مصرع قیامت ہے۔

کیوں یارو کنایے سے ہی دل ہو گیا پارا

بارہواں بند پھر مطلع کرکے مرثیے کے بالائی گیارہ بندوں کے چھوڑنے کا موقع نکالا ہے۔

اجازت اور رخصت: بند ۱۶ سے ۲۲ تک اجازت جہاد مانگنے کا ماحول، خواتین کا حال اور علی اکبرؑ کا تیار ہونا، انتہائی ماہرانہ مصوری سے قلم بند کیا ہے۔ مادر حضرت علی اکبرؑ اور حضرت زینبؑ و سکینہؑ کے جذبات، علی اکبرؑ کے جواب اور باہمی ادب آداب کا بیان، مرثیہ کے ادبی اظہار اور شاعرانہ کمال کے نکھار کی جان ہے۔ دبیر کے تنقید نگاروں نے یہاں مرزا کو بہت داد دی ہے۔

بند ۵۵ سے ۵۸ تک امام حسینؑ کی تصویر اور خدا حافظ کہنے کا بیان ہے۔

آمد: بند ۶۰ سے مطلع نو کا آغاز ہے۔ مرثیہ تیور بدلتا ہے۔ ایسے نے رزمیے کی کروٹ لی۔

اکبر جو ہوئے جلوہ فگن دامنِ زیں پر — پھر زین نے آوازہ کسا مہرِ مبیں پر
توسن نے قدم ناز سے رکھا نہ زمیں پر — شرعت نے کہا، سیر کو چل عرشِ بریں پر

یکتا تھے دو رہوار جہاں اور جناں میں
جنت میں براقِ نبوی اور یہ جہاں میں

رجز: فضائل اہل بیت پر نفیس تقریر ہے اخلاق، وعظ، اور خوف خدا پر بلند ترین خیالات، نصیحت اور خواتین اہل بیت کے بارے میں وصیتیں عجب اثر کرتی ہیں۔

یہاں پھر مرثیہ کو ایک مطلع کے ذریعے مختصر کرنے کی راہ نکالی ہے۔

اگر اس بند سے جسے ہم نے حاشیہ میں لکھا ہے، "عنوان بنا کر بند" سے پڑھا جائے تو مرثیہ آدھا وقت لے گا اور مختصر ہو جائے گا۔

جنگ: بند ۸۴ سے ۱۱۲ تک ۲۹ بند جنگ کے ہیں۔

تلوار: چھ بندوں میں سے یہ مصرعے ملاحظہ ہوں:

چھائی جو سرِ دست یہ صمصام کی بدلی — رُت پھر گئی رنگت سپہ شام کی بدلی
بدلی نے ہوا گردشِ ایام کی بدلی — غل تھا کہ نگہ کفر سے اسلام کی بدلی

گرنے میں جھڑی لگ گئی بیدادگروں کی
پڑنے لگی بوچھار جہنم میں سروں کی

شہادت اور بین: بی بیوں کا عالم، امام کا حال، اہل حرم کے بین اور بین میں یہ بند:

پھر لاش سے لپٹی کہ میں قرباں علی اکبر — رخصت نہ ہوئے، ہو گئے بے جاں علی اکبرؑ
اٹھارہ برس کے مرے مہماں علی اکبر — دنیا سے اٹھے آج پُر ارماں علی اکبرؑ

جی کھول کے روؤں جو پیارے کی رضا ہو
ڈرتی ہوں، کہیں روح تمہاری نہ خفا ہو

۱۲۷ بند کا مرثیہ آپ کے سامنے ہے، مطالعہ کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ ہمارے ادب میں اس مسدس، اس مرثیے، اس المیہ نظم، اس شہ کار کا مرتبہ کس قدر بلند ہے اور دبیر کتنا بڑا اسلامی اقدار کا حامی و مبلغ شاعر ہے، دبیر نے پاکیزگی ذہن و طہارت خیال، نمائش کردار، اور عقیدہ و عمل کے تطابق میں کس قدر محنت کی ہے۔

سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل

۱۳۷ بند

شہادت علی اکبرؑ

۱ سب محفلوں میں نور کی محفل ہے، یہ محفل — خورشید ید اللہ کی منزل ہے، یہ محفل
روشن ہے کہ برجِ مہِ کامل ہے، یہ محفل — دربانیِ جبریل کے قابل ہے، یہ محفل

ہر ذرّہ چراغِ حرمِ لَمۡ یَزَلیؒ ہے
حقا کہ یہ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۲ یوسفؑ ہیں فدا جس پہ یہ بازار ہے کس کا؟ — دُربار ہے ہر چشم، یہ دَربار ہے کس کا؟
کیوں زرد ہے خورشید، یہ بیمار ہے کس کا؟ — لاغر ہے مہِ نو، یہ عزادار ہے کس کا؟

جلوہ ہے یہ سب ماتمِ شاہِؑ شُہدا کا
دَربار ہے یہ مالکِ سرکارِ خدا کا

۳ جاروب کشِ فرشِ عزا عرشِ عُلاؒ ہے — دروازہ ہے، با با تھہ سخی کا یہ کھلا ہے
ہر ایک گنہ عفو کی میزاں میں تُلا ہے — شربت کے لیے معجزہ کا قند گھلا ہے

پیتے ہی رَوا ہوتی ہے نادار کی حاجت
بے زر کو نہیں شربت دینار کی حاجت

۴ مجمع کو تفاخرؒ ہے کہ "اثنا عَشَری ہوں" — مجلس کی ندا ہے کہ "میں رحمت سے بھری ہوں"
چلاتی ہے ہر فردِ گنہ "میں نَظَریؒ ہوں" — اخلاص یہ کہتا ہے "رِیا سے میں بَری ہوں"

جو سورۂ اِخلاص کے پڑھنے میں اثر ہے
وہ مرتبۂ ذکرِ شہِ جن و بشر ہے

۵ آئینہ ہے، دیکھو صفتِ ماتم کی صفائی! — عینک ہو مقابل تو کرے چشم نمائی
اک دن یہ جِلا نیّرِ اعظم نے نہ پائی — اس بزم سے تو قدرتِ اللہ دکھائی

آئینہ کا کیا منہ یہ صفا لائے کہاں سے
فردوس کا چہرہ نظر آتا ہے یہاں سے

۶ یہ بزم ہے گل دستہ بہشتوں کے چمن کا — لازم ہے یہاں وصفِ گلِ شاہِ زمن کا
اکبرؑ جو ہے دل بندِ شہِ قلعہ شکن کا — آغازِ جوانی میں وہ مشتاق ہے رن کا

مرنے کو جو پوچھو تو سب اک روز مریں گے
لیکن یہ شباب اور یہ اجل یاد کریں گے

۷ ماتم کا مُرَقّعؒ ہے کہ خاموش ہے مجلس مطلع — یہ داغ ہے کس کا کہ سیہ پوش ہے مجلس
ہر بند کی خاطر ہمہ تن گوش ہے مجلس — یہ مرثیہ کس کا ہے؟ کہ بے ہوش ہے مجلس

حیدرؑ کو قلق، فاطمہؑ کو نوحہ گری ہے
کیا خون میں تصویرِ پیمبرؐ کی بھری ہے؟

۸ یہ کون جواں ہے جسے روتی ہے جوانی — کون اٹھتا ہے پیاسا جو گرا آنکھ سے پانی
کیوں چشم کے چشمے میں ہے دریا کی روانی — کیا خون میں ڈوبا ہے کوئی یوسفِ ثانی؟

کنعانِ شہادت کا حسین کون ہے ایسا
خورشید لقا، ماہ جبیں کون ہے ایسا

۹ اٹھارھویں سال اب جو نہیں بیاہ، تو کیا ہے؟ — اس عمر کا سیّد کوئی بن بیاہا مرا ہے؟
پھل سبزے کا کس پھول سے سینے پہ لگا ہے — شق سینہ، گل خاک بسر، بادِ صبا ہے

کیوں پھولوں کے عمامے گرے خاک پہ ہے ہے!
سہرا نہ بندھا کس کے سرِ پاک پہ ہے ہے!

۱۰ محتاجِ کفن لاش ہے کس تشنہ وہاں کی — چادر لیے پھرتی ہے زمیں آبِ رواں کی
پوچھو تو زمانے سے یہ ہے رسم کہاں کی — تابوت پہ سہرا نہیں، میّت ہے جواں کی

سہرا نہ سہی، یاں تو جنازہ بھی نہیں ہے
پھولوں کی کوئی چادرِ تازہ بھی نہیں ہے

١١ کیوں یارو! کنایے سے ہی دل ہو گیا پارا؟ — آخر یہ بیاں کس کا ہے، لو نام خدا را
مارا گیا شہزادہ مرا اور تمہارا — ارمان ہیں شاہد کہ پر ارمان سدھارا
اے کاش غلاموں کا یہ ارمان نکل جائے
ہے ہے علیؑ اکبر کہیں اور جان نکل جائے

١٢ یہ غم ہے، غمِ مرگِ جوانانۂ اکبر مطلع — یہ مجلسِ ماتم ہے عزاخانۂ اکبر
دل جلتے ہیں سب کے کہ ہیں پروانۂ اکبر — بن پانی کے لبریز ہے پیمانۂ اکبر
ہم سن ہیں جو زہراؑ کے تو ہم شکلِ نبیؐ ہیں
حیدرؑ کے جوانوں میں جواں مرگ یہی ہیں

١٣ رخ وہ کہ حسینانِ عرب جس پہ ہیں شیدا — ہے خالِ درخشاں دلِ یوسفؑ کا سُویدا
سبزہ ہے جوانی کا رخِ سرخ سے پیدا — یاقوت سے خوش رنگ، زمرد سے ہویدا
گلشن ہیں، مگر آہ نہ پھولے نہ پھلے ہیں
آمد ہے جوانی کی یہ دنیا سے چلے ہیں

١٤ حق دوست ہیں، حق گو ہیں، یہ ہیں حق کے طلب گار — لشکر حق و باطل کا جو رن میں ہوا تیار
دریافت کیا حق ہے کدھر، اے شہِ ابرار؟ — شہ بولے: تمہاری طرف اے حق کے طرف دار
اب لال لہو میں جو ہر اک ذرّہ نجف ہے
یہ کہتے ہیں کچھ غم نہیں حق اپنی طرف ہے

١٥ کھانے کی تمنا ہے نہ پانی کی تمنا — نے سلطنتِ عالمِ فانی کی تمنا
پھر کیا ہے، فقط مرگِ جوانی کی تمنا — پہلی ہے یہی، احمدِؐ ثانی کی تمنا
نیزہ جگرِ پاک سے جس آن نکالا
بولے کہ خدا نے مرا ارمان نکالا

١٦ چہرے سے مصیبت بھی، تحمّل بھی عیاں ہے — آنکھوں سے شجاعت بھی، تحمّل بھی عیاں ہے
فاقے میں قناعت بھی، توکّل بھی عیاں ہے — سر دینے میں عجلت بھی، تأمّل بھی عیاں ہے
جلدی کا سبب شوقِ حضوریِ خدا ہے
وقفے کی جہت الفتِ شاہِ شہدا ہے

١٧ بادل کی طرح رن میں عدو چھائے ہوئے ہیں — مولا سرِ تسلیم کو نیوڑھائے ہوئے ہیں
اس وقت حرم خیمے میں گھبرائے ہوئے ہیں — ہم شکلِ نبیؐ بہرِ وداع آئے ہوئے ہیں
عباسؑ کے ماتم کو تو موقوف کیا ہے
اس چاند کو ہالے کی طرح گھیر لیا ہے

١٨ چاروں طرف اکبر کی خوشامد کا ہے سامان — مسند کو کوئی جھاڑتی ہے پلکوں سے اس آن
لاتی ہے مُصلّے کوئی اُن کا، کوئی قرآن — دل جوئی پہ سب جمع ہیں، پر دل ہیں پریشاں
چہرے پہ بیاباں کی جو گرد پڑی ہے
چھوٹی بہن آئینہ لیے آگے کھڑی ہے

١٩ برہم ہیں یہ ماتم کی صفیں دیکھ کے ہر سو — خالی ہے جو خیمہ تو بھر آتے ہیں آنسو
سر ننگے جو کنبہ ہے تو بل کھاتے ہیں گیسو — عباسؑ سا مہ رو ہے نہ قاسمؑ سا ہے گل رو
حیراں ہیں کہ دربارِ پدر ہو گیا خالی
رن بھر گیا گھر والوں سے، گھر ہو گیا خالی

٢٠ رو رو کے سکینہ سے مخاطب ہے وہ ذی شاں — تھرّاتی ہو فاقے سے، بہن بیٹھو میں قرباں
پیاسی ہو تو کچھ ہم بھی کریں پانی کا ساماں — کہتی ہے مزا لے گئے پانی کا چچا جاں
ایسا نہیں اب صدمۂ عباس ہے بھائی
جو منہ سے نکالوں کہ مجھے پیاس ہے بھائی

٢١ منت یہ کنیزوں کی ہے کیوں شاہ کے گل فام — ہم فرش بچھاویں کوئی دم کیجیے آرام
یہ کہتے ہیں: مظلوموں کو آرام سے کیا کام — ملتا ہے جنابِ علیؑ و فاطمہؑ کا نام
نیند آج کی کھوئیں گے تو آرام ملے گا
اب قبر میں سوئیں گے تو آرام ملے گا

٢٢ اکبر کی ہر اک بات پہ تھرّاتی ہے بانو — ماتھے پہ شکن دیکھ کے غش کھاتی ہے بانو
کچھ سوچنے لگتے ہیں تو گھبراتی ہے بانو — مڑتے ہیں جو رن کو تو موئی جاتی ہے بانو
اک ہاتھ کلیجے پہ دھرے ایک جبیں پر
آنکھوں کو جھکائے ہوئے بیٹھی ہے زمیں پر

۲۳ اکبر کی گذارش ہے کہ منگوائیں سواری — ماں کہتی ہے: "لو، کیوں نہ رضا دوں گی میں واری"
پوری ہوئیں جو جو کہ مرادیں تھیں ہماری — گھر بھر گیا بچوں سے دولھن دیکھی تمہاری

کیا دیکھ کے دل خوش مرا ہوتا ہے بلا لوں
پہلو میں بہو گود میں پوتا ہے بلا لوں

۲۴ پردیس نہیں، بھوک نہیں، پیاس نہیں ہے — قاسم کا قلق ماتمِ عباسؑ نہیں ہے
گھر لٹنے کا، سر کھلنے کا وسواس نہیں ہے — اس وقت جدا ہوتے ہو کچھ پاس نہیں ہے

ہاں میرے بہل جانے کے اب طور تو سب ہیں
اک تم نہ ہوئے تو نہ ہوئے اور تو سب ہیں

۲۵ پالا تھا اسی دن کے لیے تو، کہ جدا ہو — آنکھوں کی نہ عینک ہو، نہ پیری کے عصا ہو
ہم ڈھونڈھیں دولھن اور تمھیں شوقِ قضا ہو — ارشاد سمجھ کر کرو، ناحق نہ خفا ہو

ہاں کرتی ہوں واری نہ نہیں کرتی ہوں واری
نازک ہے مزاج آپ کا میں ڈرتی ہوں واری

۲۶ ان حضرتؑ بھووں پر جو بل آیا تو غضب ہے — منہ تم نے بگڑ کر جو بنایا تو غضب ہے
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو چبایا تو غضب ہے — اس فاقے میں طیش آپ نے کھایا تو غضب ہے

مر جائے گی جب ماں تو بہت یاد کرو گے
سچ کہیو پھوپھی سے بھی یہ ارشاد کرو گے

۲۷ رخصت تو بھلا مانگی پہ افسوس نہ آیا — خدمت کا کوئی پھل مری ماں نے نہیں پایا
پھر کس سے یہ خوش ہو گی، ہمیں نے جو گر لایا — انصاف کرو، بیاہ کیا؟ دولھا بنایا!

ہشیار ہو، فہمیدہ ہو، سنجیدہ ہو پیارے
بے جا ہیں اگر کہتی ہوں رنجیدہ ہو پیارے

۲۸ گر نخل لگاتا ہے کوئی اے مرے گلفام — میوے نہیں تو چھاؤں میں پاتا ہے وہ آرام
تم تو ہو نہالِ چمنِ شاد و خوش انجام — کیا ایک میں ہی سارے زمانے میں ہوں ناکام

موسم ترے پھلنے کا اب آیا ہے، بلا لوں
قسمت میں مری پھل ہے نہ سایا ہے، بلا لوں

۲۹ پانی سے نہالوں کو بڑا سب نے کیا ہے — ہم نے تمہیں پانی کے عوض شیر دیا ہے
زہراؑ کا چمن باغیوں نے لوٹ لیا ہے — پیاسوں کا لہو ظلم کی تیغوں نے پیا ہے

یاں سوگ ہے میدان میں سادات کشی ہے
آ گئے جو خوشی آپ کی، وہ میری خوشی ہے

۳۰ کافی ہے تری چاہ، جو پانی نہ ملے گا! — دل باغ ہے گر داغِ جوانی نہ ملے گا
ڈھونڈھوں گی تو کیا کیا، مجھے جانی نہ ملے گا — پر احمدِ ثانی! ترا ثانی نہ ملے گا!

انصاف نہ دو ہاتھ سے ہم شکلِ نبی ہو
دیکھو کہیں مجھ سے نہ کوئی بے ادبی ہو

۳۱ اکبر نے یہ کی عرض کہ خادم کا ادب کیا — بستے بھی ہیں، لٹتے بھی ہیں گھر اس کا عجب کیا
ہم تو ہیں پُر ارمانِ ازل، عیش و طرب کیا — فرمایئے دنیا میں شجر پھلتے ہیں سب کیا؟

کیا آپ نے تقدیر کو پھرتے نہیں دیکھا!
بجلی کو کسی باغ پہ گرتے نہیں دیکھا!

۳۲ زین العابدینؑ اکبر کا ابھی گھر میں ہے موجود — سجادِ حزیں، قبلۂ دیں، کعبۂ مقصود
دیکھا نہ مرا بیاہ، تو جو مرضیِ معبود — باقرؑ کی خدا عمر کرے خضر سے افزود

یہ دونوں جہاں میں تمھیں ممتاز کریں گے
وہ بولی کہ اور آپ؟ کہا: پیاسے مریں گے

۳۳ آباد رہیں آپ، سلامت رہیں بابا! — ممکن ہے پسر اور بھی ہم شکلِ نبیؐ سا
پر ہاں نہ علیؑ آئیں گے دنیا میں نہ زہراؑ — شبیرؑ کا ثانی نہ کبھی ہووے گا پیدا

یہ جھوٹ ہے بیٹا انھیں ہم سا نہ ملے گا
ایسا کسی فرزند کو بابا نہ ملے گا!

۳۴ کچھ بانوئے بے کس کو جواب اس کا نہ آیا — منہ دیکھ کے فرزند کا سر اپنا جھکایا
دروازے پہ گھوڑا علیؑ اکبر نے منگایا — آداب بجا لا کے یہ مادر کو سنایا

ملبوس بدلوا دو، نہ تکلیف اگر ہو
کچھ دیر نہ لیکن پھوپھی اماں کو خبر ہو

۳۵ وہ بولی یہ مشکل ہے، یہ دشوار ہے، واری پوشاک وہی رکھتی ہیں بچپن سے تمہاری
اتنے میں حضور آ کے سکینہ یہ پکاری وہ سن بھی چکیں، آئی ہے ڈیوڑھی پہ سواری
چھپ کر پھوپھی زینبؑ سے کہاں جاتے ہو بھائی؟
سب کہنے کو کس واسطے رُلواتے ہو بھائی؟

۳۶ بولے علی اکبرؑ تمھیں کہہ آئیں پھوپھی سے؟ بیزار ہوئی ہوں گی وہ ہم شکل نبی سے؟
بتلاؤ تو، کیا جا کے کہا بنتِ علیؑ سے؟ وہ بولی کہ بھیا مجھے تم پیارے ہو جی سے!
کہہ آئی میں ان سے کہ کہیں جاتے ہیں بھائی
اماں کو بڑی دیر سے رُلواتے ہیں بھائی

۳۷ ناگاہ نمودار ہوئی زینبؑ غمناک چہرے پہ ملے خاک گریبان کیے چاک
ہمراہ لیے اکبرؑ گلفام کی پوشاک غصّے سے بدن رعشے میں، اور سرخ رخِ پاک
کہتے تھے حرم، غیظ میں یہ بنتِ علیؑ ہے
یا فاطمہؑ اب عرش ہلانے کو چلی ہے

۳۸ اکبر کے سنانے کو یہ کہتی تھی زباں سے اے عون و محمد تمھیں لاؤں میں کہاں سے
جو کام کیا پوچھ کے مجھ سوختہ جاں سے اب قدر ہوئی پیاروں کی جب چھٹ گئے ماں سے
کیا جان کے دم بھرتی تھی ہم شکل نبیؐ کا
سب کہنے کی باتیں ہیں، نہیں کوئی کسی کا

۳۹ بانو نے کہا کان میں اکبرؑ کے، خبردار! جو چاہیں پہ قرباں ہیں، نہ تم ہو پیو زنہار!
اس وقت جلالِ شہِ مرداں کے ہیں آثار واری میں رضا دینے سے کر جاؤں کی انکار
سیدانیاں بھی دیکھ کے آمد کو ڈری ہیں
خالی یہ لرزنا نہیں غصّے میں بھری ہیں

۴۰ پاس آ کے کہا زینبؑ نے کس نے بہ رقّت لو بھابھی یہ ملبوس یہ اکبر کی امانت
بچپن کے بھی کرتے ہیں، جوانی کے بھی خلعت اللہ مبارک کرے اب تم کو یہ خدمت
تم والدہ ان کی ہو، پدر سرورِ دیں ہیں
یہ آج کھلا، ہم کوئی اکبرؑ کے نہیں ہیں

۴۱ جو بات ہو سچ اس کا برا ماننا کیا ہے قابل مرے ہاتھوں کے یہ پوشاک بھلا ہے؟
میں نے ابھی بیٹوں کا لہو منہ پہ ملا ہے یہ پیرہنِ ثانیِ محبوبِؐ خدا ہے
کیوں ہاتھ سے میرے تمھیں وسواس نہ آئے
اکبر کو قسم دو کہ مرے پاس نہ آئے

۴۲ وہ بولی کہ جو کہیے سزاوار ہے بانو واللہ ہے ننگ و عار ہے، اب مختار ہے بانو
ہے ہے! عجب آفت میں گرفتار ہے بانو اکبر ہیں، جوانی مرگ، عزادار ہے بانو
یہ تم نے نہ پوچھا کہ بنی کیا ترے جی پر
حضرت بھی خفا ہوتی ہوئی آئیں مجھی پر

۴۳ پھر رونے لگی بیٹھ کے "اے زینبِ ناچار" ہم شکلِ نبیؐ پلٹے یہ کہتے ہوئے اک بار
میری پھوپھی اماں! مری مالک! مری مختار! میں تو ہوں غلام آپ کا، کیوں آپ ہیں بیزار
ہم چاہتے ہیں تم ہمیں چاہو کہ نہ چاہو
اللہ! اب اک بات پہ بندے سے خفا ہو

۴۴ ہٹ ہٹ کے وہ بولی کہ نہ یہ ذکر نکالو دم رکتا ہے یا ہاتھیں نہ گلے میں مرے ڈالو
ماں بیٹھی ہے وہ، جاؤ، گلے اس کو لگا لو بانو کی خوشامد کرو، مرنے کی رضا لو
میں پیار نہیں کرتی میں قرباں نہیں ہوتی
جاؤ میں تمھاری پھوپھی اماں نہیں ہوتی

۴۵ جیتی رہیں بھابھی، وہ ہیں حق دار تمہاری میں کاہے کو ہونے لگی مختار تمہاری
جاؤ نہ۔ سواری تو ہے تیار تمہاری اٹھارہ برس کی ہوں پرستار تمہاری
کس سے کہوں کیا خونِ جگر پیتی ہوں ہے ہے
دل پر تو چھری پھر گئی اور جیتی ہوں ہے ہے

۴۶ زینب نے بہت آپ کو اکبرؑ سے چھڑایا اکبر نے انھیں منّت و زاری سے منایا
آنسو جو تھمے مطلبِ دل اپنا سنایا زینب نے کہا: لو، وہی مذکور پھر آیا!
میں سمجھی تھی ناشاد کو اب شاد کرو گے
سچ سچ علیؑ اکبر مجھے برباد کرو گے!

۴۷ میں تیغ سے کٹتے یہ گلا دیکھ سکوں گی؟   جو سن نہیں سکتی وہ بھلا دیکھ سکوں گی؟
اس باغ پہ بارانِ بلا دیکھ سکوں گی   اس چاند سے مُکھڑے کو ڈھلا دیکھ سکوں گی؟
آنسو مرے پونچھے تھے تو رُلوانے کی خاطر
کیوں لال، یہ ملنا تھا بچھڑ جانے کی خاطر؟!

۴۸ اکبر نے کہا: آپ کی اُلفت کے میں قربان   اب چند قدم کیجیے تکلیف پھوپھی جان
اک غم کا مُرقّع تمھیں دکھلاؤں گا اس آن   پھر آپ قسم دیں گی کہ مر جاؤ پُر ارمان
فرمایا: مُرقّع کہاں اے ماہ جبیں ہے
کی عرض: پسِ پشتِ خیامِ شہِ دیں ہے

۴۹ بڑھ کر علیؑ اکبر نے قنات ایک اٹھائی   گردن جو اُدھر زینبِؑ نالاں نے پھرائی
دیکھا کہ کمر پکڑے ہوئے روتے ہیں بھائی   بے ساختہ چلّائی کہ "اللہ دُھائی"
اس غم کے مُرقّع کے میں قربان، یہی ہے؟
رو کر کہا اکبر نے: پھوپھی جاں، یہی ہے!

۵۰ للّٰہ، سرِ پاک کے جھکوانے کو دیکھو   فاقے سے مرے باپ کے تھرّانے کو دیکھو!
تنہا یہاں رونے کے لیے آنے کو دیکھو   ویران شہیدوں کے جِلَو خانے کو دیکھو
جو دم ہے غنیمت ہے کچھ اب حال نہیں ہے
روکا جو مجھے، فاطمہؑ کا لال نہیں ہے

۵۱ پھر تو یہ پکاری وہ یدُاللہؑ کی جائی   سیدانیو! دولھا کو سنوارو، اجل آئی
پوشاک نئی ہاتھوں پہ رکھ کر کوئی لائی   معراج تنِ پاک پہ اس جامے نے پائی
پھاڑا علیؑ اکبر نے گریباں قبا کا
اور نوحہ کیا: ہائے چچا، ہائے چچا کا

۵۲ عمامے نے تو گیسوؤں کو پیچ میں ڈالا   خورشید سے وہ تھا قدِ بالا پہ دو بالا
بندھنے لگا پٹکا تو ہوا طُرفہ اُجالا   اس دور میں جو گِرد پھرا چاند کے ہالا
عُقدہ یہ کھلا باندھنے سے تیغ و سپر کے
اک برج میں جلوے ہیں ہلال اور قمر کے

۵۳ سُرمے کی جو خواہش مہ و خورشید نے پائی   داغ اس کا بنا سُرمہ، کرن اُس کی سلائی
کنگھی دلِ صد چاک کی بانو نے اٹھائی   جی کھول کے ہر زلف کی لٹ اس نے بنائی
سہرے کی بلائیں جو حرم غش ہوئے ہٹ کے
پھر موت بھی روتے لگی دامن سے لپٹ کے

۵۴ نکلا وہ مُرادوں کا چمن ہونے کو تاراج   ارمان پکارے کہ ملے خاک میں ہم آج
پہنچا گئے در تک حرمِ صاحبِ معراج   دوڑا عقبِ خیمہ سے کونین کا سرتاج
حضرت نے جو پوچھا کہ فدا ہوتے ہو ہم پر؟
فرزند نے سر رکھ دیا بابا کے قدم پر

۵۵ گردوں کی طرف دیکھ کے شہؑ نے یہ سنایا: بندے کو گواہی تری کافی ہے خدایا
ایسا مجھے اِس اُمّتِ بے دیں نے ستایا   نانا کی زیارت سے بھی اب ہاتھ اٹھایا
لی جان مرے قافلے والوں کی سفر میں
تصویرِ نبیؐ کی بھی نہ چھوڑی مرے گھر میں

۵۶ بندہ کوئی اس شکل کا بیٹا نہیں رکھتا   پر تیرے حضور اس کی بھی پروا نہیں رکھتا
ناصر کوئی جز خالقِ یکتا نہیں رکھتا   سب کچھ ہے، عنایت سے تری کیا نہیں رکھتا
گر درد دیا ہے تو تحمُّل بھی دیا ہے
مالک مرے جو تو نے کیا خوب کیا ہے

۵۷ سودا بہ رضا ہوتا ہے بازار میں تیرے   بھولا ہوں ہر اک پیارے کو میں پیار میں تیرے
حیراں پیمبرؐ رہے اسرار میں تیرے   اب جلد حسینؑ آئے گا دربار میں تیرے
بعد ان کے نہ آنکھیں نہ زیارت ہے نبیؐ کی
اب موت ہی بہتر ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۵۸ پھر دم کیے آیے کئی فرزندِ حسیں پر   اُنگلی سے لکھا نامِ علیؑ لوحِ جبیں پر
رخصت کیا اور بیٹھے سرِ راہ زمیں پر   دل غیر کا بھر آگیا حالِ شہِ دیں پر
آئے سوئے اصطبل جنابِ علیؑ اکبر
خود لائی اجل کس کے عقابؑ علیؑ اکبر

۵۹ شہزادے نے جلوہ[۲۳] جو کیا دامنِ زیں پر   آوازہ کسا زین نے خورشیدِ مُبیں پر
مرکب نے قدم ناز سے رکھا نہ زمیں پر   سرعت سے کہا، فرش بچھا عرشِ بریں پر
پلکوں سے لیا پنجہ میں شہبازِ فضا کو
نعلوں کے شکنجے میں کیا قید ہوا کو

۶۰ اکبرؑ جو ہوئے جلوہ نگن دامنِ زیں پر   مطلع پھر زین نے آوازہ کسا مہرِ مبیں پر
توسن نے قدم ناز سے رکھا نہ زمیں پر   سرعت نے کہا پھر کہ چل عرشِ بریں پر
یکتا تھے دو رہوار جہاں اور جناں میں
جنّت میں بُراقِ نبوی اور یہ جہاں میں

۶۱ وہ[۲۴] رخش تھا یا ابلقِ اَیّام کا اقبال   نک سکھ سے درست، اور جواں بخت جواں سال
جادو تھا فدا آنکھ پہ، اک معجزہ تھی چال   خورشید کے سُم، برق کی دُم، شُعلے کی یال
قوت کی طبیعت تھی دلیری کا جگر تھا
سرعت کا بدن، فہم کا دل، عقل کا سر تھا

۶۲ لشکر میں خبردار یہ ہے کر خبر آئے   ہاں توبہ کرو شر سے کہ خیرُ البشرؐ آئے
ہٹ ہٹ کر کہا سب نے، کدھر آئے، کدھر آئے   چلّانے لگا شمر: وہ ۔ اکبر نظر آئے
تھا وہم کہ خالی شہِ بے کس کا پرا ہے
گھر شیرِ خدا کا ابھی شیروں سے بھرا ہے

۶۳ خُدّامِ ادب چرخ کو دوڑے کہ ٹھہر جا،   ہیبت نے کہا: عُمرِ عدو سے کہ گذر جا
کوفے نے صدا دی بنِ مرجانہ کو، مر جا،   رن فتنے سے بولا کہ: ابھی پار اُتر جا،
چھپنے کا تصور جو کیا عرش نے جی میں
کرسی نے کہا: سایۂ ہم شکلِ نبیؐ میں

۶۴ اک عالمِ حیرت تھا، چہ لاہوت[۲۵]، چہ ناسوت   سب جرم سے تائب تھے، چہ ہاروت چہ ماروت
سب خوف سے تھے زرد، چہ خورشید، چہ یاقوت   سکتہ تھا سلاطیں کو، نہ تخت اور نہ تابوت
سجدہ جو کیا روئے درخشاں کی چمک نے
بالائے زمیں ٹیک دیئے ہاتھ فلک نے

۶۵ وہ مرد کہ مشتاق رہا کرتے تھے رن کے   رن سے گئے عورات کا ملبوس پہن کے
انسان سے حیواں ہوئے طالب سرِ تن کے   دریا میں زرہ پوش چھپے مچھلیاں بن کے
تھی دھاک اجل کی بھی بہت ہیچ سے رن میں
اب پھرتی ہے چھپتی ہوئی مُردوں کے کفن میں

۶۶ رہوار کے کاوے[۲۶] سے زمیں چرخ میں آئی   پُر عرق عرق ہو گیا وہ حق کا فدائی
چہرے پہ عجب آب پسینہ نے دکھائی   ان قطروں سے پیشانی پہ گھٹا شرم کی چھائی
یہ قدرِ عرق کی نہ کسی رو سے بڑھی تھی
شبنم کبھی خورشید کے منہ پر نہ پڑی تھی

۶۷ ماتھے کا عرق پاک کیا انگلی سے بارے   سورج سے کیے دور مہِ نو نے ستارے
حیدرؑ کے لب و لہجہ سے لشکر کو پکارے   ہاں غافلو! رستے سے ہو آگاہ ہمارے
اللہ کے بندے ہیں ہم اللہ نہیں ہیں
بندے مگر اس طرح کے واللہ نہیں ہیں

۶۸ تن پر رہِ معبود میں ہم سر نہیں رکھتے   ہم سر کے کٹا دینے میں ہمسر نہیں رکھتے
جو دستِ گدا اور کہیں زر نہیں رکھتے   تکیہ کرمِ حق پہ ہے بستر نہیں رکھتے
یہ اُن پہ کھلا ہے کہ جو خاصانِ خدا ہیں
ہر بندے کے ہم نامِ خدا عُقدہ کشا ہیں

۶۹ داغِ کفِ موسیٰؑ[۲۷] یدِ بیضا کیا ہم نے   ایوبؑ کو اک آن میں اچھا کیا ہم نے
عیسیٰؑ کو زمانے میں مسیحا کیا ہم نے   اک زور سے اللہ کے کیا کیا ہم نے
ہم وہ ہیں کہ ہستی کی سدا سیر کریں گے
چکھیں گے مزا موت کا بھی اور نہ مریں گے

۷۰ لقمان نے حکمت کی سند پائی ہمیں سے   عیسیٰؑ نے بھی سیکھی ہے مسیحائی ہمیں سے
ایوبؑ نے کی اُخذِ[۲۸] شکیبائی ہمیں سے   جو مہرِ سلیمانؑ تھی وہ ہاتھ آئی ہمیں سے
ہم بندوں سے صانع نے کمال اپنا دکھایا
حلم اپنا وقار اپنا جلال اپنا دکھایا

۷۱ احکام یزید اور ہیں اور اپنے امور اور — باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے اور آتشِ طور اور — زنبور کا غل اور ہے الحانِ زبور اور
سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے، ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے، زمیں کیا ہے فلک کیا

۷۲ ساماں سے کوئی صاحبِ ایماں نہیں ہوتا — ہر اہلِ عصا، موسیٰؑ عمراں نہیں ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیماں نہیں ہوتا — آئینہ گر اسکندرِ دوراں نہیں ہوتا
لاکھ اوج ہو پشّے کا ہما ہو نہیں جاتا
بت سجدوں سے واللہ خدا ہو نہیں جاتا

۷۳ غصّے سے اگر ہم ابھی تیور کو بدل دیں — حکم و عمل و حاکم کشور کو بدل دیں
ہر فرد کے پرزے کریں دفتر کو بدل دیں — یہ کیا ہے زمانے کے مقدر کو بدل دیں
اُٹھے ہوئے طوفان کو ہٹا دیں تو وہ گر جائے
آئے ہوئے محشر کا جو منہ پھیریں تو پھر جائے

۷۴ کیوں حجّتِ اللہ سے ہر شے پہ ہے تکرار؟ — مکّی مدنی قبلۂ دیں، کعبۂ ابرار
کس بات پہ حاکم ہوا بیعت کا سزاوار — بدکار، زیاں کار، سیہ کار، جفا کار
قابل یہ امامت کے ہے؟ قائل ہمیں کر دو
قرآن سے آیہ دو حدیثوں سے خبر دو

۷۵ بندوں نے بنایا ہو جسے کیوں وہ خدا ہے؟ — نادانیِ خلقت یہی پیشِ عُقَلا ہے
جو حق کی طرف سے ہے امام و دُسرا ہے — جو خلق کی جانب سے ہے وہ کچھ نہیں کیا ہے
دم ایسے اماموں کی جو طاعت کا بھرو تم
بت کے بھی خدا ہونے کا اقرار کرو تم

۷۶ خاموش ہیں ہم حکمِ جنابِ شہ دیں سے — بگڑیں تو بنے کچھ نہ فلک سے نہ زمیں سے
اس حکم پہ تم بڑھ کے اُلجھتے ہو ہمیں سے — کینے کی گرہ کھلتی ہے دل سے نہ جبیں سے
آخر کبھی محشر ہے، کبھی ربّ غنی ہے
گر آج قیامت نہیں، فردا شُدَنی ہے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۷ یثرب میں سب آتے ہیں زیارت کو ہماری — قرآن سمجھتے ہیں وہ صورت کو ہماری
یاں قدر نہیں نانا کی اُمّت کو ہماری — بد اصل ہو، کیا سمجھو شرافت کو ہماری
بانو کا جگر جانِ حسینؑ اور نہیں ہے
اکبر سا نجیبُ الطّرفین اور نہیں ہے

۷۸ اتری مرے دادا کے لیے عرش سے شمشیر — نازل مری دادی پہ ہوئی چادرِ تطہیر
اوڑھے ہوئے ہے اب وہ ردا خواہرِ شبّیرؑ — جس نے مجھے پالا ہے بصد عزت و توقیر
مکّے کے مدینے کے جوانوں کا شرف ہوں
زینب کا غلام اور میں بانو کا خلف ہوں

۷۹ سنتے ہو، ادب تم بھی نہ زینب کا بھلانا — برچھی میں مرا خون پھوپھی کو نہ دکھانا
ممکن ہو تو زینبؑ سے مری موت چھپانا — تا زیست مجھے روئے گی وہ، تم نہ رُلانا
جب لُٹیو سرکار پیمبرؐ کے خلَف کی
لینا نہ ردا بنت شہنشاہ نجف کی

۸۰ ناگاہ یہ آواز ہوئی خیمے سے پیدا — اس قدر بڑھانے پہ فدا دخترِ زہراؑ
بتلایا غلام آپ کو، مجھ کو کھلی سکا — یوں کیوں نہ کہا عونؑ و محمد کا ہوں آقا
واری گئی تم آلِ پیمبرؐ کے شرف ہو
سب کنبے کے اقبال ہو، سب گھر کے شرف ہو

۸۱ لینے کی ردا کے نہ مُنَاہی کرو، واری — پیدا ہوئی تھی پالنے والی جو تمہاری
نانا نے یہ امّاں سے کہا تھا کئی باری — سر ننگے پھرائے گا اسے لشکرِ ناری
فرمودۂ محبوبِ خدا ہوئے گا بیٹا!
کل بلوے میں سر میرا کھلا ہوئے گا بیٹا!

(سلہ حاشیہ بر صفحہ ۔) اس کے بعد دفتر میں ایک مطلع ہے، اگر کوئی شخص مرثیہ کو مختصر کرنا چاہے تو بالائی بند چھوڑ کر اس مطلع سے مرثیہ پڑھ سکتا ہے۔

جب جلوہ فگن اکبرِ ذی شاں ہوئے رن میں — ذرّے بصفت مہرِ درخشاں ہوئے رن میں
رخ دیکھ کے سب قائلِ قرآں ہوئے رن میں — یوں خشک زباں سے یہ رجز خواں ہوئے رن میں
ہشیار کہ ہم ماہِ عرب مہرِ عجم ہیں
ماں حضرت بانو ہے، پدر شاہِ اُمَم ہیں

۸۲ ناگہ عمرِ سعد نے طارق کو پکارا — خاموش کر اس شمعِ حسینی کو خدارا
جا، کشورِ موصل کی حکومت ہو گوارا — وہ بولا: نہ دو تم، تو کروں کیا میں تمہارا

اُس دیو کو مُہر اپنی سیہ رو نے عطا کی
اکبر کے لیے روحِ سلیمانؑ نے دُعا کی

۸۳ تھا ہالہ، نا شیدِ خدا ابنِ شہِ شاہ — عقربؑ کے طریقے سے بڑھا طارقِ گمراہ
نیزہ نہ کہو، نیش تھا عقرب کا سوئے ماہ — ہنس کے کہا: جا، تجھے غارت کرے اللہ

شبرنگؑ نے سرنگ سے موذی کا بڑھا تھا
طاؤسِ جہنم پہ مگر سانپ چڑھا تھا

۸۴ گو نیزے کے فن میں بہت اس نحس نے کد کی — ہر طعن پہ لعن اس کو ملی ربِّ صمد کی
پھرتی میں عجب شکل تھی اس سروِ سہی قد کی — بس فرق میں اک نقطے کے زد نیزے کی رد کی

پھر کان پہ توسن کے رکھا نیزہ ہلا کر
پا لٹیں ہوئے تیر کو پیکاں سے ملا کر

۸۵ اس نیزے سے یوں ہم کے تڑپا وہ کمینہ — بھاگا ہوا آگے سے گیا پشت پہ سینہ
نیزہ جو لگا سینے میں، تھے دل تھا، نہ کینہ — یہ سانپ خزانے کا، وہ کافر کا خزینہ

سرکا، تو دبے پاؤں سرہانے اجل آئی
دو ہاتھ سناں پشت سے باہر نکل آئی

۸۶ حضرتؑ نے پھر نیزہ کرن کا نہ ہلایا — برچھوں فلک اچھلے کہ عجب نیزہ لگایا
لاشہ پسرِ سعدِ لعیں دیکھنے آیا — سب نے وہ سناں پشت میں دکھلا کے سنایا

ڈھالوں میں ہر اک خوف سے منہ ڈھانک رہا ہے
اژدرؑ درۂ کوہ سے وہ جھانک رہا ہے

۸۷ ناگہ پسرِ طارقِ عمرِ بد سیر آیا — چلّے سے ملائے ہوئے تیرِ اجل شر آیا
حیرت کا مرقع وہ ستمگر نظر آیا — یاں قوس کے ہالے میں ہلالِ ظفر آیا

تیر ان کا ہوا زیبِ کمانِ جنگ کی کو میں
روشن تھا کہ اک شمع ہے طاقِ مہِ نو میں

۸۸ چھوٹا جو خدنگؑ ان کا تو چلائے کہ ومہ — قربان ہے قوس و ترہ ہے تیر و زرہ
بولا یہ خوشامد سے عدو کا کوئی فربہ — یہ تیر تو ہی خدنگوں دل پہ ہے جگر پہ

پیکاں کے اک قطرے میں طوفاں نظر آیا
پانی کی طرح ہر رگ و ریشہ میں در آیا

۸۹ گردش کی نہ آنکھوں نے نہ جنبش سر و پا نے — جب روح کا پیچھا کیا اس تیرِ قضا نے
اُس وقت کی سرعت ملک الموت ہی جانے — منہ ڈھانپ لیا تیر کے پَر سے ہوا نے

جاں تھا اس کی تنِ زشت سے منہ موڑ کے بھاگی
حسرت دلِ ناپاک کی جی چھوڑ کے بھاگی

۹۰ طلحہ بنِ طارق نے پھر اشہب کو اڑایا — بالخیر یہ ثالث بھی نہ شر سے نظر آیا
اکبر نے گریباں کی طرف ہاتھ بڑھایا — گردن کی رگیں پس گئیں گھوڑے سے اٹھایا

چھٹ جائیں رکابیں نہ اگر پائے لعیں سے
اٹھلیؑ تھا کہ رہوار بھی اٹھ آئے زمیں سے

۹۱ چکر میں زمیں آ گئی یوں گرد پھرایا — تقدیر کی گردش نے بد اختر کو رلایا
اک برج نیا چرخ کے نیچے نظر آیا — جنگل میں بھنور قلزمِ معجز اثر نے دکھایا

سرگشتہ نہ تھا طلحۂ ناپاک ہوا پر
یہ کوزہ گرِ چرخ کا تھا چاک ہوا پر

۹۲ پھر دستِ مبارک سے جو اُس نحس کو چھوڑا — گھوڑے کے پیے ہاتھ کا سایہ ہوا کوڑا
تن جل گیا ناری کا ہوا گرم جو گھوڑا — ششدر ہوئے دولا کہ رخ اس کرتے موڑا

بے جاں کیے تیغِ تن اس دل کے غنی نے
فی النار کیا ناریوں کو پنجتنی نے

۹۳ بعد اس کے صفِ جنگ سے اک صف شکن آیا — مصراعِ بنِ غالب روئیں بدن آیا
اژدر بکف آیا تہہِ رال کر گدن آیا! — بگڑا یہ جواں شیر تو کچھ بھی نہ بن آیا

خالی ہوا جب خلفِ شاہِ زماں سے
سر عقل سے، رخ رنگ سے، دل تاب و تواں سے

۹۴ پانی نے اسے آپ کی تلوار کو سونپا اور خاک نے ضربِ سُمِ رہوار کو سونپا
پھر آگ نے پیکانِ شرربار کو سونپا آخر کو ہوا نے کُرۂ نار کو سونپا
چار اس کے عناصر تو گئے چار طرف کو
کی فتح نے تسلیم دو عالم کے شرف کو

۹۵ مصراع ہوا روبرو سے مَطلعِ اسلام! تلوار اِدھر تھی پئے تقطیع بدانجام
جب میاں کے مصرع سے بڑھا فقرۂ صمصام ہاتف نے کہا نظم و نَسَق کا ہے یہ ہنگام
کیا میاں میں شمشیر کے فقرے کو کل آئے
مصرع تو کمر میں رہا معنی نکل آئے

۹۶ دل فتح کا تازہ کیا اس خضرِ جواں نے ظلمت سے کیا رن میں ظہورِ آبِ رواں نے
کی آرزوئے غوطہ زنی طائرِ جاں نے بے ساختہ تھرّا کے کہا امن و اماں نے
وہ میاں سے شمشیرِ شجاعت نکل آئی
لو زانچے سے جنگ کی ساعت نکل آئی

۹۷ مصراع سے مصرع ہوا ضم تیغِ اجل کا ہر رکن کٹا، وزنِ بدن ہو گیا ہلکا!
قامت جو گرا دشت میں مَردُودِ ازل کا اس ریگ پہ مصرع وہ بنا بحرِ رَمَل کا!
سالم نہ دل و دیدۂ ملعون نظر آیا
ہر بیت میں اس تیغ کا مضمون نظر آیا

۹۸ للکارا یہ افسر کو جَرِی تول کے تلوار اب تو جگرِ پنجتنِ پاک سے ہر چار
چار آئینے پر تیرے تھے جو ہو گئے بیکار ہم جنگ میں لاکھوں سے نہیں عاجز و ناچار
یہ سن کے عرق ناصیۂ فوج پر آیا
ہر قطرہ سمندر کی طرح موج پر آیا

۹۹ پھر تو قدم اس طرح بڑھا خِنگ جری کا جیسے رہِ خالق میں اٹھے ہاتھ سخی کا
یوں رنگ اڑا تیغ کے ایک ایک شقی کا جس طرح گنہ توبہ سے زائل ہو کسی کا
یوں کفر ملا فوج سے شر جیسے شرر سے
باطل سے جدا حق ہوا حر جیسے عمر سے

۱۰۰ کرّ و کبت بھی کرّ کے یہی رن ہے یہی میدان کھیلو سپر و تیغ سے وہ گو ہے یہ چوگان
اکبر سے یہاں جوشِ شجاعت نے کہا ہاں مردانہ بڑھے کہتے ہوئے یا شہِ مرداں!
روباہوں کو بڑھتے ہوئے اس شیر نے روکا
اُمڈا ہوا طوفاں پلِ شمشیر نے روکا

۱۰۱ یہ تیغ گری ہر سرِ بدخو پہ تڑپ کر منہ کو کیا بے آبرو ابرو پہ تڑپ کر
دل سینوں میں تڑپا دیئے پہلو پہ تڑپ کر بجلی کی طرح پھر گئی بازو پہ تڑپ کر
عامل بھی نہ آسیب کو یوں سر سے اتارے
جس طرح سر اس تیغ نے پیکر سے اتارے

۱۰۲ قدموں سے چلی تو سرِ ناپاک پہ چمکی ناپاک کا سر کاٹ کے افلاک پہ چمکی
افلاک سے آ کر کرۂ خاک پہ چمکی گہ سُنبلہ پر، گہ خس و خاشاک پہ چمکی
تھی تیز کہ اُتری تھی ابھی چرخ پہ چڑھ کر
مچھلی کے تلے گاؤ زمیں چھپ گئی بڑھ کر

۱۰۳ چمکی یہ جو ہیں تیرِ اعظم کی طرح سے اعدا کی زرہ اڑ گئی شبنم کی طرح سے
ہر دل کی خوشی کھا گئی یہ غم کی طرح سے ہر صف نظر آئی صفِ ماتم کی طرح سے
آرام ملے خاک وہ مَردُودِ خدا تھے
آرام کے بھی لفظ کے سب حرف جدا تھے

۱۰۴ تھے قطرۂ خوں رشتۂ جوہر میں نہ زنہار لڑنے کی بہار اس کے گلے کا ہوئی تھی ہار
ہر وار پہ تحسیں کی سزاوار تھی تلوار گردوں میں جو چھپتی تھی کھلا ہم پہ یہ اسرار
سرکارِ الٰہی سے جُرأت کے یہ صلے تھے
تو پار چلے افلاک کے خلعت میں ملے تھے

۱۰۵ گرچار ہوا تیغِ دو سر سے کوئی سردار اس پنجتنی نے مع ہمزاد کیا چار
یہ کاٹ کے معنی ہیں، اسے کہتے ہیں تلوار لشکر کے جوانوں کو مُسِن کر دیا اک بار
دو حصے سن و سال کیے اہلِ ہوس کے
جو تیس برس کے تھے، ہوئے ساٹھ برس کے

۱۰۶ چھائی جو سرِ دست پہ صمصام کی بدلی — رُت پھر گئی رنگت سپہِ شام کی بدلی
بدلی نے ہوا گردشِ ایّام کی بدلی — غل تھا کہ نگہ کفر سے اسلام کی بدلی
گرنے میں جھڑی لگ گئی بیدادگروں کی
پڑنے لگی بوچھار جہنّم میں سروں کی

۱۰۷ اُبلے یہ کہیں زخموں کے عالم ہوا فانی — تلوار کے پانی پہ ہوئی فاتحہ خوانی
طوفاں کا تموّج بھی بھرنے لگا پانی — نے دھوپ تھی، نے چھاؤں، نہ پیری نہ جوانی
بھاری تھے بہت کوہ مگر وہ بھی بہے تھے
آبِ دمِ شمشیر میں سر پیر رہے تھے

۱۰۸ اب تیغ نے سر جانبِ آب اپنا اٹھایا — دریا نے نہ پھر پائے شتاب اپنا اٹھایا
طوفاں ہوا بے پردہ، نقاب اپنا اٹھایا — بے مغزوں نے سر مثلِ حباب اپنا اٹھایا
انگڑائیوں میں ہاتھ کھنچے پیر و جواں کے
پَر ڈوبنے کے وقت کھلے طائرِ جاں کے

۱۰۹ اس فوج کے بڑھنے سے گھٹا علقمہ کا گھاٹ — ہمّت نے کہا نہر کو بھی ناریوں سے پاٹ
کیا تیغ تھی، کیا آب تھی، کیا دھار تھی کیا کاٹ — کشتے بہت اور بہرِ کفن نہر کا اک پاٹ
جو رنگ تھا مرجان کا وہ موتی کو دیا تھا
دریا کا لہو پانی تمام ایک کیا تھا

۱۱۰ سب ناریوں نے آپ کو دریا میں گرایا — اس تیغ نے طوفان قیامت کا اُٹھایا
گرداب میں قالب کے جہازوں کو پھنسایا — روحوں کو مگر راستہ دوزخ کا بتایا
موتی یہ ڈرے تیغِ شہنشاہِ نجف سے
خود دامنِ نیساں میں چھپے اڑ کے صدف سے

۱۱۱ گرنے سے پھریروں کے ہر اک موج پری تھی — خودوں سے بہارِ چمنِ نیلوفری تھی
تھی غرق بھنور، تیغ پہ زینت سے بھری تھی — لیکن یہ صفائی تھی کہ اعجاز گری تھی
دریا سے اٹھی خون بہا کر وہ عدو کا
پانی سے نہ چھپا کوئی دھبّا بھی لہو کا

۱۱۲ ہر ایک پرا ہو کے پراگندہ پکارا! — جاں بخش، اماں بخش، نبی زادے خدارا!
شمشیر کو روکا جو رحیمی سے قضا را — نیزہ کسی ظالم نے دلِ پاک پہ مارا
اتنا تو کہا: "کیوں یہی احساں کا صلا تھا"؟
پر بند تھی آنکھ اور گُلِ زخم کھلا تھا

۱۱۳ ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر یہ پکارے — اے قبلۂ حاجات! میں قربان تمہارے
فرماؤ قدم رنجہ کہ ہیں گور کنارے — چلّائے شہِ دیں کہ ابھی آیا میں پیارے
اے جانِ پدر! یہ تو کہو زخم کہاں ہے؟
آئی یہ ندا میں کلیجے میں سناں ہے

۱۱۴ آواز پہ اکبر کی، علیؑ کا پسر آیا — کس مہر سے خورشید قریبِ قمر آیا
پر ضعفِ بصارت سے نہ لاشہ نظر آیا — تھرّا کے گرے خاک پہ منہ کو جگر آیا
چلّانے لگے ڈھونڈھ کے ہاتھوں سے: کدھر ہو!
اے روشنیِ چشم! اِدھر ہو کہ اُدھر ہو!

۱۱۵ ہاتھ اپنا کلیجے سے اٹھا کر وہ پکارا — تشریف اِدھر لاؤ! یہ خادم ہے تمہارا
ٹھہرائیں حضور آپ طبیعت کو خدارا — لاشہ نظر آتا نہیں حضرت کو ہمارا
سب رنج تو تھے ضعفِ بصارت ہوا کب سے؟
شبیّر پکارے کہ جدا تم ہوئے جب سے!

۱۱۶ بینائی کو کیا پوچھتے ہو، جان نہیں، ہائے — ایسا نہیں داغ آپ کا جو باپ نہ مر جائے
اللہ کو معلوم ہے، جس طرح یہاں آئے — اب اور جو ارشاد کرو باپ بجا لائے
وہ بولا کہ دامن سے مرا زخم چھپا دو
اماں مری جیتی ہوں تو لے چل کے دکھا دو

۱۱۷ پھر رو کے کہا: ہائے بہن فاطمہ صغرا — تم نے نہ ہمیں دیکھا، نہ ہم نے تمھیں دیکھا
دل بند کی حالت پہ ہوا دل تہ و بالا — سیدانیوں میں لے چلنے نہ پایا ہے کہ آقا
اکبر کو تو معراج تھی دوشِ شہِ دیں پر
پر پاؤں لٹکتے ہوئے آتے تھے زمیں پر

۱۱۸ بانو عقبِ پردہ کھڑی کرتی تھی زاری　　یہ دیکھتے ہی آلِ پیمبرؐ کو پکاری
سر ڈھانپ لو، آئی مرے بیٹے کی سواری　　چلّا کے نہ روؤ کوئی، میں صدقے، میں واری
ہے ہے، نہ کہیں اور مقدّر مرا پھر جائے
ڈیوڑھی سے خفا ہو کے نہ اکبرؑ مرا پھر جائے

۱۱۹ ناگاہ اُٹھا پردہ، درِ آلِ عبا کا　　خیمے میں ہوا داخلہ شاہِ شہدا کا
جس فرش پہ دم نکلا تھا محبوبِ خدا کا　　اس دم وہی بستر ہوا اُس ماہ لقا کا
طاقت نہ رہی ضبط کی زینبؑ کے جگر کو
منہ دیکھ کے زانو پہ رکھا پیار سے سر کو

۱۲۰ اکبرؑ نے اشارہ کیا: آنسو نہ بہاؤ　　اللہ کو اب یاد کرو ہم کو بھلاؤ
اماں کو بلاؤ، مری اماں کو بلاؤ　　زینبؑ نے کہا: بھابھی کدھر ہو، اِدھر آؤ
اس وقت بھی دم آپ ہی کا بھرتے ہیں اکبرؑ
جلد آؤ یہاں یاد تمہیں کرتے ہیں اکبرؑ

۱۲۱ آواز دی بانو نے کہ میں باد کے قربان　　پھر پوچھا نبی زادیوں سے ہو کے پریشان
آنکھوں سے مجھے کچھ نظر آتا نہیں اس آن　　آزردگیِ اکبرؑ مظلوم کا ہے دھیان
مجھ کو نہیں معلوم کہ حالت مری کیا ہے
نعلین مرے پاؤں میں ہے، سر پہ ردا ہے

۱۲۲ سیدانیاں لے آئیں ردا اس کو اڑھا کر　　سرکا ہوا تھا سر سے مگر گوشۂ چادر
منہ پھیر کے غیرت سے تڑپنے لگے اکبرؑ　　کچھ کان میں زینبؑ کے کہا، بولی وہ ششدر
کہتے ہیں کہ میداں سے ناحق میں گھر آیا
مرتے ہوئے اماں کا کھلا سر نظر آیا

۱۲۳ بھابھی! جو کہیں یہ، سو کرو، بھول نہ جاؤ　　سر اچھی طرح ڈھانپ لو تو سامنے آؤ
اک آن کے مہماں ہیں غصّہ نہ دلاؤ　　زخمی ہے جگر نیزے سے، تم دل نہ دُکھاؤ
بعد ان کے خبر کون بھلا آپ کی لے گا
بلوے میں ردا مانگو گی اور کوئی نہ دے گا

۱۲۴ بانو نے کہا دیکھیے تو آپ اُدھر کو　　لو چھوڑ دیا ہاتھ سے اب زخمِ جگر کو
اب کس کے منانے کے لیے ڈھانپوں میں سر کو　　گھر لٹتا ہے، ہے ہے! میں نکل جاؤں کدھر کو
غصّہ کی اب آنکھیں ہیں، نہ وہ پیار کی آنکھیں
پتھرا گئیں ہے ہے مرے دلدار کی آنکھیں

۱۲۵ بچہ نہ ہوا تھا کوئی مجھ سوختہ جاں کا[۲۴]　　دم توڑنا دیکھا بھی تو اس شیر جواں کا
باندھو مری آنکھیں، یہ ہے دستور کہاں کا　　اتنا بھی نہ ہو سخت کلیجہ کسی ماں کا
ہے ہے نہیں کیوں حشر بپا ہوتا ہے لوگو
آگے مری آنکھوں کے یہ کیا ہوتا ہے لوگو!

۱۲۶ سر آپ کے زانو سے سرکتا ہے، دُہائی　　منکا مرے بچے کا ڈھلکتا ہے، دُہائی
دم سینے میں بے طرح اٹکتا ہے، دُہائی　　سب روتے ہیں، کچھ ہو نہیں سکتا ہے، دُہائی
گھبرائے ہوئے نامِ علیؑ لیتے ہیں اکبر
کیوں کھینچ کے ہاتھوں کو پٹک دیتے ہیں اکبر

۱۲۷ للہ مرے صاحبِ غیرت کو مناؤ　　حضرت کی قسم دو کہ خفا ہو کے نہ جاؤ!
سر ڈھانپ لیا ماں نے، اب آنکھیں نہ پھراؤ　　لو، اِس جگر افگار کو چھاتی سے لگاؤ
ماں کہتی ہے بیٹا مری تقصیر[۲۵] بحل کر
تم پالنے والی سے کہو، شیر بحل کر

۱۲۸ فردوس کے پھولوں سے مہکتا ہے جو سب گھر　　گلدستہ سونگھاتی ہے اجل اِن کو مقرّر[۲۶]
کیوں پاؤں سمیٹے مرے پیارے نے لرز کر　　کیا قبلے کی جانب سے ہوئی آمدِ حیدرؑ
تعظیم کی طاقت جو نہیں پاتے ہیں اکبر
کیوں کہنیوں کو ٹیک کے رہ جاتے ہیں اکبر

۱۲۹ اتنے میں کیا اکبرِ غازی نے تبسّم　　اور شیر کے نعرے سے ہوا شور و تلاطم
بانو نے کہا: یوسفِ شبیرؑ ہوا گم　　کیوں شیرِ خدا! لے چلے بیٹے کو مرے تم!
اس کو کھ جلی[۲۷] کی تو نہ فریاد کو پہنچے
دم توڑنے میں پوتے کی امداد کو پہنچے

۱۳۰ پھر دیکھ کے منہ مردے کا زینبؑ کو پکارا — گویا کہ ہنسنا چاہتا ہے لال تمہارا
دیکھو مری خاطر سے بھلا نبض دوبارا — آئینہ رکھو سامنے منگوا کے، خدارا
بی بی، کہیں سکتہ تو نہ اکبر کو ہوا ہو
پڑھ کر کلمہ یہ ابھی اٹھ بیٹھیں تو کیا ہو

۱۳۱ یوں مُردے کے ماتھے کو چمکتے نہیں دیکھا — پھولوں کو خزاں ہو کے مہکتے نہیں دیکھا
اس حسن سے منکے کو ڈھلکتے نہیں دیکھا — یوں زلفوں کو بل کھا کے لٹکتے نہیں دیکھا
تھا زیست میں کیا حُسن جو اس آن نہیں ہے
رو کر کہا زینب نے: فقط جان نہیں ہے

۱۳۲ پھر لاش سے لپٹی کہ میں قرباں علیؑ اکبر — رخصت نہ ہوئے، ہو گئے بے جاں علیؑ اکبر
اٹھارہ برس کے مرے مہماں، علیؑ اکبر — دنیا سے اٹھے آج پُر ارماں علیؑ اکبر
جی کھول کے اب روؤں جو پیاسے کی رضا ہو
ڈرتی ہوں کہیں روح تمہاری نہ خفا ہو

۱۳۳ کیوں سوگ کا سامان کروں، یا نہ کروں میں؟ — بال اپنے پریشان کروں، یا نہ کروں میں؟
سر بہنوں کا عریان کروں یا نہ کروں میں؟ — پورا کوئی ارمان کروں یا نہ کروں میں؟
یہ رسم نئی آج یہاں ہوتی ہے بیٹا!
تم روٹے نہ ماں کو، تمہیں ماں روتی ہے بیٹا!

۱۳۴ پہلے سے خبر مرگِ جوانی کی جو پاتی — واری، تمہیں بچپن ہی میں دولھا میں بناتی
ننھی سی دولھن ڈھونڈھ کے میں آپ کی لاتی — یوں روح مرے لال کی ناشاد نہ جاتی
ناکاموں کے بن بیاہوں کے سلطان تمہیں ہو
بالکل جسے کہتے ہیں "پُر ارمان" تمہیں ہو!

۱۳۵ پیارے! لکھو صغرا کے لیے بھیجوں سواری — بلواؤں مدینے کے جوانوں کو، میں واری
ہم جولیوں کے کاندھے پہ میت ہو تمہاری — سر ننگے چلوں آگے میں کرتی ہوئی زاری
جس سمت گذر لاش کا ہو، حشر گذر جائے
دو چار قدم چل کے یہ دائی تری مر جائے

۱۳۶ یثرب کا کفن پہنو گے، یا کعبہ کا بیٹا — ریتی پہ مزار آپ کا ہو، یا لبِ دریا
واری، میں مجاور بنوں، یا دخترِ زہراؑ — جھاڑو ترے مرقد پہ سکینہ دے، کہ کبرا
آئی یہ ندا کوہ پہ جا کر تو مرے گی
یاں فاطمہؑ کی روح یہ سب کام کرے گی

۱۳۷ اَحسَنتَ دبیرؔ! اب تو سخن ہے ترا اعجاز — ہر مصرعِ موزوں دُرِ مکنوں سے ہے ممتاز
اوروں کی ہے نظم اور، کہاں سوز، کہاں ساز — اب مرثیۂ حضرتِ عباسؑ کر آغاز
سینے میں ترے سوز ہے اکبر کے اَلم کا
عباسِ علمدار سے لے سایہ علم کا

تحقیق متن

قلمی نسخہ: مرزا دبیر کا یہ مرثیہ میرے کتب خانے میں ہے اور ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء کے حدود کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بند ۴۶ ہیں۔ مرثیہ خوش خط ہے۔
نسخۂ نول کشور: مجموعۂ مرثیہ دبیر ج اول۔ مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۷۵ء۔
دفتر ماتم: جلد ششم۔ مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ۔
سبع مثانی: نظامی پریس لکھنؤ۔ طبع اول
یہی نسخہ ہمارے متن کی بنیاد ہے۔

بند ۱: سبع مثانی کے متن میں مصرع اول ہے:
اے شمس و قمر نور کی محفل ہے یہ محفل
اور حاشیہ سبع مثانی، قلمی نسخہ، دفتر ماتم مطابق متن۔
نسخۂ نول کشور میں بند نمبر ۸۔ ماتم کا مرقع ہے کر ..... سے مرثیہ شروع ہوتا ہے۔ اور ہمارے متن کے بند میں ترتیب میں متاخر ہیں۔
بند ۲: قلمی نسخہ، نسخۂ نول کشور، دفتر ماتم مصرع ۱
"یوسف ہے ہر اک شیعہ یہ بازار ہے کس کا"
قلمی نسخے کے متن میں "دربار" کاٹ کر "بازار" لکھا گیا ہے۔
بند ۳: قلمی نسخہ مصرع ۴، ۳ ترتیب مختلف ہے۔
بند ۴: نسخۂ نول کشور کی ترتیب سے یہ بند تیرھواں ہے۔ سبع مثانی کے علاوہ تینوں نسخوں کی بیت ہے
یاں غل ہے علیؑ خلد کے ضامن ہیں ہمارے   کہتا ہے وہ ضامن کہ محسن ہیں ہمارے
قلمی نسخہ "علیؑ خلد میں ضامن ہیں"
بند ۵: مصرع ۲ سبع مثانی کے علاوہ

"عینک ہو مقابل تو کرو چشم نمائی"
مصرع ۶، قلمی، نول کشور، دفتر ماتم
"لو خلد کا چہرہ نظر آتا ہے یہاں سے"
بند ۶: یہ بند سبع مثانی میں نہیں ہے، باقی تینوں نسخوں سے نقل کیا ہے لیکن بیت میں تینوں نسخوں کا اختلاف ہے ——— قلمی نسخہ کی بیت ہے:
مرنے کو جو پوچھو تو سب اک روز مریں گے   لیکن یہ شباب اور یہ اجل یاد کریں گے
نسخۂ نول کشور:
اب بے کس و بے یار حسینؑ ابن علیؑ ہے   اکبر کی سواری سوئے جنگاہ چلی ہے
دفتر ماتم کا مصرع ۵:
"مرنا ہے برحق سب ہی اک روز مریں گے"
بند ۷: قلمی مرثیہ نہیں ہے، نسخۂ نول کشور کا آغاز ہے:
بند ۸: نسخۂ نول کشور و سبع مثانی، مصرع ۲:
"کون اٹھتا ہے پیاسا جو گرا آنکھ سے پانی"
دفتر ماتم، مصرع ۲ "کون اٹھا ہے پیاسا جو گرا آنکھ سے پانی"
نسخۂ نول کشور کی بیت ہے:
انصاف نے ہر سو سے منہ پھیر دیا ہے   پھل موت کی برچھی کا نیا کس نے کیا ہے
دفتر ماتم:
انصاف نے ہر پہلو سے منہ پھیر لیا ہے   پھل موت کی برچھی کا بتا کس نے دیا ہے
متن کی بیت سبع مثانی کے مطابق ہے۔
بند ۹: دفتر ماتم و سبع مثانی، مصرع ۱
"اٹھارھویں سال اب جو نہیں بیاہ کیا ہے"
متن مطابق نسخۂ نول کشور، نیز نسخۂ نول کشور، مصرع ۳، ۴
عقرب میں قمر ہو تو نہیں عقد روا ہے   بے مہروں کے حلقے میں کوئی ماہ لقا ہے
دفتر ماتم، مصرع ۶
بے مہروں کے نرغے میں کوئی ماہ پھنسا ہے

بند ۱۰ : نسخۂ نول کشور مطابق متن ۔

دفترِ ماتم :

محتاجِ کفن لاش ہے کس فخرِ جہاں کی　　چادر لیے روتی ہے زمیں آبِ رواں کی

سبعِ مثانی :

محتاجِ کفن لاش ہے کس فخرِ جہاں کی　　ہر گورِ غریباں میں ہے دھوم آہ و فغاں کی

دفترِ ماتم و نسخۂ نول کشور کی بیت مطابق متن ہے، سبعِ مثانی کی بیت ہے :

مرنا تو ہے برحق سبھی اک روز مریں گے　　لیکن یہ شباب اور یہ اجل یاد کریں گے

بند ۱۱ : نسخۂ قلمی، اور دفترِ ماتم مصرع ۵

اے کاش کہ یہ شیعوں کا ارماں نکل جائے

نسخۂ نول کشور، مصرع ۱ "کیوں بازوں کنایے سے تو دل ہو گیا پارا" اور بیت ہے ۔

اے کاش کہ ذاکر کا یہ ارماں نکل جائے　　ہے ہے علی اکبر کہے اور جاں نکل جائے

اس کے بعد نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم میں یہ بند ہے ۔

مردے کے اٹھانے میں جگر ہے تہ و بالا　　نیزہ بھی کلیجے سے نکالا نہ نکالا

کیا کہہ کے جگر پاس لینے وال نے سنبھالا　　ماں باپ قضا کر گئے یا کرتے ہیں نالا

مرنا تو ہے برحق سبھی اک روز مریں گے

لیکن یہ شباب اور یہ اجل یاد کریں گے

بند ۱۲ : قلمی نسخہ، نول کشور، دفترِ ماتم مصرع ۲

" یہ شیعوں کا مجمع ہے، عزاخانۂ اکبر

قلمی نسخہ، مصرع ۳　　دل جلتے ہیں سب کے، جو ہیں پروانۂ اکبر

سبعِ مثانی کے علاوہ مصرع ۴

بے پانی کے لبریز ہے پیمانۂ اکبر

بند ۱۳ : قلمی نسخہ :

رخ وہ کہ زلیخا کی طرح حسن ہے شیدا　　ہے خالِ درخشاں رخِ یوسفؑ کا سویدا

سبزہ ہے جوانی کا رخِ سرخ سے پیدا　　ہے رنگ حسنؑ رنگِ حسینی سے ہویدا

بند ۱۴ قلمی نسخہ مصرع ۳

دریافت کیا حق ہے کدھر، یا شہِ ابرار

بند ۱۵، قلمی نسخہ، مصرع ۴: پہلے ہی سے تھی احمدِ ثانی کی تمنا

نسخۂ نول کشور، مصرع ۴ : پہلے تھی یہی احمدِ ثانی کی تمنا !

بند ۲۰ : سبعِ مثانی میں نہیں ہے ۔ باقی تینوں نسخوں میں درج ہے ۔

نسخۂ نول کشور، مصرع ۴ :

"بے ساختہ چلاتی ہے ۔ وہ ہائے چچا جاں"

مصرع ۶ : جو تم سے کہوں میں کہ مجھے پیاس ہے بھائی

بند ۲۱ : قلمی نسخہ، نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم :

منت ہے کنیزوں کی کہ اے بانو کے گلفام　　کیوں فرش بچھا دیں کوئی دم کیجے آرام

قلمی نسخہ، مصرع ۳ :

یہ کہتے ہیں مظلوم کو آرام سے کیا کام

نسخۂ نول کشور، مصرع ۴ :

یہ کہتے ہیں مظلوموں کو ہے فرش سے کیا کام

بند ۲۲ : قلمی نسخہ، مصرع ۳ :

کچھ پوچھنے لگتے ہیں تو گھبراتی ہے بانو

بند ۲۳ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ :

ماں کہتی ہے، حاشا نہ رضا دوں گی، میں واری

بند ۲۵ : قلمی نسخہ، نسخۂ نول کشور، مصرع ۲

آنکھوں کی نہ عینک ہو، نہ پیری کا عصا ہو

بند ۲۶ : قلمی نسخہ، مصرع ۴ :

اس فاقے میں طیش آپ کو آیا تو غضب ہے

بند ۲۸ : تینوں نسخے :

گر پیٹر لگاتا ہے کوئی اے مرے گلفام　　میوے نہیں تو چھاؤں کا پاتا ہے وہ آرام

نسخۂ نول کشور، مصرع ۴

کیا حیف کی جا ہے کہ رہوں اب بھی میں ناکام

متن مطابق سبع مثانی :

بند ۳۰ : نسخہ نولکشور، قلمی نسخہ، مصرع ۳

ڈھونڈھوں گی تو کیا کیا، مرے جانی نہ ملے گا

بند ۳۲ ، سبع مثانی کے علاوہ مصرع ۱

" نعم البدل اکبر کا تو اس دم بھی ہے موجود"

دفتر ماتم، مصرع ۶

وہ بولی کہ اور آپ کیا پیاسے ہی مریں گے

بند ۳۳ سبع مثانی میں نہیں ہے، باقی تینوں نسخوں سے نقل و اضافہ ہے۔

بند ۳۴ نسخہ نولکشور و قلمی نسخہ، مصرع ۲

فرزند کا منہ دیکھ کے سر اپنا جھکایا،

قلمی نسخہ، مصرع ۳ : "علی اکبر کا" کاٹ کر لکھا ہے۔

" علی اکبر کا بھی آیا "

متن کی بیت مطابق سبع مثانی ہے، اور باقی نسخوں میں یہ بیت ہے۔

کپڑے بھی بدلوا دو نہ تکلیف اگر ہو — لیکن نہ ابھی حضرتِ زینب کو خبر ہو

بند ۳۵ : قلمی نسخہ، نسخہ نولکشور، مصرع ۲

بچپن سے وہی رکھتی ہیں پوشاک تمہاری

قلمی نسخہ، مصرع ۳ : حضور کاٹ کر قریب بنایا ہے۔

دفتر ماتم، قلمی نسخہ، مصرع ۶

پانی بھی وہاں ہوگا جہاں جاتے ہو بھائی

نسخہ نولکشور کی بیت ہے۔

غش آگیا ہے ہوش میں آ لیں تو وہ آئیں — سب جا کے کلیجے کو سنبھالیں تو وہ آئیں

بند ۳۷ : قلمی نسخہ و نسخہ نولکشور و دفتر ماتم، مصرع ۳

اک خادمہ بغلوں میں لیے بقچۂ پوشاک

قلمی نسخہ، مصرع ۴ " اور زرد رخِ پاک "

قلمی نسخہ، نولکشور، دفتر ماتم، مصرع ۶ : یا فاطمہ ہنگامۂ محشر میں چلی ہے

بند ۳۸ : قلمی نسخہ، مصرع ۳ " جو کام کیا پوچھ کے مجھ تشنہ دہاں سے " قلمی نسخہ ترتیب مصرع ۴، ۳،

بند ۳۹ ، سبع مثانی کے علاوہ، مصرع ۴

واری میں رضا دینے کا کر جاؤں گی انکار

بند ۴۰ : سبع مثانی کے متن میں، مصرع ۴

"اللہ مبارک کرے اب تم کو یہ صورت"

اور باقی نسخوں نیز حاشیہ سبع مثانی " یہ خدمت "

بند ۴۱ : سبع مثانی، مصرع ۲ " قابل مرے ہاتھوں کے یہ پوشاک عزا ہے"

مصرع ۵ : کیوں بات سے میری تمہیں وسواس نہ آئے

بند ۴۲ سبع مثانی میں نہیں ہے باقی نسخوں سے اضافہ کیا ہے ۔

بند ۴۳ ، قلمی نسخہ، نسخہ نولکشور، مصرع ۲

ہم شکل نبی لپٹے یہ کرتے ہوئے گفتار

بند ۴۵ : قلمی نسخہ، نسخہ نولکشور، مصرع ۴

یوں مجھ سے نظر پھر گئی اک بار تمہاری

بند ۴۸ ، بیت سبع مثانی کے علاوہ یوں ہے ۔

پوچھا وہ مرقع کہاں اے حق کے ولی ہے — کی عرض پسِ پشتِ خیامِ نبوی ہے

بند ۴۹ : قلمی نسخہ، نسخہ نولکشور مصرع ۲

زینب نے ادھر گردنِ پر نور جھکائی

دفتر ماتم، مصرع ۲

گردن جو وہاں آن کے زینب نے جھکائی

قلمی نسخہ اس بند پر ختم ہوگیا۔

بند ۵۲ : نسخہ نولکشور و دفتر ماتم، مصرع ۲،

فرق اس میں ہے، خورشید سے کیسے جو دو بالا

(بیت) جلوہ جو کمر میں کیا شمشیر دو سر نے — جز پشت پنہ اور نہ کہیں پائی سپر نے

بند ۵۵ : نسخہ نولکشور و دفتر ماتم، مصرع ۱

"پھر سوئے فلک دیکھ کے شہ نے یہ سنایا"

مصرع ۵ : "سر کاٹا مرے قافلے والوں کا سفر میں"

بند ۵۶ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۱

"اس شکل کا میں اور کوئی بیٹا نہیں رکھتا"

بند ۵۷ : نسخۂ نول کشور کی بیت ہے :

نانا کے عوض دیکھ کے جیتے تھے اسے ہم　　اب یہ تو چلے مرنے کو، دیکھیں گے کسے ہم

بند ۵۸ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم و حاشیہ سبع مثانی، مصرع ۴

"دل صبر کا تھرّا گیا حال شہِ دیں پر"

بند ۵۹ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۲ :

"پھر زین نے آوازہ کسا مہر مبیں پر"

بند ۶۰ نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے۔

بند ۶۱ : نسخۂ نول کشور مصرع ۳ :

"جادو کی بھری آنکھ، فقط معجزوں کی چال"

حاشیہ سبع مثانی، دفترِ ماتم، مصرع ۳ :

جادو کی نری آنکھ، فقط معجزے کی چال"

اس بند کے بعد نسخۂ نول کشور میں مندرجۂ ذیل بند ہے جو دفترِ ماتم و سبع مثانی میں نہیں ہے۔

گل گشتِ گلستانِ اجل کرتے ہیں اکبر　　لاکھوں سے وغا پہلے پہل کرتے ہیں اکبر

مشکل بدن و روح کی حل کرتے ہیں اکبر　　چیدہ شجرِ نیزہ کے پھل کرتے ہیں اکبر

غل ہے کہ چراغ اب مہ و خورشید کا گل ہے

ہاں آمد ہم شکل شہنشاہ رُسل ہے

بند ۶۲ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۴

"چلایا عمر دیکھو وہ اکبر نظر آئے"

نسخۂ نول کشور، مصرع ۵ :

"سب کہتے تھے خالق شہِ مرداں کا بڑا ہے"

دفترِ ماتم، مصرع ۵ :

"سب کہتے تھے خالی شہِ مرداں کا پرا ہے"

متن مطابق سبع مثانی۔

بند ۶۳ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۱ :

"خدّام ادب چرخ پہ دوڑے کہ ٹھہر جا"

مصرع ۳ : "پیشِ ملک الموت گئی موت کہ مرجا"

بند ۶۴ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۴

"سکتہ تھا سلاطین کو نے تخت نہ تابوت"

بند ۶۶ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۱

"رہوار کے کاووں سے زمیں چرخ میں آئی"

بند ۶۷ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۴

"ہاں غافلو آگاہ ہو رستے سے ہمارے

بند ۶۸ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۵

"ہر بندے کے ہم بند کشا، عقدہ کشا ہیں"

بند ۷۰ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۴

"اور مہر سلیمان کو ہاتھ آئی ہمیں سے"

نسخۂ نول کشور مصرع ۶

"حکم اپنا وقار اپنا جلال اپنا دکھایا"

بند ۷۳ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۵

"اٹھے ہوئے طوفاں کو کریں شور تو گر جائے"

بند ۷۴ : نسخۂ نول کشور مصرع ۵

"قائل وہ امامت کے ہیں قائل ہمیں کر دو"

دفترِ ماتم، مصرع ۵ : قایل وہ امامت کے ہے قائل ہمیں کر دو"

چھٹا مصرع مطابق نسخۂ نول کشور ہے، سبع مثانی و دفترِ ماتم

قرآن سے آیت سے حدیثوں سے خبر دو"

بند ۷۵ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۲

"تمثیلِ امامت یہی پیشِ عقلا ہے"

بند ۷۶: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۳
"اس حکم پہ ہر پھر کے الجھتے ہوئے ہیں سے"

بند ۷۷: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۲
"جیتے ہیں عرب دیکھ کے صورت کو ہماری"

دفترِ ماتم میں اس بند کے بعد ایک بند بطور مطلع اور دوسرا بند ربط کے لیے چھپا ہے:

کیوں رن کی زمیں آئینۂ فتح نما ہے — کیوں گرد بیاباں سے عیاں نور و ضیا ہے
کیوں موج ہوا میں اثرِ آبِ بقا ہے — سایہ ہے وہ کس کا کہ نثار اس پہ ہما ہے
ہر ذرے کے اقبال کا اختر ہے چمک پر
خورشید نے پھینکی ہے کلہ اوجِ فلک پر

ہاں نور فشاں ہے قمرِ برجِ امامت — ہم شانِ علیؑ، ثانیِ سلطانِ رسالت
کھولے ہیں رجز کے لیے بہانۂ فصاحت — کہتے ہیں کہ آگاہ ہو اے قومِ شقاوت
بانو کا جگر، جانِ حسینؑ اور نہیں ہے
اکبر سا نجیب الطرفین اور نہیں ہے

بند ۷۹: نسخۂ نول کشور، مصرع ۴
"تا زیست مجھے روئے گی، تم تو نہ رُلانا"
دفترِ ماتم مصرع ۴ "تا زیست مجھے روئے گی پر تم نہ رُلانا"
نسخۂ نول کشور، مصرع ۵: "جب لوٹتا سرکار پیمبر کے خلف کی"

بند ۸۰: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۴
"یہ کیوں نہ کہا عون و محمد کہاں ہو آقا"

بند ۸۱: نسخۂ نول کشور، بیت:
اعدا سے سفارش مری کیا کرتے ہو بیٹا — پردہ کہاں اب تم تو جواں مرتے ہو بیٹا

بند ۸۳: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۳
"کف در دہن و نیزہ بکف مثل سوئے ماہ"

بند ۸۴: نسخۂ نول کشور، مصرع ۳
"پھرتی میں نئی چال تھی اس سرو سے قد کی"

دفترِ ماتم، مصرع ۳: "پھرتی میں غضب چال تھی اس سرو سے قد کی"

بند ۸۵: دفترِ ماتم میں اس بند کے اوپر "نسخہ" درج ہے۔ دفترِ ماتم و سبع مثانی میں یہ بند ہے مگر مصرع ۳ ہے۔
نیزہ جو لگا سینے میں بیدل ہوا کینہ

دفترِ ماتم میں ایک بند سبع مثانی و نسخۂ نول کشور سے زائد ہے، جس کا نمبر ۹۲ ہے اور اس پر "نسخہ" تحریر ہے، وہ بند یہ ہے:

اس نیزے سے سہا وہ شقی وقت زد و کشت — بھاگا ہوا سینہ کیا آگے سے سوئے پشت
سینے سے لگا پشت سے گذرا بہ کمی مشت — پھرتی رگِ جاں اور ملک الموت کی انگشت
سر کاٹ دو بے پاؤں سر جاتے اجل آئی
دو ہاتھ سناں پشت کے باہر نکل آئی

بند ۸۶: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۳
"لاشے کے منگانے کو پرے سے عمر آیا"
نسخۂ نول کشور میں بیت کا قافیہ پہلے ایڈیشن میں بھی غلط چھپا اور بعد کے ایڈیشن میں بھی
"منہ ڈھانپ رہا ہے" — "وہ جھانک رہا ہے"

بند ۸۷: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم:
ناگہ بنِ طارق عمرِ بد سیر آیا — چلّے سے ملائے ہوئے تیر اہلِ سقر آیا
چھٹتے ہی کہا تیر نے جی چھوڑ کے آیا — یاں قوس کے ہالے میں ہلالِ ظفر آیا
کیا زیب کماں تیر نے کی جنگ کی لو میں
روشن یہ ہوا شمع ہے طاقِ مہِ نو میں

بند ۸۸: نسخۂ نول کشور، مصرع ۴
"جو چاہیے سو لیجیے، دل یہ ہے جگر یہ"

بند ۸۹: نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۲
"اور روح کا پیچھا کیا اس تیر قضا نے"
حاشیہ سبع مثانی و نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۶
"اور روح کو مٹھی سے اجل چھوڑ کے بھاگی"

بند ۹۰: نسخۂ نول کشور، مصرع ۲: "اور سامنے اس کو درِ دوزخ نظر آیا"

نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۴

"گردن کو سبک تھام کے توسن سے اٹھایا"

بند ۹۱: نسخۂ نول کشور:

پھر دور یزید اس کی ہیبت سے بھلایا | چکر میں زمیں آگئی یوں گردش پھرایا
اک چرخ نیا چرخ کے نیچے نظر آیا | جنگل میں بھنور قلزم حیرت نے دکھایا

دفتر ماتم میں پہلا مصرع مذکورۂ بالا ہے اور باقی مصرعے سبع مثانی کے مطابق ہیں۔

بند ۹۲: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۶:

"فی النار ثلاثہ کو کیا پنجتنی نے"

بند ۹۳: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۴:

"یہ شیر مگر بگڑا تو کچھ بھی نہ بن آیا"

بند ۹۴: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۶:

"یاں فتح نے مجرا کیا باتو کے خلف کو"

بند ۹۵: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۲:

"اور تیغ سے کرنے لگا تقطیع بد انجام"

مصرع ۵: "اب میاں میں کب تیغ کے فقرے کو کل آئے"

بند ۹۶: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۳:

"کی آرزوئے غوطہ ہر اک طائر جاں نے"

بند ۹۷: دفتر ماتم میں اس بند کا نمبر ۱۰۴ ہے اور اس پر "نسخہ" درج ہے۔ پھر بند ۱۰۵ لکھا ہے،
جس کی بیت پہلے بند کی ہے:

مصراع سے یہ تیغ کا مصرع جو ہوا ضم | ہر بند کٹا قدِ طویل اس کا ہوا کم
توسن سے گرا ریگ بیاباں پہ وہ اظلم | مصراع بنا مصرعِ بحر رمل اس دم

بند ۹۸: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۱:

"للکارا عمر کو یہ جری تول کے تلوار"

مصرع ۳: "تھے چار ترے یار سو چاروں ہوئے بیکار"

بند ۹۹: نسخۂ نول کشور، مصرع ۶: "حر جیسے عمرو سے"

بند ۱۰۱: نسخۂ نول کشور، مصرع ۲:

"رو کو کیا بے آبرو ابرو پہ تڑپ کر"

دونوں نسخے اور حاشیہ سبع مثانی مصرع ۴:

"مچھلی کی طرح پھر گئی بازو پہ تڑپ کر"

بند ۱۰۲: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم مصرع ۱:

"پاؤں سے چلی تو سرِ ناپاک پہ چمکی"

بند ۱۰۳: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۴:

"رلوانے لگی ماہِ محرم کی طرح سے"

بند ۱۰۴: نسخۂ نول کشور، مصرع ۶:

"نو پارچے الماس کے خلعت میں سلے تھے"

بند ۱۰۵: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۳:

"یہ کاٹ تو ہے تیغ دو پیکر کے لیے عار"

بند ۱۰۷: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۶:

"اعدا کے بدن شل تھے کہ سر پھیر رہے تھے"

بند ۱۰۸: نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۱:

"اس تیغ نے سر جانبِ آب اپنا اٹھایا

بند ۱۰۹: نسخۂ نول کشور، مصرع ۱:

"اس گھاٹ کے گھٹنے سے گھٹا علقمہ کا گھاٹ"

دفتر ماتم، مصرع ۱: "اس موج کے بڑھنے سے گھٹا علقمہ کا گھاٹ"

بند ۱۱۰: نسخۂ نول کشور، دفتر ماتم، مصرع ۲:

"اور ساتھ ہی اس تیغ نے طوفان اٹھایا"

نسخۂ نول کشور، مصرع ۶: "جو دامنِ نیساں میں چھپے اڑ کے صدف سے"

دفتر ماتم، مصرع ۶: "پھر دامنِ نیساں میں چھپے اڑ کے صدف سے"

اس کے بعد نسخۂ نول کشور میں ایک بند زائد ہے جو دفتر ماتم و سبع مثانی میں نہیں ہے:

اکبر کو بھی قسمت نے یہ آواز سنائی | بے ساختہ گردن طرف خیمہ پھرائی

گھبرا کے کہا کیا مری اماں نکل آئی   جو سینہ پہ برچھی کسی ظالم نے لگائی
قسمت میں عجب قہر کی برچھی کا پھل آیا
نیزہ جو نکالا تو کلیجہ نکل آیا

بند ۱۱۲ : یہ بند نسخۂ نول کشور میں نہیں ہے۔

بند ۱۱۵ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۱ :

"اک ہاتھ اٹھا کر یہ کلیجے سے پکارا"

بند ۱۱۷ : نسخۂ نول کشور مصرع ۲، ۴، ۵ :

تب زخم جگر شاہ نے رومال سے باندھا   کنبہ کے پیے لے چلے بن بیاہے کا لاشا
لاشے کو تو معراج تھی دوش شہِ دیں پر

دفتر ماتم کا پانچواں مصرع نسخۂ نول کشور کے مطابق ہے اور تیسرے چوتھے مصرع کی صورت یہ ہے :

تب زخم جگر شاہ نے رومال سے ڈھانپا   سیدانیوں میں لے چلے بن بیاہے کا لاشا

بند ۱۲۰ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم مصرع ۶ :

"ہم جاؤ یہاں یاد تمھیں کرتے ہیں اکبرؑ"

بند ۱۲۱ : دفتر ماتم مصرع ۶ : نعلین ہے پاؤں میں نہ اب سر پہ رداہے"

بند ۱۲۷ : نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم، مصرع ۴ :

"لو اپنی گنہ گار کو چھاتی سے لگاؤ"

بند ۱۳۳ : نسخۂ نول کشور کا آخری بند ہے اس کے بعد بند ۱۳۴ مقطع ہے جو ہمارے نسخے میں ۱۳۷ پر درج ہے۔ بند ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، دفتر ماتم اور سبع مثانی سے نقل کیے گئے ہیں۔

بند ۱۳۷ : تینوں نسخوں میں بلا اختلاف ہے۔

فرہنگ

۱۔ لَم یَزَل : اللہ تعالیٰ۔ حرمِ لَم یَزَلی : اللہ کا گھر۔

۲۔ دُربار : موتی برسانے والا۔

۳۔ جاروب کش : جھاڑو دینے والا۔

۴۔ تفاخُر : ایک دوسرے سے فخریہ بات کرنا۔

۵۔ نظری ہونا : کٹنا۔ فرد کا نظری ہونا : کا غذ حساب کا غلط کرنا۔ کاٹنا۔ اِخلاص : دل کی اور نیّت کی سچائی۔ رِیا : دِکھاوا۔ سورۂ اخلاص : قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کا نام۔

۶۔ مُرَقّع : تصویر۔

۷۔ کنعان : حضرت یوسفؑ کا وطن۔ خورشید لقا : سورج جیسا چہرہ۔

۸۔ کِنَایَہ : اشارہ

۹۔ سُوَیدا : وہ سیاہ نشان جو دل پر ہوتا ہے۔

۱۰۔ تَحَمُّل : صبر۔ قوتِ برداشت۔ تَجَمُّل : شان و شوکت۔ تَوَکُّل : راضی برضا رہنا۔ اللہ پر بھروسہ رکھنا۔ تأمُّل : غور و فکر کرنا۔ تردد۔ فکر مندی۔

۱۱۔ گل فام : پھول کے رنگ والے۔

۱۲۔ جُٹی بھوّیں : خوبصورت پیوستہ کالی گھنی بھوّیں۔

۱۳۔ نِعْمَ البَدَل : اچھا بدلہ، متبادل، بہتر متبادل شخص۔

سَجّادِ حَزیں : غم گیں سجاد، حضرت امام زین العابدین، علی بن حسین علیہما السلام۔ باقر : حضرت امام محمد بن علی علیہما السلام، پانچویں امام جو کربلا میں بہت کم سن تھے۔

۱۴۔ یہ خدمت مبارک ہو : علی اکبر کے کپڑے رکھنے اور پہنانے کا کام تم کرو۔

۱۵۔ سزاوار : حق دار۔

۱۶۔ پَرَستار : کنیز، خادمہ

گردن کی ہڈی کا مہرہ ۔ منکا ڈھلنا : موت کا نشان ظاہر ہونا ۔

...ائی : حضرت علیؓ کی دختر ۔ حضرت زینبؑ ۔

...ے کا کپڑا ۔ طُرفہ : عجیب ۔

...ی کافی ہے ۔ ترجمہ ہے "کَفیٰ بِاللّٰہِ شَہیداً " کا جو قرآن مجید میں متعدد مقامات

... راز ۔ حکمتیں ۔ پوشیدہ مصلحتیں ۔

۲۲۔ عقاب : گھوڑے کا نام ۔

۲۳۔ جلوہ کیا : بیٹھے ۔ خورشیدِ مُبین : چمکتا سورج ۔

۲۴۔ رخش : گھوڑا ، رستم کے گھوڑے کا نام ۔ اَبلق : چتکبرا ، سیاہ و سفید رنگ کا گھوڑا ۔ اقبال : خوش نصیبی ، نِک سُکھ سے درست : سڈول و خوش نما ہونا ۔

۲۵۔ سُنبُلہ : خوشۂ گندم و جو وغیرہ ، بالی ، آسمان کا چھٹا برج ، بال ، سنبل ، سنبلہ میں رنگ و وضع اور لطافت کی ایک مناسبت ہے ۔

۲۶۔ مرجانہ : عبداللہ ابن زیاد کی ماں ۔

۲۷۔ لاہوت : عالمِ نورِ مطلق ، عالم ذات و صفات مراد ملائکہ ۔ ناسوت : عالم بشریت ۔ مراد انسانیت ۔ ہاروت و ماروت : دو ملک جو بابل میں مشکلات سے دوچار ہوئے قرآن مجید کی سورت البقرہ ۔ آیت ۱۰۲ میں اس کا تذکرہ ہے ۔

۲۸۔ کاوہ : گھوڑے کا دائرہ میں چکر کھانا ۔ عَرَق : پسینہ ۔ نیسان : وہ مہینہ جس کی بارش سے موتی پیدا ہوتے ہیں ۔

۲۹۔ عُقدہ کشا : گرہ کھولنے والے ، مشکل حل کرنے والے ۔

۳۰۔ یدِ بیضا : حضرت موسےٰ علیہ السلام کا معجزہ ، آپ کی ہتھیلی سے روشنی نکلتی تھی ۔

۳۱۔ اَخذ : حاصل کرنا ۔ اَخذِ شکیبائی : صبر حاصل کرنا ۔

۳۲۔ اِلحان : آواز کی عمدگی ۔

۳۳۔ نَیشتر : چھُرا ۔

۳۴۔ حجّتِ اللہ : امام ۔ اَبرار : نیک لوگ ۔

۳۵۔ یزید امامت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے ؟ ... دلائل ، قرآن کی آیتوں اور حدیثوں سے سمجھا دو ۔

(حدیث اور خبر کے ایک ہی معنی ہیں ، یہاں " حدیثوں سے خبر دو " یعنی قول رسولؐ بتاؤ ۔ بڑا پُرلطف استعمال ہے)

۳۶۔ فردا : آنے والا دن ۔ شُدَنی : ہونے والی بات ۔

۳۷۔ نجیبُ الطّرفین : ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حسب نسب میں عالی مرتبہ ۔

۳۸۔ مَناہی : ممانعت ۔

۳۹۔ فرمودہ : ارشاد ۔ محبوبِ خدا : رسول اللہؐ کا لقب ۔

۴۰۔ عَقرَب : بچھو ۔

۴۱۔ شبرنگ : سیاہ رنگ گھوڑا ، سیاوش کے گھوڑے کا نام ۔ طاؤس : مور

۴۲۔ دَرہ : اور دَرّہ : دو پہاڑوں کا درمیانی راستہ ۔ اژدر : اژدہا ۔

۴۳۔ خَدَنگ : تیر ۔ کَہہ : چھوٹا ۔ مِہ : بڑا ، قوس : کمان ۔ زِہ : چلّہ ۔ زِہے : آفرین ، شاباش ۔ فَربہ : موٹا

۴۴۔ زِشت : برا ، بدصورت ۔

۴۵۔ اَشہب : سبز رنگ گھوڑا ۔ گھوڑا ۔ ثالِث : تیسرا ، مشہور " ثالث بالخیر " دو حریفوں میں تیسرا ثالثی کرنے والا فسادی نہیں ہوتا ، مگر حضرت علی اکبرؑ کے تیسرے حریف میں بھی خیر کے بجائے شر تھا ۔

۴۶۔ اَغلَب : گمانِ غالب ۔

۴۷۔ بدَاختر : بدنصیب ۔

۴۸۔ کوزہ گر : کمہار ۔ چرخ ، چاک ، وہ گول پہیا جس پر کمہار برتن بناتے ہیں ۔

۴۹۔ روئیں بدن : فولادی بدن ۔ مضبوط پہلوان ۔ مصراع بن غالب حریف کا نام ہے ۔

۵۰۔ کرگدن : گینڈا ۔

۵۱۔ مِصراع : حریف کا نام ۔ نیز شعر کا ایک حصہ ۔ مَطلعِ اسلام : اسلام کا سرچشمہ ۔ نیز مطلع ، غزل یا قصیدہ کا پہلا شعر ، مرثیہ کا پہلا بند ۔ وہ شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ و ردیف ہو ۔ تقطیع : شعر یا مصرع کو معیّن بحر کے وزن پہ پرکھنا ، وزن کرنا ۔ مراد ، ٹکڑے ٹکڑے کرنا ۔ صَمصام : تلوار ۔ فقرہ : ریڑھ کی ہڈی کا مہرہ ، تلوار کا مہرہ ۔ ہاتِف : آوازِ غیب ، فرشتہ ، پکارنے والا ۔

۵۲۔ زائچہ : نجومی کے حساب کا خاکہ ، جس سے نیک یا بد ساعت دریافت کرنے اور قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں ۔

۵۳۔ ضم ہونا: منضل ہونا۔

۵۴۔ مردودِ ازل: ہمیشہ کا دھتکارا ہوا۔ ذلیل۔ بحرِ رمل: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن۔ دوبار۔ نیز بحرِ رمل، ریت کا سمندر۔ مصرع: چت پڑا ہوا۔

۵۵۔ جری: بہادر۔ چار آئینہ: سینہ و پشت کا حفاظتی لباس آہنی۔

۵۶۔ ناصیہ: پیشانی۔

۵۷۔ کڑکیت کڑکے: کڑکا پڑھتے، فوج کو جوش دلانے والے پکارے۔ گو: گیند۔ چوگاں: ہاکی، (چوگاں بازی) "یہ گو ہے یہ چوگاں" مقابلے میں آؤ۔

۵۸۔ روباہ: لومڑی، بزدل۔

۵۹۔ عامل: دعا تعویذ کرنے والا، جن اُتارنے والا۔ آسیب: جادو، ٹونہ، بھوت پریت کا اثر۔

۶۰۔ نیرِ اعظم: سورج۔

۶۱۔ پارچے: کپڑے، خلعت: شاہی لباس۔ خلعت کے پارچے، شاہی لباس کے اجزا جو عموماً نو یا سات ہوا کرتے تھے۔

۶۲۔ ہمزاد: وہ شیطان یا جن جو کسی کے ساتھ پیدا ہو۔ اس بند میں صنعتِ تنسیق الاعداد کا مظاہرہ کیا ہے۔ چار، دو، پنج، تیس، ساٹھ، نو ہو گنتی۔ اب دو سر، سردار۔ چار ہونا۔ چار کرنا۔ جوان۔ مُسن (بوڑھا) پھر جوان کے مقابلے میں تیس اور مُسن کے مقابلے میں ساٹھ، یہ سب الفاظ کی مناسب ترتیب کا حسن ہے۔

۶۳۔ تنور: وہ کنواں جس سے حضرت نوح کے زمانے میں طوفان اٹھا تھا مسجد کوفہ میں یہ جگہ موجود ہے پانی بھرنا: غلامی کرنا۔ عاجزی کا مظاہرہ کرنا۔

۶۴۔ مُوا تھا: مرا تھا۔

۶۵۔ تقصیر بحل کرو: گناہ معاف کرو۔ شیر بحل کرو: دودھ پلائی بخش دو۔

۶۶۔ مقرّر: یقیناً

۶۷۔ کوکھ جلی: وہ عورت جس کا بچہ مر جائے۔

۶۸۔ احسنت: واہ واہ۔ کیا اچھا ہے۔ دُرِ مکنوں: چھپا ہوا موتی۔ ممتاز: سربلند۔

مرثیہ نمبر ۷

جب موسمِ جوانیِ اکبر گزر گیا

۴۳ بند

بیانِ شہادت حضرت علی اکبرؑ

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- فرہنگِ الفاظ

مرثیہ پر نظر

مرزا دبیر کا زیرِ نظر مرثیہ زبان اور بیان درد کا شاہ کار ہے، یہی مرزا صاحب کا وہ میدان ہے جہاں وہ یکہ و تنہا، ممتاز و استاد نظر آتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ مرثیہ کسی سوز خوان کی فرمائش سے لکھا ہے، یا خواتین کی مجلس کے لیے تصنیف کیا ہے، یا کسی سادہ مجلس کے لیے قلم بند کیا ہے۔ بہر حال اہل ادب و ذوق کے لیے اس میں لطفِ فن اور کمالِ ہنر کی نفیس نمود ہے۔

حضرت علی اکبرؑ کے بیان میں مرزا صاحب کے طویل اور ان کے خاص رنگ کے لیے متعدد مرثیے ہیں لیکن یہ مرثیہ ان کی تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتا ہے۔ ایک رخ تو ہے صاحبانِ دانش و بینش کے لیے سادہ و پرکار، یا مرصّع اور ادبی نکتوں سے بھاری بھر کم اور دوسرا رخ سادہ کہ بچے بھی سمجھ جائیں۔ یہ مرثیہ دوسری قسم کے مرثیوں سے تعلق رکھتا ہے، مرزا صاحب نے کہنے کو تو ۴۳ بند لکھے ہیں لیکن ہر بند ایک مرثیہ ہے اور پورا مرثیہ ادب کی جان اور المیہ کی شان کا مظہر ہے۔

اس مرثیے کی بنیاد اس مخطوطے پر جس کے سرورق پر تحریر ہے:

"یا علی مدد ——— مرثیہ مرزا دبیر سلمہ اللہ ———

جب موسم جوانیِ اکبر گذر گیا ——— بند ۴۳ ——— رباعی

خورشید سرِ شام کہاں جاتا ہے	روشن ہے دبیر پر جہاں جاتا ہے
مغرب ہی کی جانب تو ہے قبرِ حیدرؑ	یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

رباعی

مسجد میں نبیؐ کے جب وصی کو مارا	کوفے میں یہ غل اٹھا، علیؑ کو مارا
بالائے فلک سے آئی اس دم یہ ندا	ظالم نے امامِ متقی کو مارا!

اور خاتمہ کے بعد ترقیمہ ہے:

"تمت، بتاریخ ۳، روز دوشنبہ محرم الحرام ۱۲۸۲ھ ہجری از خط بدنمط احقر اشرف النسا

۵۳
۵۴
۱۵
۵۶
۱۶
۱۸
۹
۰
۱
۲

تحریر یافت بقلم خاص مرثیہ مرزا دبیر صاحب" ۳ر محرم الحرام ۱۲۸۲ھ مطابق ہے ۲۸ مئی ۱۸۶۵ء کے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مرثیہ مرزا صاحب کی وفات سے دس برس پہلے کا لکھا ہوا ہے اور اصل مرزا صاحب کے قلم سے نقل ہوا ہے۔ کاتب ایک خاتون ہیں جن کا قلم صاف اور اچھا ہے۔

مجھے اس کا مطبوعہ نسخہ نہیں مل سکا، اس لیے یہ متن ایک قدیم نسخے کی روایت پیش کرتا ہے یہی اس کی اہمیت ہے۔

مرثیہ:

جب موسمِ جوانی اکبر گزر گیا

۴۳ بند

بیانِ شہادت حضرت علی اکبرؑ

۱ جب موسمِ جوانی اکبرؑ گزر گیا مطلع یعقوبؑ کربلا کا قرارِ جگر گیا
نکلے جو ڈھونڈنے کو تو نورِ نظر گیا چلّاتے تھے دارے مرا یوسفؑ کدھر گیا
زنداں میں اسیر ہوا یا سپاہ میں
تپتی ہوئی زمیں پہ گرا، یا کہ چاہ میں

۲ امت نے کچھ رعایتِ خیرُ البشر نہ کی ہم شکلِ مصطفےٰؐ سے بھی کچھ درگذر نہ کی
بن بیاہے پن پہ ہائے کسی نے نظر نہ کی بانو کا باغ لوٹ لیا اور خبر نہ کی
کاٹا نہالِ تازہ ہمارا غضب کیا
زینب کے پالے پوسے کو مارا غضب کیا

۳ بیٹا لہو میں لال ہے منہ ان کا زرد ہے زلفوں میں بال بال بیاں کی گرد ہے
واں لب پہ اَلعَطَش ہے یہاں آہِ سرد ہے واں نیزہ ہے جگر میں یہاں دل میں درد ہے
رونے پہ شہ کے صاحبِ اولاد روتے ہیں
وہ حال ہے کہ دیکھ کے جلّاد روتے ہیں

۴ یعقوبؑ یوں پھرے نہ تھے یوسفؑ کی چاہ میں تاریک آسماں و زمیں ہے نگاہ میں
تھالے لہو کے سوکھتے تھے قتل گاہ میں ہاتھوں سے لاش ڈھونڈھتے ہیں گر کے راہ میں
جو پوچھتا ہے گم ہوئی کیا شے حضور کی
[illegible]

۵ دولت ملی ہے خاک میں اٹھارہ سال کی سو خاک چھانتا ہوں میں دشتِ قتال کی
للہ دو خبر کوئی بانو کے لال کی چھائی ہے میرے لال پہ بدلی زوال کی
ڈھونڈھے کہاں حسینؑ کدھر جائے کیا کرے
معذور آنکھوں سے نہ کسی کو خدا کرے

۶ ہر سو پکارتے تھے کہ اکبر، پکار لو! جانی جواب دو، میرے دل پر، پکار لو!
اے ثانیٔ جناب پیمبر، پکار لو! میرے جوانا مرگ دلاور، پکار لو!
پوچھا ہے سب سے چار طرف کی تلاش بھی
بچھڑے تھے کس گھڑی کہ نہیں ملتی لاش بھی

۷ اے عاشقِ حسینؑ! سنبھالو حسینؑ کو زغے سے ظالموں کے بچالو حسینؑ کو
تلواریں پڑ رہی ہیں، چھپالو حسینؑ کو کس جا ہو، کس طرف ہو، بلالو حسینؑ کو
پالا تھا تم کو ہاتھ پکڑنے کے واسطے
یا ایڑیاں زمیں پہ رگڑنے کے واسطے

۸ کہتے ہیں دست و پا نہیں قابو میں جی نہیں قوت نہیں حواس نہیں زندگی نہیں
زینبؑ کی اور سکینہؑ کی یاد اس گھڑی نہیں تم تھے تو سب تھے تم جو نہیں، اب کوئی نہیں
زائل ہماری آنکھوں کی بینائی ہو گئی
تنہا تو تھے اب اور بھی تنہائی ہو گئی

۹ دنیا سے میرے قافلے والے گذر گئے تم بھی کنارہ وقت ضعیفی میں کر گئے
سن لینا ڈھونڈ ڈھونڈ کے ہم تم کو مر گئے ہے ہے کدھر گئے علی اکبر، کدھر گئے
صادقؑ کے ہم شبیہ ہو صادق کے پیارے ہو
صغرا کے لینے کو تو نہیں تم سدھارے ہو

۱۰ اے میرے نامراد پسر، اے بلا نصیب دو روز سے تمہیں نہیں آب و غذا نصیب
برچھی بھی اب لگی تو کلیجے میں یا نصیب پر خوش ہوا جنابِ الٰہی، خوشا نصیب
کل تم کھلے ؑمیں حشر کے عزت سے آؤ گے
شیعوں کے نوجوانوں کو تم بخشواؤ گے

۱۱ خنجر بکف کھڑے ہیں رسالے مدد کرو گھیرے ہوئے ہیں برچھیوں والے مدد کرو
ماں کے جگر پہ چلتے ہیں بھالے مدد کرو بنتِ علیؑ کی گود کے پالے مدد کرو
بیٹا جواب دو کہ مرے دل کو کل پڑے
وہ وقت ہے کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

۱۲ پیارے، ہمارے حال کی تم کو خبر نہیں ٹوپی کہیں پڑی ہے، عمامہ مرا کہیں
نے آسمان اب نظر آتا ہے، نے زمیں تن خستہ، سینہ چاک جگر شق ہے، دل حزیں
آنسو ہیں گو کہ آنکھوں میں میرے بھرے ہوئے
تم سامنے ہو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے

۱۳ کیا کیا تڑپ تڑپ کے بیاں شاہ نے کیا اکبر کو دردِ دل نے تو واں لوٹنے دیا
دردِ جگر سے بیٹھ گئے شاہِ اولیا تڑپے حسینؑ اور کلیجہ پکڑ لیا
چلائے آہ کون سی صورت نکالوں میں
فرزند کو پکاروں کہ دل کو سنبھالوں میں

۱۴ اے کردگارِ لم یزل! آہ، الغیاث نانا! چھری جگر پہ چلی، آہ، الغیاث
یا مرتضیٰ علیؑ ولی، آہ، الغیاث زینبؑ نے خاک منہ پہ ملی، آہ، الغیاث
اے موت تو ہر ایک سہارے کو لے گئی
مقتل سے کس طرف مرے پیارے کو لے گئی

۱۵ اے آسماں! زمیں کا ستارا کدھر گیا اے آفتاب چاند ہمارا کدھر گیا
اے نہر! تشنہ لب مرا پیارا کدھر گیا اے عرش و فرش، نور تمہارا کدھر گیا
اے خاکِ پاک، دُرِّ نجف کی تلاش ہے
اے کربلا بتا، کدھر اکبر کی لاش ہے

۱۶ ناگاہ اک طرف سے صدا آئی، الوداع بابا حسینؑ آؤ، قضا آئی، الوداع
لینے کو روحِ شیرِ خدا آئی، الوداع سر ننگے دادی خیر النسا آئی، الوداع
لیکن یہ عرض ہے کہ نہ گھبرا کے آئیو!
اماں کو میرے خیمے میں بٹھلا کے آئیو!

۱۷ بچّے کہیں نہ ہو کے ہراساں نکل پڑیں　　بہنیں نہ بال کر کے پریشاں نکل پڑیں
سیدانیاں نہ باسرِ عُریاں نکل پڑیں　　ایسا نہ ہو، مری پھوپھی اماں نکل پڑیں
ہوگا مقامِ خندہ زنی اہلِ شام کو
اللہ آبرو سے اٹھائے غلام کو

۱۸ بولے حسینؑ کہنے کے پردے کا دھیان ہے　　اس آن بھی تمہاری وہی آن بان ہے
سینے میں پھل ہے برچھی کا ہونٹوں پہ جان ہے　　یہ سب حمیّتِ شہِ مرداں کی شان ہے
خاطر نشاں رکھو ابھی سب ہیں خیام میں
مغرب کے وقت ہوئیں گے بلوائے عام میں

۱۹ یہ کہہ کے بے خودی میں اِدھر اور اُدھر گئے　　فرزندِ بامراد کی آواز پر گئے!
بو ایک جا کی سونگھ کے مولا ٹھہر گئے　　جھک جھک کے بولے جیتے ہو بیٹا کہ مر گئے
ماتھے سے ماتھا سینے سے سینہ لگاتا ہے
یہ پائنتی ہے یا کہ تمہارا سرہانا ہے

۲۰ آیا حسینؑ آیا، کدھر تم ہو اے پسر؟　　اکبر پکارے، قبلہ و کعبہ اِدھر، اِدھر
ہے ہے حضور، ضعفِ بصارت ہے، اس قدر　　پہلو میں ہے غلام، اور آتا نہیں نظر
یوں مر کے لاش پر شہِ غمناک گر پڑے
گویا زمیں پہ قُبّۂ افلاک گر پڑے

۲۱ منہ چوم کر مزاجِ پسر پوچھنے لگے　　پر سب سے پہلے زخمِ جگر پوچھنے لگے
وہ شکر کر کے حالِ پدر پوچھنے لگے　　بہنوں کی، ماں پھوپھی کی خبر پوچھنے لگے
شہ بولے پوچھتے ہو تم اے خوش خصال کیا
چُھریاں جگر پہ چل کے چلیں ان کا حال کیا

۲۲ وہ بولے، میں بھی سب کے لیے بے قرار ہوں　　اس پرورش کا آپ سے امیدوار ہوں
گھر میں چلو تو ماں کے قدم پر نثار ہوں　　مل لوں پھوپھی سے بھی کہ ابھی ہوشیار ہوں
پھر ہم کہاں، عزیز کہاں، اقربا کہاں
برچھی اجل کی دل پہ لگی، پھر شفا کہاں

۲۳ گودی میں لاش لے کے چلے شاہِ نامدار　　فضّہ کھڑی تھی راہ میں اس وقت بے قرار
آ کر کہا یہ کان میں رانڈوں کے ایک بار　　اکبرؑ کی لاش آتی ہے، بانو سے ہوشیار
جیتی تھی جس کو دیکھ کے وہ قتل اب ہوا
اللہ شہ کی خیر کرے، کیا غضب ہوا

۲۴ بانو کی اوٹ کر کے کھڑے ہو گئے حرم　　گھبرا کے بانو بولی، ارے لوگو سچ ہے ہم
آمد ہے لاشۂ علی اکبرؑ کی، ہے ستم　　شبّرؑ کو خدا کے واسطے گھٹتا ہے میرا دم
عزّت سے لائے شاہِ اُمم کے فدائی کو
رستے میں جاؤں لاش کی میں پیشوائی کو

۲۵ تسکین سب نے دی کہ تمھیں کیا خیال ہے　　زندہ خدا کے فضل سے حضرت کا لال ہے
بولی، خدا یونہی کرے، پر جی نڈھال ہے　　ہو خیر اس کی جان کی میٹھا یہ سال ہے
رن سے صدا ابھی کسی بسمل کی آئی تھی!
برچھی کسی جواں نے کلیجے پہ کھائی تھی!

۲۶ ناگاہ لائے بیٹے کے لاشے کو شاہِ دیں　　مسند پہ جب لٹایا تو ہلنے لگی زمیں
بیبیوں کی صف نے ہاتھ بڑھا کر بلائیں لیں　　سب چپ رہے کہ پشت پہ تھی بانوئے حزیں
ماتم کو ہاتھ سینے پہ لا لا کے رہ گئے
ہونٹوں پہ لفظ بین کے آ آ کے رہ گئے

۲۷ سیدانیوں کی صف سے بڑھی زینبِ حزیں　　جی میں کہا کہ اب یہ خبر چھپنے کی نہیں
انصاف سے ہے دور کہ بانو نہ ہو قریں　　لیتا ہے الٹی سانس یہ محبوب نازنیں
اکبر کا وقتِ نزع ہو بالیں پہ ماں نہ ہو
ماتم میں تیرے پالے کے شور و فغاں نہ ہو

۲۸ صندوق فاطمہؑ کے تبرّک کا وا کیا　　کپڑوں سے ایک سوگ کا جوڑا جدا کیا
بانو کے پاس لا کے یہ محشر بپا کیا　　اٹھو، فلک نے تم کو بھی صاحبِ عزا کیا
بھابھی سنوارو تن پہ لباسِ بتولؑ کو
[illegible]

۲۹ بانو پکاری، میں کسے روؤں بتائیے　اکبرؑ تو خیر سے ہے، شتابی سنائیے
زینبؑ نے ہاتھ پکڑا کہ لاشے پہ آئیے　وہ بولی خاک تو مرے منہ پر لگائیے
ہے ہے یہ کوئی بانو سے پہلے نہ کہہ گیا
لاشے کی پیشوائی کا ارمان رہ گیا

۳۰ خواہش نہیں کنیز کو رختِ سیاہ کی　مجھ کو تو خاک چاہیے اکبرؑ کی راہ کی
لاش آئی ہم شبیہ رسالت پناہ کی　میں نے نہ خوں منہ پہ ملا اور نہ آہ کی
ہمراہ روحِ احمدِ مختار ہوئے گی
اب حشر کو نہ آنکھ مری چار ہوئے گی

۳۱ زینبؑ پکاری، سینے میں دم ہے برائے نام　تم ننگے سر نکلتیں تو بس کام تھا تمام
اے بانوئے امام یہ ہے ضبط کا مقام　ہونٹوں سے اُس کے کان لگاتے ہیں جب امام
کہتا ہے اب غلام بہت بے حواس ہے
جتنا جگر میں درد ہے اتنی ہی پیاس ہے

۳۲ یہ سن کے پیٹتی ہوئی دوڑی وہ یک بیک　لاشے پہ یوں گری کہ لرزنے لگے فلک
کچھ پاس تھا نہ صدقے کو، روئی بلک بلک　ماتھے سے سر ملا کے اتارا قدم تلک
اکبرؑ نے غش میں پوچھا، یہ کون اے امام ہے
بانو پکاری، کوکھ جلی جس کا نام ہے

۳۳ اکبرؑ نے لب ہلائے، فدا ہم، نثار ہم　اماں ہیں اماں بندے کی، آنکھوں پہ یہ قدم
جنت میں یاد آئیں گے یہ پیار یہ کرم　اب کیجیے مدد کہ نہ سختی سے نکلے دم
غلبہ ہے تشنگی کا تمہارے غلام پر
اکبر کو دودھ بخشیے اصغرؑ کے نام پر

۳۴ اک آہِ سرد بانو نے منہ پھیر کر بھری　بولی نہ منتیں کرو اے اکبرِؑ جری
قرباں میں بھی، دودھ بھی اور حقِ مادری　خاک ایسے دودھ پر کہ مٹی شانِ حیدری
پانی کو ترسے بسملِ تیر و سناں ہوئے
تم میرا دودھ پی کے نہ پورے جواں ہوئے

۳۵ ناگاہ، سانس سینۂ مجروح میں اڑی　کھنچ کھنچ کے ہاتھ پاؤں ہوئے سرد اس گھڑی
ہچکی کے ساتھ منہ سے انگوٹھی نکل پڑی　کلمے کی انگلی قبلے کی جانب ہوئی کھڑی
ماں سے کہا خدا کی حضوری میں جاتا ہوں
قبلے کو ہاتھ جوڑ کے بولے کہ آتا ہوں

۳۶ یٰسں پڑھ کے حمد الٰہی بیان کی　لو لگ گئی خدا سے پھری لو جو کان کی
آسان موت کر گئے ہر اک جوان کی　بن بیاہے دوستوں پہ نثار اپنی جان کی
منکا خدا کی یاد میں تکیے پہ ڈھل گیا
بھرّا کے یا علی، کہا اور دم نکل گیا

۳۷ خلعت نئے خریدے تھے جو بیاہ کے لیے　لاشے کے گرد کھول کے بانو نے رکھ دیئے
مردے کے سامنے گئی اور یہ بیاں کیے　واری پسند کر لو تو بانو کفن سیئے
ارمان میرے جی میں بھرے کے بھرے رہے
تم چل بسے اور آہ یہ جوڑے دھرے رہے

۳۸ میں بے نصیب اب کسے دولہا بناؤں گی　تم تو سدھارے مائیوں کس کو بٹھاؤں گی
مانجھے کے زرد کپڑے کسے اب پنہاؤں گی　دولہا بتاؤ کس کی دولھن بیاہ لاؤں گی
کیوں لال، وقت خاک میں ملنے کا آ گیا
مہندی ملی گئی نہ اُبٹنا ملا گیا

۳۹ غل پڑ گیا کہ اکبرِ مظلوم مر گئے　بولی سکینہ لو مرے بھیا گذر گئے
بانو نے کی فغاں مجھے برباد کر گئے　اے لوگو میرے گھر سے پیمبرؐ کدھر گئے
دوڑو، بہو بتولؑ کی آفت میں گھر گئی
جھاڑو اجل کی آج مرے گھر میں پھر گئی

۴۰ اب وقت شام کس کا بچھونا بچھاؤں گی　کس کو نماز شب کے لیے میں جگاؤں گی
کس کو اذانِ صبح کی خاطر اٹھاؤں گی　اب گھر سے جاؤں گی تو کہاں تم کو پاؤں گی
چلا کے آج روتی ہوں میں اضطراب میں
یہ بھی نہیں امید کہ آؤ گے خواب میں

۴۱ واری یہ کیا، میں روتی ہوں تم مسکراتے ہو ہاں، اپنے دادا جان کو بالیں پہ پاتے ہیں
جاتے ہو ان کے ساتھ ہمیں چھوڑے جاتے ہو اب دردِ دل کا حال نہیں کچھ سناتے ہیں
آسان جان کنی کو کیا کہہ کے 'یا علیؑ'،
مشکل کے وقت آ ہی گئے مرتضیٰ علیؑ،

۴۲ لو اب یہ آرزو ہے ہماری، جواب دو کیسا کفن میں دوں تمہیں، واری جواب دو
تربت کہاں بناؤں تمہاری جواب دو ہو کس طرح سے تعزیہ داری، جواب دو
آئی ندا کہ ساتھ شہیدوں کا دیں گے ہم
چہلم کے روز غسل و کفن دیکھ لیں گے ہم

۴۳ خاموش، اب فلک پہ ہے شور و فغاں دبیر بانو کے بین ہو نہ سکیں گے بیاں، دبیر
مجلس میں ہے قیامت کبرا عیاں، دبیر شہ کے جواں کو روتے ہیں پیر و جواں دبیر
نیرنگیاں دکھاتا ہے چرخِ کہن کا رنگ
فرصت زمانہ دے تو دکھا دوں سخن کا رنگ

تمت بتاریخ ۲۴ روز دوشنبہ ۱۲۸۲ھ ہجری از خط بدنمط احقر اشرف النساء بیگم تحریر یافت بقلم خاص مرثیہ مرزا دبیر صاحب۔

سلہ دیکھو عصیاں کے عار سے جو دل ناتواں ہوا

فرہنگ

۱۔ نِہال: پودا۔ درخت (استعارہ ہے جوان فرزند سے)
۲۔ تھالے: درخت میں پانی دینے کے لیے بنا ہوا گڑھا۔
۳۔ دَشتِ قِتال: (دشت، میدان۔ قِتال: جنگ) میدان جنگ۔
۴۔ ثانیِ پیمبر: تصویرِ رسول، شبیہ پیغمبر۔ حضرت علی اکبر۔
۵۔ صادق کے ہم شبیہ: (صادق: رسول اللہؐ کا لقب) رسول کی صورت سے ملتے جلتے۔ عورتیں "شبیہ" کے بجائے ہم شبیہ بولتی تھیں (لکھنؤ)
۶۔ محکمے میں حشر کے: حشر کا محکمہ، عدالت خداوندی۔ مُحکَمہ: کچہری۔
۷۔ اَتقیا: (تقی کی جمع) پرہیزگار لوگ (اَشقِیا کی ضد)
۸۔ کِردگار: خدا۔
۹۔ باسرِ عُریاں: ننگے سر۔
۱۰۔ جگر پہ چھریاں چلنا: بے حد درد اور غم ہونا۔
۱۱۔ اوٹ: پردہ۔
۱۲۔ سرکو: (سرکنا، ہٹنا) ہٹو، چلو۔
۱۳۔ شِتابی: جلدی۔ شتاب۔
۱۴۔ رَخت: لباس۔
۱۵۔ کان کی لو پھرنا: موت کے آثار ظاہر ہونا۔
۱۶۔ مُنکا ڈھلنا: نزع کا وقت۔
۱۷۔ مایوں بٹھانا: مانجھے بٹھانا۔ شادی سے قبل دولھا، اور دولھن کو اپنے اپنے گھروں میں زرد کپڑے پہنا کر کسی کمرے میں بٹھا دینا جہاں صرف اس کی سہیلیاں جا سکیں۔
۱۸۔ اُبٹنا: وہ خوشبودار مسالا جو شادی کے موقع پر دولھا دولھن کے جسم پر ملا جاتا ہے۔

مرثیہ نمبر ۸

روانہ نہرِ لبن کو شیر خوار ہوا

۴۱ بند

بیان آمد قاصد صغریٰ و شہادت امام حسینؑ

○ تعارف و تبصرہ

○ مرثیہ

○ تحقیق متن

○ فرہنگ

مرثیہ پر نظر

سادہ زبان، خوبصورت اور انتہائی حسرت ناک مناظر، اور حد سے زیادہ گریہ انگیز بین اس مرثیے کی خصوصیت ہے۔ ہر مصرع سہل ممتنع، ہر بند صاف اور چست کوئی بند کم نہیں کیا جاسکتا کوئی بات زائد نہیں ہموار اور لگا تار بند۔ مختصر مگر جامع، عورتوں کی زبان اور مہذب آدمیوں کا روزمرہ، واقعے کی ترتیب اور آہستہ آہستہ درد و غم میں ڈبو دینے کا رنگ ہے۔

مدینے سے جناب فاطمہ صغریٰ کا نامہ بر ایک خط لاتا ہے، مظلوم باپ ایسے عالم میں ہے کہ قاصد پہچاننے میں وقت محسوس کرتا ہے۔ جب حال کھلا تو امام قاصد کو لے کر صغریٰ کے بھائی حضرت علی اکبرؑ کی لاش پر آئے وہ منظر ایک جھلک میں دکھا کے، امام کی جنگ، قاصد کا جذبہ، تلوار اور آخر میں شہادت کا مختصر سا بیان کر کے حضرت زینبؑ کے بین یوں لکھے ہیں جیسے کوئی آج کا شاعر لکھے

یہ مرثیہ خواتین میں ہمیشہ سے مقبول چلا آرہا ہے، سوز خوان اور مختصر مجلس پڑھنے تحت اللفظ کے استاد اس مرثیے سے مجلس الٹ دیتے ہیں۔ اور واقعا بڑا کامیاب مرثیہ ہے۔

اس مرثیے کا بنیادی متن ۱۸۷۵ء کا نول کشوری ایڈیشن ہے جس کا مقابلہ اسی پریس کے چھپے ہوئے دوسرے ایڈیشن سے کیا ہے۔

مرثیہ :

روانہ نہرِ لبن کو جو شیر خوار ہوا

۴۱ بند

بیان آمد قاصد صغریٰ و شہادت امام حسینؑ

۱ روانہ نہرِ لبن[ﻠﮧ] کو جو شیر خوار ہوا   زباں دکھانے پہ گردن سے تیر پار ہوا
تڑپ کے ہاتھوں پہ حضرتؑ کے ہم کنار ہوا   خزاں ہوا جو وہ گل تو گلے[ﻠﮧ] کا ہار ہوا
اِدھر تو شاہ کو یہ صدمۂ جگر پہنچا!
اُدھر مدینے سے صغرا کا نامہ بر پہنچا!

۲ لہو میں غرق کھڑے تھے کمر جھکائے ہوئے   پسر کی ننھی سی مَیّت گلے لگائے ہوئے
لہو بھرا ہوا دامن اسے اُڑھائے ہوئے   کفن کی فکر میں منہ خیمے کو پھرائے ہوئے
یہ حال دیکھ کے قاصد کی آس ٹوٹ گئی
ہوا یہ رُعشہ کہ فوراً مہار چھوٹ گئی

اُتر کے ناقے سے آداب وہ بجا لایا   وہ نوحہ کرتا ہوا اور مُتّصِل آیا
مگر حسینؑ تھے بے ہوش کچھ نہ فرمایا   نگاہِ یاس سے منہ دیکھ کر یہ چلّایا
قرار دو مجھے میں بے قرار ہوتا ہوں
حسین جان کے تم پر نثار ہوتا ہوں

کہو بقیّۂ اولادِ مرتضیٰؑ تم ہو؟   امیرِ لشکرِ اللہ و مصطفیٰؐ تم ہو؟
غریبِ کوفہ و مظلومِ کربلا تم ہو؟   بتاؤ قاسمِ ناشاد کے چچا تم ہو؟
جواب دو، پدرِ نامرادِ اکبر ہو؟
جنابِ حضرتِ عبّاس کے برادر ہو؟

۵ بہن ہے آپ کی زینبؑ، سکینہ دختر ہے؟   وطن میں بھی کوئی لڑکی علیل و[ﻠﮧ] مضطر ہے؟
حضور کا کوئی ننھا سا لال اصغر ہے؟   ہراول آپ کے لشکر کا حُرِّ صفدر ہے؟
زُہَیر اور حبیب آپ کے مصاحب ہیں؟
جنابِ عَون و محمد کے ماموں صاحب ہیں؟

۶ حسینؑ بھر کے دمِ سرد بولے، اے غم خوار   امیر کون ہے، میں تو ہوں بےکس و بے یار
کہاں ہیں اکبر و قاسم، کہاں علَم بردار   خدا کے بندے ہیں یہ سب، ہوئے خدا پہ نثار
سپاہِ ظلم نے تنہا سمجھ کے گھیرا ہے
ہزاروں تیغیں ہیں اور ایک حلق میرا ہے

۷ سنا تھا شُہرہ کہاں تو نے میرے اکبر کا؟   ابھی چراغ ہوا گل، حسینؑ کے گھر کا
سنا تھا دَبدَبہ کس سے خدا کے لشکر کا؟   ابھی ابھی ہوا یاں خاتمہ بہتّر کا
جو شیر خوار کی تجھ کو تلاش ہے بھائی
یہ دیکھ لے مرے ہاتھوں پہ لاش ہے بھائی

۸ شتر سوار[ﻠﮧ] پکارا کہ آہ، وَاوَیلا!!   نشان اس نے دیا تھا جدا جدا سب کا
حسینِ فاطمہؑ، فدوی ہے[ﻠﮧ] قاصدِ صُغرا   امامِ عصر کو پھر کھول کر عریضہ دیا
لیا حسینؑ نے باہوں پہ لاشہ اصغر کا
عریضہ ہاتھوں پہ رکھا مریض دختر کا

۹ نگاہِ یاس سے شہ نے وہ خط پڑھا خاموش   کبھی کُڑھے، کبھی روئے، کبھی ہوئے بے ہوش
شتر سوار کا منہ دیکھ کے کر کیا یہ خروش   لے اب عریضہ اٹھا، دل پہ ہے قلق کا جوش
جواب کون لکھے گا پدر تو مرتا ہے
اب اک نیابتِ صُغریٰ حسینؑ کرتا ہے

۱۰ وطن[ﻠﮧ] سے قاصدِ صُغریٰ تو رن میں آیا ہے (مطلع)   یہاں صَغیر نے گردن پہ تیر کھایا ہے
گلے سے لاش کو شبیرؑ نے لگایا ہے   سلام کے لیے قاصد نے سر جھکایا ہے
وہ پوچھتا ہے کہ آس آپ کی یہ توڑ گئے
حسینؑ کہتے ہیں، اکبر بھی ہم کو چھوڑ گئے

ﻠﮧ یہ بند اگر اوپر کے ۹ بند چھوڑ کے پڑھا جائے تو مرثیہ مختصر ہو جائے گا۔ ورنہ اس بند کو چھوڑا جا سکتا۔

۱۱ ہٹائی چہرے اصغر سے خون بھری چادر — پسینہ موت کا ماتھے سے پونچھا منہ تا سر
پکارے مُردے کی آنکھوں پہ ہونٹوں کو رکھ کر — لکھی ہے فاطمہؑ نے دیدہ، لو سنی اصغر
گواہ رہیو کہ فاقے سے جھومتا ہے حسینؑ
اور اُن کے بھائی کی آنکھوں کو چومتا ہے حسینؑ

۱۲ بنا لوں ننھی سی قبر اس کی لائے جُھک کے شبیر — تو پھر چلوں پسرِ نوجواں کے لاشے پہ
تو پڑھیو لاشۂ اکبر پہ نامۂ خواہر — یہ کہہ کے گھوڑے سے اُترے امامِ جن و بشر
زمین قبر کی خاطر پسند کرنے لگے
مزار کھود کے نانے بلند کرنے لگے

۱۳ لہو سے غسل تو اصغر کو دے چکی تھی قضا — ملی بصورتِ کافور شہ نے خاکِ شفا
وہ ننھی قبر، وہ ننھا سا لاشہ اصغر کا — اُتارا قبر میں بچے کا خون بھرا لاشا
پر اپنے چاند کو جب خاک میں چھپانے لگے
جگر تڑپنے لگا ہاتھ تھرتھرانے لگے

۱۴ یہ حال دیکھ کے قاصد نے کی مددگاری — لحد میں انگلیوں سے خاک ڈالی یکباری
پکاری خیمے کے در سے یہ بانوئے دکھیاری — یہ کس کی قبر کی ہوتی ہے رن میں تیاری!
حسینؑ بولے نئے حادثے گذرتے ہیں
تمہارے ہنسلیوں والے کو دفن کرتے ہیں

۱۵ گری زمیں پہ کلیجہ پکڑ کے وہ ناچار — پکاری میری کمائی سے اے نہیں ہشیار
نہ مُردہ جانیو، ہے جان میری یہ دلدار — زمین تیرے نثار اور ترے مکیں کے نثار
یہ زیرِ خاک تو یوں فاطمہؑ کا باغ ملا
تجھے یہ پھول ملا اور ہم کو داغ ملا

۱۶ بلائیں دور سے لے لے کے پھر کیا یہ بیاں — تمہاری ننھی لحد پر میں واری اصغر جاں
اکیلے سوتے کی مشکل خدا کرے آساں — اندھیرے گھر سے نہ گھبرائیو یہ ماں قرباں
تمہارے چاہنے والے گلے لگائیں گے
مجھے یقیں ہے جنابِ امیرؑ آئیں گے

۱۷ غرض کہ فاتحہ اصغر کی قبر پہ پڑھ کر — حسینؑ لے گئے قاصد کو لاشِ اکبر پر
نظر پڑی اُسے دولہا کی شان سرتاسر — لہو کی مہندی سے ہیں ہاتھ پاؤں لاش کے تر
اور آس پاس حسینی سپاہ سوتی ہے
برات جیسے کہ دولہا کے گرد ہوتی ہے

۱۸ دکھا کے لاش کو، پہلو میں گر پڑے سرور — عمامہ اس نے بھی پٹکا زمین کے اوپر
تڑپ کے کہنے لگا، ہائے ہائے پیغمبر — پکارا، ہائے علیؑ، ہائے حمزہؑ و جعفرؑ
ارے غضب یہ مُرقّعِ شہ مٹا دیا کس نے
شہیدِ احمدِ مختار کو کیا کس نے

۱۹ کہا حسینؑ نے، کیسے شہزادے کو جگاؤں میں؟ — جگر کے زخم سے مردے کا ہاتھ اٹھاؤں میں؟
بہن کے خط میں لہو بھائی کا لگاؤں میں؟ — حضور شانہ ہلائیں تو خط سناؤں میں
خطاب ان کا جواں مرگ اس دیار میں ہے
بہن کھڑی ہوئی واں در پہ انتظار میں ہے

۲۰ یہ پوچھنا، کہ عدو صرفِ کارزار ہوئے — بلند چار طرف شورِ گیر و دار ہوئے
کفِ اجل میں عناں دے کے شہ سوار ہوئے — حرم حسینؑ کے خیمے میں بے قرار ہوئے
نکل کے لونڈیاں کہنے لگیں دُھائی ہے
کہ چار لاکھ کی اک جان پر چڑھائی ہے

۲۱ شتر سوار نے خنجر میاں سے کھینچا — کہا حسینؑ سے، مولا میں تجھ پہ فدا
ہے آرزو کہ مجھے حشر میں کہے زہراؑ — وہ آیا فدیۂ شبیر قاصدِ صغرا
زہے شرف جو مددگاریِ حسینؑ کروں
شہید ہو کے ابد تک جہاں میں چین کروں

۲۲ نہ کلمہ گو سے یہ ہوگا کبھی معاذ اللہ — کہ دیکھے سبطِ پیمبرؐ کو زیرِ خنجر، آہ
نہ یار ہے نہ دیار اور نہ فوج ہے نہ سپاہ — تو بے پناہ ہے جلادوں میں، خدا کی پناہ
یہ کیا غضب ہے خلیفہ یزید ہوتا ہے
رسولِ حق کا نواسہ شہید ہوتا ہے

۲۳ بیاں اپنی غریبی کا سن کے روئے شاہ — کہا، ہم ایسے ہی بے کس ہیں، آہ قاصد آہ
سوا خدا کے نہیں ڈھونڈھی ہر کسی کی پناہ — نگاہ حق پہ ہے، گو جا چکا ہے نورِ نگاہ
تو جانتا ہے کہ ہم بے کسی سے مرتے ہیں
سقر سے امّتِ جد کی رہائی کرتے ہیں

۲۴ یہ کہہ رہا تھا ابھی وہ امیر ابنِ امیر — کہ یک بیک نکل آئی میان سے شمشیر
زبانِ حال سے تیغِ علیؑ نے کی تقریر — کہ اے غیورِ ازل، فخرِ انبیا، شبیرؑ!
جو نیک ہیں، تری مظلومیت پہ روئیں گے
جو بدگماں ہیں وہ قائل کبھی نہ ہوئیں گے

۲۵ میں چاہتی ہوں کہ یہ دیکھیں ضربِ شاہِ امم — مگر یہ جنس وہ ہے جس کے جوہری ہیں کم
علیؑ کی تیغ و شجاعت کی لوگ کھائیں قسم — تمہارا سر ہو قلم، اور یوں ہوں قبضے میں ہم
عیاں ہے مرتبہ ربِّ جلیل پر میرا
پڑا ہے سکّہ پرِ جبرئیلؑ پر میرا

۲۶ حسینؑ بولے کہ اے یادگارِ شیرِ خدا — مقامِ صبر جدا ہے، جلال و طیش جدا
ازل سے ہم ہیں مشیّت شناسِ ربِّ ہدا — کہیں مجاہد و غازی، کہیں خدا پہ فدا
برائے نام نہ جرأت نہ صبر کرتے ہیں
خدا کے واسطے لڑتے ہیں اور مرتے ہیں

۲۷ یہ واقعی مرے بابا نے زور دکھلایا — مگر گلا بھی تو کس بے کسی سے بندھوایا
انھیں کے سامنے دُرّہ بتول نے کھایا — نہ تیغ کھینچی نہ خفگی نہ غصّہ فرمایا
جلال میں نہیں زہرا کا لال آنے کا
کہ ذوالجلال سے وعدہ ہے سر کٹانے کا

۲۸ پکاری تیغ تمھیں عدلِ کبریا کی قسم — جلالِ حمزہؑ و اقبالِ مصطفٰےؐ کی قسم
شکوہ و دبدبۂ شاہِ لافتا کی قسم — تمھیں وفائے شہیدانِ کربلا کی قسم
یہ تیغ کہتی تھی جو حکمِ کبریا پہنچا
اچھل کے قبضۂ کفِ شاہِ دیں میں جا پہنچا

۲۹ لیا نیام سے جب، مرضیِ الٰہی سے — سپید تیغ کا پیدا ہوا سیاہی سے
نقیب نے کہا، لبّیک، خیر خواہی سے — مگر عیاں ہوئے یونسؑ دہانِ ماہی سے
ہلالِ تیغ جو ابرِ سیاہ سے نکلا!
اٹھا یہ شور، کہ یوسف وہ چاہ سے نکلا!

۳۰ فلک نے ہفت سپر رکھ دی پیشِ شاہِ زماں — پہ گرد سر ہوا عرشِ بریںؑ بلا گرداں
کماں دکھا کے کہا کہکشاں نے، میں قرباں — شہاب نذر پہ آیا تیرِ شعلہ فشاں
نظر جو مہر نے کی شاہ کی جلالت پر
کرن کے تاروں سے باندھی کمر اطاعت پر

۳۱ جہاد میں ہمہ تن صرف تھے شہِ اقدس — کہ حکمِ حق ہوا، بس اے حسینؑ پیاسے بس
مقامِ ذبح پہ اب پھیر دو عنانِ فرس — جہاں کھڑی ہوئی روتی ہے فاطمہؑ بے کس
لو آؤ، سلطنتِ حشر و تاجِ عقبا لو
لو آؤ، نانا کی امّت کو ہم سے بخشا لو

۳۲ بسوئے گنجِ شہیداں پھرے امامِ ہدا — قدم کو چوم کے قاصد پکارا، صلِّ علٰے
یہ قدرت آپ کے حصّے میں تھی، جزاک مولا — جوان بیٹے کو کیوں آج قتل ہونے دیا!
جوابِ عاشقِ حق نے یہ بے درنگ دیا
جب اس نے صبر دیا تھا، اب اذنِ جنگ دیا

۳۳ پھر اب رضا، خدا ہے کہ تیر کھاؤں میں — اور اپنی امّاں کے زانو پہ سر کٹاؤں میں
نبیؐ کے سامنے بے سر جہاں سے جاؤں میں — اور اپنے نانا کی امّت کو بخشواؤں میں
جو ذبح سجدے میں ہوں دل کا مدعا نکلے
خدا کرے کہ زباں سے خدا خدا نکلے

۳۴ یہ کہتے تھے، کہ بڑھی فوجِ اشقیا، ہے ہے — امامِ عرش نشیں کو گرا دیا، ہے ہے
پکارے پیٹ کے جنّت میں انبیا، ہے ہے — گرا نواسۂ محبوبِ کبریا، ہے ہے
بہن حسینؑ کے چہرے پہ خاک ملتی ہے
چھری کلیجے پہ خیر النّسا کے چلتی ہے

۳۵ غضب سے شمرِ لعیں آستیں چڑھا کے چلا   شکن جبیں پہ، دستِ جفا میں تیغِ جفا
قریب شاہ کے پہنچا جو وہ عدوِ خدا   کہا حسینؑ نے قاصد سے، جا، شتابی جا!
یہ تیغ و سر ہے، یہ زانوے فاطمہؑ، قاصد!
تو جان لے کہ ہوا میرا خاتمہ، قاصد!

۳۶ یہ کہہ کے غش ہوا وہ نائب جنابِ امیرؑ   اور آہ سینۂ مجروح پر چڑھا بے پیر
ابھی قدم پہ پڑا تھا وہ قاصدِ دلگیر   جو غل اٹھا کہ سناں پر چڑھا سرِ شبیرؑ
گلے کے کٹتے ہی پامال لاش ہونے لگی
پسر کے مُردے سے زہراؑ لپٹ کے رونے لگی

۳۷ رسولؐ زادیاں ساری نکل پڑیں باہر   طمانچے منہ پہ لگاتی تھی زینبِ مُضطر
پکارتی تھی، کدھر ہو حسین، بھائی کدھر   تمہارا کنبہ تمہیں ڈھونڈتا ہے ننگے سر
پکار لو ہمیں، اکبر کی روح کا صدقہ
جواب دو، علی اصغرؑ کی روح کا صدقہ

۳۸ بتاؤ لوگو، کہاں لاشِ شاہِ والا ہے   کہاں کلیجہ مری ماں کا کاٹ ڈالا ہے
کہاں وہ بھائی ہے، زینبؑ کو جس نے پالا ہے   کدھر وہ میرا گلابی عمامے والا ہے
زمیں سے پوچھو کہ سلطان کیا ہوا تیرا
کہو فرات سے، مہمان کیا ہوا تیرا

۳۹ تلاش کرتی تھی حضرت کی لاش وہ مغموم   جو ایک لاش پہ سر پیٹ کر گری کلثوم
پکاری، اے بہن آؤ، ملے شہِ مظلوم   زیارت آ کے کرو، ہائے کٹ گیا حُلقوم
فغانِ ہائے حسینا بلند ہوتی ہے
یہ ہے ہے، لاش اخیؑ پر بتولؑ روتی ہے

۴۰ یہ سن کے پیٹتی دوڑی بتولؑ کی جائی   لپٹ کے لاشے سے بے ساختہ یہ چلّائی
غریب بھائی اٹھو، بے وطن بہن آئی   بہن نہ مر گئی، تم ذبح ہو گئے بھائی
حسینؑ، بھائی مری آس تم بھی توڑ گئے
اسیر ہونے کی خاطر بہن کو چھوڑ گئے

۴۱ بوقتِ ذبح بہن کو نہ یاد فرمایا   گلے لگا کے بہن کو گلا نہ کٹوایا!
یہ کہہ کے غش ہوئی، حضرت کا لاشہ تھرّایا   دبیرؔ بس کہ جگر خامےؔ کا نکل آیا!
دعا یہ مانگ کہ شیعوں کو چین ہو یارب
ہر ایک گھر میں عزائے حسینؑ ہو یارب

تحقیق متن

• مرثیہ دبیر، جلد اول طبع اول و طبع ثانی۔

بند ۱۲۔ مصرع ۱، نول کشوری نسخہ طبع اول،

"بناؤں ننھی سی قبر آپ کی خجستہ سیر"

مصرع ۳، نول کشوری نسخہ طبع اول:

"تو پڑھ دوں لاشۂ اکبر پہ نامۂ خواہر"

تصحیح از نول کشور طبع دوم۔

بند ۱۷: مصرع ۲، نسخۂ نول کشور طبع اول میں تیسرا مصرع ہے ہم نے طبع دوم نول کشور کو بہتر سمجھا ہے اور مصرعوں کی ترتیب اسی کے مطابق رکھی ہے۔

بند ۲۳: مصرع ۴، نسخۂ نول کشوری طبع اول "گو جا چکا ہے نورِ نگاہ" طبع دوم

"گو مر چکا ہے نورِ نگاہ"

بند ۲۶: نسخۂ نول کشور کے دونوں ایڈیشنوں میں مشیّت کے بجائے "مسبب" چھپا ہے۔

بند ۳۰: مصرع ۳، نسخۂ نول کشور طبع اول میں: "شہاب نظر سے آیا تیر شعلہ فشاں" چھپا ہے

مصحح نے طبع دوم میں "نظر" کو "نذر" نہ پڑھ کر مصرعے کو یوں بنا دیا۔

"شہاب آیا نظر سے کے تیر شعلہ فشاں"

بند ۳۵: مصرع ۱، طبع اول:

"غضب ہے شمر لعیں آستین جھٹک کے چلا"

طبع دوم:

"غضب سے شمر لعیں آستین چڑھا کے چلا"

میں نے مصرع کی قرات کی ہے:

"غضب ہے شمر لعیں آستین چڑھا کے چلا"

فرہنگ

۱۔ نہرِ لبن: دودھ کی نہر (جنت) حضرات حسنینؑ کی لوری تھی۔

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ نَهَرًا مُمْتَلًا بِلَبَن   لِعَلِيٍّ وَّلِزَهْرَا وَحُسَيْنٍ وَحَسَن

ترجمہ: جنّت میں دودھ کی ایک چھلکتی نہر ہے اس کے مالک ہیں علیؑ و فاطمہؑ حسینؑ و حسن علیہم السلام۔

۲۔ گلے کا ہار: محبوب، ہر وقت گودیوں میں رہنے والا بچہ۔

۳۔ ششدر: حیران۔ پریشان۔ ناچار۔

۴۔ شتر سوار: قاصد، نامہ بر۔ پیغام لانے والا (شتر: اونٹ)

۵۔ فدوی: غلام۔ خادم۔ مخلص۔

۶۔ دیدہ بوسی: آنکھیں چومنا۔ پیار

۷۔ خجستہ سیر: (خجستہ: مبارک۔ سِیَر: سیرت کی جمع، عادت) اچھی خصلتوں، مبارک عادتوں والا۔

۸۔ مُرقّع: تصویر۔

۹۔ دیار: وطن۔

۱۰۔ وَجَب: بالشت۔

۱۱۔ غیورِ ازل: ہمیشہ سے غیرت دار۔ خوددار۔

۱۲۔ پرِ جبرئیل پر سکّہ پڑا: جبرئیل کے پروں پر روزِ جنگ خندق حضرت علیؑ کی تلوار اس وقت لگی تھی جب انھوں نے زمین پر بچھا دیئے تھے کہ امیر المومنین کی تلوار دشمن کو کاٹتی ہوئی زمین کے اندر نہ چلی جائے۔

۱۳۔ مشیّت شناس: اللہ کی مرضی کے پابند۔

۱۴۔ بلا گرداں: صدقے۔

۱۵۔ بے درنگ: بے تاخیر۔ فوراً۔

۱۶۔ اَخی: میرا بھائی۔

۱۷۔ خامہ: قلم

مرثیہ نمبر ۹

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے

۹۱ بند

بیان شہادت حضرت علی اصغرؑ و شہادت امام حسینؑ

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگ

مرثیہ پر نظر

مرزا صاحب کا یہ شاہکار مرثیہ، سادگی، منظر نگاری، درد آفرینی اور مقبولیت کے اعتبار سے بار بار پڑھنے کے قابل ہے۔ چونکہ زیر نظر قلمی نسخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۲۶۶ھ/ ۴ فروری ۱۸۵۰ء کی تاریخ سے آراستہ ہے اس لیے مرثیے کی تصنیف کا زمانہ متعین ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء کو پیدا ہوئے تو ۱۲۶۶ھ میں ان کی عمر تقریباً اڑتالیس سال تھی۔ اور شاعری کا آغاز ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ء میں کیا تو مشق کو پینتیس سال گذر گئے تھے۔ اس لیے مرثیے کی تصنیف دوسرے دور، اور استادی و پختگی فن کے زمانے میں ہوئی۔ اس وقت ضمیر زندہ تھے اور مرثیے کے آخری بند سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید رشک و رقابت کا شباب تھا اور لوگ ان کے خلاف تھے،

ہر چند طبع پہ ہے ہجومِ غم و ملال — شکوہ مگر کسی کا نہیں، شکر ذوالجلال
برعکس ہے کوئی تو کوئی برخلاف ہے — آئینۂ دل اپنا ہر اک رو سے صاف ہے

ہو سکتا ہے کہ استاد ضمیر صاحب سے چشمک اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ ہو۔

اس پس منظر سے نفسیاتی طور پر مرزا صاحب نے کچھ تو خود محنت کی ہو گی کچھ لاشعوری طور پر جذبۂ تقابل و برتری نے انھیں ابھارا ہو گا جس کے نتیجہ میں مرثیہ کا مطلع جس قیامت کا ہو وہ مرثیہ کی کامیاب اٹھان کی خبر دیتا ہے۔

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے — بچے کی نبض دیکھ کے ماں بے حواس ہے
نے دودھ ہے، نہ پانی کے ملنے کی آس ہے — پھرتی ہے آس پاس پہ جینے سے یاس ہے
کہتی ہے کیا کروں میں دوہائی حسینؑ کی
پتلی پھری ہے آج مرے نورِ عین کی

اس بند کے سننے اور پڑھنے کے بعد ہر صاحب دل پر جو اثر ہوا ہو گا اسے آپ بھی محسوس کر سکتے ہیں، درد، پریشانی کے لیے صورت واقعہ کی ہو بہو تصویر، الفاظ اور مصرعوں میں کرب کی کیفیت—

[illegible] ہمکتے نہیں، لوٹتے نہیں۔

ماں کے جذبات کا جس شدّت سے اظہار ہے، حسرت واندوہ کا جو زور ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مجلس تڑپ جائے اور قاری چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ پھر ایک دو نہیں دس بند اسی اثر انگیزی اور مکی لہجے میں لکھتے چلے گئے ہیں۔ گویا المیے کا مقصد آغاز ہی میں پورا ہوگیا۔ پھر کم وبیش پندرہ بند ذرا دبے دبے غم اور گھٹے گھٹے جذبات کے ساتھ سنے جائیں گے، امام حسین علیہ السلام کا خیمے میں آنا، خواتین کا عالم، بچے کی حالت امام کا فرزند کو آغوش میں لے کر میدان میں آنا اور فوج سے باتیں کرنا، حرملہ کا تیر چلنا، امام کی حالت

سونپوں کسے اٹھاؤں کہاں، آہ کیا کروں

خبر خیمے میں پہنچی، خواتین کا عالم، ماں کے بین، بند نمبر باون میں تخلص ڈال کر پڑھنے والوں کو اختیار دیا ہے کہ مرثیہ یہاں ختم کردیں۔ ایسی صورت میں پورا مرثیہ المیہ اور بنیہ ہے اور گریہ آفرینی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بند نمبر ترپن سے مرثیہ کا رزمیہ تیور بدلتا ہے اور امام کی جنگ آخر کی گریز کے ساتھ ساتھ، آمد گھوڑا، تلوار، اور جنگ، کے اجزا اپنی ترتیب سے آگے بڑھتے ہیں۔ تلوار کے پندرہ بند ہیں، سب مرصع، برجستہ، نازک خیالی اور تکنیکی اعتبار کے نفیس بند ہیں، اعلیٰ درجے کی غزلیت، اور نہایت لطیف شعریت کے نمونے ہیں:

چار آئینے نے شہرِ بدن کی جو لی پناہ　　　بولی کہ منہ تو دیکھ، تو روکے گا میری راہ!
پھونکا سپر کے کان میں، جا بھاگ روسیاہ　　　سیدھی کمان ہوگئی ترچھی جو کی نگاہ
آنکھیں ہرائے تیغ سے جوشن کی پھر گئیں
کڑیاں زرہ کی صورتِ سنبل بکھر گئیں

مرثیہ کے دوسرے حصے میں (یعنی بند نمبر ۵۲ سے ۹۴ تک) امام حسین علیہ السلام کی جنگ اور شہادت کا بیان ہے اور　المیہ کی اور گریہ خیز وحسرت آفریں ہے۔

مرثیہ:

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے

۹۱ بند

احوال شہادت علی اصغرؑ وشہادت امام حسین علیہ السلام

۱ بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے　　　بچے کی نبض دیکھ کے ماں بے حواس ہے
نے دودھ ہے، نہ پانی کے ملنے کی آس ہے　　　پھرتی ہے آس پاس، پہ جینے سے یاس ہے
کہتی ہے: کیا کروں میں، دُہائی حسینؑ کی
پُتلی پھری ہے آج مرے نورِ عین کی

۲ فریاد یا علیؑ! میں کدھر جاؤں، یا علیؑ　　　ان داغوں کو کہاں سے جگر لاؤں، یا علیؑ
کس طرح ان کی سانس کو ٹھہراؤں، یا علیؑ　　　پانی کا قحط ہے، میں کہاں پاؤں، یا علیؑ
پچھلے کو آنکھ کھولی تھی، اب کھولتے نہیں
روتے نہیں، ہُمکتے نہیں، بولتے نہیں

۳ اک دم بھی ہائے غم سے نہیں انفراغ ہے　　　تازہ ابھی جوانیِ اکبر کا داغ ہے
لَو پھر گئی ہے کان کی اگل یہ چراغ ہے　　　کیا لوٹنے کو موت کے میرا ہی باغ ہے
کیا خاک میں ملانے کو میرے ہی پیارے ہیں
کہہ دو اجل سے یہ تو علیؑ کے ستارے ہیں

۴ میں کہتی تھی، نجف میں انھیں لے کے جاؤں گی　　　شاہِ نجف کا ان کو مُجاورِ بناؤں گی
اُنگلی پکڑ کے گردِ لحد کے پھراؤں گی　　　ہے ہے، انھیں کو قبر میں اب میں سلاؤں گی
مَنّت کے طوق بڑھ چکے پروان چڑھ چکے
یٰسین کا وقت آگیا قرآن پڑھ چکے

۵ اب کس کی بامراد بڑھاؤں گی ہنسلیاں — ہے ہے اکڑ کے سخت ہوگئیں یہ نرم انگلیاں
تیور بدل بدل کے پھراتے ہیں پتلیاں — اب میرے لال باندھ نہیں سکتے مٹھیاں
باقی حواس پیاس سے معصوم کے نہیں
منہ میں انگوٹھے لیتے ہیں اور چوستے نہیں

۶ رونا نہ جانتے تھے سدا مسکراتے تھے — پھیلا کے ہاتھ گود میں سب کی یہ آتے تھے
خاطر سے میری جھولے میں یہ لیٹ جاتے تھے — جاتی تھی میں جدھر، یہ ادھر منہ پھراتے تھے
کس کی نظر لگی کہ میں نظروں سے گر گئی
وہ چاہ پیار اب نہ رہا آنکھ پھر گئی

۷ ہر دم سکینہ سامنے بھائی کے آتی ہے — ہاتھوں میں خالی کوزوں کو لے کر دکھاتی ہے
سہلا کے ننھے تلوے، یہ رو کر سناتی ہے — من جاؤ بھائی جان، سکینہ مناتی ہے
کڑھتی ہیں اماں آنکھ کو تم کھولتے نہیں
اللہ، ہم پکارتے ہیں، بولتے نہیں

۸ غصے سے آنکھ بند ہے، یا تشنگی سے آہ — خالق کی تم پہ مہر، علیؑ کی تمہیں پناہ
بے آپ کے پیا نہیں پانی، خدا گواہ — صدقے گئی، پھر اور ہوا مجھ سے کیا گناہ
تیروں سے مشک چھد گئی مجھ بے حواس کی
پیاسی بہن سے لو قسم اپنی پیاس کی

۹ سر ننگے گرد جھولے کے کنبہ ہے سب بہم — پھیلا رہے ہیں سمٹے ہوئے پاؤں کو حرم
تکیے پہ سر ڈھلا ہوا رکھتے ہیں دم بدم — چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کبھی دیکھتے ہیں دم
قرآن کی ہوا کبھی گھبرا کے دیتے ہیں
بانو کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں

۱۰ آخر کہا یہ سب نے، بلاؤ امام کو — لاؤ! خدا کے واسطے لاؤ امام کو
اِس بے زباں کا حال سناؤ امام کو — نیلی رگیں گلے کی دکھاؤ امام کو
اکبرؑ کی لاش لے گئے ہیں قتل گاہ میں
کوئی پکار لو، وہ ابھی ہوں گے راہ میں

۱۱ حضرت لٹا رہے تھے وہاں لاشۂ جواں — جو خیمے سے بلند ہوئی بیبیوں کی فغاں
بولے کہ چین بھائی کو بن بھائی کے کہاں — اکبرؑ! تمہاری لاش کا خالق نگاہباں
ہم خیمہ گہ میں جاتے ہیں، اصغرؑ بلاتے ہیں
اُن کو بھی پاس لا کے تمہارے سُلاتے ہیں

۱۲ منہ پر جوان بیٹے کا تازہ لہو لگائے — ماتم سرا میں گنجِ شہیداں سے شاہ آئے
جھولے پہ ہاتھ پکڑے ہوئے اہلِ بیت لائے — بچے کے ہاتھ پاؤں ہلا کر انھیں دکھائے
رو کر کہا کہ سانس فقط آشکار ہے
سو اس کا کیا حساب کہ دم کا شمار ہے

۱۳ بیٹھے سرہانے جھولے کے شبیرؑ سر جھکائے — اصغرؑ کے کان سے لبِ معجز نما ملائے
چپکے سے کچھ کہا کہ وہ سنتے ہی مسکرائے — سوئے حسینؑ ہاتھ بھی بے ساختہ بڑھائے
بولی سکینہ: بابا نے مشکل کشائی کی
اماں! مبارک، آنکھ کھلی میرے بھائی کی

۱۴ ہاتھوں پہ لے چکے انھیں جب شاہِ اتقیا — بانو پکاری: لونڈی کو صاحب، جِلا لیا
سیدانیوں کے پاؤں پہ پھر سر کو رکھ دیا — بولی، خدا نے سب کی دعا سے کرم کیا
لب پر تبسم، آنکھوں سے شہ کے نظارے ہیں
ہم تم کوئی نہیں، انھیں بابا ہی پیارے ہیں

۱۵ زینبؑ نے پوچھا شہ سے کہ اے فخرِ کائنات — کیا آپ نے کہا کہ جو چونکا یہ نیک ذات؟
شہ بولے: ان کے دادا ہیں حلّالِ مشکلات — اس بے زباں کے کان میں میں نے کہی یہ بات
چلتے ہو، پہلوئے علیؑ اکبرؑ میں سونے کو؟
آتے ہو میرے شیعوں پہ قرباں ہونے کو؟

۱۶ جھولے سے اٹھ کے قتل کے میداں کو دیکھیے — کیا لعل و دُر ہیں، گنجِ شہیداں کو دیکھیے
لوٹے ہوئے علیؑ کے گلستاں کو دیکھیے — خنجر کے پھل کو غنچۂ پیکاں کو دیکھیے
یہ سن کے میری گود میں جھولے سے آئے ہیں
مقتل کو شوقِ تیر میں منہ کو پھرائے ہیں

۱۷ بانو پکاری ان پہ تو سب رحم کھائیں گے   بچہ سمجھ کے پانی بھی دشمن پلائیں گے!
شہ بولے، جو نصیب میں ہوگا وہ پائیں گے   پہلے انھیں کے آگے انھیں لے کے جائیں گے
خاطر سے ان کی پانی کے سائل بھی ہوئیں گے
انجام کار یہ ہے کہ ہم ان کو روئیں گے

۱۸ بانو نے دی قسم کہ یہ فرمائیے نہیں   گذری میں ایسے پانی سے لے جائیے نہیں
اب دِل مرا نہ مانے گا سمجھائیے نہیں   اصغرؑ کو دیجیے مجھے رُلوائیے نہیں
شہ بولے، اِن کو شیعوں سے پیارا کرو گی تم؟
جھولے میں موت آئے گی، تو کیا کرو گی تم

۱۹ اب تو ضرور جائیں گے یہ رن کو جائیں گے   پانی اگر ملے گا تو ان کو پلائیں گے
جیتا خدا جو لائے گا ہم لے کے آئیں گے   پر عمر ہی جو کم ہے تو کیوں کر بڑھائیں گے
بندے کا کچھ نہ زور نہ کچھ اختیار ہے
مختار موت و زیست کا پروردگار ہے

۲۰ سمجھانے پر حسینؑ کے بانو نے رو دیا   دیکھا فلک کو یاس سے اور سر جھکا لیا
لے کر بلائیں بیٹے کی پھر یہ بیان کیا   واری، سدھارو، خیر، جو مرضیِ کبریا
دیکھوں پھر آج کب تمھیں گودی میں لیتی ہوں
اللہ و پنجتن کی ضمانت میں دیتی ہوں

۲۱ کس دھوپ میں سدھارتے ہو اے علیؑ کے پھول   سر پر خدا کا سایہ ہو اور پشت پر رسولؐ
آگے حسنؑ، یمین و یسار، حیدرؑ و بتولؑ   واری گئی اشارے سے کہہ دو کیا قبول،
کھیلے نہ ہم سنوں سے نہ تم گھٹنیوں چلے
میں ہاتھ مل کے رہ گئی دنیا سے یوں چلے

۲۲ اصغرؑ کو لے چلے جو شہنشاہ بحر و بر   مڑ مڑ کے اس نے کنبہ پہ حسرت سے کی نظر
ننّھا سا ہاتھ ماتھے پہ رکھا جھکا کے سر   بانو پکاری پھیر کے منہ کو اِدھر اُدھر
لوگو مرا کلیجہ نکلتا ہے تھام لو
اصغرؑ سدھارتے ہیں جہاں سے سلام لو

۲۳ گھر سے نہیں چلے ہیں، یہ دنیا سے جاتے ہیں   ننّھے سے ہاتھ جوڑ کے ماں کو دکھاتے ہیں
زینبؑ پکاری ہونٹوں کو بھی تو ہلاتے ہیں   اتنے دنوں کے دودھ کا حق بخشواتے ہیں
وہ بولی: بس کلیجے پہ نشتر نہ مارو، تم
لو دودھ چھ مہینے کا بخشا، سدھارو، تم

۲۴ ہاتھوں پہ لے کے اس کو چلے شاہِ کربلا   اور ساتھ ساتھ گود کو کھولے ہوئے قضا
لکھا ہے، دھوپ تیز تھی اور گرم تھی ہوا   اصغر پہ ماں نے ڈال دی اک اجلی سی رِدا
چادر نہ تھی، وہ چہرۂ پر آب و تاب پر
ٹکڑا سفید ابر کا تھا آفتاب پر

۲۵ چادر تھی یا کہ دھوپ تھی بانو کے پھول پر   یا صبح کی سفیدی میں سورج تھا جلوہ گر
روپوش زیرِ چادرِ مہتاب تھا قمر   محسن کے تن پہ حلّۂ نور آتا تھا نظر
اس پردے میں عنایتِ حق آشکار تھی
سایہ فگن وہ رحمتِ پروردگار تھی

۲۶ ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبطِ مصطفٰؐ   لے تو چلا ہوں فوجِ عمر سے کہوں گا کیا
نے مانگنا ہی آتا ہے مجھ کو نہ التجا   منّتؐ بھی گر کروں گا تو کیا دیں گے وہ بھلا
پانی کے واسطے نہ سنیں گے عدو مری
پیاسے کی جان جائے گی اور آبرو مری

۲۷ پہنچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے   چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا، تھرّا کے رہ گئے   چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہم کو لائے ہیں
اصغرؑ تمھارے پاس غرض لے کے آئے ہیں

۲۸ ماں نے بہت گلے سے لگایا، نہ چپ ہوئے   گہوارے میں پھوپھی نے جھلایا، نہ چپ ہوئے
بہنوں نے گودیوں میں کھلایا، نہ چپ ہوئے   رو رو کے سارے گھر کو رُلایا، نہ چپ ہوئے
واں اشکبار تھے تو یہاں بے قرار ہیں
پانی کے تم سبھوں سے یہ امیدوار ہیں

۲۹ گر میں بقولِ شمر و عمر ہوں گناہ گار — یہ تو نہیں کسی کے بھی آگے قصور وار
شش ماہہ، بے زبان، نبی زادہ، شیر خوار — ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار
سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

۳۰ جز شیر اور کچھ نہیں ان کی غذا ابھی — نے گھٹنیوں چلے ہیں نہ مکتب ہوا ابھی
بابا کا نام بھی نہیں منہ سے لیا ابھی — یہ تو ہر ایک دین میں ہیں بے خطا ابھی
کیا کام ان سے بغض ہے تم کو اگر مرا
جانو خدا کا بندہ، نہ سمجھو پسر مرا.

۳۱ یہ کون بے زباں ہے، تمہیں کچھ خیال ہے؟ — دُرِّ نجف ہے، بانوے بے کس کا لال ہے
لو مان لو، تمہیں قسمِ ذوالجلال ہے — یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے
پوتا علیؑ کا تم سے طلب گارِ آب ہے
دے دو کہ اس میں نامُوری ہے ثواب ہے

۳۲ پھر ہونٹ بے زباں کے چومے جھکا کے سر — رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر !
باقی رہے نہ بات کوئی اے مرے جگر — سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر !
پھیری زباں لبوں پہ جو اس نورِ عین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

۳۳ مولیٰ فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناگہاں — لی حرملہ نے شانے سے دو ٹانک کی کماں
ترکش سے چن کے کھینچ لیا تیرِ جاں ستاں — جوڑا کماں میں تاک کے حلقومِ بے زباں
چھٹتے ہی حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے
گھبرا کے غش سے کھول دیں آنکھیں صغیر نے

۳۴ کیا سن تھا، تیر کھاتے ہی بچہ بلک گیا — سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرک گیا — ٹوپی گری زمین پہ منکا ڈھلک گیا
ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے
ہچکی جو آئی منہ سے انگوٹھے نکل پڑے

۳۵ منہ اُس طرف سے شہ نے پھرا پا کہ کیا ہوا — دیکھا کہ پار حلق سے تیرِ جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا — ہے دہنا ہاتھ زخمِ گلو پر دھرا ہوا
آنکھیں پھرائے دیتے ہیں، تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اگلتے تھے اب خوں اگلتے ہیں

۳۶ رو کر کہا لعینوں سے، کیوں اے جوان و پیر — ہم نے کہا تھا کیا، جو بھلا تم نے مارا تیر
تم سے کلام کرتا تھا میں، یا کہ یہ صغیر — اس بے زبان نے تو نہ مانگا تھا آب و شیر
ثابت علیؑ کے پوتے کی کوئی خطا نہ کی
تم نے ہمارے لالے کی کچھ بھی حیا نہ کی

۳۷ انکار میں مضائقہ کیا تھا، غضب کیا — خاطر نہ بچے کی نہ ہمارا ادب کیا
تم سب نے کیا کسی سے نہیں کچھ طلب کیا؟ — یہ ظلم کافروں نے بھی سائل پہ کب کیا
ناسور اس کے پالنے والے کا دل ہوا
میں آپ پانی مانگ کے تم سے خجل ہوا

۳۸ ہنس ہنس کے سب حسینؑ کے رونے پہ ہٹ گئے — شہ نے وہ آہ کی کہ دو عالم الٹ گئے
اصغر ہمک ہمک کے پدر سے لپٹ گئے — ننھے سے ہاتھ پاؤں لرز کر سمٹ گئے
ہونٹوں سے شہ کے ہونٹ ملے اور گزر گئے
اک بوسہ مسکرا کے لیا اور مر گئے

۳۹ کیا کام کم سنی میں کیا تشنہ کام نے — میراث لی حسینؑ کی اس لالہ فام نے
روزہ چھٹے مہینے جو رکھا امام نے — اصغرؑ نے دودھ چھوڑ دیا سب کے سامنے
حلقِ حسینؑ سے ابھی خنجر ملا نہ تھا
یاں تیر تھا گلے میں مگر کچھ گلا نہ تھا

۴۰ کھینچا گلے سے بچے کے آہستہ شہ نے تیر — اور ہاتھوں پر بلند کیا لاشۂ صغیر
گردن جھکا کے بولے کہ اے خالقِ قدیر — مقبول ہو حسینؑ کا یہ ہدیۂ اخیر
شش ماہہ کوئی کشتۂ تیرِ ستم نہیں
یہ بے زبان ناقۂ صالحؑ سے کم نہیں

۴۱ آئی ندائے غیب کہ اے فخرِ دوسرا　　نسبت بھلا ہے ناقۂ صالح کو اس سے کیا
جیوان تھا وہ یہ ہے جگر بندِ مصطفیٰؐ　　خیرُ البشر کا پارۂ دل، فدیۂ خدا
یوں بے زبان راہِ خدا میں موا نہیں
آدم کی نسل میں کوئی ایسا ہوا نہیں

۴۲ مولا نے اِس ندا پہ کیا شکرِ ذوالجلال　　لاشہ سنبھالے زین سے اترے لہو میں لال
اصغر کی خوابگاہ کا کرنے لگے خیال　　دیکھا کہ پاؤں رکھنے کی رن میں نہیں مجال
پڑتی ہے دھوپ قہر کی، لو تیز چلتی ہے
اور گرم گرم بھاپ زمیں سے نکلتی ہے

۴۳ لاشے کے منہ کو دیکھ کے کہنے لگے یہ شاہ:　　بے چارگی کا وقت ہے اصغر، خدا گواہ
ماں بہنیں گھر میں، باپ پہ یاں نرغۂ سپاہ　　یہ ریگِ گرم اور یہ بدنِ نرم، آہ آہ
دل ساتھ نکلا پڑتا ہے کیوں کر جدا کروں
سونپوں کسے، لٹاؤں کہاں، آہ کیا کروں

۴۴ ناگہ صدا یہ آئی کہ اے میرے بے دیار　　تجھ پر بھی میں فدا ترے اصغر پہ بھی نثار
مرتے ہیں مومنوں کے جو اطفالِ شیر خوار　　جنت میں پالتی ہوں انھیں میں جگر فگارؑ
اے وائے گر نہ پوتے کے کام آئے فاطمہؑ
واری، کھڑی ہے گود کو پھیلائے فاطمہؑ

۴۵ مولا نے اس ندا پہ کیا شکرِ کبریا　　مانندِ داغ سینے پہ اُس لاش کو لیا
زیرِ قنات آئے شہنشاہِ اتقیاؑ　　ننھی سی قبر کھود کے مدفون اسے کیا
پھر قبر سے لپٹ گئے اور ایسی آہ کی
جس آہ نے فرشتوں کی حالت تباہ کی

۴۶ فضہؑ سے بانو بولی کہ جا کر خبر تو لا　　بے رحموں نے مرے علی اصغرؑ سے کیا کیا
فضہؑ گئی اور آ کے کہا: "وامصیبتا"　　بی بی کی کوکھ اجڑ گئی ہے ہے یہ کیا ہوا
اصغر تو گود میں نہیں معلوم ہوتے ہیں
شبیرؑ ایک ننھی سی تربت پہ روتے ہیں

۴۷ سننا تھا یہ کہ بیبیوں میں سینہ زنی ہوئی　　فضہ کے ساتھ عترتِ شاہِ غنیؑ ہوئی
نکلی جو گھر سے نوبتِ جاں کندنی ہوئی　　دیکھا کہ ایک قبر ہے ننھی بنی ہوئی
رکھتے ہیں اس پہ طوق لہو میں بھرے ہوئے
روتے ہیں، سر کو شاہ لحد پر دھرے ہوئے

۴۸ بانو نے آگے بڑھ کے یہ شور و بکا کیا　　والی! کہو مرے علی اصغرؑ کو کیا کیا؟!
رو کر حسینؑ بولے کہ نذرِ خدا کیا　　امت کے شیرخواروں پہ اُن کو فدا کیا
بی بی یہ تیرے ہنسلیوں والے کی قبر ہے
بانو، یہ تیرے گود کے پالے کی قبر ہے

۴۹ ہو کر کھڑی وہ زانو و سر پیٹنے لگی　　تربت پہ کہہ کے ہائے پسر پیٹنے لگی
کبرا اِدھر، سکینہ اُدھر پیٹنے لگی　　آ کر بتولؑ خستہ جگر پیٹنے لگی!
سیری نہ پیٹنے سے ہوئی سانس اُلٹ گئی
آنے لگا جو غش تو لحد سے لپٹ گئی

۵۰ بولی پسر کے پیار میں، اصغر! اٹھو اٹھو　　بس سو چکے مزار میں، اصغر، اٹھو اٹھو
آؤ مرے کنار میں، اصغر، اٹھو اٹھو　　بہنیں ہیں انتظار میں، اصغر، اٹھو اٹھو
اک دم کے دم میں ہائے یہ سامان ہو گئے
غش آیا، تیر کھایا، لحد میں بھی سو گئے

۵۱ بیٹیا، تمہارے دانت نکلنے نہ پائے، ہائے　　بانو کے آگے گھٹنیوں نے چلنے نہ پائے، ہائے
یہ دکھ پہ دکھ پڑے کہ سنبھلنے نہ پائے، ہائے　　پھل کھایا تیرِ ظلم کا، پھلنے نہ پائے، ہائے
فاقے میں سیر ہو گئے دنیا کی سیر سے
ہے ہے نہ اک برس بھی کٹا تم پہ خیر سے

۵۲ اے غنچۂ ریاضِ نبی تو نہ گُل ہواؐ!　　ہے ہے چھٹے مہینے میں ماتم کا غل ہوا
بے نور آج خیمۂ شاہِ رسُل ہوا　　اندھیر ہے، چراغِ سرِ شام گل ہوا
بے ہوش اس بیان سے وہ خستہ جاں ہوئی
بس اے دبیرؔ بس، کہ قیامت عیاں ہوئی

۵۳ اتنے میں پھر جنگ بڑھی فوجِ اشقیا اصغرؑ کو شہ نے پہلوئے اکبرؑ میں رکھ دیا
اور دیں کے ہلال کو دی بدر کی ضیا پہنچا زبانِ تیغ سے بھی حکمِ کبریا
قربان ہُوا ذُوالجَناح شہِ دیں پناہ پر
غصہ تو پیچھے آیا، یہ پہلے سپاہ پر

۵۴ محشر کے زلزلے نے عناں آکے تھام لی نصرت کے وَلوَلے نے رکابِ امام لی
چابک زنِ فلک نے کرن کی لگام لی شامی تو کیا تھے، روز نے بھی راہِ شام لی
حیرت کی شکل خوف سے جنّ و مَلک بنے
دو پاؤں بھاگنے کو زمیں و فلک بنے

۵۵ للکارا آسماں کو، میں آیا کھڑا تو رہ پیکِ ہوا کو کہہ کے ہٹایا، کھڑا تو رہ
سورج پہ نعرہ لن ہوا سایہ، کھڑا تو رہ وہ گر پڑا جسے یہ سنایا، کھڑا تو رہ
قہرِ خدا رواں ہوا، پھر کب اماں ملے
کیا خاک میں زمیں کی طرح آسماں ملے

۵۶ دریا تھا موج پر مگر اُس آن چھپ گیا کہسار میں سمٹ کے بیابان چھپ گیا
لشکر میں شہر ہو کے پریشان چھپ گیا ڈر کر عمر کے قلب میں شیطان چھپ گیا
یاں موزہ، واں علیحدہ دستار ہو گئی
آمد ہی میں یہ فوج کی رفتار ہو گئی

۵۷ اَطفالِ فتح پھر تو یکایک جواں ہوئے خطِ شباب جوہرِ تیغِ رواں ہوئے
دو پھل نیامِ سبز سے پَرتو فشاں ہوئے[1] اَسرارِ غیب خضر کے منہ سے عیاں ہوئے
طوفاں کی طرح سے یہ اٹھا شور فوج سے
بحرَین آشکار ہوئے ایک موج سے

۵۸ جوہر سے سب کے بال بدن پر کھڑے ہوئے غل تھا، ہلال میں ہیں ستارے جڑے ہوئے
مرتے ہیں رُعبِ تیغ سے ہم بے لڑے ہوئے جوہر کے پیچ سے ہیں بلا میں پڑے ہوئے
جوہر ہیں طُرفہ ہیبتِ تیغِ دلیر ہے
مچھلی کے جال میں یہ مگر کوئی شیر ہے

۵۹ باندھی صفیں جماعتِ کفّارِ شام نے طاعت کی حفظِ جان کے لیے خاص و عام نے
پیراں کے عیب کھو دیے علیؑ کی حسام نے تکبیر کہہ کے ہاتھ جو چھوڑا امام نے
رعشہ ہوا یہ خوفِ شہ کائنات سے
تیغیں گریں بتوں کی طرح چھٹ کے ہات سے

۶۰ چار آئینے نے شہر بدن کی جو لی پناہ بولی کہ منہ تو دیکھ، تو روکے گا میری راہ؟
پھونکا سپر کے کان میں، جا بھاگ رُو سیاہ سیدھی کماں ہو گئی ترچھی جو کی نگاہ
آنکھیں ہوائے تیغ سے جوشن کی پھر گئیں
کڑیاں زرہ کی صورتِ سنبل بکھر گئیں

۶۱ آگے کی صف کے تیغ دو سر کاٹتی تھی سر اور بولتی تھی پیش نگہ، ہر قدم ظفر
ناگاہ آئے پشت پہ کچھ پیشوائے شر تیغِ علیؑ نے دیدۂ جوہر سے کی نظر
رف رف صفت اُلٹ کے پرِ فرفر نکل گئی
کانٹے الجھ کے رہ گئے صرصر نکل گئی

۶۲ بارانِ ذوالفقار سے ہستی کے گھر بہے تخمِ بدی شمر کا بچا، سب شجر بہے
بے مغزوں کے حباب کے مانند سر بہے سوتے تھے جو زمیں میں وہ افلاک پر بہے
جز ابرِ تیغ منہ سے گرے تھے نہ سر کبھی
کہتا تھا اب برس کے نہ برسوں گا پھر کبھی

۶۳ ریتی میں ہوئے تیغ نے کی جستجوئے موج طوفان کی طرح گئی بر موج سوئے فوج
دل کیا تھے پانی پانی ہوئی آبروئے فوج ٹھہرا نہ آبِ تیغ کہیں جز گلوئے فوج
اترا گلے سے جس کے تو دم اس کا چڑھ گیا
قد گھٹ گیا سقر کی طرف پاؤں بڑھ گیا

۶۴ بو کی[1] طرح دماغ میں آئی، چلی گئی مثلِ ہوا سروں میں سمائی، چلی گئی
مانندِ شعلہ باگ اٹھائی، چلی گئی آندھی کی طرح آگ لگائی، چلی گئی
سینے میں صاف آتی تھی اور صاف جاتی تھی
انداز دم کی آمد و شد کا دکھاتی تھی

[1] حاشیہ بر صفحہ آئندہ

۶۵ ظلمت میں آنے جانے میں آبِ حیات تھی — اور روشنی میں نیرِ اعظم کی ذات تھی
اندھیر کرنے کو یہ قیامت کی رات تھی — منہ سے نکلنا اس کے لیے ایک بات تھی
رن میں تو کافروں کے فقط حلق پر پھری
پر شہروں میں زبانوں پہ مثلِ خبر پھری

۶۶ سیدھی چلی یہ تیغ تو لشکر الٹ دیا — جیسے علیؑ نے ہاتھ سے خیبر الٹ دیا
پرزے کیے رسالوں کے دفتر الٹ دیا — غصّے سے پھر پڑی تو مقدّر الٹ دیا
جس دم مڑی نہ پشت پہ باقی رہا کوئی
جیسے پلٹ کے چوٹ کرے اژدہا کوئی

۶۷ دریا گھٹا حسامِ دو پیکر کے گھاٹ سے — زندوں نے کی تلاشِ کفن اس کے پاٹ سے
لشکر نے ہاتھ دھوئے لڑائی کے ٹھاٹ سے — اک دم بھی خیر سے نہ کٹا اس کی کاٹ سے
تلوار تھی کہ قہر خداوندِ پاک کا
طوفاں ہوا کا، آگ کا، پانی کا، خاک کا

۶۸ دستے کیے دوتے تیرِ مژہ کے قلم کیے — پھل سینکڑوں سنانِ نگہ کے قلم کیے
لاکھوں کیا دیے زلفِ سیہ کے قلم کیے — رایت قیاس ورائے سپہ کے قلم کیے
ٹھہرے جو نام کو تو نشانِ قدم ہوئے
بھاگے جو راہ کاٹ کے کوچے قلم ہوئے

۶۹ یہ ایک تیغ تیز نہ آسمان دیں — ابرِ بہارِ فصلِ چمن، باغبانِ دیں
سرسبز اس روش سے ہے کیا بوستانِ دیں — سبزے کی طرح کھیت رہے باغیانِ دیں
ہو ہو کے زرد خاک سیہ میں شقی ملے
قاروں کے باغِ زر کو گلِ اشرفی ملے

(لہ حاشیہ از صفحہ سابقہ) مندرجہ ذیل بند دفترِ ماتم میں زائد ہے:
کیوں دو زباں تھی تیغِ شہنشاہِ بحر و بر — ہاں خمس اور زکوٰۃ نہ دیتے تھے اہلِ شر
جاں اک زباں سے مانگتی تھی اک زباں سے سر — دو پھل تھے، یا کہ دو یدِ طولیٰ تھے جلوہ گر
قبضے میں آسمان بھی تھا اور زمیں بھی
دنیا بھی چھینتی تھی مخالف سے دین بھی

۷۰ یہ مغز تک بھی کھا گئی، سر کو خبر نہ تھی — تھی عین آنکھ میں پہ نظر کو خبر نہ تھی
کھولی گرہ پہ موئے کمر کو خبر نہ تھی — یہ مبتدا وہ تھی کہ خبر کو خبر نہ تھی
توسن پہ توسن اس نے گرائے زمین پر
بیٹھے رہے سوار اسی طرح زین پر

۷۱ اللہ ری حق شناسیِ شمشیرِ دو زباں — حقِ نمک سمجھ کے نہ کھاتی تھی استخواں!
بس مثلِ شیر خون پیا اور ہوئی رواں — پر روحِ بد کے ساتھ سے قالب بھی سر گراں
دل نے قسم دی تیغ دو سر کی زبان کو
میرا لہو پیے جو نہ کھا جائے جان کو

۷۲ تلوار نے جو پشت سے لی گردنِ عدو — آسیب بن کے سایۂ تیغ آیا روبرو
دوزخ پکارا، مر تو بھلا، میں ہوں اور تو — جیسی تھی روح ویسے فرشتے تھے چار سو
جو اس کے بیچ میں تھا بلا سے دوچار تھا
پھل سے جو پھل ملا تو عذابِ فشار تھا

۷۳ چل پھر سے دل نہ رخش کا میدان میں پھرا — مانندِ موجِ تیغ کے طوفان میں پھرا
مثلِ براق عرش سے اک آن میں پھرا — بن کر ہوا عدم کے بیابان میں پھرا
مثلِ خیال صاف دلوں سے گزر گیا
سو کاوشے ایک ذرّے کے نقشے پہ کر گیا

۷۴ ناگاہ شوق خلد کے گلزار کا ہوا! — اور حوصلہ بزرگوں کے دیدار کا ہوا
ارمان ذوالجلال کے دربار کا ہوا — سر کو خیال ہدیۂ غفّار کا ہوا
کی تیغ میاں میں تو وہ بولی دہائی ہے
اب حشر تک علیؑ کے پسر سے جدائی ہے

لہ نسخہ نول کشور میں یہ زائد مطلع ہے:
برباد جب مرقعِ خیر النسا ہوا (مطلع) — اور اک قلم قلم چمنِ مرتضےٰؑ ہوا
پھر "اُقتُلُوا الحُسَین" کا غل جا بجا ہوا — سبطِ نبیؐ پہ نرغۂ اہلِ جفا ہوا
خنجر قلق کا فاطمہؑ کے دل پہ پھر گیا
زہراؑ کا چاند فوج کے طوفاں میں گھر گیا

۷۵ تصویرِ حادثوں کی دکھانے لگا خیال دیکھا کہ ہے سکینہ کا منہ سیلیوں سے لال
ہوتے ہیں لاشۂ شہدا رن میں پائمال بازار میں کھلے ہیں نبیؐ زادیوں کے بال
کھنچتا ہوا قطارِ شتر کا جو پوتا ہے
وہ اونٹ کھینچ کھینچ کے بیہوش ہوتا ہے

۷۶ آئی ندا کہ یہ بھی تمھیں اب قبول ہے شہ نے کہا : قبول ہے یارب! قبول ہے
پردیس میں اسیری زینبؑ قبول ہے اُمت کی ہو رہائی ہمیں سب قبول ہے
بابا کے شیعہ نانا کی اُمت عزیز ہے
اُن سے نہ گھر نہ کنبہ نہ حرمت عزیز ہے

۷۷ ناگہ بلا کی طرح جھکا لشکرِ جفا اور "اُقتلُوا الحُسَین" کا غل ہر طرف اٹھا
خشکی میں اہلبیت کا گھر ڈوبنے لگا اک گھر کے ساتھ غرق ہوئے گھر ہزارہا
اب تک محبِّ سیّدِ عالی تباہ ہیں
والی ہوا شہید موالی تباہ ہیں

۷۸ نیزے لگے جو سینے میں تھرا کے رہ گئے شکرِ خدا زبان سے فرما کے رہ گئے
بیٹھا جو تیر ماتھے پہ تیورا کے رہ گئے گرنے لگے تو ہاتھوں کو لٹکا کے رہ گئے
اکبرؑ نہ تھے جلو میں نہ عباسؑ پاس تھے
مظلوم بیچ میں تھا عدو آس پاس تھے

۷۹ سینے پہ بھالے رکھ کے گرایا حسینؑ کو جی بھر کے ظالموں نے ستایا حسینؑ کو
گرنے پہ خاکِ شفا تو وہ بنایا حسینؑ کو ہے ظلم کی یہ حد کہ غش آیا حسینؑ کو
پر دیکھیو حواس شہنشاہِ نیک کے
سجدے میں سر جھکا دیا ہاتھوں کو ٹیک کے

۸۰ آیا سرہانے تیغ بکف شمرِ روسیاہ بولا گلا کہ میں ہوں پیمبرؐ کی بوسہ گاہ
دل نے کہا یہ سینہ ہے گنجینۂ الٰہ بیٹھا وہ اُس جگہ کہ نہیں جائے شرح، آہ
اِس ظلمِ نو سے چرخِ کہن کانپنے لگا
ایسا حسینؑ تڑپے کہ رن کانپنے لگا

۸۱ ڈیوڑھی پہ آئے سب حرمِ بادشاہِ دیں چلّائی پیٹ پیٹ کے منہ زینبِ حزیں
آیا یہاں ہے کوئی مسلمان یا نہیں؟ بیٹھا ہے کس بزرگ کے سینے پہ یہ لعیں
اے ابنِ سعد فاطمہؑ کا کنبہ روتا ہے
تو دیکھتا ہے بھائی مرا ذبح ہوتا ہے

۸۲ بولا عمر کہ روک لو خیمے کا سامنا اک غول آ کے خیمے کے آگے کھڑا ہوا
اس ظلم سے بس اور بھی زینبؑ کا دم گھٹا فضہ کو رن میں بھیجا کہ حضرت کو دیکھ آ
مقتل کو وہ بڑھی تھی کہ مڑ کر یہ آہ کی
کٹتی ہے بوسہ گاہ رسالتؐ پناہ کی

۸۳ پانی وہ مانگتے ہیں، پلاتا نہیں کوئی کیا قہر ہے کہ پاس بھی آتا نہیں کوئی
سینے سے بے حیا کو اٹھاتا نہیں کوئی اس درد کو خیال میں لاتا نہیں کوئی
اماں تمھاری بیٹیاں ہیں بلبلاتے ہیں
وہ بیٹے سے لپٹتی ہیں حوریں چھڑاتی ہیں

۸۴ زینبؑ نے بال کھول کے رن کو قدم بڑھائے سیدانیاں بھی ساتھ چلیں گردنیں جھکائے
زینبؑ پکاری، ہائے مرے بھائی جان ہائے بھیّا پکار لو، یہ بہن کس طرف کو آئے
بھیجوں کسے تلاش کو، سب میرے مر گئے
آنکھیں بہن کی ڈھونڈھتی ہیں، تم کدھر گئے

۸۵ کٹتی تھیں واں گلے کی رگیں، کون دے جواب ریتی پہ لوٹ لوٹ کے بولی وہ دل کباب
اے آسماں کہاں ہیں حسینؑ فلک جناب اے آفتاب کیا ہوا زہراؑ کا آفتاب
کہہ اے فرات پیاسوں کا سلطاں کدھر گیا!
اے کربلا بتا ترا مہماں کدھر گیا!

۸۶ ناگہ چلے عمر کی طرف رن سے اہلِ شام "اَلفَتح" کی ندا ہوئی، باجے بجے تمام
واں سے بڑھی یہ بھائی کی عاشق جو چند گام بے سر پڑا تڑپتا ہوا لاشۂ امام
جو وقتِ ذبح سبطِ پیمبرؐ کا حال تھا
وہ لاشۂ حسینؑ پہ خواہر کا حال تھا

۸۷ پہلے تو تھے بیچے ڈرسے اور ہٹ گئے   آئی جو بو حسینؑ کی تو سب لپٹ گئے
کُرتے نہ چاک تھے ہی کلیجے بھی پھٹ گئے   روئے حرم، نصیب ہمارے الٹ گئے
مرنے کا یہ محل ہے کہ جا شورِ شین کی
آنکھوں سے لاش دیکھ رہے ہیں حسینؑ کی

۸۸ ہر بی بی بال کھولے ہوئے خاک اڑاتی تھی!   پر بانو حسینؑ کو کچھ بن نہ آتی تھی
جب سر کے کھولنے کے لیے ہاتھ اٹھاتی تھی   کچھ اپنے دل میں سوچ کے وہ ٹھہر جاتی تھی
گھٹتا تھا دم قلق تھا قیامت کا جان پر
اک آہ لاش پر تھی اور ایک آسمان پر

۸۹ آخر تڑپ کے حضرتِ زینبؑ کو دی صدا   اک دن وہ تھا کہ بخت ہوئے خواب میں رسا
جنت سے آئیں لونڈی کے گھر اشرف النسا   سر گوندھا اور پھولنے پھلنے کی دُعا
عاشق جو مجھ کو پایا شہِ مشرقین کا
دکھلا دیا جمال جنابِ حسینؑ کا

۹۰ اک دن یہ ہے کہ سامنے ہے لاشۂ حسینؑ   مجھ کو ادب ہے فاطمہ زہرا کا فرضِ عین
سر کھولنے کا وقت ہے ہنگامِ شور و شین   یہ کام ہے تمہارا کہ ان کی ہو نورِ عین
یہ سر وہی ہے جبکہ میں بندی میں آئی تھی
اپنی عبا علیؑ ولی نے اڑھائی تھی

۹۱ اکبر کا صدقہ اب تو مرے کام آیئے   آخر ہوا سہاگ مری نتھ بڑھایئے
لونڈی کے بال کھول کے بیوہ بنایئے   بھابھی حسنؑ کو روتی تھیں کیوں کر بتایئے
رنڈسالہ میں طلب نہیں کرتی جناب سے
محروم تو نہ رکھیے عزا کے ثواب سے

۹۲ زینبؑ پکاری آؤ گلے سے لگاؤں میں   ماں نے دولھن بنایا تھا بیوہ بناؤں میں
آؤ جبیں پہ خاک ملوں، نتھ بڑھاؤں میں   مانگو دعا زمین پھٹے اور سماؤں میں
ہے ہے بچھڑ کے گور کنارے گئے حسینؑ
جیتی ہوں اور یہ سنتی ہوں مارے گئے حسینؑ

۹۳ بس اے دبیر بس، کہ پریشاں ہے دل کا حال   کھلتے ہیں شاہزادیِ ایران کے رن میں بال
ہر چند طبع پر ہے ہجومِ غم و ملال   شکوہ مگر کسی کا نہیں، شکرِ ذوالجلال
برعکس ہے کوئی تو کوئی برخلاف ہے
آئینۂ دل اپنا ہر اک رو سے صاف ہے

تمام شد

۱۹ ربیع الاول ۱۲۶۶ ہجری

تحقیقِ متن

(۱) قلمی نسخہ: ۱۹ ربیع الاول ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کا مخطوطہ مرثیہ بشکریہ مولانا ضیاء الحسن صاحب موسوی کراچی
(۲) دفترِ ماتم، جلد ششم طبع دسمبر ۱۸۹۶ء لکھنؤ۔ بشکریہ جناب نسیم امروہوی صاحب و جناب مشتاق حسین صاحب رضوی
(۳) مرثیہ مرزا دبیر، جلد اوّل، مطبع نول کشور لکھنؤ، طبع اول۔

****

بند ۳: قلمی نسخہ، مصرع ۳: "بانو کے گھر میں اب یہی کل اک چراغ ہے"
متن مطابق دفترِ ماتم۔
قلمی نسخے کی بیت ہے:
اصغر کا پا تراب ہے، اکبر سدھارے ہیں — کیا خاک میں ملانے کو میرے ہی پیارے ہیں
بند ۴: قلمی نسخہ، مصرع ۵: "منّت کے طوق اتر چکے پروان چڑھ چکے"
بند ۵: قلمی نسخہ، مصرع ۴: "اب میرے لال باندھ نہیں سکتے مٹھیاں"
مصرع ۶: "منھ میں انگوٹھے لیتے ہیں پر چوستے نہیں"
متن مطابق دفترِ ماتم ہے۔
بند ۶: دفترِ ماتم، مصرع ۲: "پھیلا کے ہاتھ گود میں یہ سب کی آتے تھے"
بند ۷: دفترِ ماتم، مصرع ۲: "ہاتھوں میں ان کے لے کے کھلونے دکھاتی ہے"
بند ۹: دفترِ ماتم کے حاشیہ پر بیتِ بدل یہ بھی لکھی ہے:
آ آ کے کف جو ننھی سی باچھوں میں بھرتے ہیں
کرتے سے چادروں کے حرم پاک کرتے ہیں
بند ۱۳: دفترِ ماتم، مصرع ۵: "بولی بہن نصیب نے اب تو بھلائی کی"
بند ۱۴: دفترِ ماتم، مصرع ۱: "ہاتھوں پہ لے چکے جو اسے شاہِ اتقیا"
بند ۱۸: دفترِ ماتم، بیت:

شہ بولے چھوٹے ہیں جو یہ مر جائیں کیا کرو — بہتر یہی ہے شیعوں پہ میرے فدا کرو
بند ۱۹: دفترِ ماتم، مصرع ۱: "اب تو ضرور جائیں گے یہ رن میں جائیں گے"
مصرع ۴: "کم ہوئے گا جو سن ہی تو کیوں کر بڑھائیں گے"
بند ۲۰: دفترِ ماتم، مصرع ۵: "دیکھوں پھر آج گود میں کب تم کو لیتی ہوں"
بند ۲۱: دفترِ ماتم، مصرع ۳: "اور ڈھونڈے پائیں پیارے کے بول حیدرؑ و نبیؐ"
بند ۲۵: دفترِ ماتم، مصرع ۲: "یا صبح کی سپیدے میں ——"
بند ۲۶: قلمی مرثیہ، مصرع ۳: "تے پانی مانگ آتا ہے مجھ کو تو التجا"
مصرع ۶: "بچے کی جان جائے گی ——"
متن مطابق دفترِ ماتم ہے۔
بند ۳۲: دفترِ ماتم، مصرع ۳: "باقی رہے نہ بات کوئی اے مرے پسرؑ"
بند ۳۵: دفترِ ماتم:
منہ آسمان سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا — دیکھا نشانہ تیر کا وہ بے خطا ہوا
یعنی دو سار حلق سے تیرِ قضا ہوا — بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا
بند ۴۱، دفترِ ماتم و قلمی نسخہ میں یہ بند ہے، نسخہ نول کشور میں نہیں ہے۔ دفترِ ماتم، مصرع ۳:
حیران تھا وہ، یہ ہے جگر سبطِ مصطفیٰؐ"
اور بیت ہے:-
بے مثل تیری فوج زمین و زماں میں ہے — ششماہہ اک شہید یہ ستر دو تن میں ہے
اور حاشیے پر وہ بیت ہے جو ہمارے قلمی مرثیے کے متن میں ہے فرق صرف "راہ خدا" اور "راہِ رضا" کا ہے، متن کی بیت مطابق ہے قلمی نسخے کے
بند ۴۲: قلمی نسخہ مصرع ۲: "لاشا سنبھالے گھوڑے سے اترے"
بند ۴۳: قلمی نسخہ، مصرع ۲: "کیا وقت اضطرار ہے، اصغر خدا گواہ"
بند ۴۴: قلمی نسخے میں "اطفالِ خورد سال" متن میں لکھا ہے اور حاشیہ پر تصحیح ہے "شیر خوار" نیز اس بند کے بعد نو بند دفترِ ماتم میں زائد ہیں۔ زائد بندوں میں پہلا بند ۴۷ یہ ہے۔
سن کر فغانِ دخترِ سلطانِ انبیا — حضرت نے لاشہ پہلوئے اکبر میں رکھ دیا
بس اے دبیر ہلتا ہے اب عرشِ کبریا — نزدیک ہے شہادتِ سردارِ اتقیا

خاتونِ حشر لٹتی ہے محشر قریب ہے

خنجر سے بوسہ گاہِ پیمبر قریب ہے

یہ بند تکرار معانی کی وجہ سے میں نے داخل متن نہیں کیا۔

بند ۴۶: دفتر ماتم کے حاشیے پر چھٹے مصرع کا نسخہ بدل یہ ہے۔

اک ننھے سے مزار پہ شبیر روتے ہیں

بند ۵۳ سے قلمی نسخے، مرثیہ طبع نول کشور اور دفتر ماتم پھر مسلسل ہوتا ہے۔

بند ۵۴: دفتر ماتم و نسخہ نول کشور، مصرع ۴

"شامی تو کیا ہیں روز نے بھی راہ شام لی"

دفتر ماتم، مصرع ۶: "دریاؤں بھاگنے کو زمیں کے طبق بنے"

متن مطابق قلمی نسخہ

بند ۵۵: قلمی مرثیہ میں چاروں مصرعوں کی ردیف ہے "کھڑا تو ہو" دفتر ماتم کی ردیف مطابق متن ہے

نسخہ نول کشور میں یہ بند موجود نہیں ہے۔

بند ۵۷، ۵۸: دفتر ماتم سے نقل ہیں، نسخہ قلمی و نول کشور میں نہیں ہیں۔

بند ۵۹: نسخہ نول کشور میں نہیں ہے۔ قلمی مرثیہ، مصرع ۲

"طاعت کی حفظ جان کی ہر خاص و عام نے"

دفتر ماتم میں ہمارے متن کی بیت حاشیے پر ہے اور اصل بیت یہ ہے:

تیغیں گریں زمیں پہ یوں اٹھانے میں جیسے بت آستیں سے نبیؐ کے زمانے میں

نیز دیکھیے مرثیہ "کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو" بند ۸۸

بند ۶۰: نسخہ نول کشور میں نہیں ہے۔ قلمی نسخہ، مصرع ۲

"بگڑی کہ منہ کو دیکھ ——————"

قلمی نسخہ، مصرع ۴: "سیدھی کمانیں ہو گئیں ——————"

متن مطابق دفتر ماتم۔

بند ۶۱: نسخہ نول کشور میں نہیں ہے، متن مطابق قلمی و دفتر ماتم۔

بند ۶۲: صرف دفتر ماتم میں ہے۔

قلمی [illegible] تو یعنی آٹھ بند ضائع ہوگئے ہیں، مذکورہ تین بند دونوں مطبوعہ

نسخوں سے نقل ہیں۔ بند ۹۰، مرثیہ

"کس کی زباں سے تیغ نے پائی ہے آبرو"

بند ۶۹، ۷۴: نسخہ نول کشور میں نہیں ہے۔ دفتر ماتم سے نقل ہیں۔

بند ۷۴: دفتر ماتم کے حاشیے پر پہلے مصرع کی یہ صورت بھی ہے:

شکل نگاہ آنکھ کے ایوان میں پھرا

بند ۷۵، ۷۶: قلمی نسخے میں نہیں ہیں۔

بند ۷۷: قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے مطابق ہے۔

حاشیہ کا بند نہ دفتر ماتم میں نہ قلمی نسخے میں، نسخہ نول کشور میں ہے اور میرے کتب خانے کے

ایک ۱۹ بند کے مرثیے کا یہ مطلع ہے اور اس مرثیے کا کوئی بند اس مرثیے میں نہیں ہے۔

بند ۷۸: دفتر ماتم و نول کشور مصرع ۱ – "بلا کی طرح گرا"۔ نیز دفتر ماتم مصرع ۳

"خشکی میں ڈوبنے لگا گھر اہل بیت کا"

بند ۷۸ سے ۸۱ تک سب نسخوں میں یکسانیت ہے۔

بند ۸۲، مصرع ۳ دفتر ماتم: "ہے ہے یہاں کوئی ہے مسلمان یا نہیں"

مصرع ۵، نول کشور: "اے ابن سعد کن کہ نبی نیر روتا ہے"۔ نیز دفتر ماتم و نول کشور "قتل ہوتا ہے"

بند ۸۵: دفتر ماتم، مصرع ۴: "بھیا پکار لو، یہ بہن کس طرف کو جائے"

بند ۸۶: قلمی نسخہ، بیت کی ردیف ہے "کیا ہوا" متن مطبوعہ نسخوں کے مطابق ہے۔

بند ۸۷: دفتر ماتم حاشیے کی بیت قلمی اور نول کشوری نسخے کے مطابق ہے لیکن متن میں بیت ہے:

جو جو قلق ہوئے تھے دمِ ذبح بھائی پر وہ سب کے سب گذر گئے زہرا کی جائی پر

بند ۸۹: دفتر ماتم مصرع ۴ مطابق متن اور نول کشور "وہ ٹھہر جاتی تھی" نیز ردیف "ہے" ہے اور دفتر ماتم

میں چاروں مصرعوں کی ردیف ہے "تھی" اور قلمی و نول کشوری نسخوں کی بیت حاشیے پر ہے

متن کی بیت ہے۔

چھریاں سی پھر رہی تھیں دلِ پاش پاش پر اک آہ آسمان پہ تھی ایک لاش پر

بند ۹۰: نسخہ نول کشور میں نہیں ہے۔ قلمی اور دفتر ماتم میں ہے۔ مگر دفتر ماتم اس بند پر اور مندرجہ

ذیل بند پر "نسخہ" لکھا ہے۔

آخر یہ بولی حضرت زینبؑ یہ سے وہ غریب اک دن وہ تھا کہ خواب میں جاگے مرے نصیب

جنت سے آئیں آپ کی آماں مرے قریب — تھا ساتھ اس جناب کے اللہ کا حبیب

سر گوندھا، سہرا ماتھے پہ باندھا، کرم کیا

لونڈی کے ساتھ عقدِ امامِ امم کیا!

بند ۹۱: قلمی نسخے اور دفترِ ماتم میں ہے نول کشوری نسخے میں نہیں ہے۔

دفترِ ماتم میں کل بند ۹۶ اور نول کشوری نسخے میں ۶۰، قلمی نسخے میں ۷۷ ہیں،

بند ۹۲: دفترِ ماتم، مصرع ۱:

"اکبر کا صدقہ اب مرے کام آپ آیئے"

فرہنگ

۱۔ اِنفِراغ: فرصت

۲۔ مَنَّت: نذر، دعا قبول ہونے کے بعد نذر پوری کرنا۔ گلے طوق، یا چاندی کی ہنسلی، کان میں بندا، ہاتھ میں کڑا، پاؤں میں بیڑی۔ مَنَّت کے لیے پہناتے ہیں۔

۳۔ کوزہ: مٹی کا گلاس، آبخورہ۔

۴۔ لاشۂ مجراں: حضرت علی اکبر کی لاش قتل گاہ میں رکھ رہے تھے کہ خیمے میں شورِ گریہ ہوا۔

۵۔ کیا قبول: یہ دستور رہا ہے کہ جب مرد کسی سفر یا کسی کام کے لیے گھر سے باہر جانے لگتے ہیں تو گھر کی کوئی خاتون (خصوصاً بزرگ خاتون) خدا حافظ، اللہ نگہبان، امام رضاؑ کی ضمانت میں دیا، اللہ پنجتن کی ضمانت میں دیا، اور جانے والا کہتا ہے "قبول کیا"

۶۔ مِنّت کرنا: خوشامد کرنا۔ منانا۔

۷۔ دو ٹانا ... کی کمان: مضبوط اور طاقت ور کمان۔ ٹانک: کمان جانچنے کا وزن، چوبیس سیر کا وزن ... کمان کے چلے میں لٹکا کر تیر کے کھنچاؤ تک لے جاتے تھے۔ دو ٹانک کی کمان، وہ کمان جسے دو ٹانک کے ذریعے جانچا جائے، ایسی کمان کو بہت بڑا تیرانداز چلاتا اور بڑی سخت چوٹ کا تیر چلایا جاتا ہے)

۸۔ تَشَنُّج: رگوں میں اینٹھن۔ اعصاب کا کھنچاؤ۔

۹۔ شش ماہہ: چھ مہینے کا۔ کُشتَہ: مقتول۔ قتل کیا ہوا۔

۱۰۔ ناقہ صالح: قرآن مجید میں حضرت صالح نبیؑ کا واقعہ موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

حضرت صالح نے اپنی قوم کو تنبیہ کی کہ اس ناقے کو نقصان نہ پہنچائیں ورنہ سخت عذاب نازل ہوگا۔ یہ ناقہ ایک دن چشمے کا پانی پیے گا اس دن کوئی شخص چشمے کو استعمال نہ کرے۔ دوسرے دن سب کو چشمہ استعمال کرنے کا حق ہوگا۔ اس معجزے کو دیکھ کر بڑے بڑے سرکش، ایمان لے آئے، مگر منکروں نے دشمنی نہ چھوڑی اور تدبیر کرکے ناقے کو مار ڈالا، اس کے بعد ایسے سخت عذاب

نازل ہوئے کہ سرکشوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو بہت اہتمام سے بار بار
یاد دلایا ہے۔

۱۱۔ جگر فگار: جس کے جگر پر زخم ہوں۔
۱۲۔ اَتقیا: تقی کی جمع، متقی پرہیزگار لوگ۔
۱۳۔ کوکھ: پیٹ، کوکھ جلی: بے اولاد عورت۔
۱۴۔ عِترت: اولاد
۱۵۔ گل ہوا: پھول بنا، جوان ہوا۔
۱۶۔ پرتو فشاں ہونا: چمکنا، بحرین: دو سمندر۔
۱۷۔ حُسام: تلوار۔ (دو پیکر تلوار، دو دھار تلوار)
۱۸۔ پاٹ: کپڑے کی چوڑان۔ تلوار کا عرض و طول۔
۱۹۔ کَبادہ: کمان، نرم اور ہلکی کمان۔
۲۰۔ رایت: جھنڈا۔
۲۱۔ عین: آنکھ مراد ٹھیک جگہ، اس مصرع میں، عین، آنکھ، نظر کا استعمال مراعاۃ النظیر ہے۔
۲۲۔ توسن: گھوڑا۔ مصرع میں تلوار کی دہشت کا بیان ہے۔ کہ تلوار کی دہشت یہ تھی کہ اس نے کاٹا تو گھوڑے
کو مگر دم نکل گیا سوار کا۔
۲۳۔ ہُما: عقاب کی قسم کا ایک پرندہ جس کی غذا استخوان (ہڈی) ہے اور اس کو مبارک پرندہ مانا جاتا
ہے۔ "میر الو بیٹے" ایک قسم ہے۔
۲۴۔ کاوہ: گھوڑے کا چکر، مصرع کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑا اس تیزی سے چکر کھا رہا تھا کہ ایک ذرے پر
سو نقش بنتے تھے۔
۲۵۔ سیلی: تمانچہ۔
۲۶۔ بخشندۂ قطارِ شتر: حضرت علیؑ کہ آپ نے ایک سائل کو اونٹوں کی قطار عطا کی تھی۔
۲۷۔ مُحِب: مُوالی۔ محبت کرنے والا۔
۲۸۔ خاک تودہ: مٹی کا وہ تودہ جس پر تیر چلانے کی مشق کرتے تھے۔
۲۹۔ بندی: قید۔ حضرت بانو، ایران کی شہزادی تھیں۔ فتح ایران کے بعد قید ہو کر مدینے آئیں تو حضرت علی
علیہ السلام نے امام حسینؑ کے ساتھ ان کا عقد کیا تھا۔
[illegible] اور سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔

مرثیہ نمبر ۱۰

آمد ہے بادشاہ فلک بارگاہ کی

۱۰۰، بند

بیانِ شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگِ الفاظ

مرثیہ پر نظر

مرزا صاحب کا یہ مشہور مرثیہ، اپنی سادگی اور تاثیر میں ممتاز ہے۔ آمد کی شان، دبدبے کا منظر، امام کا سراپا، اسلحہ کی تفصیل و تعریف، گھوڑا۔ رجز۔ مرثیہ کا نصف حصہ مکمل گھیرے ہے۔ بلند جذبات، خوش کن خیالات، اور مدحیہ عناصر جمع ہیں۔ دس بند تلوار کی تعریف میں لکھ کر ایک بند نیزے کے لیے کچھ تیر و کمان کا تذکرہ بھی استادانہ مہارت اور سادگی سے کیا ہے۔ اس کے بعد مرثیے کے المیہ بند شروع ہوتے ہیں اور تدریجی طور پر مرثیہ بین میں داخل ہو کر اصل مقصد پورا کرتا ہے۔

ہمارے پاس اس مرثیے کو ایڈٹ کرتے وقت دو مرثیے تھے۔

۱۔ سرفراز علی کے قلم سے لکھا ہوا مرثیہ جس کے آخر میں ہے۔

"تمت تمام شد مرثیہ مرزا صاحب سلمہ اللہ
بتاریخ ۱۳ ماہ ذیحجہ سنہ ۱۲۹۲ ہجری۔ بقلم سرفراز علی"

گویا یہ مرثیہ کسی ایسے مرثیے کی نقل ہے جو مرزا صاحب کی زندگی میں لکھا گیا تھا اور اکبر علی نے اسی سے "سلمہ اللہ" نقل کیا ہے کیونکہ مرزا صاحب محرم میں رحلت کر چکے تھے۔

۲۔ دفتر ماتم، جلد چہاردہم، ۸۹، طبع لکھنؤ کا فوٹو اسٹیٹ جو محترم نسیم امروہوی صاحب نے ارسال فرمایا:

قلمی مرثیے اور مطبوعہ نسخے میں، لفظوں، مصرعوں اور بندوں کا فرق ہے۔ سرفراز علی صاحب نے غالباً کسی مختلف نسخے سے انتخاب کر کے تقریباً ستر بند نقل کیے ہیں۔ اور مطبوعہ متن نظر ثانی یا اس سے زیادہ نظروں کے بعد مرتب ہوا ہے۔ اور مرزا صاحب نے گیارہواں بند مطلع کا لکھ کر مرثیہ خواں کو اجازت دی ہے کہ وہ مرثیہ کو اگر مختصر کرنا چاہے تو دس بند اول کے اور ایک بند آخر سے چھوڑ کر ۸۹ بند پڑھے، مرثیہ مختصر ہو جائے گا۔ سرفراز علی کے نسخے میں تخلص نہیں ہے، مطبوعہ مرثیے میں تخلص کے دو بند ہیں۔
ہم نے اختلافات نسخ اور ترمیم و تنسیخ کے بارے میں مفصل نوٹ آخر مرثیہ میں جمع کر دیے ہیں۔

مرثیہ :

آمد ہے بادشاہ فلک بارگاہ کی

۱۰۰ بند

بیان شہادت امام حسین علیہ السلام

۱ آمد ہے بادشاہ فلک بارگاہ کی — ہر ذرّہ ہے کلاہ سرِ مہر و ماہ کی
سقائے فیض دھوتا ہے فردِ گناہ کی — اک شکل ہے بنا میں سفید و سیاہ کی
مردم پئے نظارہ ہیں رن میں نکلے ہوئے
رستے ہیں بند، آنکھوں کے حجرے کھلے ہوئے

۲ ڈر سے زمیں کھڑی ہے فلک سب نشستہ ہیں — جنّ و ملک بیسار و یمیں دستہ دستہ ہیں
دندانِ گرگ، عدل سے یک جا شکستہ ہیں — شیرانِ قہر پنجہ کہن، دست بستہ ہیں
شمشیرِ قہرِ شاہ ہے دشمن کے واسطے
زنجیرِ سطرِ جادہ ہے رہزن کے واسطے

۳ ہفت آسماں سے گردِ سواری ہے ہم کنار — کیسے فلک، وہ عرش سے بڑھتی ہے بار بار
آوازِ عرش دیتا ہے، اے گرد ہوشیار! — مولا کے در سے مجھ کو ندامت ہے بے شمار
ہے مجھ میں تجھ میں فرق زمیں آسمان کا
تو گردِ راہ کی، میں غبار آستان کا

۴ دل سے سکندر آئینہ دارِ حضور ہے — ذوالکفل اک نقیبِ امامِ غیور ہے
موسیٰؑ کے پیشِ چشم تجلّیِ طور ہے — عیسےٰؑ بپاسِ حکم، سواری سے دور ہے
یہ نقش تو نگینِ سلیمانؑ پہ کندہ ہے

۵ خاقاں کے تن پہ جوشنِ چینی شکستہ حال — قیصر کے سر پہ مغفرِ رومی ہے اب وبال
دستِ کمالِ رستمِ دستاں ہے بے کمال — فرقِ عروجِ زالِ زریماں ہے پائمال
حاتم گدائے جودِ شہِ مشرقین ہے
نوشیرواں بھی نائبِ عدلِ حسینؑ ہے

۶ فرطِ ادب سے شحنۂ گردوں پیادہ ہے — خوفِ ادب سے دور زحل ایستادہ ہے
سکتے میں مثلِ خامۂ عطارد فتادہ ہے — انشا سے لوحِ ابجدِ ایجاد سادہ ہے
ہر کام پر قضا و قدر جو دلیر ہیں
یہ ابنِ شیرِ حق کے اشارے سے شیر ہیں

۷ شوکت کا جو فلک کی بلندی پہ ہے عتاب — لاتا ہے وہ سند کہ ہوں بے چترِ جناب
طلعت ہے منتظلِ شرفِ ماہ و آفتاب — پر مہر و ماہ فخر سے دیتے ہیں یہ جواب
بے جا نہیں کلاہِ سرِ آسماں ہیں ہم
نعلینِ پائے خسروِ کون و مکاں ہیں ہم

۸ زنجیرِ پائے ظلم ہے انصافِ حق پسند — اِک گھاٹ پانی پیتے ہیں اب گرگ و گوسفند
فتنہ کا تیغِ قہر سے ٹکڑے ہے بند بند — بیداد کی زباں سے فریاد ہے بلند
ہر دل پہ سکّہ رعبِ شہِ دوجہاں کا ہے
شورِ الغیاث والحذر والاماں کا ہے

۹ عقبےٰ پہ چشمِ مہر ہے دنیا پہ چشمِ قہر — دوراں سے ہے محاسبۂ جمع و خرچِ دہر
جنت محبّ کا گھر ہے جہنم عدو کا شہر — کوثر ہے قند شیعوں کو اور دشمنوں کو زہر
تقدیر سے حساب طلب ہے کہ کیا کیا
کہتی ہے وہ، حسینؑ نے جو کچھ کہا، کیا

۱۰ بخشا ہے مصحفِ رخِ روشن نے نورِ حق — دیتے ہیں ذرّے شمس کو شمشیر کا سبق
صحرا شمیمِ تن سے ہے فردوس کا طبق — پڑھتا ہے خارِ خارِ گلستاں ورق ورق
سایہ زمین پر ہے کہ سایہ ہے طور کا
سرمہ ہے طور کا کہ یہ معدن ہے نور کا

۱۱ (مطلع) آمد ہے نورِ چشم رسالت پناہ کی
آمد ہے شیرِ بیشۂ شیرِ الٰہ کی
آمد ہے خسروِ فلکِ مہر و ماہ کی
آمد ہے بے دیار کی اور بے سپاہ کی
تیغیں پڑی ہیں بیچ میں آ کر صفائی کو
تیروں کو بھیجتی ہے اجل پیشوائی کو

۱۲ رحمت ہے وہ کہ جس کی حمایت گناہ کو　　ہیبت ہے وہ کہ خوف ہے جس سے پناہ کو
جرأت ہے وہ کہ زلزلہ ہے کوہ و کاہ کو　　قدرت ہے وہ کہ جس کی خبر ہے الٰہ کو
معصومیت ہے وہ کہ مُحِب صدقے ہوتے ہیں
مظلومیت ہے وہ کہ مخالف بھی روتے ہیں

۱۳ کوثر کا اشتیاق میں شہ کے یہ حال ہے　　گویا وہ تشنہ لب ہے یہ آبِ زُلال ہے
یوں حورِ خلد غرفے سے محوِ جمال ہے　　گویا وہ روزہ دار ہے اور یہ ہلال ہے
آوازِ پا کے دھیان میں رضواں خموش ہے
گویا یہ ہے اذاں وہ نمازی کا گوش ہے

۱۴ ہے مہرِ عناں کہ ہو عرشِ بریں کی سیر　　عیسیٰؑ ہے خطبہ خواں کہ ترے دم قدم کی خیر
قربانِ تاجدارِ سلیماں ہیں وحش و طیر　　زخموں سے رنگ زرد ہے فاقوں سے حال غیر
پشت و پناہ عالمیاں بے پناہ ہے
آگے اجل ہے پشت پہ زینبؑ کی آہ ہے

۱۵ اکبر کا داغ ہاتھ سے پکڑے ہوئے جگر　　بھائی کا دردِ مرگ سنبھالے ہوئے کمر
اندوہِ پائمالیِ قاسمؑ میں دردِ سر　　اور یادِ خشکیِ لبِ اصغر میں چشم تر
پرچم ہے برق، نالہ علم، قدِّ آہ ہے
اشکِ رواں سپاہِ شہِ بے پناہ ہے

؎ بند ۱۱ سے پہلے کے دس بند چھوڑ کر یہاں سے مرثیہ شروع کیا جا سکتا ہے اور اسے چھوڑ کر
[illegible]

۱۶ ہے تاجِ حضرتِ شہِ لولاک فرق پر　　یہ سر ہے زیبِ تاج تو وہ تاج زیبِ سر
محتاج تاج کا نہیں سلطانِ بحر و بر　　سر تاج خود یہ خضر و سکندر رکھے ہیں، مگر
دیتے ہیں سر رضائے الٰہی کے واسطے
رکھا ہے سر پہ تاج گواہی کے واسطے

۱۷ قبلے کا قبلہ، کعبے کا کعبہ رخِ امام　　لکھتا ہے کعبہ قبلۂ ایماں اسے مُدام
اس رو سے کچھ لیا تھا شرف اس نے قرض وام　　وجہِ طوافِ کعبہ فقط یہ ہے، وَالسّلام
گر نور دے یہ ذرّۂ بے آب و تاب کو
پھر ذرہ نورِ چشم لکھے آفتاب کو

۱۸ محصولِ چہرۂ شہِ دیں ہے جدا جدا　　قبلے سے سجدہ، کعبے سے حج، کوہ سے صفا
قرآں سے خلاصہ اور ایماں سے وِلا　　روزوں سے روزہ، شب سے مناجات اور دعا
نکہت جناں سے تازگی آبِ حیات سے
اُحسنت احق سے صَلِّ عَلیٰ کائنات سے

۱۹ عیسیٰؑ کی روح، تازہ یہ شکل لطیف ہے　　قرآں مقابلے میں؟ حدیثِ ضعیف ہے
اس کے حضور نیّرِ اعظم خفیف ہے　　ماہِ مبارکِ رمضانِ شریف ہے
یکتا سیاہ ابروؤں کے دونوں طاق ہیں
رخ ہے مہِ صیام یہ شبہائے طاق ہیں

۲۰ چشمہ ہے نور کا رخِ سلطانِ ارجمند　　رتبے میں لاکھ کوثر و تسنیم سے دو چند
بینی نے عینِ چہرے پہ کی ہے جگہ پسند　　بینی ہے یا کہ چشمے سے اک موج ہے بلند
روشن ضمیر چشمِ امامِ غریب ہے
بینی کو پیش بینیِ عینک نصیب ہے

۲۱ مولا بہارِ سبزۂ خط جب دکھاتے ہیں　　آئینے کو یہ طوطیِ سبزہ بناتے ہیں
غائب کو آئینے میں عدم سے بلاتے ہیں　　کیسا بلانا، مُردے کو فوراً جلاتے ہیں
گہہ عکس روبرو ہے گہے شرم خوردہ ہے
دیکھے تو زندہ ہے جو نہ دیکھے تو مردہ ہے

۲۲ ہے لام و دال سے لب و دنداں کے آشکار — دنیا میں لعل و دُر کا ہوا ہم سے اعتبار
لب ہیں، کہ لب بلب دو مہِ نو ہیں باربار — دندان با صفیں ہیں ستاروں کی ہم کنار
انجم بھرے ہیں برجِ دہانِ حباب میں
یوسفؑ نے یہ ستارے نہ دیکھے تھے خواب میں

۲۳ دندان و لب کی سب نے ثنا کی ہزار ہا — پر ہم نے اس حساب کا اب خاتمہ کیا
دو حرف لفظِ لب میں ہیں اک لام ایک با — ہوتے ہیں تیس لام کے دو بے کے واہ وا
ل ب
دندان کے اس رقم سے عدد آشکار ہیں
اتنے گہرِ امانتِ پروردگار ہیں

۲۴ بازارِ قدرِ آبِ بقا ہے ذقن[۱۸] سے سرد — پانی کے آگے جیسے تیمّم کا حکم گرد
رنگِ خضر ہے خضرِ خطِ پشتِ لب سے زرد — یہ خضر گوشہ گیر ہے وہ خضر کوچہ گرد
ناگفتہ[۱۹] یہ لبوں کی ثنائے شنیدہ ہے
اک بات میں مسیح کا پردہ دریدہ ہے

۲۵ غائب[۲۰] دہن ہے اور دُرِ دنداں ہے آشکار — لو غیب کا خزانہ ملا، شکرِ کردگار
آئے جو سامنے لبِ شیریں کے ایک بار — بن پانی کو زہ قند کا تر ہو حباب وار
بیتاب رخ کی آب سے ہے تابِ آئینہ
شیریں لبوں کا عکس کرے آبِ آئینہ

۲۶ نذرانۂ لبِ خلف[۲۱] الصّدق بوتراب — لالے سے رنگ، لعلِ بدخشاں سے آب و تاب
ادنیٰ خراجِ گیسوئے شاہِ فلک جناب — آہو سے نافہ، نافۂ آہو سے مشکِ ناب
شبہائے قدر سایہ ہے زلفِ جناب کا
یہ سلسلہ ہے سلسلہ جنبانِ ثواب کا

۲۷ سینہ ہے ماخذِ[۲۲] کُتُبِ جملہ انبیاءؑ — ہے نقدِ دین و شرع یہاں جمع ایک جا
شمرِ لعیں نے پاؤں اسی سینے پر دھرا — بے دین خوب بعدِ نبیؐ شرع پر چلا
زخموں سے نہر خون کی بغلوں میں بہہ گئی
[illegible]

۲۸ ترکیبِ دستِ ابنِ ید اللہ پر فدا — ہے بہترین صنعِ[۲۳] یدِ قدرتِ خدا
نہ کشتیٔ[۲۴] فلک کا ہے یہ ہاتھ ناخدا — اور کھولتا ہے عقدۂ ہر شاہ و ہر گدا
یہ اس کے دستِ چرخ سے کارِ جہاں نہ ہو
آواز ایک ہاتھ سے جیسے عیاں نہ ہو

۲۹ مذہب میں اپنے سجدہ ہے پیشِ قدِ امام — بے بادِ قامتِ شہِ دیں ہے اذاں حرام
اب تک اسی امام کے ماتم میں خاص و عام — زانو پہ ہاتھ مارتے ہیں پھیر کر سلام
آتا ہے سب کو حیف[۲۵] کہ امّت نے کیا کیا
سجدے میں سر امام کا تن سے جدا کیا!

۳۰ اب نحویوں[۲۶] کے علم کا دعوےٰ اٹھاتا ہوں — یعنی میں ایک قاعدۂ نو بتاتا ہوں
ابصار، جمعِ چشم ہے، یہ سنتا آتا ہوں — لیکن زرہ میں آنکھوں کے حلقے میں پاتا ہوں
مضمون تو ہے سست پہ بندش میں چست ہے
گر جمع چشم کہیے زرہ کو درست ہے

۳۱ چار آئینہ وہ قلعہ کہ جس سے درم و غنا — ہے دور مثلِ حلقۂ[۲۷] بیرونِ در، بلا
پر یہ شرف حصارِ وضو کو فقط ملا — چار آئینہ نہیں ہے یہ اعضا کی ہے ضیا
میرے امام کو نہیں درکار آئینہ
ہیں چار واجبات وضو چار آئینہ

۳۲ گتّۂ سپر کی فہم میں حیراں ہیں سب بشر — ڈھونڈھو تو ایک پر نہیں، اور نام ہے سپر
دیتی ہے یہ خبر کہ حسینؑ اُس کا ہے پسر — کاٹے ہیں جس کی تیغ نے جبریلؑ کے شہ پر
مطلب ہے یہ "سپر" کا تو سب کو پسند ہے
انگشتِ نیزہ بہرِ گواہی بلند ہے

۳۳ شانے پہ قوس دیکھ کے حیرت میں ہے جہاں — پیدا نہالِ قد سے ہوئی شاخِ کہکشاں
خالی گل و ثمر سے ہیں سب سرو بوستاں — شمشادِ فاطمہؑ پہ فدا جانِ شیعیاں
تیغ و سپر سے سروِ سہی بار یاب ہے
پھل اس کا ہے ہلال تو پھول آفتاب ہے

۳۴ اور تیغ کی تو ملکِ فنا میں دُہائی ہے　　قطعِ دلیلِ کفر کی خاطر بر آئی ہے
جوہر نے آبِ تیغ کو بیڑی پنہائی ہے　　ورنہ ابھی تو کون و مکاں کی صفائی ہے
کلکِ قضا و تیغِ علیؑ ایک بیت ہے
یہ بیت مطلعِ شرفِ اہل بیت ہے

۳۵ اب مدحِ ذوالجناح کی زیبِ رقم کروں　　اک دشت سایۂ رم آہو بہم کروں
دریا میں یہ سیاہی سایہ میں ضم کرو　　اور عقلِ کل کی فکر کو اپنا قلم کروں
بے صفحۂ دراز نہ لکھنے کا نام لوں
قرطاسِ شہپرِ ملک الموتؑ دام لوں

۳۶ تحت الثریٰ کی سیر میں ہے رشکِ موجِ آب　　فوق السما پہ گشت میں ہے غیرتِ سحاب
منزل کے قطع کرنے میں ہے تیغِ آفتاب　　مشکل کے سہل کرنے میں حکمِ ابوتراب
ہاتھوں سے پاؤں چلنے میں آگے بڑھ آتے ہیں
بس چاروں نعل آئینہ دکھلائے جاتے ہیں

۳۷ مغرب سے راکب اس کا جو مشرق کو ہو رواں　　خدام بوسہ دے کے عناں پر کہیں کہ "ہاں"
پورا نہ لفظ ہو رہے، کابھی آئے سرِ زباں　　دوڑے یہ صورتِ الفِ تیر بے گماں
وہ لفظ "ہاں" زباں پہ ہو اُس بُعد و فرق میں
ہے، نکلے غرب میں تو الف نون شرق میں

۳۸ القصہ لاکھ رونق و اقبال و جاہ سے　　آئے حسینؑ معرکے میں خیمہ گاہ سے
تنہا تھے، پر سوا تھے عدو کی سپاہ سے　　رحمت خدا کی بیچ زیادہ گناہ سے
بولے میں جاں بلب ہوں نصیحت مری سنو
آغازِ نزع ہے رجزِ آخری سنو

۳۹ اب تو نکالو پنبۂ غفلت کو کان سے　　فریادِ انبیا ہے بلند آسمان سے
پھرتے ہیں طائر اڑتے ہوئے آشیاں سے　　ہلتے ہیں کوہ و دشت، حرم کے فغاں سے
سن لو، صدا بلند ہے ہر سنگ و خشت سے
خاتونِ حشرؑ آتی ہیں رن میں بہشت سے

۴۰ دیکھو نمود ہیں اثرِ قہرِ ذوالجلال　　کھولے ہیں صحنِ خانہ میں سیدانیوں نے بال
سید گھرا کھڑا ہے گنہ گار کی مثال　　نزدیک ہے زمیں ہو زرد، آسمان لال
آندھی سیہ بلند ہو مغرب کے کونے سے
سید کے قتل ہونے سے زہراؑ کے رونے سے

۴۱ روشن ہے کائنات میں نام و نسب مرا　　چاروں کتب میں "ذبحِ عظیم" حق نے ہے لقب مرا
اظہارِ آخری ہے یہ تم سب سے اب مرا　　نانا نبیؐ ہے باپ امیرِ عرب مرا
ایجاد کائنات کا ان کے سبب ہوا
خاطر سے ان کے خاک کا آدم لقب ہوا

۴۲ ہم شکلِ مصطفےٰؐ کا پدر ہوں میں بے پدر　　محبوبِ کبریا کا پسر ہوں میں بے پسر
بے فوج و بے علم ہوں میں سلطانِ بحر و بر　　بے آب و دانہ ہوں میں سلیمانِ خشک و تر
جو فاقے کر کے مر گئی اس کی کمائی ہوں
خیر النسا کا لال ہوں، زینبؑ کا بھائی ہوں

۴۳ حیِّ علیٰ خیرِ العمل اذاں میں ہے امدادِ فاطمہؑ　　تسبیح بعد فرض کے ہے یادِ فاطمہؑ
آب و نمک ہے ورثۂ اولادِ فاطمہؑ　　آوازِ قہرِ حق کی ہے فریادِ فاطمہؑ
بولو! تمہیں قسم نبیِ مشرقین کی
یہ اور فاطمہؑ ہے، کہ مادرِ حسینؑ کی

۴۴ روشن ہے جس سے شمس و قمر، میں وہ نور ہوں　　ہے کوہِ طورِ حسن کا شرر، میں وہ طور ہوں
مشتاق سلطنت کا نہیں ہوں، غیور ہوں　　غربت میں قتل ہوتا ہوں اور بے قصور ہوں
بیعت اگر نہ کی تو نہ کی، کیا زبوں کیا
مجھ پر قصاص کیا تھا جو پیاروں کا خوں کیا

۴۵ بابا مرا ہے وارثِ اعجازِ انبیا　　اک دن کہا کسی نے کہ یا شیرِ کبریا
عیسیٰؑ نے سنگریزے کو طائر بنا دیا　　یہ معجزہ تمہیں بھی خدا نے عطا کیا؟
فرمایا، ہاں تمام شرف ہم نے پائے ہیں
طائر کی اصل کیا ہے دو عالم بنائے ہیں

۴۶ پھر سنگریزہ ہاتھ میں رکھ کر دکھا دیا   اور بند کر کے لعلِ لب اپنا ہلا دیا
فوراً بنا کے طائرِ رنگیں اڑا دیا   اعدا کو اس نے صُمٌّ بُکمٌ سنا دیا
یاں اس علیؑ کے لال پہ بارانِ سنگ ہے
کیوں منصفو! کہیں بھی یہ دستورِ جنگ ہے

۴۷ فرماتا ہے یہ سورۂ رحمٰں میں کبریا   سب کو فنا ہے اور مرے وجہ کو بقا
اللہ کے نہ چہرہ ہے نے ہات ہے نہ پا   ہم وجہِ ذوالجلال ہیں جس کو نہیں فنا
کیوں منہ پھرا کے خلد سے دوزخ میں جاتے ہو
بے وجہ تم حسینؑ کا نقشہ مٹاتے ہو

۴۸ فرقاں میں جو لفظ "یداللہ" ہے تم   معبود کے وہ دستِ زبردست ہم ہیں، ہم
تم نے ہمارے ہاتھ کیے نہر پر قلم   بے دست و پا میں ہو گیا عباسؑ کی قسم
کل عرش کو ہلا کے یداللہ روئیں گے
دستِ جفا تمہارے جہنم میں ہوئیں گے

۴۹ میں چشمِ مصطفیٰؐ ہوں مجھے کیوں رلاتے ہو   میں گوشِ حق ہوں حرفِ زبوں کیوں سناتے ہو
میں شمعِ مرتضیٰؑ ہوں مجھے تم بجھاتے ہو   میں جانِ فاطمہؑ ہوں مجھے تم ستاتے ہو
تم سب کا میہمان ہوں اور بے طعام ہوں
اللہ کی زبان ہوں اور تشنہ کام ہوں

۵۰ یارو میں دین و شرع ہوں صوم و صلوٰۃ ہوں   یارو! میں حج و روزہ و خمس و زکوٰۃ ہوں
میں خضرِ کائنات ہوں آبِ حیات ہوں   راہِ صراط کا میں چراغِ نجات ہوں
پچھتاؤ گے جو شمعِ نبی کو بجھاؤ گے
لے کر چراغ ڈھونڈھو گے تو پھر نہ پاؤ گے

۵۱ منبر ہے عرش، واعظِ ہفت آسماں میں ہوں   مسند ہے کعبہ، مفتیِ کون و مکاں میں ہوں
خطبہ ہے شرع، قاضیِ ہر انس و جاں میں ہوں   کشور ہے دین، حاکمِ ہر دو جہاں میں ہوں
میوہ ہے میرا گلشنِ جنت، میں باغ ہوں
پروانہ جبرئیل ہے اور میں چراغ ہوں

۵۲ محشر کی انجمن کا میں ساقی ہوں غافلو   سب فوج پیاسی مر چکی، اب مجھ کو پانی دو
پانی کا نام سن کے پکارے وہ زشت خو   سب کچھ کہو پہ منہ سے نہ پانی کا نام لو
فرماتے ہو فرات تو زہراؑ کا مہر ہے
پھر چھین لو، وہ تم ہو، یہ ہم ہیں، یہ نہر ہے

۵۳ سنتے ہی اپنا نام زبانِ امام سے   نکلی زبانِ تیغ دہانِ نیام سے
جس طرح برق تڑپے کہیں دھوم دھام سے   گر کر پڑے ملک فلکِ نیل فام سے
یہ کہہ کے دوست ہٹ گیا پہلوئے دوست سے
لو اژدہا تڑپ کے نکل آیا پوست سے

۵۴ چلائی ذوالفقار کہ ہیں اشقیا کدھر   سینے کدھر ہیں، سر ہیں کدھر، دست و پا کدھر؟
ہستی کدھر ہے، زیست کہاں ہے، بقا کدھر   فتنہ کہاں ہے، ظلم کہاں ہے، جفا کدھر؟
آیا یہ قہر تیغِ شہِ دیں پناہ کو
گھیرا اجل کو اس نے، اجل نے سپاہ کو

۵۵ تیغِ علیؑ کا لقمۂ اول قضا ہوئی   آسودگی ہوا ہوئی، ہستی فنا ہوئی
ویرانگی غنی ہوئی، رونق گدا ہوئی   اور الاماں کہہ کے اماں نیز پا ہوئی
سردار فوج سے تھے جدا دیں کی طرح
فوج ان کے پیچھے پیچھے تھی نفریں کی طرح

۵۶ اول خراجِ تیغ کو یہ لوٹ سے ملا   قالب سے روح، سینے سے دل، عمر سے وفا
گردن سے سر، جگر سے قرار، آنکھ سے ضیا   چہروں سے رنگ و آبرو، اندام سے قوا
رفتار پا سے، نبض قرار و ثبات سے
گفتار لب سے، پنجۂ تدبیر ہات سے

۵۷ مٹی ہوئی خرابِ عناصر کی فرد فرد   آتش بھی آب آب ہوئی، اور ہوا بھی گرد
نفرین و رنج و خوف سے سب کے دمِ نبرد   منہ تھے سیاہ، بال سفید اور رنگ زرد
خود خوف سے نہ دیکھتے تھے منہ کو موڑ کے
آنکھیں قفا پہ آئی تھیں چہرے کو چھوڑ کے

۵۸ گرنے میں گُرزِ قہر تھی وہ تیغِ برق زا　　فرقِ عدو میں عقل کی بستی تھی سب ہوا
کرتی تھی ایک مغز کے ٹکڑے ہزار ہا　　دانے ہوں جیسے قُبّہٴ خشخاس سے جدا
یوں ضربِ تیغ سے سرِ دشمن روانہ تھا
گویا بدن سے اپنے کبھی آشنا نہ تھا

۵۹ سر پر اگر گری، کفِ پا سے گذر گئی　　پائے عدو سے تا سرِ قاروں اتر گئی
بڑھ کر جلال گاوِ زمیں کو بھی کد گئی　　اب یہ خبر نہیں کہ وہاں سے کدھر گئی
پر اتنا علم ہے کہ گئی اس مقام پرا
قدرت نے اپنا عہدہ لکھا اس کے نام پر

۶۰ تھی شش جہت میں شعلہ فگن تیغِ جاں ستاں　　تسکین اس جہت سے نہ لیتا تھا آسماں
تے غرب میں پناہ تھی، نے شرق میں اماں　　خورشید بن گیا تھا گلِ بازیِ جہاں
سرگشتہ صورتِ گلِ بازی تھا آفتاب
قربانِ تیغِ شاہ حجازی تھا آفتاب

۶۱ حیران آب و آتشِ شمشیر تھے ملک　　طوفانِ آب رن سے اٹھا آسماں تلک
مثلِ حباب، آب ہوا گنبدِ فلک　　آتش یہ تھی کہ وقتِ نگہ جلتی تھی پلک
آتش نے آب روئے زمیں شعلہ دم کیا
اور آب نے زمینِ جہنم کو نم کیا

۶۲ مردہ تھا دل پیادوں کا، تابوت تھا بدن　　لیتے تھے ناخنوں سے قدم کارِ گورکن
یعنی زمیں کو کھودتے تھے بہرِ حفظِ تن　　جز چشم پوشی اور نہ مردم کا تھا کفن
غش کا وفور خوف سے تھا عقل و ہوش پر
تابوتِ تن تھا چار عناصر کے دوش پر

۶۳ ناگاہ تیغِ قہر نے رخ نہر کا کیا　　دانے گہر بنے تو صدف سنگِ آسیا
مچھلی نے زیرِ خاک فلوس اپنا رکھ دیا　　اس نے فلوس چھوڑا مگر نقد جا لیا
دریا بھی سہما تیغِ علیؑ دیکھ بھال کے
بھاگا سپر حباب کی کاندھے پہ ڈال کے

۶۴ ناگاہ نیزہ دار بڑھے اضطرار میں　　شمعیں جلائیں انجمنِ کارزار میں
نیزہ لیا جو شہ نے کفِ اختیار میں　　رعشہ فلک میں رخنہ پڑا کوہسار میں
پرواز میں نہ مرغِ نگہ پر ہلا سکا
جز فتح کوئی نیزے کے آگے نہ آ سکا

۶۵ یوں ناف سے سواروں کی نیزہ ہوا وہ پار　　جو ہر سوارِ اسپ، بنا طفلِ نے سوار
گذرا زباں درازوں کے منہ سے بھی ایک بار　　جیسے ہزار حلقہٴ سوزن اور ایک تار
دوزخ میں روحوں کو اسی ناکے سے لے گیا
آوارگی کا رنج عناصر کو دے گیا

۶۶ نیزے کی جنگ سے جو ہوئے تنگ اہلِ شام　　پھر نکلے گوشے گوشے ناوک فگن تمام
ابرو کمانِ فاطمہؑ نے لی کماں تھام　　گرداب میں نہنگِ اجل نے کیا مقام
مجرے کو خم کماں لیے چرخِ بریں ہوا
اور تیر فتنہ سہم کے چلّہ نشیں ہوا

۶۷ مثلِ شہاب چرخِ کماں سے چھٹا جو تیر　　تو وہ جلائے خرمنِ عمرِ جوان و پیر
اللہ ری ہیبتِ خلفِ حضرتِ امیرؑ　　دہشت سے تیر تھے دلِ اعدا میں گوشہ گیر
دل تیر کے پروں سے پری خانہ ہو گیا
زخمی اگر بچا بھی تو دیوانہ ہو گیا

۶۸ جرأت کو شہ نے درسِ شجاعت پڑھا دیا　　دریائے خوں دو ڈگہ میداں بنا دیا
خشکی سے اور ترائی سے سب کو بھگا دیا　　شمشیر و تیر و نیزہ کا جوہر دکھا دیا
یہ تین مرحلے کیے طے ایک بات میں
پھر فوج نے جو دیکھا تو پایا فرات میں

۶۹ دریا میں قطرہ زن ہوا توسن جناب کا　　چوما لبِ فرات نے حلقہ رکاب کا
پرتو پڑا جو فاطمہؑ کے آفتاب کا　　بنتے ہی قمقمہ ہوا روشن حباب کا
اس نہر میں وہ بحرِ امامت جو آ گیا
الیاسؑ بولے کوزے میں دریا سما گیا

۷۰ آواز دی کہ اے عمرِ سعد بد گہر — لے دیکھ مہرِ فاطمہؑ پر قبضۂ پسر
یہ کیا ہے میرے قبضۂ قدرت میں خشک و تر — کیوں، حق یہ غیر کا ہے کہ میرا ہے، غور کر

زہرا کا وارثہ دار، نبی کا نواسا ہے
دریا نے دی صدا "مرا مالک یہ پیاسا ہے"

۷۱ پھر چھوڑ کر لگام یہ رہوار سے کہا — پیاسے کے گھوڑے، پانی پی آقا کا غم نہ کھا
انکار گھوڑے نے کیا گردن ہلا ہلا! — اور مڑ کے سوئے لاشۂ عباسؑ دی ندا

دیکھو یہ کون پیاسا ترائی میں سوتا ہے
پانی کا لو نہ نام جگر ٹکڑے ہوتا ہے

۷۲ یہ پیاسے یاں نہ آئے تھے اے شاہِ کم سپاہ — دریا ہی ان کے خوں کا پیاسا تھا آہ آہ
حاشا نہ میں پیوں گا یہ پانی خدا گواہ — اس میں ملا ہے خونِ علم دارِ بے گناہ

سقائے تشنگاں کی بھتیجی کا پاس ہے
چوتھا برس ہے اور شبِ ہفتم سے پیاس ہے

۷۳ یاں تو یہ ذکر تھا کہ وہاں فوج نے کہا — اے شمر تو بھی دیکھ رہا ہے یہ ماجرا
گر پی لیا حسینؑ نے پانی غضب ہوا — کچھ حیلہ کر کہ پیاسے پھریں شاہ کربلا

پانی پیا تو ہم سے نہ کچھ خاک ہوئے گا
مشکل تجھے بھی قتلِ شہِ پاک ہوئے گا

۷۴ جس وقت شمرِ نحس نے دیکھا یہ ماجرا — چلایا بڑھ کے نہر کی جانب وہ بے حیا
شبیرؑ! فکرِ آب میں واں تم کھڑے ہو کیا — یاں جل رہا ہے خیمۂ ناموسِ مصطفیٰؐ

کشتیِ آبروئے حرم غرق ہوتی ہے
زینبؑ تمہیں پکارتی ہے اور روتی ہے

۷۵ دیکھو دُرِ سکینہؑ وہ گوشوں سے لے لیا — دیکھو، کھڑی ہیں بانو و کلثوم بے ردا
لو بیڑیاں پہن چکے بیمارِ کربلا — لو اب رسن میں بندھتا ہے سادات کا گلا

دیکھے نہ جائیں گے یہ ستم اہل بیت سے
تم ہاتھ اٹھاؤ نہر سے ہم اہل بیت سے

۷۶ برچھی کی طرح شاہ کے دل پر لگی یہ بات — یوں آئے جلد ترک کر رہا دم بحر و فرات
دیکھا کھڑے ہوئے ہیں خیام مخدّراتؑ — استادہ قبلہ رو ہوئے سلطانِ نیک ذات

آنکھوں سے سب حجاب سماوات اٹھ گئے
خود سوئے قبلہ دستِ مناجات اٹھ گئے

۷۷ ہاتھوں پہ ریشِ غرق بخوں رکھ کے یہ کہا — اللہ تیرے ہاتھ ہے اس ریش کی حیا
کیا بندہ پروری کا تری شکر ہو ادا — کیا آبرو رکھی مری اس وقت واہ واہ

جز شکر اور کیا کہوں پروردگار شکر
زینبؑ کو سر برہنہ نہ دیکھا ہزار شکر

۷۸ سر ننگے دیکھتا بھی تو کرتا نہ کچھ گلا — محکوم کو مشیّتِ حاکم میں دخل کیا
تیرے کرم سے گھر مرا جلنے سے بچ گیا — جلتا بھی تو قلق مجھے ہوتا نہ مطلقاً!

اماں کا گھر جلا تھا تو بابا نے کیا کیا
شکرانہ بارگاہ میں تیری ادا کیا

۷۹ میں ہوں تو کیا ہوں اور نہ ہوں گا اگر تو کیا — کشتیِ اہل بیت کا اب تو ہے ناخدا
جب سر مرا کٹے تو سر ان کا ہو بے ردا — یہ عرض بھی فضول ہے جو کچھ تری رضا

جس طور مصلحت ہو وہی خوب طور ہے
بندہ کا علم اور ہے خالق کا اور ہے

۸۰ محکوم ہوں ترا جو ابھی حکم پاؤں میں — حیرت ہو سب کو آپ گھر اپنا جلاؤں میں
زینبؑ کو ننگے سر ابھی در در پھراؤں میں — پوچھے جو اجنبی بہن اپنی بتاؤں میں!

عابدؑ کو آپ ذبح کروں دل سنبھال کے
گر آنکھ نم ہو خاک پہ رکھ دوں نکال کے

۸۱ اکبر سا نورِ چشم ہوا آنکھ سے جو دور — سمجھا میں تیری عین عنایت یہ اے غفور
جانے میں نورِ چشم کے پر کیا مرا قصور — البتہ آنکھ سے مرے جاتا رہا ہے نور

ضعفِ بصر ہے اور سفر اپنا دراز ہے

۸۲ خشکی لب میں ذائقۂ سلسبیل ہے   فاقے میں صاف لذتِ خوانِ خلیل ہے
زخموں کا خون راہ میں تیری سبیل ہے   یہ سب نجاتِ امتِ جد کی دلیل ہے
گر جل رہا ہے پیاس سے دل، کیا مضائقہ
دوزخ کے آبِ گرم کا چکھوں نہ ذائقہ

۸۳ میں بندہ، تو خدا، میں ذلیل اور تو جلیل!   احساں ترے کثیر، اطاعت مری قلیل
بے کس ہوں بے وطن ہوں، ترا یاور نہ کفیل   پیکِ اجل سناتا ہے آواز "الرّحیل"
ہیہات دستِ صبر نہ پائے ثبات ہے
پروردگار شرم مری تیرے ہات ہے

۸۴ جاتا ہوں واں، جہاں سے مسافر پھرا نہیں   معلوم وقتِ کوچ نہیں، رہنما نہیں
جز قبر، راہ میں کہیں مہماں سرا نہیں   مہماں سرا ہے قبر تو واں آشنا نہیں
یارب پناہ قبر کی دہشت سے دیجیو
تنہائی کا انیس کرم اپنا کیجیو!

۸۵ باریک بال سے ہے صراط اے مرے الٰہ   اور مو بمو گنہ سے گراں بار ہوں میں آہ
تے کوئی ہاتھ تھامنے کو نے چراغِ راہ   یارب تری پناہ، ترے دوست کی پناہ
بارِ گنہ سے کانپیں گے اعضا جو راہ میں
کیوں کر ملے گی بار تری بارگاہ میں

۸۶ بازارِ حشر گرم جو ہووے گا چار سو   ہوگا مرا مقابلہ کیا تیرے روبرو
نقدِ عمل ہی ہاتھ میں نے جنسِ آبرو   میزاں کے وقت ہو جیو پلّے پہ میرے تو
وہ کون ہے بدی سے جو نیکی بدل کرے
سودا مگر یہ خالقِ عزّ و جل کرے

۸۷ کیا غم جو پشت ماتمِ عباس سے ہے خم   پشت و پناہ چاہیے معبود کا کرم
کیا فکر دھوپ میں جو نہیں سایۂ علم   سایہ ترے کرم کا نہ ہو میرے سر سے کم
ارزانیٔ عطش ہو کہ قحطِ طعام ہو
[illegible]

۸۸ آگے سپاہ گرد تھی اور اب سپاہِ غم   اس فوج کی خوشی تھی نہ اس فوج کا الم
وہ بھی ترا کرم تھا، ہے یہ بھی ترا کرم   خلد و سقر سے بھی میں غنی ہوں، تری قسم
جنت سے خوش جحیم سے ناخوش نہ ہوں گا میں
جو تو خوشی سے بخشے گا خوش ہو کے لوں گا میں

۸۹ اے وائے گر تو بندے پہ قہر و غضب کرے   یعنے عذاب کے لیے مجھ کو طلب کرے
نانا شفاعت آ کے نواسے کی کب کرے   ہرگز میری مدد نہ امیرِ عرب کرے
اعمال نامہ پڑھ کے مرا بخش دیجیو
یارب نہ عدل کیجیو تو فضل کیجیو!

۹۰ مجھ کو قبول ہے نہ ملے لاش کو کفن   پر وقت وہ مدد کا ہے اے ربِّ ذوالمنن
خورشید سر پہ اور خلائق برہنہ تن   اس وقت دیجیو مجھے رحمت کا پیرہن
یاں رحمتِ الٰہی ٹکڑے ٹکڑے ہو تن پاش پاش ہو
محشر کے روز پر مرا پردہ نہ فاش ہو

۹۱ عریاں نہ آگے سب کے بلانا حسینؑ کو   اے ستار العیوب! چھپانا حسینؑ کو
محشر کے زلزلے سے بچانا حسینؑ کو   دوزخ کے رنج تو نہ دکھانا حسینؑ کو
اعدا کے شر سے حال مرا اور غیر ہو
لیکن حسینؑ پیاسے کے شیعوں کی خیر ہو

۹۲ پہنائے تو نے حلّۂ فردوس بیشتر   بھجوائے کتنی بار ہمیں خلد کے ثمر
دن عید کے چڑھایا پیمبر کے دوش پر   باقی ہے ایک آرزوئے آخری مگر
سر پہ ہلال تیغ کی اب دید کیجیے
قربان تجھ پہ ہو جیے اور عید کیجیے

۹۳ ناگاہ غیب سے یہ سنا کلمۂ فصیح!   بس بس مرے حبیب اے فدیے مرے ذبیح
از روئے عبدیت ہے گذارش یہ سب صحیح   تیرے غلاموں سے بھی نہ ہوں گے عمل قبیح
اور ہوں گے بھی تو کچھ نہ قصاص اس سے لیں گے ہم
جب تیرے غم میں رو دیں گے وہ بخش دیں گے ہم

۹۴ خالق کا ایک حسینؑ ہے تو کائنات میں — جو کائنات میں ہے وہ ہے تیرے ہاتھ میں
تجھ کو امید، بیم ہے اپنی نجات میں — بخشائے گا ہزاروں کو تو ایک بات میں
ممتاز ہم نے بعد محمدؐ کیا تجھے
جو قُربِ انبیا کا، نہ تھا وہ دیا تجھے

۹۵ یہ مُژدۂ نوازشِ معبود جو سنا! — مرکب سے بہر سجدہ جھکے شاہ کربلا
اور تیغیں لے کے ٹوٹ پڑی فوج اشقیا — سید کی ایک جان اور اعدا ہزار ہا
نیزے لگائے جسم شہ مشرقین پر
ترکش بھرے ہوئے کیئے خالی حسینؑ پر

۹۶ پہلو سے تین بھال کا ناوک نکل گیا — یہ تیر دل میں فاطمہ کے گھاؤ کر گیا
غل پڑ گیا کہ وارثِ سادات مر گیا — منہ سے لہو جو ڈالا سب آغوش بھر گیا
غش ہو گئے حسینؑ لہو منہ سے ڈال کر
اور شمر بیٹھا سینے پہ خنجر نکال کر

۹۷ اس وقت چھاتی دیکھنے والوں کی پھٹتی تھی — وہ ظلم ہو رہا تھا کہ دنیا الٹتی تھی
زہرا تو بار بار گلے سے لپٹتی تھی — اور زیرِ تیغ گردن شبیر کٹتی تھی
جاری تھی یہ ندا کہ نبی کا نواسا ہوں
اے شمر یا نی پانی میں پیاسا ہوں، پیاسا ہوں

۹۸ جب شہ نے نام پانی کا وقتِ قضا لیا — قاتل نے سن کے ہنس دیا اور منہ پھرا لیا
سر کٹ گیا تو زلفیں پکڑ کر اُٹھا لیا — مُردے کو فاطمہؑ نے گلے سے لگا لیا
گیسو بکھیرے، بین کیے، نالہ کش ہوئی
آخر کٹے گلے سے گلا رکھ کے غش ہوئی

۹۹ برپا ہوا حرم میں قیامت کا شور و شین — نے سینوں میں قرار رہا نے دلوں میں چین
سن سن کے قتل گاہ میں خیر النسا کے بین — زینب پکاری بی بیو، مارے گئے حسینؑ
بس اے دبیر بس کہ زمین تھرتھراتی ہے
[illegible]

۱۰۰ اب اختتام نظمِ مصیبت کر اے دبیر — موزوں نہ قیدِ آلِ رسالت کر اے دبیر
ہات اپنے سوئے بابِ اجابت کر اے دبیر — حق سے سوالِ مطلب و حاجت کر اے دبیر
یارب مجھے نصیب درِ شہ کی خاک ہو
تا نام میری خاک کا بھی خاکِ پاک ہو

تحقیق متن

- قلمی مرثیہ، مخطوطہ ۱۳ ذی حجہ ۱۲۹۲ھ بقلم سرفراز علی
- دفتر ماتم، جلد ۱۴ طبع مارچ ۱۸۹۷ء، بشکریہ جناب نسیم امروہوی

بند ۲: مصرع ۳ دفتر ماتم مطابق متن
قلمی نسخہ "دندان گرگ عدل سے ان کے شکستہ ہیں"
بند ۳: قلمی مرثیے میں نہیں، دفتر ماتم سے نقل ہے۔
بند ۴: دفتر ماتم مصرع ۵ بر نقش نو نگین سواری پہ کندہ ہے۔
بند ۶، ۷، ۹ قلمی نسخے میں نہیں ہیں۔
بند ۱۱، قلمی نسخے میں نہیں ہے، دفتر ماتم کے حاشیے پر ہے۔
بند ۱۲، قلمی نسخہ، رحمت وہ ہے کہ — ہیبت وہ ہے کہ — جرأت وہ ہے کہ — قدرت وہ ہے کہ — معصومیت وہ ہے کہ — مظلومیت وہ ہے کہ —
بند ۱۴، ۱۵: قلمی نسخے میں نہیں ہے۔ دفتر ماتم سے نقل کیا ہے۔
بند ۱۷ کی بیت قلمی نسخے میں یوں ہے:

پیدا کیا ہے حق نے اسی رخ سے نور کو   کہتا ہے نور چشم یہ رخ نورِ طور کو

بند ۱۸: مصرع ۳ قلمی نسخہ "قرآن سے خلاصہ اور ایمان سے ضیا"
مصرع ۶ قلمی نسخہ "حق سے [درود] صل علے کائنات سے" درود کا لفظ میں نے لکھا ہے۔ نسخے میں یہ حصہ کرم خوردہ ہے۔
بند ۱۹، ۲۰، قلمی نسخے میں نہیں ہیں، دفتر ماتم سے نقل ہیں۔
بند ۲۱ قلمی نسخہ، مصرع ۲ مطابق متن ہے اور دفتر ماتم میں ہے:

ہر آئینے کو طوطیِ سدرہ بناتے ہیں

بند ۲۲: قلمی نسخے میں نہیں ہے، دفتر ماتم سے نقل ہے۔
بند ۲۳: دفتر ماتم میں نہیں، قلمی نسخے سے نقل ہے۔
بند ۲۴: قلمی نسخے میں نہیں ہے۔ دفتر ماتم سے نقل ہے۔
بند ۲۵: قلمی نسخے میں نہیں ہے۔
بند ۲۶: مصرع ۱، قلمی مرثیہ: "اللہ رے لب خلقت الصدق بوتراب"
اور بیت دفتر ماتم کے مطابق ہے۔ قلمی نسخہ کرم خوردہ ہے صرف مندرجہ ذیل ٹکڑے پڑھے جاتے ہیں:

سارا زمانہ دیتا ہے عنبر ———   لیکن خطا سے ———

بند ۲۷: دفتر ماتم میں ہے قلمی نسخے میں نہیں ہے۔
بند ۲۸: مصرع ۴ قلمی نسخہ "حاجت روا و عقدہ کشائے شہ وگدا"
بند ۳۰، ۳۱ دفتر ماتم سے نقل ہے، قلمی نسخے میں نہیں ہیں۔
بند ۳۳، مصرع ۵، دفتر ماتم "تیغ و سپر سے سرو نبی بہرہ یاب ہے"
متن مطابق ہے قلمی مرثیے کے۔
بند ۳۴: مصرع ۶، دفتر ماتم "یہ بیت جامع شرف اہل بیت ہے"
بند ۳۶، قلمی مرثیے میں نہیں ہے۔
بند ۳۷، قلمی نسخہ "جبریل بوسہ دے کے" متن مطابق دفتر ماتم
بند ۳۸، قلمی نسخہ، مصرع ۶ "اب وقت نزع ہے، رجز آخری سنو"
بند ۴۱، قلمی نسخے کی بیت ہے:

آدم تھا مشت خاک ملک بے نمود تھے   ہم پنجتن مصاحب رب ودود تھے

بند ۴۷، قلمی نسخے کی بیت ہے:

کیوں رو سیاہ ہوا کچھ بھی تمہیں انفعال ہے   بے وجہ آج خوں میں مرا چہرہ لال ہے

میں مطابق دفتر ماتم ہے۔
بند ۴۸: دفتر ماتم سے نقل کیا ہے، قلمی نسخے میں نہیں ہے۔

بند ۴۹ : قلمی نسخہ مصرع ۴، ۵ : میں شمعِ مرتضیٰ ہوں مجھے کیوں بجھاتے ہو
میں جانِ فاطمہ ہوں مجھے کیوں ستاتے ہو

بند ۵۰ : قلمی نسخے کی بیت ہے :

انجیل ہوں، زبور ہوں، امّ الکتاب ہوں   میزان ہوں، صراط ہوں، یوم الحساب ہوں

بند ۵۱ : مصرع، قلمی نسخہ "میوہ مرا ہے گلشنِ ایماں، میں باغ ہوں"

بند ۵۲ : مصرع ۶، قلمی نسخہ "پھر چھین لو یہ تم ہو"

بند ۵۳، دفترِ ماتم میں بیت یوں ہے۔

عقرب یہ کہہ کے برج میں فوراً اچھل پڑا   لو کینچلی سے سانپ تڑپ کر نکل پڑا

بند ۵۴، مصرع ۵، دفترِ ماتم "پوچھو نہ قہرِ تیغ شہِ دیں پناہ کو"

بند ۵۵ : قلمی نسخے کی بیت یہ ہے :

سردارِ فوج بھاگے شیاطین کی طرح   فوج ان کے پیچھے پیچھے پتی نفریں کی طرح

بند ۵۶ : قلمی نسخے کی بیت یہ ہے۔

رفتارِ پا سے، نبضِ روندہ حیات سے   گفتارِ لب سے، ناخنِ تدبیر ہاتھ سے

بند ۶۰، ۶۱، یہ بند قلمی نسخے میں نہیں ہے۔ دفترِ ماتم سے نقل ہے۔

بند ۶۳ : قلمی نسخہ، مصرع ۳ : "ماہی نے روئے خاک فلوس اپنا رکھ دیا"

بند ۶۴ : قلمی نسخہ، مصرع ۶ : "جز فتح کوئی نیزے کے اوپر نہ جا سکا"

بند ۶۹ : دفترِ ماتم میں بند کا پہلا دوسرا مصرع یوں ہے :

چرمالب فرات ــــــــــــ   دریا میں قطرہ زن ہوا ــــــــــــ

بند ۷۰ : دفترِ ماتم، مصرع ۶ : "دریا نے دی ندا مرا مالک یہ پیاسا ہے"

بند ۷۱ : بیت دفترِ ماتم میں یوں ہے :

آقا شفیق دیکھو تو یہ کون سوتا ہے   پیاسا علیؑ کا شیر ترائی میں سوتا ہے

بند ۷۲ : قلمی نسخہ مصرع ۵، "دل آپ کی سکینہ کی خاطر اداس ہے"

بند ۷۴ : قلمی نسخے کا پہلا دوسرا مصرع یہ ہے :

جس وقت فوجِ شام نے یہ شمر سے کہا   چلایا سوئے نہر وہ مکار و بے حیا

بند ۷۵ : مصرع ۶، دفترِ ماتم "تم ہاتھ اٹھاؤ پانی سے، ہم اہلِ بیت سے"

بند ۷۶ : مصرع ۲، دفترِ ماتم "یوں آئے جلد تر کہ عرق ہو گیا فرات"

قلمی مرثیہ، مصرع ۴، "استادہ قبلہ رو ہوئے سلطانِ نیک ذات"

دفترِ ماتم مصرع ۴، "سمجھے کہ اشقیا نے دغا کی ہمارے سات"

بند ۷۸ : قلمی نسخہ، مصرع ۳ : "تیرے سبب سے گھر مرا جلنے سے بچ گیا"

بند ۸۰ : دفترِ ماتم، بیت کی ردیف ہے "سنبھال کر" ـــ "نکال کر"

بند ۸۱، ۸۲، قلمی نسخے میں نہیں ہے۔

بند ۸۳ : دفترِ ماتم مصرع ۵ : "ہیہات دستِ خیر نہ پائے ثبات ہے"

قلمی مرثیہ، مصرع ۵ - "ہیہات دستِ صبر نہ باگ ثبات ہے"

بند ۸۴ : قلمی مرثیہ، مصرع ۶ "اپنے کرم کو مونسِ تنہائی کیجیو"

بند ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۱ قلمی نسخہ میں نہیں ہیں۔

بند ۹۴، قلمی نسخہ، مصرع ۴ "بخشائے گا ہزاروں کو تو کائنات میں"

قلمی نسخہ، مصرع ۵ : "مختار ہم نے بعدِ محمدؐ کیا تجھے"

بند ۹۵، قلمی نسخہ، مصرع ۵ : "نیزے لگائے پشتِ شہِ مشرقین پر"

بند ۹۶، قلمی نسخہ، مصرع ۱ : "پہلو سے تیغ چھل کا جو ناوک نکل گیا"

مصرع ۳ : "جانا سبھوں نے وارثِ سادات مر گیا"

مصرع ۶ : "اور شمر سینے پر چڑھا گردن سنبھال کر"

متن مطابق دفترِ ماتم ہے۔

بند ۹۸، ہمارا قلمی نسخہ اس بند پر ختم ہو گیا۔ تخلص کے دونوں بند دفترِ ماتم سے نقل ہیں۔ دفترِ ماتم میں بند ۱۰۰ مقدم ہے اور بند ۹۹ اس کے بعد۔

فرہنگ

۱۔ نیران قہر پنجۂ کہن : پرانے پنجہ آزما شیر، بڑے بڑے جنگ آزمودہ پہلوان۔

۲۔ سطرِ جادہ : راستے کی لکیر، راستہ۔

۳۔ ذوالکفل : قرآن مجید سورۃ الانبیاء آیت ۸۵ میں لیا گیا ایک نام جسے مفسرین نے حضرت الیاس یا یوشع کا لقب یا ایک نبی کا نام مانا ہے۔

۴۔ پاسِ حکم : حکم کی خاطر۔

۵۔ شحنۂ کوتوال : پولیس کا افسر، محافظ

۶۔ پیے چوریہ : بڑا شامیانہ۔

۷۔ مُبطِل : باطل کرنے والا۔

۸۔ مہر : محبت، سورج

۹۔ شمسیہ : منطق کی ایک کتاب کا نام۔

۱۰۔ زلال : صاف عمدہ پانی۔

۱۱۔ گوش : کان۔

۱۲۔ مُدام : ہمیشہ

۱۳۔ وِلا : محبتِ اہل بیت

۱۴۔ اَحسَنتَ : شاباش۔ آفریں۔

۱۵۔ طاق : جفت کی ضد، شبہائے طاق، ایک، تین، پانچ، جیسی تاریخوں کی راتیں، خصوصی طور پر ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۷ کی راتیں، جن کو شبہائے قدرِ رمضان کہتے ہیں۔

۱۶۔ بینی : ناک، (عین : آنکھ، چشمہ۔ یہاں بالکل ٹھیک جگہ مراد ہے)

۱۷۔ ذَقَن : ٹھُڈی۔

۱۸۔ ناگفتہ بہ : ناقابلِ بیان۔

۱۹۔ غائب دہن ہے : منہ نظر نہیں آتا۔ ہمارے شاعروں نے دہانہ چھوٹا ہونے کو حسن مانا ہے پھر اس چھوٹے دہانے کی تشبیہ میں کبھی غنچہ کہا اور کبھی سرے سے اسے نظر نہ آنے والا کہہ گئے۔ مرزا صاحب نے بھی تنگی دہاں کو "دہن غائب" کہا ہے۔

۲۰۔ خَلَفُ الصِّدق : فرزندِ رشید۔

۲۱۔ سلسلہ جنباں : رابطہ پیدا کرنے والا۔

۲۲۔ ماخذ : مصدر، حاصل کرنے کی جگہ۔

۲۳۔ صَنعَ : کاریگری۔ ہنر۔

۲۴۔ نہ کشتیِ فلک : سات آسماں، اٹھویں عرش، نویں کرسی۔ یہ الگ الگ کشتی کے مشابہ ہیں۔

۲۵۔ حیف آتا ہے : افسوس ہوتا ہے۔

۲۶۔ اب نحویوں کے علم الخ، نحو : وہ علم جس میں عبارت کی درستی اور الفاظ کی معنوی ہیئت سے بحث ہوتی ہے۔ مثلاً مفردات وجموع کے وزن بتائے جاتے ہیں۔ چنانچہ۔ نحوی حضرات نے بصر کی جمع ابصار بتائی ہے۔ لیکن ممدوح کی زرہ دیکھ کر یہ جمع غلط نکلی، کیونکہ ساری نگاہیں (حلقوں سے استعارہ) تو زرہ میں جمع ہیں۔ اس لیے چشم و نظر و بصر کی جمع زرہ کو ماننا چاہیے۔

۲۷۔ حلقۂ بیرونِ در : اجنبی اور غیر، بیگانہ

۲۸۔ کُنہ : حقیقت

۲۹۔ قطعِ دلیلِ کفر : کفر کی دلیل کے لیے کاٹ۔

۳۰۔ جوہر : لوہے، تلوار کی عمدگی۔

۳۱۔ کلکِ قضا و تیغ علیؑ : وہ قلم جس سے قضا و قدر (موت مراد ہے) لکھی جاتی اور حضرت علیؑ کی تلوار دونوں ایک ہی چیز کا نام ہے دونوں مشابہ ہیں۔

۳۲۔ اک دشت سایہ رمِ آہو : ہرن کے سایے کی سیاہی اور وہ بھی ایک طویل و عریض میدان بھر کے۔ قرطاس۔ کاغذ۔ وام۔ قرض۔

۳۳۔ تحتُ الثَّریٰ : زمین کے نیچے۔ فوقُ السَّما : آسمان کے اوپر۔ تیغِ آفتاب : سورج کی کرن۔

۳۴۔ پَنبہ : روئی۔

۳۵۔ خاتونِ حشر : حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔

۳۶- اِظہار: بیانِ دعویٰ۔

۳۷- زَبُوں : برا۔

۳۸- صُمٌّ بُکْمٌ : گونگا بہرا - لاجواب - دنگ۔

۳۹- سب کو فنا ہے اور مرے وجہ کو بقا: (وَجْہ - چہرہ) سورۃ الرحمٰن کی ستائیسویں آیت ہے۔
"کُلُّ من علیھا فان ویبقیٰ وجه ربّك ذوالجلالِ والاکرام" مصرع مذکورۂ بالا اسی آیت کا ترجمہ ہے۔
اور اس کے بعد "وجہِ رب" کی تفسیر ہے کہ اس سے مراد ائمہ اہل بیت ہیں۔

۴۰- یَدُاللہ: سورۃ الفتح کی دسویں آیت ہے "اِنّ الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق
ایدیھم" تفسیر میں یداللہ سے حضرت علیؑ مراد لیے گئے ہیں۔

۴۱- زِشت خو: بدمزاج۔

۴۲- نیل فام: نیلا رنگ۔

۴۳- تیز پا ہونا: بھاگنا، فرار کرنا۔

۴۴- خراج: ٹیکس۔ مالیانہ

۴۵- قفا: گدّی۔

۴۶- برق زا: بجلی پیدا کرنے والا۔

۴۷- فرقِ عَدُو: دشمن کا سر۔

۴۸- جہت: سبب۔

۴۹- گل بازی: کھیل کا پھول۔

۵۰- مَردُم: مرد کی جمع (لوگ)

۵۱- سنگِ آسیا: چکی کا پتھر۔

۵۲- فلوس: مچھلی کے سِفنے۔ چھلکے

۵۳- ناکا: سوئی میں تاگہ ڈالنے کا سوراخ۔ راستہ۔

۵۴- مُجرا: شاہی سلام۔ سلام

۵۵- دو رویہ میداں: دو جانب میدان۔ (یہ معنی دفترِ ماتم کے حاشیے پر درج ہیں)

۵۶- قطرہ زن ہونا: دوڑنا۔ توسن: گھوڑا۔

۵۷- خولی: فوجِ یزید کا ایک ظالم افسر۔

۵۸- مُخَدّرات: (مُخَدّرہ) پردہ نشین خواتین۔

۵۹- مُطلَقاً: بالکل۔

۶۰- پلک نواز: پلک جھپکنے سے پہلے احسان کرنے والا۔ دم میں نہال کر دینے والا۔

۶۱- یاور: مددگار۔ کفیل: خبر گیرا۔ سربراہ۔

۶۲- مو بمو: بال بال۔ رویاں رویاں۔

۶۳- پشت و پناہ: حامی مددگار۔

۶۴- ارزانیٔ عطش: پیاس کی فراوانی۔

۶۵- خُلد: جنت۔ سَقَر: جہنم۔ دوزخ۔ جحیم۔

۶۶- رَخت: لباس۔

۶۷- ساترُ العیوب: عیب و گناہ چھپانے والے۔

۶۸- حُلّۂ فردوس: جنت کا لباس۔

۶۹- فِدیہ: قربانی۔ ذَبیح: ذبح ہونے والا۔ ذبح کیا ہوا۔ ازروئے عبدیت: بندگی کے
طریقے سے۔

مرثیہ نمبر ۱۱

کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو

۱۰۸ بند

بیانِ شہادت امام حسین علیہ السلام

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیقِ متن
- فرہنگِ الفاظ

مرثیہ پر نظر

یہ طویل مختصر مرثیہ مرزا صاحب کے عمدہ مرثیوں کی طرح بڑا درد آفریں مرثیہ ہے۔ مختصر اس لیے کہ پہلے بند سے پڑھا جائے تو ۱۴۳ بند ڈیڑھ گھنٹے میں پڑھے جائیں گے۔ اور اگر بند ۲۲ کے مطلع دوم سے پڑھیے تو مرثیے کے بند ۱۰۱ رہ جائیں گے، تیسرا مطلع ۲۶ بندوں کے بعد ہے مرثیہ اور مختصر ہو جائے گا۔ اور بند ۷۴ سے مرثیہ پڑھنے سے مجلس میں ادھ گھنٹے کے قریب وقت صرف ہوگا، کوئی بند نہ چھوڑا جائے تو مرثیہ طویل ہے۔

مضمون کے اعتبار سے مرثیے کے تین حصے کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا حصہ حسنین علیہما السلام کے بچپنے کے ایک واقعے پر مشتمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو حضرت فاطمہ زہراؑ نے عرض کیا، بابا، یہ بچے پیاسے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک بچوں کو چسائی۔ دوسری روایت کے مطابق آنحضرت چادر اوڑھے لیٹے تھے کہ امام حسین علیہ السلام کو پیاس لگی انھوں نے پانی مانگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں موجود بکری سے دودھ دوھ کر امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام کو دیا، ادھر امام حسین علیہ السلام آگے بڑھے اور دودھ پینا چاہا، دونوں بھائیوں میں کچھ باتیں ہوئیں، اور امام حسینؑ کچھ غمگین ہوئے تو حضرت فاطمہ زہراؑ نے عرض کیا، "الفت حسن کی تم کو سوا ہے حسینؑ سے"۔ آنحضرت نے فرمایا:

فرمایا مصطفےٰؐ نے نہیں میری نورِ عین   مجھ کو تو جو تمہارا حسنؑ ہے وہی حسینؑ

دودھ اس لیے میں لایا کہ پیاسے تھے دونوں لال   اول دیا حسن کو کہ اُس نے کیا سوال

جو کچھ کہیں میں لاؤں ضیافت کے واسطے

پیاسے رہیں گے یہ مری اُمّت کے واسطے

دوسرا حصہ وہ ہے جس میں "رونے" کی فضیلت و ثواب بیان کیا ہے اور ابوالحسن نامی کسی عالم کی کتاب (جس کا نام نہیں لکھا) میں ہے کہ ان کے پڑوسی دوست نے نزع کے وقت مولانا کو بلایا، مولانا نے اس کے سرہانے بیٹھ کر کلمہ، اصول دین و عقائد پڑھے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی، جس کے

بیمار مرگیا، رات ہوئی اور مولانا سوئے تو مرنے والے کو خواب میں دیکھا، پوچھا بھئی، کیا ہوا؟ اس نے دیا جواب کہ فضلِ خدا ہوا۔ انہوں نے پوچھا:

خاطر سے کس کی حق نے گناہوں کو دھو دیا؟
اُس نے کہا: حسینؑ حسینؑ اور رو دیا

جب میں دفن ہوا تو فرشتے گرزِ آتشیں لیے داخل قبر ہوئے، میری ہڈیاں جلنے لگیں رو یاں رویاں فریاد کرنے لگا، اس اثنا میں دیوار پھٹی اور صدائے رحمتِ معبودِ انس و جاں آئی:

ٹھہرو فرشتو ٹھہرو! اسے بخشواتے ہیں — ہاں ہاں، ابھی عذاب نہ کرنا، ہم آتے ہیں

امام حسینؑ تشریف لائے اور فرشتوں کو روکا:

بولے فرشتے کار ثواب اس سے کیا ہوا؟ — جو آپ کے حوالے یہ اہلِ خطا ہوا
فرمایا: اک جگہ مرا ماتم بپا ہوا — یہ بھی شریکِ صحبتِ اہلِ عزا ہوا
لاتے ہیں شیعہ دفترِ اعمال دھونے کو — آنکھوں سے آتے ہیں مری مجلس میں رونے کو
ذاکر نے سرگزشت ہماری جو کی بیاں — بالیں پہ اس کی روتا تھا اک حیدری جواں
اک آنسو اس کے سر پہ گرا بہہ کے ناگہاں — اس اشک کی ہوئی برکت جا بجا عیاں
دنیا میں سربلند یہ ناکام ہو گیا — اور آج مغفرت کا سرانجام ہو گیا

اس خواب کے حوالے سے رونے کی سفارش کرتے ہوئے رونے والے حاضرینِ مجلس کو مخاطب کیا ہے۔

یارو، حرم سرا میں قیامت کا وقت ہے — مشکل کشا کی آل پہ آفت کا وقت ہے
دن ڈھل چکا ہے، شہ کی شہادت کا وقت ہے — رن میں غروبِ مہرِ نبوت کا وقت ہے

مرثیے کا تیسرا حصہ تمہید، آمد، رجز، تلوار، گھوڑے، سراپا، جنگ اور شہادت وغیرہ نظم ہیں اس حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرثیہ عاشور کے دن مجلس میں پڑھنے کے لیے لکھا ہے۔

زیرِ نظر متن بنیادی طور پر تین نسخوں پر مبنی ہے، پہلا نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ قلمی متن ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء سے پہلے کا مخطوطہ ہے، دوسرا متن نول کشور کا مطبوعہ نسخہ ۱۸۷۵ء ہے۔ جو "مراثی دبیر" جلد اول کے نام سے چھپا۔ تیسرا متن دفترِ ماتم سے لیا ہے۔ اس میں متن نمبرا، ۲، باوجود اختلاف بہتر نسخے ہیں، دفترِ ماتم کا اصل مرثیہ تو غالبًا جناب اوج مرحوم کا مہیا کردہ ہے لیکن بہت ناہموار ہے،

متعدد بند مکرر ہیں کچھ بند بے ترتیب ہیں۔

ہم نے تینوں نسخوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اور تمام بند تحقیق کے بعد داخل متن کر کے، اختلافات آخر میں "تحقیق متن" کے نام سے لکھ دیئے ہیں۔ تحقیق متن میں تفصیلی بحث سے پرہیز کیا ہے کہ کتاب طویل نہ ہو۔

میرا اندازہ ہے کہ یہ مرثیہ مرزا صاحب کی شاعری کے پہلے دور سے متعلق ہے۔ جس پر بار بار نظر کی گئی ہے اور عملِ ترمیم و تنسیخ جاری رہا ہے۔ جس کا ثبوت خود میرا قلمی نسخہ ہے خصوصًا بند ۱۸ کے اوپر مندرجہ ذیل بیت غالبًا مرزا صاحب کے قلم سے تحریر ہے۔

"نسخہ
شعلہ کی طرح اک لکا کے چلی سے — صرصر کی طرح باک اوٹھائے چلی گئی"

مرثیہ:

کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو

۱۰۸ بند

بیان شہادت امام حسین علیہ السلام

۱ کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو — کس تشنہ لب کے حصّے میں آئی ہے آبرو
ایمان کس شہید پہ لائی ہے آبرو — دریا میں کس کے غم کی سمائی ہے آبرو
پیاسا موا ہے کون عزیزوں سے چھوٹ کے
روتے ہیں یہ حباب کسے پھوٹ پھوٹ کے

۲ بچپن میں قصدِ روزہ کیا پیاس کے لیے — زہرا کا دودھ چھوڑ دیا، پیاس کے لیے
احساں فرات کا نہ لیا، پیاس کے لیے — پانی نہ ساتویں سے پیا، پیاس کے لیے
رودادِ ذبح یاد ہے سارے جہان کو
کہنا وہ پیاس پیاس، چبا کر زبان کو

۳ اک عہد کا ہے ساقیٔ کوثر سے یہ بیاں — شدّت ہوئی وہ پیاس کی یثرب میں ناگہاں
جو سب جوان و پیر ہوئے زار و ناتواں — آئی بتول روبروئے فخرِ مرسلاںؐ
سبطین، دوشِ خیرِ نسا پر مقیم تھے!
کاندھوں پہ گوشوارۂ عرشِ عظیم تھے!

۴ آ گے نبیؐ کے، کاندھوں سے ان کو اتار کر — کی عرض فاطمہؑ نے کہ اے شاہِ بحر و بر
اِن کو قلق ہے پیاس کا سب سے زیادہ تر — چھوٹے سے سن ہیں، ننھے سے دل پھول سے جگر
ہر چند سب عزیز ہیں پیاسے حضور کے
پر، ہیں بہت نڈھال نواسے حضور کے

۵ حضرت نے ان کے منہ میں زباں دی بجائے آب — پر کہتے ہیں روایتِ ثانی میں بوتراب ع
مولا لحاف اوڑھ چکے تھے برائے خواب — اور زیبِ تکیہ تھا سرِ شاہِ فلک جناب
ناگہ کہا حسنؑ نے کہ کچھ التماس ہے
نانا رسولؐ! "پانی" نواسے کو پیاس ہے

۶ یہ سن کے نیند ایک طرف، اڑ گیا قرار — دوڑے پیالہ لے کے رسولِؐ فلک وقار
تھی گوسفند خانۂ اقدس میں شیرؓ دار — دودھ اس کا اپنے ہاتھ سے دوہا باضطرار
تحسینؑ لی خدا سے رسالت مآب نے
کارِ حسن جو تھا تو کیا خود جناب نے

۷ پر جب کہ وہ پیالہ حسنؑ کو کیا عطا — دوڑا ادھر سے تشنۂ صحرائے کربلا
کچھ پیاس کا اشارا تھا، کچھ سن کا مقتضاؓ — رہتی تھی لکھنے پڑھنے میں بھی بحث بارہا
کہنی پہ آستین کو جلدی چڑھا دیا
ننھا سا ہاتھ سوئے پیالہ بڑھا دیا

۸ کہنے لگے حسنؑ، کہ نہ تکلیف کیجیے — کوزہ ہٹا کے بولے، ذرا لے تو لیجیے
حاضر ہے بھائی، جان، میں پی لوں تو پیجیے — یاں ناز تھا کہ ہم نہیں لیتے، نہ دیجیے
رنجش ہے سیر فضلِ خدائے قدیر سے
شیریں زبانی آپ کی کیا کم ہے، شیر سے

۹ یہ کہہ کے جست کر کے پیالے پہ آتے تھے — سرکا کے اپنا ہاتھ حسنؑ مسکراتے تھے
کوزے پہ دوڑ کر جو کبھی منہ لگاتے تھے — ہنستے تھے کھل کھلا کے، نہ پھولے سماتے تھے
آخر پسینہ آ گیا ماتھے پہ، تھک گئے
زہراؑ کے آفتاب پہ تارے چھٹک گئے

۱۰ قطرے عرق کے جب کہ جبیں سے ڈھلک پڑے — بے ساختہ بتول کے آنسو ٹپک پڑے
دل میں پسر کی دل شکنی کے جو شک پڑے — وہ کرب تھا کہ زخم پہ جیسے نمک پڑے
بولیں نبیؐ سے دیکھ کے منہ اس غیور کا
گویا حسنؑ پہ پیار سوا ہے حضور کا؟

۱۱ اک شاہزادہ غنچہ تھا اس وقت ایک پھول   شبیرؑ کے سکوت پہ رونے لگی بتولؑ
گذرا خیال، دل نہ ہوا ہو کہیں ملول   آنکھوں کو ڈبڈبا کے یہ کی عرض، یا رسولؐ!
میرے تو دل کا چین ہے دونوں کے چین سے
الفت حسنؑ کی تم کو سوا ہے، حسینؑ سے

۱۲ فرمایا مصطفےٰؐ نے، نہیں، میری نورِ عین   مجھ کو تو جو تمہارا حسنؑ ہے وہی حسینؑ
وہ لطفِ زندگی ہے، یہ نانا کے دل کا چین   شان و شکوہ وہ، یہ پیمبر کی زیب و زین
شکوہ یہ بعد کیجیو جانی رسولؐ سے
کہہ، پہلے کس نے مانگا تھا پانی رسولؐ سے

۱۳ دودھ اس لیے میں لایا کہ پیاسے تھے دو لال   اول دیا حسنؑ کو کہ اس نے کیا سوال
سو پیار کی کمی کا ہوا آپ کو خیال؟   ایسا میں ہوں کہ چاہوں گا شبیرؑ کا ملال؟
جو کچھ کہیں میں لاؤں ضیافت کے واسطے
پیاسے رہیں گے یہ مری اُمت کے واسطے

۱۴ اب اہلِ معرفت سے ہے انصاف کی طلب   دونوں نواسے ایک تھے پیشِ حبیبؐ رب
محرومیِ حسینؑ کا پر آہ، کیا سبب   پیدا ہوئے تو دودھ ہوا خشک ہے غضب
روزِ ازل سے پیاس ہی مدِ نگاہ تھی
بچپن سے آبِ تیغِ شہادت کی چاہ تھی

۱۵ روئی تھیں فاطمہؑ جو یہ دوڑے تھے سوئے جام   اب کربلا کی پیاس کریں یاد خاص و عام
پانی تو ماں کے مہر میں، فرزند تشنہ کام   کیا کڑھتی ہو گی قبر میں خاتونِ نیک نام
غش ہو کے کتنی بار زمیں پر گرے حسینؑ
پیاسے گئے فرات پہ پیاسے پھرے حسینؑ

۱۶ ہے ہے وہ تین روز کی اور تین شب کی پیاس   آفت کی دھوپ، قہر کی گرمی، غضب کی پیاس
خود بے قرار پیاس سے اور یاد سب کی پیاس   وہ زخم کھا کے اکبرِ عالی نسب کی پیاس
وہ دل پہ ہاتھ رکھ کے دکھانا زبان کو
اور دیکھنا حسینؑ کا وہ آسمان کو

۱۷ پانی بھی بند، قوت بھی بند اور ہوا بھی بند   سینے میں سانس بند، گلے میں صدا بھی بند
راہِ مزارِ حضرتِ مشکل کشا بھی بند   ہے ہے، سبیلِ روضۂ خیر الوریٰؐ بھی بند
دیکھے ہیں بند و بست کہیں یوں لڑائی کے
آخر بہن کے بال کھلے غم میں بھائی کے

۱۸ وہ گھر میں جا نا فاقے سے لشکر کو دیکھ کر   وہ رونے آنا نزع میں اصغر کو دیکھ کر
وہ سر جھکانا ڈیوڑھی پہ خواہر کو دیکھ کر   وہ منہ پھرانا ننھی سی دختر کو دیکھ کر
پیاسوں کی تو یہ عرض، ہمیں پیاس ہے حسینؑ
ان کا یہ کہنا، جینے سے بے آس ہے حسینؑ

۱۹ ہر میوے پر ملک جو مؤکل ہیں جا بجا   ظاہر کریں اگر عطشِ شاہِ کربلا
نے بو رہے، نہ رنگ، نہ تاثیر نے مزا   کہہ دیں اگر مؤکل دریا یہ ماجرا
طوفاں کے غلغلے ہوں، قیامت کے شور ہوں
شیریں ہیں جتنے چشمے وہ سب تلخ و شور ہوں

۲۰ سنتے ہی بے غذائیِ مولائے تشنہ کام   بالکل نمک جو زہر نہ ہو ہے نمک حرام
دیں چاشنیِ موت یہ شیرینیاں تمام   باقی رہے نہ غلّے کا روئے زمیں پہ نام
گندم رواں عدم کو ہوں دنیا کی کشت سے
نکلے تھے جیسے حضرتِ آدمؑ بہشت سے

۲۱ اب قُلزُمِ حمیّت و غیرت ہے جوش زن   ہر شے یہ حال سن کے ہوئے حال دگرگوں
ہم پر عیاں ہے حادثۂ شاہِ بے وطن   پھر آرزوئے عیش ہے، پھر فکر جان و تن
بعد از حسینؑ زیست بھی بے جا ہے، خاک ہے
نور اٹھ گیا زمیں سے تو پھر کیا ہے، خاک ہے

۲۲ یہ بزم، بارگاہِ امامِ جلیل ہے   مطلع مصروفِ اہتمام یہاں جبرئیل ہے
چشمِ پُر آب، رشکِ وہ سلسبیل ہے   نذرِ حسینؑ تشنہ دہن، یہ سبیل ہے
جو، یاں عزا میں صرف ہو کیا کیا جزا ملے
جنت ہے کیا، حسینؑ ملے، اور خدا ملے

۲۳ آنکھوں کو شہ کی خشک زبانی پہ تر کریں — روتے پہ اپنے روئیں، عدالت اگر کریں
جس کارواں سرا سے شہِ دیں سفر کریں — سمجھیں وطن ہم اس کو خوشی سے بسر کریں؟
لذّت تھی خشک و تر کی شہِ بحر و بر کے ساتھ
امیدیں قطع ہو گئیں سب ان کے سر کے ساتھ

۲۴ ادنیٰ اسکے گھر جو فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں — کس کس ادب سے بیٹھ کے آنسو بہاتے ہیں
اس انجمن میں صاحبِ معراج آتے ہیں — ہم اور ذکر اپنی زبانوں پہ لاتے ہیں
نے دادِ گریہ ہے نہ صلہ شورِ شین کا
اور جانتے ہیں تعزیہ خانہ حسینؑ کا!

۲۵ گویا خبر نہیں کہ یہ دربار کون ہے — کس کی عزا ہے اور عزادار کون ہے
آنسو کا کیا بہا ہے، عزادار کون ہے — عاصی ہے کون، رحمتِ غفّار کون ہے
آیا نہیں خیال کہ یہ کیا مقام ہے
ادنیٰ ثواب روتے کا اعلیٰ مقام ہے

۲۶ گر آنکھ سے زیارتِ خیرُ الوَرا کریں — اور غور بے قراریِ خیرُ النّسا کریں
ایسا ہی پھر تو روئیں کہ محشر بپا کریں — لازم ہے بے مشاہدہ شورِ بکا کریں
کس کو یہاں رسولِ اُمَم دیکھتے نہیں
افسوس ہم کو یہ ہے کہ ہم دیکھتے نہیں

۲۷ اے ابرِ تر بتا، گہرِ بے بہا ہے کیا مطلع — اے بحر، فیضِ جاریِ رَبُّ العُلیٰ ہے کیا!
اے خضر، سب کی آنکھ میں آبِ بقا ہے کیا — اے عندلیبِ سِدرَہ، گُلِ مُدَّعا ہے کیا!
کس شے سے عاصیوں کو دو عالم میں چین ہے
کہتے ہیں سب، وہ اشکِ عزائے حسینؑ ہے

۲۸ باغِ جناں کے پھولوں کی شبنم یہ اشک ہیں — بنیادِ آبروئے دو عالم یہ اشک ہیں
عیسیٰؑ گل کے زخموں کا مرہم یہ اشک ہیں — خورشیدِ اوجِ ماہِ محرم یہ اشک ہیں
طاعت کا ان سے حُسن ہے اور زیب و زین ہے
نامِ خدا، یہ سُبحۂ ذکرِ حسینؑ ہے

۲۹ یہ اشک فوجِ شیعہ ہے یہ آہ ہے علم — زیرِ عمل قلم روِ جنّت ہے یک قلم
اور "آہ" وہ قلم ہے کہ قرآن کی قسم — جو پیے ورقِ براتؑ کی صورت کرے رقم
باندھا جو تار رونے کا کارِ نکو ہوا
پردہ گنہ کا فاش جو تھا وہ رفو ہوا

۳۰ لکھتے ہیں حسنِ اشک یہ ملّا ابوالحسن — اک پاسبان تھا مرا ہم سایہ، ہم وطن
ناگاہ تُندِ دُزدِ مرگ ہوا اس کا راہ زن — اس نے طلب کیا مجھے گھبرا کے دَفعتَن
بندے نے کچھ عقائدِ حَقَّہ بیان کیے
درباں پہ اہل بیت کے رتبے عیاں کیے

۳۱ آخر وہ سن کے سورۂ یٰسین مر گیا — درباں خدا کے گھر گیا، میں اپنے گھر گیا
ناگہ جہاں سے صاحبِؑ انجم گذر گیا — اور خواب کے خیال میں میں فرش پر گیا
پلکوں نے بند آنکھ کے حجروں کا در کیا
درباں نے عینِ خواب میں لیکن گذر کیا

۳۲ میں نے کیا سوال کہ انجام کیا ہوا — اس نے دیا جواب کہ فضلِ خدا ہوا
میں نے کہا کہ فضل تو اللہ کا ہوا — پر کیا وسیلۂ مددِ کبریا ہوا
خاطر سے کس کی حق نے گناہوں کو دھو دیا
اس نے کہا "حسینؑ حسینؑ" اور رو دیا

۳۳ بولا لرز کے پھر، کہ ہوا دفن میں جو نہیں — آئے کئی فرشتے لیے گرزِ آتشیں
وہ چاشنی قلق کی کبھی بھولتی نہیں — آمد تھی ان کی قہرِ خدا، ہل گئی زمیں
رُبِ محمدؐ تھی قہر اور مرے اعضا سپند تھے
اُف اُف کے شور ہر بنِ مو سے بلند تھے

۳۴ چمکاتے تھے ملائکہ گرزِ شرر فشاں — اور میرے ہر گنہ کا اشارہ یہ تھا، کہ ہاں
اس تہلکے میں شق ہوئی دیوار ناگہاں — آئی صدائے رحمتِ معبودِ انس و جاں
ٹھہرو فرشتو، ٹھہرو! اسے بخشواتے ہیں
ہاں، ہاں، ابھی عذاب نہ کرنا، ہم آتے ہیں

۳۵ ناگاہ کُنجِ قبر ہوا برجِ آفتاب　　در آیا لاکھ جہر سے واں اک فلک جناب
ماتھے سے تا بہ ناف جراحت تھی بے حساب　　روشن تھی رخ سے نیّرِ اکبر کی آب و تاب
گودی میں اپنے نیّرِ اصغر کو لائے تھے
ننھی سی ایک لاش گلے سے لگائے تھے

۳۶ آئے اور آکے میرے سرہانے ٹھہر گئے　　ڈر کر عذابِ قبر وہیں کوچ کر گئے
بگڑے ہوئے جو کام تھے وہ سب سنور گئے　　کیا جانے پھر گناہ کہاں تھے کدھر گئے
ہیبت سے قدسیوں کے جگر کانپنے لگے
حکم خدا سے آئے تھے پر کانپنے لگے

۳۷ ہاتھوں کو باندھا پھینک دیئے گُرزِ شعلہ بار　　کی عرض کیا حضور کی مرضی ہے، ہم نثار
لیکن یہ بندہ سب سے سوا ہے قصوروار　　فرمایا، پھر خدا کا کرم بھی ہے بے شمار
ہم پر ازل سے خالقِ اکبر کا پیار ہے
بخشا اسے بھی ہم کو، ہمیں اختیار ہے

۳۸ بولے فرشتے، کارِ ثواب اس سے کیا ہوا　　جو آپ کے حوالے یہ اہلِ خطا ہوا
فرمایا: اک جگہ مرا ماتم بپا ہوا　　یہ بھی شریکِ صحبتِ اہلِ عزا ہوا
لاتے ہیں شیعہ دفترِ اعمال دھونے کو
آنکھوں سے آتے ہیں مری مجلس میں رونے کو

۳۹ ذاکر نے سرنوشت ہماری جو کی بیاں　　بالیں پہ اس کی روتا تھا اک حیدری جواں
اک آنسو اس کے سر پہ گرا بہہ کے ناگہاں　　اس اشک کی ہوئی برکت جابجا عیاں
دنیا میں سر بلند یہ ناکام ہو گیا
اور آج مغفرت کا سرانجام ہو گیا

۴۰ وقتِ فشار نانا نے اس کو بچا لیا　　دوزخ بڑھا تو منع مری اماں نے کیا
دفتر کھلا گناہوں کا جو پیشِ کبریا　　موجود بابا جان تھے، پڑھ کر الٹ دیا
جنت کا در کشادہ پئے سیر کر دیا
ہم نے تو آ کے خاتمہ بالخیر کر دیا

۴۱ یہ سن کے سب ملائکہ ان پر ہوئے نثار　　میں پاؤں سے لپٹ کے پکارا بہ انکسار
تم کون ہو؟ کہ گھر میں خدا کے ہے اختیار　　رو کر کہا کہ بے کس و مظلوم و بے دیار
سب خلق جس کو روتی ہے میں وہ غریب ہوں
اللہ کا حسینؑ، نبیؐ کا حبیب ہوں

۴۲ مُلّا یہ خواب کہتو ہر اک خاص و عام سے　　آنسو کریں عزیز نہ ایسے امام سے
خدمت ادا ہوئی تھی نہ کچھ اس غلام سے　　پر واہ، بخشوایا ہے کس دھوم دھام سے
ڈھونڈھو گے خشک و تر میں تو کیا کیا نہ پاؤ گے
پر ایسا قدرداں کوئی آقا نہ پاؤ گے

۴۳ یہ اشکِ نوحؑ، کشتیِ طوفانِ حشر ہے　　نامِ خداؐ، نگینِ سلیمانؑ حشر ہے
یہ دُر ہے اور بہادرِ میدانِ حشر ہے　　مردُم کی یہ زرہ درمِ طغیانِ حشر ہے
یہ اشکِ شورِ کل نمکینی دکھائے گا
عصیاں کی شراب کو سرکہ بنائے گا

۴۴ شیعوں کا سینہ سدرہ ہے، دل جبرئیل ہے　　ہر بندے پر یہ حکمِ خدائے جلیل ہے
آنسو ترا ہے فدیہ، تو میرا خلیل ہے　　جاتا ہے سلسبیل کو تو یہ سبیل ہے
بندے، سمجھ کے حقِ خدا، رو حسینؑ کو
بخشا تجھے بھی اور ترے والدین کو

۴۵ اب طفلِ اشک راہِ خدا میں فدا کرو　　مثلِ خلیل بزمِ عزا میں بکا کرو
فریاد سوئے قبرِ رسولِ خدا کرو　　یا مصطفےٰؐ نظر طرفِ کربلا کرو
بچوں کی نوجوانوں کی قربانیاں ہوئیں
اور اب جدا حسینؑ سے سیدانیاں ہوئیں

۴۶ یاروحرم سرا میں قیامت کا وقت ہے　　مشکل کشا کی آل پہ آفت کا وقت ہے
دن ڈھل چکا ہے، شہ کی شہادت کا وقت ہے　　رن میں غروبِ مہرِ نبوت کا وقت ہے
زینبؑ کے دل کو داغِ برادر نصیب ہے
خنجر سے بوسہ گاہِ پیمبرؐ قریب ہے

۴۷ چھپتا ہے چاند فاتحِ بدر و حنین کا   اب کوچ آخری ہے شہِ مشرقین کا
کہتا ہے پیاسا فاطمہؑ کے نورِ عین کا   خشکی سے ڈوبتا ہے سفینہ حسینؑ کا
مہمانوں پر یہ ظلم کسی نے کیا نہیں
چوبیسواں پہر ہے کہ پانی پیا نہیں

۴۸ حضرت کو جس کی پیاس نہ دم بھر کی تھی پسند   دو ہا تھا دودھ جس کے پیے ہو کے شادمند
پیاسا وہ ذبح ہوتا ہے اب مثلِ گوسفند   منہ پیاس سے کھلا ہے اور آبِ رواں ہے بند
عاشق تھی فاطمہؑ بہت اس نورِ عین کی
امت سے آج کی نہ سفارش حسینؑ کی

۴۹ دریا میں ابن فاطمہؑ کو لے گئی تھی پیاس   چلو بھرا تھا پانی سے لائے تھے منہ کے پاس
ہے ہے، کیا حصین نے مہمان کا نہ پاس   مارا دہن پہ تیر، بھرا خون سے لباس!
دریا سے نکلے پیاس کا غم ٹالتے ہوئے
مقتل میں آئے منہ سے لہو ڈالتے ہوئے

۵۰ زینبؑ پکاری ہائے چھدا تیر سے دہن   کیا پانی نوش کرتے تھے، اے سیدِ زمن!
ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے کیا شہ نے یہ سخن   ظالم کو تیر مارنا تھا، مارا اے بہن
بھائی کی پیاس یاد تھی لب تر کیا نہ تھا
چلو میں میں نے پانی لیا تھا، پیا نہ تھا

۵۱ پھر تار حق کے شکر کا باندھا امام نے   زخمِ دہن کا بخیہ کیا، تشنہ کام نے
کی پشت سوئے خیمہ، رخ اعدا کے سامنے   اُگلے دہن سے لعل، شہِ خوش کلام نے
سب نے بیانِ راست پہ گردن کو خم کیا
قائل ہوئے، سکوت کیا، اور ستم کیا

۵۲ سمجھایا شہ نے، راہ پہ آؤ، کہا، نہیں   فرمایا، خیر پانی پلاؤ، کہا، نہیں
پوچھا: قصور میرا بتاؤ، کہا، نہیں   بولے: تو پھر ہمیں نہ ستاؤ، کہا نہیں
فرمایا: گھر بلا کے اسیرِ تعب کیا
بولے: تم آپ آئے ہو، کس نے طلب کیا

۵۳ فرمایا، جانے دو کہ مدینے کو جائیں ہم   وہ بولے، تیر کس کے جگر پر لگائیں ہم؟
فرمایا، اہل بیت کو پہنچا کے آئیں ہم؟   چلائے وہ کہ بلوے میں کن کو پھرائیں ہم؟
فرمایا، کچھ بھی تم کو مُروّت ہے یا نہیں
بولے کہ ہے، پر آلِ نبیؐ سے روا نہیں

۵۴ ناگہ کہا مؤکّلِ باراں نے، یا امام   برسا دے آگ ناریوں کی فوج پر غلام؟
اڑ کر کیا ہوا کے فرشتے نے یہ کلام   مولا جو حکم ہو تو اڑا دوں سپاہِ شام؟
بجلی تڑپ کے بولی کہ میں کوندتی پھروں
صرصر نے عرض کی یہ صفیں روندتی پھروں

۵۵ مولا ہنسے کہ وقت ہے ایسا ہی ہم پہ آج   فرمایا، ہم ازل سے ہیں مُستغنی المزاج
آتی ہے تم سبھوں کی تو پاس اپنے احتیاج   خالق پہ منحصر ہے مرے درد کا علاج
دکھ میں زمانہ آ کے مرے در پہ چین لے
اَستغفرُ اللہ، اور کا احسان حسین لے

۵۶ قرآن کا ناطق ہوں، خلفِ اَنزَعُ البَطین   قائم مقامِ قائدِ غُرُّ المُحَجّلین
فخرِ جہاں، امامِ شریعت، پناہِ دیں   آرام بخشِ چرخ، تسلّی دہِ زمیں
ہم نے بلند معجزوں کی قدر کو کیا
شق بدر کو، شکست صفِ بدر کو کیا

۵۷ یوسفؑ نے سعی عزیزوں سے چاہی، تو کیا ہوا   بندوں کی التجا میں عتابِ خدا ہوا
زنداں میں رنج سات برس کا سوا ہوا   اور جب خدا نے چاہا تو فوراً رہا ہوا
چھپ کر شجر میں کیا زکریاؑ کو پھل ملا
آرے سے زندگی کو پیامِ اجل ملا

۵۸ اپنی نظر فقط مددِ کبریا پہ ہے   گھر میں بھی اور لحد میں بھی تکیہ خدا پہ ہے
کچھ غم نہیں جو لشکر ناری ہوا پہ ہے   غالب یہ خاکسار فنا و بقا پہ ہے
لو دیکھ لو یہ معرکہ بھی یادگار ہے
غم کی یورش میں کیا بُرّشِ ذوالفقار ہے

۶۳ سنتا تھا یہ کہ جامے سے باہر تھی ذوالفقار   اور زیبِ قبضۂ شۂ صفدر تھی ذوالفقار!
ظالم رکے کہ سدِّ سکندر تھی ذوالفقار   جب تک رہی نیام میں بے پر تھی ذوالفقار
نکلی بس اور فدا ہوئی ابن بتول پر
بُلبل قفس سے چھوٹ کے جس طرح پھول پر

۶۴ تیغ علیؑ عروج پہ آئی میان سے   پرواز جبرئیل نے کی آشیان سے
لشکر کو حکمِ سلخ جو بخشا زبان سے   غرّہ کیا ہلال نے واں آسمان سے
اس کے حضور ماہ نہ جلوہ نما ہوا
بھاگا جو پاؤں رکھ کے وہ سر پر ہما ہوا

۶۵ تلوار کی وہ جست، وہ جوہر کا بندوبست   زنجیروں میں بندھا ہوا پھر اتھا شیر مست
جوہر تھے یا سجلؐ تھی وہ نصرت کی زیر دست   لکھا تھا دفتروں میں اسی خط سے شکست
لیتی تھی جائزہ تو کبھی رزم گاہ میں
پرچہرے فرد فرد کے تھے سب نگاہ میں

۶۶ کیا تیغ آبدار تھی جوہر سے خوش جمال   منجدھار میں کھڑے تھے پرے کھولے سر کے بال
جوہر تھے یا کہ شُتُکہ کے بیچ میں ہلال   یا صاف آئینہ تھی وہ شمشیر بے مثال
جوہر کے جن خطوں پہ سراپا گمان تھے
اہلِ نگہ کے تارِ نظر کے نشان تھے

۶۷ آواز دی براق نے ہاں ذوالجناح ہاں   ہمّت نے بے کسی سے کہا، تھام لے عناں
تنہائی کا ہجوم جلو میں ہوا عیاں   مظلومیت پرے سے بڑھی کھول کر نشاں
غل تھا نہ فوج ہے نہ علم دارِ نیک ہے
مثلِ خدا، حسینؑ دو عالم میں ایک ہے

۶۸ کونین دبدبے سے خبردار ہو گئے   عرشی فرشتے غاشیہ بردار ہو گئے
نقشِ قدم زمین کے سردار ہو گئے   ذرّے نگاہِ مہر سے زردار ہو گئے
جتنا حَشَم خَدَم تھا خدا کی جناب میں
آیا وہ سیّدُ الشہدا کی رکاب میں

۶۹ اعدا پہ دانت پیس کے تاسے ہوئے رواں   اور آستیں چڑھا کے اترائی کہکشاں
جھکا کے ماہِ نو کی سر وہی کو آسماں   چلائے ہاتھ جوڑ کے "یا شاہِ دوجہاںؑ"
گر ہاں کہیں حضور مخالف کو مار لیں
سب کے سرِ شقاوت سواری ابھی سر اتار لیں

۷۰ بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے   پر غرقِ عطرِ خونِ شہیداں وہ جامہ ہے
جوڑا شہانہ اور گلابی عمامہ ہے   طرّہ شہید ہونے کا اقرار نامہ ہے
مثلِ رفیقِ شاہ شملوں کے گوشے چھٹے ہوئے
گھر کی طرح اُمیدوں کی گلشن لٹے ہوئے

۷۱ آنکھوں سے عینِ رعبِ علیؑ آشکار ہے   سایہ پلک کا سرمۂ دنبالہ دار ہے
گلگونہ کربلا کی زمیں کا غبار ہے   چہرہ دمِ اخیر گلِ نو بہار ہے
یوں خوش چلے ہیں باغِ شہادت کی دید کو
جیسے نبی کے سامنے جاتے تھے عید کو

۷۲ طاؤس باغِ نور ہے، اسپِ شہِ زمن   پر مور چھل ہلاتی ہے خورشید کی کرن
سر پر ہما کے بال کی کلغی ہے بوسہ زن   گنڈا گلے میں حفظ خدا کا بنیا فگن
ٹھنڈی زمیں پہ دھوپ کی اب روشنی ہوئی
چمکے ہلال نعل کے، اور چاندنی ہوئی

۷۳ رن پھر گیا ہے نورِ شہِ دیں پناہ سے   دل ظالموں کا خوف سے، رخ گردِ راہ سے
کان اَلحَذَر کے شور سے، لب واہ واہ سے   لب واہ واہ سے تو زبان آہ آہ سے
یہ ڈر ہے ظالموں کو سخن سے جدا ال کے
پھرتے ہیں منہ میں کان سے پنبہ نکال کے

۷۴ جادو سے زور الگ ہے، دعا سے اثر جدا   پتھر سے لعل دور، صدف سے گہر جدا
آہو سے نافہ، نافے سے ہے مشکِ تر جدا   روبہ سے مکر، شیر سے ہے شور و شر جدا
پاسِ ادب امام کا سب کو ضرور ہے
شیشے سے بادہ، بادہ سے اب نشہ دور ہے

۷۵ ہر صف میں ہے پکار، جنابِ حسینؑ آئے — ہاں یارو ہوشیار، جنابِ حسینؑ آئے
دل سے گیا قرار، جنابِ حسینؑ آئے — حیدرؑ کے وَرثہ دار، جنابِ حسینؑ آئے
لو، آنکھ چار لاکھ کی جھپکاتے آتے ہیں
بجلی کو ذوالفقار کی چمکاتے آتے ہیں

۷۶ لکھا ہے اک شجاع بڑھا فوجِ شام سے — لرزاں تھی روح سام کی جس کی حسام سے
پرویز کو گریز نہ تھی اس کے دام سے — گردانِ روم کان پکڑتے تھے نام سے
جز عیبِ کفر، محض ہنر وہ دلیر تھا
منہ پر جھلم پڑی تھی کہ بُرقع میں شیر تھا

۷۷ اک پرتلا زری کا گلے میں پڑا ہوا — قبضہ طلائی تیغ رواں پر چڑھا ہوا
نقرہ سمند، شیروں سے کشتی لڑا ہوا — نیزہ وہ جس کی زد پہ نہ رستم کھڑا ہوا
چار آئینے سے شہر بدن تھا حصار میں
اندھیر اس کی ڈھال سے تھا روزگار میں

۷۸ ترکش میں تھے وہ نیش کہ دل ریش تھے دلیر — گرزِ گراں وہ پیش، زبردست جس سے زیر
پھل تیغ کا وہ زہر کہ پانی نہ مانگے شیر — خنجر وہ برقِ قہر کہ گرنے لگے نہ دیر
قبضے پہ ایک ہاتھ دھرے ایک باگ پر
یوں آیا نورِ حق پہ، دھواں جیسے آگ پر

۷۹ کافر نے تو بتوں کے لیے نام لاتعد — چلائی ذوالفقارِ علیؑ "یا علیؑ مدد"
پھر شومِ بد بڑھا تو ملی لعنتِ ابد — دینار کی طمع نے بھی دی نار کی سند
دیکھا جو آفتاب نے اس بے دریغ کو
آفت اُسے، اور آپ دی آقا کی تیغ کو

۸۰ بجنے لگے جلاجلِ وقرنا بہ شدّ و مد — حربے بھی، حملے بھی کیئے اس نے بجدّ وکد
نیزے کی زد، خدنگ کی زد، تیغِ کیں کی زد — مردانہ وار شہ نے کیے وار سارے رد
پھر آنکھ سے جو آنکھ ملائی حسینؑ نے
[illegible] حسینؑ نے

۸۱ ہمت شقی کی چھوڑ کے رن بھاگنے لگی — روبہ کی آنکھ بن کے ہرن بھاگنے لگی
منہ سے زبان، مثالِ سخن بھاگنے لگی — جاں قطع کر کے رشتۂ تن بھاگنے لگی
چھپٹے جو آپ رنگ پریدہ ٹھہر گیا
سر پر جو ذوالفقار چڑھی مُنّہ اُتر گیا

۸۲ بیٹھی یہ خود پر تو وہ سر میں سما گیا — سر گردنِ نجس میں مَع خود آگیا
گردن چھپی جو سینے میں، دل تھرتھرا گیا — بھاری تھا بوجھ، موئے کمر پیچ کھا گیا
آنے میں خود سر کے سرِ مو جو بل پڑا
مانندِ آبلہ کفِ پا سے نکل پڑا

۸۳ رخش اُس کا ذوالجناح کی ٹکر جو کھا گیا — گھوما وہ یوں کہ چرخ بھی چکّر میں آگیا
کاٹے جو پاؤں تیغ نے، آرام پا گیا — اڑ کر قدم جدا گیا اور سر جدا گیا
رہوار کے کٹے قدم و سر تو کیا ہوا
ناری کی خاک اُڑانے کی خاطر ہوا ہوا

۸۴ رستم اچھل کے قبر سے بولا، ہنر یہ ہے — جنّات وجد میں تھے کہ تیغِ ظفر یہ ہے
فرمایا حق نے کیوں نہ ہو، کس کا پسر یہ ہے — ہاں، میری فاطمہؑ کے شکم کا اثر یہ ہے
مولا جھکے سپاہ پہ ہوش و حواس سے
جوہر کی طرح صف پہ گری صف ہراس سے

۸۵ اک اک سے ذوالفقار نے کی صلح جنگ میں — مغفر سے تھی زرہ میں تو پاکھر سے تنگ میں
صیقل تھی چار آئینہ میں، پھل خدنگ میں — پانی کی طرح مل گئی ہر ایک رنگ میں!
ڈاب اک طرف کو ڈوب گئے پر تلے تلک
قطرہ تھا آبِ تیغ مگر تھا گلے تلک

۸۶ حرص و ہوا کی طرح سروں سے نکل گئی — آرام کی طرح جگروں سے نکل گئی
دکھلا کے اپنا بل کمروں سے نکل گئی — چار آئینوں سے اور سپروں سے نکل گئی
بے جسم شے کا کاٹنا تیغوں کی خو نہ تھی!
کاٹی جو اس نے ڈھال تو پھولوں میں بو نہ تھی

۷۵ ہر صف میں ہے پکار، جنابِ حسینؑ آئے — ہاں یارو ہوشیار، جنابِ حسینؑ آئے
دل سے گیا قرار، جنابِ حسینؑ آئے — حیدرؑ کے ورثہ دار، جنابِ حسینؑ آئے
لو آنکھ چار لاکھ کی جھپکاتے آتے ہیں
بجلی کو ذوالفقار کی چمکاتے آتے ہیں

۷۶ لکھا ہے اک شجاع بڑھا فوجِ شام سے — لرزاں تھی روحِ سام کی جس کی حُسام سے
پرویز کو گریز نہ تھی اس کے دام سے — گردانِ روم کان پکڑتے تھے نام سے
جز عیبِ کفر، عیبِ ہنر وہ دلیر تھا
منہ پر جھلم پڑی تھی کہ بُرقع میں شیر تھا

۷۷ اک بُرتلا زری کا گلے میں پڑا ہوا — قبضہ طلائی تیغِ رواں پر چڑھا ہوا
نُقرہ سمند، شیروں سے کشتی لڑا ہوا — نیزہ وہ جس کی زد پہ نہ رستم کھڑا ہوا
چار آئینے سے شہ بدن تھا حصار میں
اندھیرا اس کی ڈھال سے تھا روزگار میں

۷۸ ترکش میں تھے وہ نیش کہ دل ریش تھے دلیر — گرزِ گراں وہ پیش، زبردست جس سے زیر
پھل تیغ کا وہ زہر کہ پانی نہ مانگے شیر — خنجر وہ برقِ قہر کہ گرنے لگے نہ دیر
قبضے پہ ایک ہاتھ دھرے ایک باگ پر
یوں آیا نورِ حق پر، دھواں جیسے آگ پر

۷۹ کافر نے توبتوں کے لیے نام لاتُعدّ — چلائی ذوالفقارِ علیؑ "یا علیؑ مدد"
پھر شومِ بد بڑھا تو ملی لعنتِ اَبَد — دینار کی طمع نے بھی دی نار کی سند
دیکھا جو آفتاب نے اس بے دریغ کو
آفت اُسے، اور آب دی آقا کی تیغ کو

۸۰ بجنے لگے جلاجل و قرنا بہ شدّ و مد — حربے بھی، حملے بھی کیے اس نے بجدّ و کد
نیزے کی زد، خدنگ کی زد، تیغِ کیں کی زد — مردانہ وار شہ نے کیے وار سارے رد
پھر آنکھ سے جو آنکھ ملائی حسینؑ نے

۸۱ ہمت شقی کی چھوڑ کے رن بھاگنے لگی — روبہ کی آنکھ بن کے ہرن بھاگنے لگی
منہ سے زبان، مثالِ سخن بھاگنے لگی — جاں قطع کر کے رشتۂ تن بھاگنے لگی
چھپٹے جو آپ رنگ پریدہ ٹھہر گیا
سر پر جو ذوالفقار چڑھی مُنہ اُتر گیا

۸۲ بیٹھی یہ خود پر تو وہ سر میں سما گیا — سر گردنِ نجس میں مع خود آ گیا
گردن چھپی جو سینے میں، دل تھرتھرا گیا — بھاری تھا بوجھ، موئے کمر پیچ کھا گیا
آنے میں خود و سر کے سرِ مو جو بل پڑا
مانندِ آبلہ کفِ پا سے نکل پڑا

۸۳ رخش اس کا ذوالجناح کی ٹکر جو کھا گیا — گھوما وہ یوں کہ چرخ بھی چکر میں آ گیا
کاٹے جو پاؤں تیغ نے، آرام پا گیا — اڑ کر قدم جدا گیا اور سر جدا گیا
رہوار کے کٹے قدم و سر تو کیا ہوا
ناری کی خاک اُڑانے کی خاطر ہوا ہوا

۸۴ رستم اچھل کے قبر سے بولا، ہنر یہ ہے — جنات وجد میں تھے کہ تیغِ ظفر یہ ہے
فرمایا حق نے کیوں نہ ہو، کس کا پسر یہ ہے — ہاں، میری فاطمہؑ کے شکم کا اثر یہ ہے
مولا جھکے سپاہ پہ ہوش و حواس سے
جوہر کی طرح صف پہ گری صف ہراس سے

۸۵ اک اک سے ذوالفقار نے کی صلح جنگ میں — مِغفر سے تھی زرہ میں تو پاکھر سے تنگ میں
صیقل تھی چار آئینہ میں، پھل خدنگ میں — پانی کی طرح مل گئی ہر ایک رنگ میں!
ڈابے اک طرف کو ڈوب گئے پر تلے تلک
قطرہ تھا آبِ تیغ مگر تھا گلے تلک

۸۶ حرص و ہوا کی طرح سروں سے نکل گئی — آرام کی طرح جگروں سے نکل گئی
دکھلا کے اپنا بل کمروں سے نکل گئی — چار آئینوں سے اور سپروں سے نکل گئی
بے جسم شے کا کاٹنا تیغوں کی خو نہ تھی!
کاٹی جو اس نے ڈھال تو پھولوں میں بو نہ تھی

۸۷ بولے فلک یہ سیفِ علم ہے تو ہم نہیں   سر بھی پکارے اس کا قدم ہے تو ہم نہیں
چلائی سانس، تیغ کا دم ہے تو ہم نہیں   ہر فرد نے کہا یہ قلم ہے تو ہم نہیں
منہ تھے کھلے پہ خوف سے گویا نہ ہوتے تھے
اطفالِ بے زباں کی طرح زخم روتے تھے

۸۸ جب یہ علی کمر سے کمربند تھا جدا   روح و بدن کے ربط کا پیوند تھا جدا
مانند دردِ عیش کا ہر بند تھا جدا   محشر تھا یہ کہ باپ سے فرزند تھا جدا
کس تیغ کے وہ منہ سے ہر بات اس سے جو ہوئی
زخمی کے لب سے آہ جو نکلی وہ دو ہوئی

۸۹ رستہ نہ تھا سروں پہ پھری اور ہوا ہوئی   تیری لہو میں، ڈوبی ترٹی اور ہوا ہوئی
بدلی کی طرح مڑ کے گھری اور ہوا ہوئی   بجلی گرائی خود بھی گری اور ہوا ہوئی
پانی بھرا گھٹا نے یہ طوفاں عیاں ہوا
"یا اَرضُ ابلَعِی" سبقِ آسماں ہوا

۹۰ رن ایک سمت شہروں میں شورِ عظیم تھا   یہ کاٹ تھا کہ قہرِ خدائے علیم تھا
اس وقت جو خیال تھا دل میں دو نیم تھا   لشکر میں حالِ حاضر و غائب سقیم تھا
ہنگامِ ضرب یادِ عزیزوں میں جو ہوا
یہ زیرِ تیغ دو ہوا وہ گھر میں دو ہوا

۹۱ شامی کباب تھے یہ ہوئی جب شرر فشاں   اہلِ تتار بن کے ہرن رن سے تھے رواں
مصری نہ بات کر سکے اور بولے "الاماں"   بت بن کے گبر رہ گئے، پتھرائی پتلیاں
زردار زرد ہو کے گلِ اشرفی بنے
نصرانی خاک بن کے گلِ ارمنی بنے

۹۲ بارانِ آبِ تیغ سے ہستی کے گھر بہے   تخمِ بدی شمر کا بچا، سب شجر بہے
بے مغزوں کے حباب کے مانند سر بہے   سوتے تھے جو زمیں میں وہ افلاک پر بہے
جز آبِ تیغ منہ میں نہ برسے تھے سر کبھو
کتنا تھا اب برس کے نہ برسوں گا پھر کبھو

۹۳ اونچی ہوئی تو اوجِ فلک پر چلی گئی !   ظلمت میں صاف مثلِ سکندر چلی گئی!
مانندِ نبض ہاتھ کے اندر چلی گئی !   سینے میں ٹھہری، دم لیا، باہر چلی گئی!
ممکن نہیں کسی سے کمال اس نے جو کیا
اڑنے دیا نہ رنگ کو چہرے پہ دو کیا

۹۴ بو کی طرح دماغوں میں آئی چلی گئی   مثلِ ہوا سروں میں سمائی چلی گئی
شعلے کی طرح آگ لگائی چلی گئی   صرصر کی طرح باگ اٹھائی چلی گئی
سینے میں صاف آتی تھی اور صاف جاتی تھی
اندازِ دم کی آمد و شد کا دکھاتی تھی

۹۵ ہر وار پر تھا خلعتِ صَلِّ علیٰ نصیب   کیا خوش نصیب تیغِ علیؑ تھی، خوشا نصیب
غل سن کے اپنی ضرب کا کھلتی تھی بانصیب   ایسا نہ ہو کہ جاگ اٹھے فوج کا نصیب
جو جاگتا تھا کشتۂ شمشیر ہو گیا
سوتا نصیب کے لیے اکسیر ہو گیا

۹۶ خورشید کا چلن یہ چلی ہو کے مہرباں   تحویل کی جو خود میں نور روز تھا عیاں
چمکے شبِ برات کے طالع بھی ناگہاں   کیا کیا جھڑے نہ پھول، ہوئی جب شرر فشاں
غل تھا کہ لاکھ بات کی یہ ایک بات ہے
قدرت ہے کبریا کی نہ دن ہے نہ رات ہے

۹۷ کاٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو   پاؤں میں کج روی کو سروں میں غرور کو
سینے میں بغض و کینے کو دل میں فتور کو   نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زباں، زباں میں یہ کاٹ آئی بات کو

۹۸ پی پی کے خون جسم کا قوم جہول کے   جوہر نبی یہ شکلِ رگِ گُل پہ پھول کے
تن زرد ہو گئے سپہِ بد اصول کے   غولِ اشقیا کے غول بنے راہ بھول کے
پہنچے مگر ٹھکانے پہ امید و بیم میں
ہر ٹھواڑ میں بزرگوں کے یعنی جحیم میں

۹۹ محرابِ تیغ نے جو بریدہ گلو کیا   پھر قبلے کی طرف کو نہ اعدا نے رو کیا
جھک جھک کے ڈھونڈ ڈھونڈ کے خونِ عدو کیا   ہر دم لہو سے تیغ نے تازہ وضو کیا
اُٹھی تو سوئے شاہِ خوش القاب پھر گئی
کعبہ پکارا قبلے کو محراب پھر گئی

۱۰۰ ایک منہ کے چار منہ پہ کسی کے بنا گئی   یکتائی کا غرور دلوں سے مٹا گئی
دو کر کے تن کو نقشۂ ثانی دکھا گئی   توحید کو بہ حُجّتِ قاطع بتا گئی
کوئی ہے میری ضرب سے دو، کوئی چار ہے
باقی رہا جو ایک وہ پروردگار ہے

۱۰۱ ناگہ ندا سنی کہ عبادت کا وقت ہے   خنجر تلے قضا کی فضیلت کا وقت ہے
شبیرؑ بس، نمازِ شہادت کا وقت ہے   مانگو دعا، یہ بخششِ اُمّت کا وقت ہے
اب تم ہو اور حضورِ حیِ قیّوم ہے، حسینؑ
یہ سر جھکا کے بولے کہ محکوم ہے، حسینؑ

۱۰۲ پھر جنگ پر نہ رغبت سلطانِ دیں رہی   آگے بڑھی نہ تیغ، جہاں تھی وہیں رہی
کاٹے نہ حلق مثلِ گریباں قریں رہی   ماتھے پہ دھار صورتِ چینِ جبیں رہی
زرغے سے شہ نے تیغِ حجازی نکال لی
امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی سنبھال لی

۱۰۳ پر آہ، یاں نیام میں آنا حُسام کا   اور ٹوٹنا حسینؑ پہ واں فوجِ شام کا
چلّایا نام لے کے عمر، خاص و عام کا   اے مرحبا، یہ حملہ کیا تم نے کام کا
ہاں میرے رستمو، نہ اماں دو حسینؑ کو
گھوڑے سے برچھیوں پہ اٹھا لو حسینؑ کو

۱۰۴ اُمڈیں علیؑ کے لال پہ فوجوں کی بدلیاں   اور سر پہ کوندنے لگیں تیغوں کی بجلیاں
وہ سامنے کے تیر، وہ پہلو کی برچھیاں   وہ انتہا کا ضعف، وہ گردش میں پُتلیاں
کیا وقت تھا کہ بھولے تھے سب کردگار کو
ہم تم تھے یاد، فاطمہؑ کی یادگار کو

۱۰۵ طاقت ہوئی جو طاق شہِ دیں پناہ کی   حسرت سے سوئے گنجِ شہیداں نگاہ کی
مڑ مڑ کے ذوالجناح نے دیکھا اور آہ کی   رو کر حسینؑ بولے، جو مرضی الٰہ کی،
دردِ جگر کی کس سے طلب داد کیجیے
بولا وہ بے زبان، کچھ ارشاد کیجیے

۱۰۶ شفقت سے ہاتھ گھوڑے کی گردن میں ڈال کر   بولے ہمیں کچھ آنکھ سے آتا نہیں نظر
گھوڑے تو چل کے گنجِ شہیداں میں غور کر   آرام کرتے ہیں علی اکبرؑ مرے کدھر؟
اے اسپِ باوفا مرے دل کو قرار دے
اس کا صلہ تجھے شہِ دُلدُلؐ سوار دے

۱۰۷ گھوڑا قدم قدم سوئے مقتل ہوا رواں   یعنی نہ شہ کے زخموں کو ہو صدمۂ تکاں
اک نوجواں کی لاش پہ ٹھہرا وہ بے زباں   بو سونگھ کر حسینؑ پکارے، یہی ہے یاں
بیٹھا جو ذوالجناح کہ آپ اتریں زیں سے
دو ہاتھ کانپتے ہوئے نکلے زمین سے

۱۰۸ ہاتھوں کے ساتھ آئی یہ آوازِ ناگہاں   ہے ہے یہ گھر کے زخم کلیجے میں اَلاَماں
آکر اتارتے نہیں عباس ہیں کہاں   آؤ ہماری گود میں آؤ، نثار ماں
مر کر بھی ہم جدا نہیں، پیارے کے ساتھ ہیں
واری، یہ تیری پالنے والی کے ہاتھ ہیں

۱۰۹ کرتے تمہارے سیتی تھی ان سے بزیب و زین   سرمہ میں تیری آنکھ میں دیتی تھی نورِ عین
منہ کی بلائیں لیتی تھی، آتا تھا دل کو چین   اب ہیں یہ ہاتھ اور ترا ماتم ہے اے حسینؑ
ہو وے گا حشر، لوٹا ہے اُمّت نے گھر مرا
پایا خدا کے عرش کا ہے اور سر مرا،

۱۱۰ ان ہاتھوں کا ملا جو سہارا حسینؑ کو   مرکب نے بے تکان اتارا حسینؑ کو
نیزہ سناںؔ نے دوڑ کے مارا حسینؑ کو   پھر تو رہا نہ ضبط کا یارا حسینؑ کو
جلتی زمیں پہ غش کئی ساعت پڑے رہے
جلّاد گرد تیغوں کو کھینچے کھڑے رہے

۱۱۱ ہشیار ہو کے بیٹھے جو مولائے بیکساں — اک رخ پہ زرد خاک تھی اک پر لہو رواں
تھی فوج کو یہ جلدیِ قتلِ شہِ زماں — گرتا تھا اک پہ ایک لیے خنجر و سناں
رانڈیں تمام خاک لگائے جبیں پر
بیٹھی تھیں در کے پاس برابر زمیں پر

۱۱۲ حیران تھیں کہ ہائے یہ کیا ماجرے ہوئے — پیارے موئے، حسینؑ سے بے آسرے ہوئے
کاندھے پہ ماں کے ہاتھ سکینہ دھرے ہوئے — تکتی تھی رن کو آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
کہتی تھی، ہائے اماں میں بچپن میں لٹ گئی
کیسا یہ سال آیا کہ بابا سے چھٹ گئی

۱۱۳ اماں تمہارے واری، بلاؤ حضور کو — اب دل نہیں سنبھلتا، دکھاؤ حضور کو
پردہ کہاں کا، چل کے لے آؤ حضور کو — گھیرا ہے ظالموں نے، بچاؤ حضور کو
ہے ہے کسی کو میرے پدر کی خبر نہیں
اب کی سدھارے ایسے کہ گھر کی خبر نہیں

۱۱۴ ناگاہ غل اٹھا کہ مبارک ہو اے عمر — سینے پہ شاہِ دیں کے چڑھا شمرِ بدگہر
راوی بیان کرتا ہے کا نپا مرا جگر — پہنچی جو بارگاہِ حسینی میں یہ خبر
قبضے گرے نہ پردہ نشینوں کو کل پڑی
اور اک مخدّرہ تو کھلے سر نکل پڑی

۱۱۵ منہ زرد، ہونٹ نیلے، زبان خشک، پشت خم — رعشہ تھا اس جناب کو سر سے تا قدم
جو گوشوارے کانوں کے ہلتے تھے دم بدم — بُندے جو تھے عیاں تو یہ باعث تھا ہے ستم
نکلے تھے یوں کہ کچھ خبرِ دست و پا نہ تھی
موزہ نہ تھا، نقاب نہ تھی اور ردا نہ تھی

۱۱۶ رخ بدر تھا، پہ فاقہ کشی سے گھٹا ہوا — اور ماہِ نو کی طرح گریباں پھٹا ہوا
بڑھتی تھی رن کو بھینے سے دل تھا ہٹا ہوا — اور اک خیال چار طرف کو بٹا ہوا
تازہ لہو لگا تھا کسی کا جبیں پر
ہے ہے حسینؑ کہتی تھی گر کر زمین پر

۱۱۷ پوچھا کسی نے کون ہو تم اے فلک وقار — بولی، عزیز مردہ، بہتّرؑ کی سوگوار
ماتم کی صف سے آئی ہوں اٹھ کر میں دل فگار — دیکھوں یہاں دکھاتا ہے کیا میرا کردگار
ماں وہ ہے جس کو چادرِ تطہیر آئی ہے
تم جس کو قتل کرتے ہو یہ میرا بھائی ہے

۱۱۸ بنتِ علیؑ ہوں، جعفرِ طیار کی بہو — زینبؑ ہے نام، عاشقِ شبیرِ نیک خو
پہلے پسر فدا کیے، اِس وقت آبرو — حاضر ہے سر بھی اُن کے عوض کاٹ لیں عدو
یثرب کی فاطمہؑ کے مسافر کو راہ دو
میرے حسینؑ بھائی کو لوگو پناہ دو

۱۱۹ غش میں سنے حسینؑ نے زینبؑ کے یہ کلام — سینے پہ شمر تھا، پہ تڑپنے لگے امام
قاتل نے اُس قلق میں گلے پر دھری حسام — رو کر کہا حسینؑ نے بیدرد، تیغ تھام
آخر ترے ستم سے نہ خیمے میں کل پڑی
تھم جا، ارے غضب ہوا زینبؑ نکل پڑی

۱۲۰ زینبؑ پکاری، آمرے ماں جائے بھائی جاں! — رستہ نہیں جو آگے بہن آئے بھائی جاں
تم واں تڑپ رہے ہو، میں یاں، ہائے بھائی جاں — کس سے کہوں جو تم کو بچا جائے بھائی جاں
جو جو دکھا رہا ہے فلک دیکھتی ہوں میں
تلوار کی گلے پہ چمک دیکھتی ہوں میں

۱۲۱ واں کاٹتا تھا حلق نبی زادے کا لعیں — حضرت بہن کے دھیان میں تھے مضطر و حزیں
ہر ضرب پر یہ پوچھتے جاتے تھے شاہِ دیں — زینبؑ تو ذبح ہوتے مجھے دیکھتی نہیں
بے سر اتارے تیغ تو اب تھا منا نہیں
پر یہ بتا سکینہ کا تو سامنا نہیں

۱۲۲ لو شیعو، اب نہ پوچھو کہ مقتل میں کیا ہوا — تم بے امام ہو گئے، محشر بپا ہوا
ہفتاد ضربتوں سے قلم ایک گلا ہوا — بھائی بہن پہ پیاس کا صدمہ سوا ہوا
حضرت کو موت سے نہ رہائے سخن ملی
جب سر جدا ہوا تو گلے سے بہن ملی

۱۲۳ لو شیعو، اب نہ پوچھو کہ ہلتے ہیں مشرقین   قاتل نے عین سجدے میں کاٹا سرِ حسینؑ
زینب کی بے قراری پہ واجب ہے شور و شین   ضعفِ بصر سے مر گیا زہراؑ کا نورِ عین
آنکھوں میں ہے سیاہ فلک بھی زمین بھی
گھٹنے بھی شق ہیں، کھنیاں بھی اور جبین بھی

۱۲۴ بوئے حسینؑ سونگھ کے آئی ہے لاش پر   پھیلا کے ہاتھ دیکھتی ہے سینۂ و جگر
کاندھوں پہ ہاتھ رکھتی ہے اور ڈھونڈھتی ہے سر   ملتا نہیں جو سر تو یہ کہتی ہے پیٹ کر
بینائی آنکھ کی گئی دل غم سے پھٹ گیا
اے خوں بھرے بدن ترا سر ہے کہ کٹ گیا

۱۲۵ تا گر یہ بڑھ کے خولیِ ملعوں نے دی ندا   زینبؑ یہ دیکھو نیزے پر سر ہے حسینؑ کا
سننا تھا یہ کہ غش ہوئی وہ کہہ کے "وا اخا"   بس اے دبیر کانپتا ہے عرشِ ذوالعلا
صدمے سے کربلا کی زمیں تھرتھراتی ہے
اب فاطمہؑ، حسینؑ کے لاشے پہ آتی ہے

۱۲۶ اے میرے مہربان برادر، حسینؑ جان   بیووں کے قدرداں، برادر، حسینؑ جان
بے ہے مرے جواں برادر، حسینؑ جان   اے میرے کم زبان برادر، حسینؑ جان
ڈھارس بہن کے دل کو دم اضطراب دو
اکبر کی نوجوانی کا صدقہ جواب دو!

۱۲۷ اے قلعۂ پناہِ غریبانِ بے پناہ   اے ناخدائے کشتیِ پیغمبرِ الٰہ
رانڈوں کے وارث اور یتیموں کے بادشاہ   اُمّت کے سرپرست، خلائق کے خیر خواہ
سب کو حضور بے کس و بے یار کر گئے
شیعہ حقیر ہو گئے، سادات مر گئے

۱۲۸ بس اب تو ہے سکوت کا ہنگام، اے دبیر   ہوتا ہے نظم میں تجھے الہام، اے دبیر
بیجا ہے رنجِ گردشِ ایام، اے دبیر   سوئے نجف یہ کہہ سحر و شام، اے دبیر
یا مرتضیٰ علی کرمت بے نہایت است
ہنگامِ دستگیری و وقتِ عنایت است

۱۔ اگر یہ بند نہ پڑھا جائے تو آگے کے تین بند مزید پڑھے جا سکتے ہیں۔ ورنہ مرثیہ ختم ہو جاتا ہے۔

تحقیقِ متن

- قلمی نسخہ : میرا ذاتی قلمی نسخہ جس کی تاریخ ۱۲۷۰ھ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کو دوسری نظر سے گذرنے کے بعد درست کیا گیا ہے۔
- نسخہ نول کشور: جلد اول مرثیۂ دبیر طبع اول ۱۸۷۵ء صفحہ ۲۳۵

دفترِ ماتم، جلد ۱۲ ص ۱۰۴ طبع اول لکھنؤ ۱۸۹۷ء

بند ۱، ۲ : معلوم ہوتا ہے مرزا صاحب نے اس مرثیے کو بار بار دیکھا ہے اور ہر مرتبہ ترمیم و تنسیخ ہوئی۔ نول کشور پریس کے نسخے اور دفترِ ماتم مقابلے سے ہمیں دو قلمی معاصر نسخوں کی روایت ملتی ہے، پھر خود ہمارے نسخے کا تقابلی مطالعہ یہ ہے۔

نول کشوری نسخے میں، ہمارے متن کا پہلا بند ایک مطبعی غلطی کے علاوہ اختلاف سے خالی ہے۔ چھاپ خانے کی غلطی یہ ہے کہ پہلے مصرع کی ردیف صحیح نہیں لکھی، مصرع یوں درج کیا ہے:

"کس کی زباں سے پیاس نے پائی یہ آبرو"

دفترِ ماتم میں پہلے بند کے مصرعوں پر کچھ اشارے لکھے ہیں پھر ان کے متبادل مصرعے یک جا لکھ دیے ہیں۔

کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو   کس[۱] تشنہ لب کے حصے میں آئی ہے آبرو
ایماں[۲] کس کی خاک پہ لائی ہے آبرو   آنسو میں کس کے غم نے سمائی ہے آبرو
پیاسا[۳] موا ہے کون عزیزوں سے چھوٹ کر
روتے ہیں یہ حباب کسے پھوٹ پھوٹ کر

آنکھوں[۱] میں کس گہر کی سمائی ہے آبرو   آنسو[۲] کی کس کے غم نے بڑھائی ہے آبرو
ہم[۳] سب کو کس کے غم میں سدا شیوا کذا شین ہے   دریا میں شور ہے کہ وہ پیاسا حسینؑ ہے
کس[۴] پیاسے کے قلق میں ہمیں شور و شین ہے
پوچھا جو نام پیاس پکاری حسینؑ ہے

نول کشوری نسخے میں دوسرا بند یہ ہے :

کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو　　ایمان کس کی خاک پہ لائی ہے آبرو !
آنکھوں میں کس کے غم کی سمائی ہے آبرو　　آنکھوں کی کس کے غم نے بڑھائی ہے آبرو
ہم سب کو کس کے غم میں سدا شور و شین ہے
دریا میں شور ہے کہ وہ پیاسا حسینؑ ہے

قلمی نسخے میں مصرعوں کے تبادلے نے تین بندوں کی صورت اختیار کی ہے۔

بند ۸ : نول کشور، دفترِ ماتم، مصرع ۱ :

ہنسنے لگے حسنؑ کہ نہ تکلیف کیجیے

نول کشور، دفترِ ماتم، مصرع ۲ :

کوزہ ہٹا کے بولے : بھلا لے تو لیجیے!

دفترِ ماتم، مصرع ۳ :

صدقے کیا یہ دودھ، میں پی لوں تو دیجیے

بند ۹ : نول کشور، دفترِ ماتم، قلمی نسخہ، مصرع ۴ :

"ہنستے تھے مثلِ غنچہ، نہ پھولے سماتے تھے

لیکن قلمی نسخے میں حاشیہ پر ایک مصرع بدل یہ لکھا ہے :

"ہنستے تھے کھل کھلا کے، نہ پھولے سماتے تھے"

قلمی مرثیہ مصرع ۶ "چھلک" لکھ کر اس کے نیچے "چمک" لکھا ہے۔

بند ۱۰ : قلمی نسخہ، مصرع ۱، ۲ :

ماتھے سے جو پسینے کے قطرے ڈھلک پڑے　　زہراؑ کے آنسو ساتھ عرق کے ٹپک پڑے

پھر ان پر خط کھینچ کے "نسخہ" کے عنوان سے مذکورہ متن مصرعے لکھے ہیں، جو دونوں مطبوعہ نسخوں کے مطابق ہیں۔

بند ۱۱ : نسخہ نول کشور میں نہیں ہے۔ قلمی نسخے میں دوسرا مصرع حاشیہ پر یوں بھی لکھا ہے :

منہ دیکھ کر حسینؑ کا رونے لگی بتولؑ

بند ۱۲ : دفترِ ماتم، نول کشور، مصرع ۲ :

مجھ کو تو جو حسنؑ ہے تمہارا وہی حسینؑ

بند ۱۳ : دفترِ ماتم مصرع اول : " دو بانی تے دودھ کے پیاسے تھے دونوں لال

نول کشور، دفترِ ماتم، مصرع ۵ :

" حاضر ہوں میں اب ان کی ضیافت کے واسطے

بند ۱۴ : دفترِ ماتم، نول کشور مصرع ۴ :

پیدا ہوئے تو دودھ کو ترسے یہ، ہے غضب!

بند ۱۵ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ : "کیسا بتولؑ روئیں یہ دوڑے جو سوئے جام"

دفترِ ماتم، مصرع ۴ : کیا تڑپی ہوں گی قبر میں خاتونِ نیک نام

بند ۱۸ : نول کشور، دفترِ ماتم، مصرع ۶ :

ان کا یہ کہنا پانی سے بے آس ہے حسینؑ

بند ۲۱ : دفترِ ماتم، مصرع ۶ : نور اٹھ گیا زمیں سے پھر کیا ہے، خاک ہے

بند ۲۲ : دفترِ ماتم میں ہے۔ نول کشور نسخے اور قلمی نسخے میں موجود نہیں۔

بند ۲۶ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۴ :

لازم ہے بے مشاہدہ شور و بکا کریں

دفترِ ماتم مصرع ۶ : اس دیکھنے کو حیف ہے ہم دیکھتے نہیں

دفترِ ماتم میں، مرزا صاحب نے نئے مطلع اور اس کی مناسبت سے سولہ بند لکھے ہیں اور کاتب نے بے ربط لکھ دیا جس سے پورا مرثیہ غیر مرتب ہو گیا۔ یعنی دفترِ ماتم میں صفحہ ۱۱۲ کا بند نمبر ۶، ہے (زیرِ نظر ترتیب میں بند نمبر ۶۸)

بر میں نبیؐ کا جامۂ عنبر شمامہ ہے　　پر عرق عطر خونِ شہیداں وہ جامہ ہے

اس کے بعد مطلع اس سے مربوط بند :

اے ابرِ تر بتا گہر بے بہا ہے کیا　　اے بحرِ فیضِ جاریِ ربّ العلا ہے کیا

ہم نے اس اضافہ کو مسلسل و مربوط بنانے کے لیے دفترِ ماتم کے بندوں کی ترتیب بدل دی ہے یہ سولہ بند، نہ ہمارے قلمی نسخے میں ہیں نہ نول کشور کے مطبوعہ نسخے ہیں۔

بند ۲۷، تا ۴۲ : دفترِ ماتم کی ترتیب میں نمبر ۷، سے ۹۲ تک ہے۔ قدرے اختلاف ہے۔

بند ۴۳ : قلمی نسخہ، نول کشور میں بیت مطابق متن ہے، لیکن دفترِ ماتم کی بیت ہے :

بے آگ کے کباب کرے گا عذاب کو　　سرکہ بنائے گا یہ گنہ کی شراب کو

بند۴۴: دفترِ ماتم میں یہ بند ایک مرتبہ نمبر ۲۸ پر درج ہے دوبارہ نمبر ۹۶ پر
بند۴۵: دفترِ ماتم میں بند ۲۹ اور ۷۰ ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ بند ۳۱ پر چار مصرعے ذرا بدل کے بیت برقرار رکھی ہے اور اسے مطلع قرار دیا ہے۔

یا مصطفیٰؐ نظر طرف کربلا کرو! — یا مرتضیٰؑ حمایت آلِ عبا کرو
یا فاطمہؑ حسینؑ کے غم میں بکا کرو — یا مجتبیٰؑ عزائے برادر بپا کرو
بچوں کی نوجوانوں کی قربانیاں ہوئیں
اور اب جدا حسینؑ سے سیدانیاں ہوئیں

بند۴۶ و ۴۷: قلمی مرثیہ میں نہیں ہیں۔
بند۴۸: نول کشور، مصرع ۲:
دریا تھا دودھ جس کے پیسے ہو کے دردمند
قلمی نسخہ، مصرع ۳: (متن میں)
"پیاسا وہ ذبح ہو گیا اب مثل گوسفند"
اور بین السطور " وہ ذبح ہوتا ہے اب "
بند۴۹: نول کشور، مصرع ۴:
مارا دہن پہ تیر، بھرا زخم سے لباس
بند ۵۳: نسخہ نول کشور، دفترِ ماتم مصرع ۱:
فرمایا، جاتے دو گے مدینے کو جائیں ہم
مصرع ۲: وہ بولے نیزے کس کے جگر پر لگائیں ہم
دفترِ ماتم بیت:
فرمایا، رحم دل میں کسی کے بیسے نہیں — بولے کہ ہے پر آلِ نبیؐ کے لیے نہیں
پھر حاشیہ پر نسخہ بدل لکھا ہے:
مانا کوئی سخن نہ شہِ تشنہ کام کا — تنہا پہ غول ٹوٹ پڑا اہلِ شام کا
دفترِ ماتم میں یہ بند مکرر ہے۔
بند۵۴: دفترِ ماتم، مصرع ۳:
اٹھ کر کیا ہوا کے فرشتے نے بھی سلام

نسخہ نول کشور، مصرع ۳:
اڑ کر کیا ہوا کے فرشتے نے بھی سلام
نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۴:
بولا، جو حکم ہو تو اڑا دوں میں فوجِ شام
قلمی نسخہ میں مصرع ۲ کے حاشیہ پر لکھا ہے "مؤکّل دریا"
بند ۵۵: قلمی نسخہ و نول کشور، مصرع ۳:
"آتی ہے تم سبھوں کی تو ہم پاس احتیاج"
بند۵۶: دفترِ ماتم، مصرع ۳:
حرزِ جہاں، امانِ شریعت، پناہ دیں"
بند۵۷: نسخہ نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۲:
"مسند ہو یا کہ قبر ہو، تکیہ خدا پہ ہے"
بند ۵۸: قلمی مرثیہ، مصرع ۶:
ہر چہرہ فرد فرد کا تھا سب نگاہ میں
متن کا مصرع دونوں مطبوعہ نسخوں کے مطابق ہے۔
بند ۶۲: قلمی نسخہ اور دفترِ ماتم، مصرع ۶:
"اہلِ نگہ کے تارِ نگہ کے نشان تھے"
متن مطابق نول کشور:
بند۶۳: دفترِ ماتم و نسخہ نول کشور مصرع ۳:
تنہائی کا ہجوم جلو میں ہوا عیاں
دفترِ ماتم مصرع ۴: مظلومیت پرے سے بڑھی کھول کر نشاں
قلمی مرثیہ اور نول کشور مظلومیت سبھوں سے بڑھی کھول کر نشاں
نسخہ نول کشور، دفترِ ماتم و حاشیہ نسخہ قلمی کی بیت ہے:
فرمایا ذوالجلال نے اپنے جلال سے — ہونا جدا نہ فاطمہؑ زہرا کے لال سے
بند۶۴: دفترِ ماتم مصرع ۳، ۴ کی ترتیب بدل ہوئی ہے۔
بند۶۷: نول کشور و دفترِ ماتم، مصرع ۶:

"جیسے نبیؐ کے سامنے آتے تھے عید کو"

بند۶۹: نول کشور و دفترِ ماتم و قلمی مرثیہ مصرع ۶:

"پھرتے ہیں منہ میں کان سے پنبہ نکال کے"

بند۷۲: قلمی نسخہ و نول کشور مصرع ۴:

"ارکانِ روم کان پکڑتے تھے نام سے"

بند۷۶: دفترِ ماتم، مصرع ۳:

مردانہ وار شہ نے کیے وار اس کے رد"

دفترِ ماتم، مصرع ۶: بنیادِ عرش و فرش ہلائی حسینؑ نے"

بند۷۷: دفترِ ماتم، نول کشور و حاشیہ قلمی:

پائی نہ راہ رنگ بھی اڑ کر ٹھہر گیا

بند۷۸: قلمی نسخہ بیت کی ردیف "پڑے" ہے متن مطابق نسخۂ نول کشور ہے۔

دفترِ ماتم کی بیت ہے۔

بندوں کو کھیل قدرتِ حق کا نظر پڑا   پاؤں سے خود موزے کو ے کر اتر پڑا

بند۷۹: نسخۂ نول کشور، مصرع ۴:

اڑ کر قدم جدا گیا اور سر جدا گیا

بند۸۰: نسخۂ نول کشور، مصرع ۲:

جنّات وجد میں تھے کہ تیغ دو سر یہ ہے

بند۸۱: نسخۂ نول کشور، مصرع ۱:

ناگاہ ذوالفقار نے کی صلح جنگ میں

بند۸۲: قلمی نسخے میں مصرع اول و دوم یہ ہے:

چمکی جو منہ پہ، عقل سروں سے نکل گئی   یے پر تو تھی پرے کے پروں سے نکل گئی

اور حاشیے پر مصرع بدل وہ لکھے ہیں جو ہم نے متن میں درج کیے ہیں، نسخۂ نول کشور و دفتر ماتم میں بھی یہ مصرعے اسی طرح چھپے ہیں۔

بیت میں بڑا اختلاف ہے۔ قلمی نسخے کے متن میں تو دونوں مصرعے اسی طرح جیسے میں نے نقل کیے ہیں، لیکن آخری جملہ یہ بھی لکھا ہے "تو پھولوں کی بو نہ تھی"۔ اسی کے ساتھ حاشیہ

پر مصرع بدل ہے "بر ریش (کذا) سے اس کی ڈھال کے پھولوں میں بو نہ تھی"

نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم میں بھی چھٹا مصرع یہی ہے۔

بند۸۴: نسخۂ نول کشور، مصرع ۲:

روح و بدن کے ربط کے پیوند تھا جدا

بند۸۵: قلمی نسخے کے حاشیہ پر متبادل بیت یہ بھی ہے۔

نے مرتے تھے، نہ جیتے تھے، لیکن سسکتے تھے   بھیگے تھے مرغِ روح کے پر، اڑ نہ سکتے تھے

بند۸۷: مطبوعہ نسخوں میں یہ بند نہیں ہے، قلمی مرثیے سے نقل ہے۔

بند۸۸: دفترِ ماتم میں یہ بند نہیں ہے۔ قلمی نسخہ، مصرع ۱ کا متبادل مصرعہ حاشیے پر یوں درج ہے:

"یاران ذوالفقار سے ہستی کے گھر بہے"

نسخۂ نول کشور مصرع ۲: مطابق متن ہے، لیکن قلمی نسخہ ہے۔

"تخم بدی عمر کا بچا، سب شجر بہے"

نسخۂ نول کشور، مصرع ۴:

"سوتے تھے جو زمیں پہ وہ افلاک پر بہے"

قلمی نسخہ، مصرع ۵:

جز آب تیغ منہ میں گرے تھے نہ سر کبھو

نسخۂ نول کشور میں ردیف "کبھی" ہے۔ "کبھو" مرثیے کی قدامت کا ثبوت ہے۔ جسے مرزا صاحب نے بعد میں ترک کر دیا ہوگا۔

یہ بند مرزا صاحب کے مرثیے "رہا تو کے بیٹر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے" کا بند نمبر ۶۲ ہے۔

بند۸۹: قلمی نسخہ و نول کشور، مصرع ۱:

عیسےؑ کی طرح اوج فلک پر چلی گئی

لیکن قلمی نسخے میں مصرع بدل ہے۔

اونچی ہوئی تو اوج فلک پر چلی گئی

بیت کا حاشیہ ہے:

بیٹھی جو پشت سر سے تو رو سے دوچار تھی   آنسو کی طرح دیدۂ مردم کے پار تھی

بند۹۰: صرف قلمی نسخے میں ہے، اور اس کے مصرع ۳، ۴، ۵، ۶ کے متبادل مصرعے بھی حاشیے

پر لکھے ہیں ۔ مثلاً مصرع ۳ و ۴ جو ہمارے متن میں ہے ۔ اصل میں وہ حاشیے پر درج ہیں ۔ متن کے مصرعے ہیں :

مانند شعلہ باگ اُٹھائے چلی گئی   آندھی کی طرح آگ لگائی، چلی گئی

اور بیت کا حاشیہ ہے :

یہ تیغ رن میں حلت و حرمت دکھا گئی   مچھلی سمجھ کے موت کو بے ذبح کھا گئی

نیز یہ بند، بند ۴۶ مرثیہ "بانو کے شیرخوار کو ہفتم سے پیاس ہے"

بند ۹۱ : قلمی و نسخۂ نول کشور "سونا نصیب کے لیے اکثیر ہو گیا"

بند ۹۲ : نول کشور، مصرع ۱ : خورشید کا چلن یہ چلی ہو کے تیم جاں

بند ۹۳ : دفترِ ماتم میں نہیں ہے، نسخۂ نول کشور میں پانچ بند پہلے لکھا ہے ۔

بند ۹۵ : قلمی نسخہ و دفترِ ماتم، مصرع ۲

"پھر قبلے کی طرف بھی نہ اعدا نے رو کیا"

قلمی نسخہ، مصرع ۳ حاشیے پر "چھپ چھپ کے"

نسخۂ نول کشور ۔

ہر دم لہو سے تیغ نے تازہ وضو کیا   جھک جھک کے دوڑ دوڑ کے خونِ عدو کیا

بند ۹۶ : دفترِ ماتم مصرع ۲ : دو کر کے تن کو نقش دوم یہ دکھا گئی

دفترِ ماتم مصرع ۴ : توحید کی یہ حجّت قاطع بتا گئی

نول کشور، مصرع ۴ : توحید کی یہ حجّت قاطع بتا گئی

بند ۹۷ : قلمی نسخہ و دفترِ ماتم، مصرع ۴ :

مانگو دعا ، یہ حصّۂ امت کا وقت ہے

نسخۂ نول کشور، مصرع ۵ : "اب تم اور حضوری معبود ہے، حسینؑ

۶ یہ سر جھکا کے بولے کہ موجود ہے حسینؑ

بند ۹۸ : قلمی نسخے کے حاشیہ اور دفترِ ماتم کی بیت مطابق متن، لیکن قلمی نسخے کا متن اور نسخۂ نول کشور کی بیت یہ ہے :

تیغ رواں پہ قبضۂ حکم خدا رہا   تسمہ گلے میں جس کے لگا تھا لگا رہا

دفترِ ماتم کے حاشیے پر نوٹ ہے کہ یہ بند، بند ۵۰ سے مربوط ہے ۔

بند ۱۰۱ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ : "راکب کو ذوالجناح نے دیکھا اور آہ کی"

مصرع ۵ : "سنتا ہے کون اپنی جو فریاد کیجیے

بند ۱۰۲ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ : شفقت سے ذوالجناح کی گردن پہ رکھ کے سر!

قلمی نسخے میں پانچواں مصرعہ ہے :

عاشق کو ان کے ان کے برابر اتار دے

لیکن قلمی نسخے کے حاشیے، دفترِ ماتم اور نسخۂ نول کشور میں بیت کا پہلا مصرعہ یہ ہے :

اے اسپ باوفا مرے دل کو قرار دے

بند ۱۰۳ : دفترِ ماتم، مصرع ۳ : "یعنی دکھیں نہ زخم تنِ سرورِ زماں"

بند ۱۰۵ : دفترِ ماتم و نول کشور مصرع ۱ :

"کرتے تمہارے سینتی تھی اس سے بزیب و زین"

قلمی نسخہ و دفترِ ماتم، مصرع ۲ :

سرمہ بھی تیری آنکھوں میں دیتی تھی نورِ عین

نول کشور، مصرع ۴ : "ماتم ہے یا حسینؑ"

بند ۱۰۶ : قلمی نسخہ، مصرع ۲ : مرکب سے ہاتھوں ہاتھ اتارا حسینؑ کو

بند ۱۱۱ : قلمی نسخہ مصرع ۶ : "موزہ نہ تھا، نقاب نہ تھا اور ردا نہ تھی"

لیکن دفترِ ماتم و نسخۂ نول کشور میں "نقاب نہ تھی" دراصل ناسخ سے پہلے "نقاب" کی تذکیر و تانیث میں اختلاف تھا، ناسخ کے بعد اہلِ لکھنؤ نے مؤنث تسلیم کر لیا۔

بند ۱۱۳ : نسخۂ نول کشور، مصرع ۶ :

"اب جس کو قتل کرتے ہو یہ میرا بھائی ہے"

دفترِ ماتم ، مصرع ۶ : اب جس کو قتل کرتے ہیں یہ میرا بھائی ہے

متن مطابق نسخۂ قلمی ۔

بند ۱۱۴ : قلمی نسخہ، مصرع ۴ : حاضر ہے سر بھی اُن کے عوض کاٹ لے عدو

بند ۱۱۵ : قلمی نسخہ، مصرع ۵ : دھڑکا تھا جس کے آنے کا وہ اب نکل پڑی

قلمی نسخے کا حاشیہ، دفترِ ماتم اور نسخۂ نول کشور مطابق متن

بند ۱۱۶ : نسخۂ نول کشور و دفترِ ماتم و حاشیہ نسخۂ قلمی میں بیت یوں ہے :

ہے ہے تمہارے حلق پہ تیغ جفا پھرے — مشکل کشا بھی آج خبر کو نہ آ پھرے

متن کی بیت قلمی نسخہ کے متن میں درج ہے۔

بند ۱۱۷: نسخہ نول کشور، مصرع ۲:

حضرت بہن کے دھیان میں تھے ششدر و حزیں

یہ بند اس مرثیہ میں بھی موجود ہے جس کا مطلع ہے۔

عصیاں کے عارضے سے جو دل ناتواں ہوا

بند ۱۱۸: یہ بند نسخۂ نول کشور میں نمبر ۱۰۰ پر ہے اور ہمارے متن کا بند نمبر ۱۱۹ نسخۂ نول کشور میں ۹۹ ہے۔ قلمی نسخے میں بند نمبر ۱۱۷ کے نیچے ترک میں لکھا ہے:

لو شیعو اب نہ پوچھو کہ جلتے ہیں مشرقین

پھر بند ۱۱۸ و ۱۱۹ پر نسخہ۔ نسخہ۔ درج ہے گویا، بند ۱۱۸ متروک ہے۔

بند ۱۱۹: قلمی نسخہ میں دوسرا مصرع ہے:

قاتل نے عین سجدے میں کاٹا سرِ حسینؑ

پھر اس مصرع کے نیچے متبادل مصرع لکھا ہے:

تم بے امام ہو گئے مارے گئے حسینؑ

یہی مصرع نسخہ نول کشور و دفترِ ماتم میں ہے۔

زینب کے حالِ غیر پہ واجب ہے شور و شین

"حالِ غیر پہ" کے نیچے متبادل فقرہ لکھا ہے "بے قراری پہ"

بند ۱۲۰: نسخہ نول کشور، مصرع ۳ "کاندھے پہ ہاتھ رکھنی ہے"

نول کشور و دفترِ ماتم مصرع ۵ "بینائی آنکھ میں نہیں"

بند ۱۲۱: نسخہ نول کشور و دفترِ ماتم میں مرثیہ اس بند پر ختم اور یہی مقطع ہے لیکن قلمی نسخے میں یہ بند موجود نہیں اس میں تین بند اور ہیں جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں۔

بند ۱۲۳، مرزا صاحب کا مرثیہ ہے:

"عصیاں کے عارضے سے جو دل ناتواں ہوا"

مذکورہ بند اس مرثیہ کا بھی مقطع ہے۔

فرہنگ

۱۔ شیردار: دودھ دینے والی۔

۲۔ تحسین: آفرین۔

۳۔ مُقتضا: تقاضہ، مطالبہ۔

۴۔ قُوت: خوراک۔

۵۔ دَفعتاً: اچانک۔ ضرورت شعری کی وجہ سے مرزا صاحب اس کا املا صوتی طریقے پر لکھتے ہیں۔

۶۔ عَندلیب: بُلبُل۔ سِدرَہ: حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کی ایک منزل جس پر پہنچ جبریل علیہ السلام رُک گئے تھے۔ عَندلیبِ سِدرَہ: کنایہ ہے جبرئیلؑ سے۔

۷۔ سُبحَہ: تسبیح۔

۸۔ بَرات: نجات

۹۔ دزدِ مَرگ: موت

۱۰۔ حاجِب: دربان

۱۱۔ مِجمَرَہ: انگیٹھی

۱۲۔ نَیَّرَہ: بڑا سیارہ۔ نَیَّرِ اکبر، سورج۔ نیّرِ اصغر، چاند۔

۱۳۔ سَرنَوِشت: قسمت، قسمت کا لکھا۔

۱۴۔ فِشار: قبر کا مرنے والے کو دبانا۔ بھینچنا۔

۱۵۔ مَردُم: مرد کی جمع، لوگ

۱۶۔ عصیان کی شراب کو سرکہ بنائے گا: نجس کو پاک، گنہ گار کو معاف کر دے گا، شراب اگر خاص عمل کے ذریعے سرکہ بن جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

۱۷۔ مُستَغنی المِزاج: فطرتاً بے نیاز آدمی۔

۱۸۔ بَطُن: تہہ کے معنی، پنہاں۔

۱۹۔ اَنْزَعُ الْبَطِیْن : حضرت علی علیہ السلام کا لقب ۔

۲۰۔ غُرُّ الْمُحَجَّلِیْن : روشن پیشانی والے گھوڑا۔ قائدِ غُرِّ الْمُحَجَّلِیْن : عمدہ، روشن، پیشانی والے گھوڑے سوار شہ شہسواروں کے رہنما و قائد۔ حضرت علی علیہ السلام کا لقب ۔

۲۱۔ زکریا علیہ السلام ایک نبی تھے جو اپنی قوم کی اَذیتوں سے بچنے کے لیے ایک درخت میں پناہ لینے گئے، قدرتِ خدا سے درخت کا شکم کھلا اور حضرت زکریا کے داخل ہوتے ہی وہ تنا بند ہو گیا۔ مگر دشمن نے اس درخت کو اس طرح کاٹا کہ زکریا علیہ السلام بھی دونیم ہو گئے ۔

۲۲۔ یُورِش : یورش، بھرپور حملہ۔ غول کا ٹوٹ پڑنا ۔ بُرِش۔ کاٹ۔ تیزی دونوں لفظوں میں تجنیس ہے ۔

۲۳۔ سَلْخ : کھال کھینچنا، چاند کے مہینے کی آخری دو تاریخیں۔

۲۴۔ غُرَّہ کرنا : چاند کا نکلنا۔ سلخ اور غُرَّہ، ہلال، آسمان میں مراعاۃ النظیر ہے ۔ اور فقط غُرَّہ و سَلَخ میں تضاد و تقابل ۔

۲۵۔ سَجِل ہونا : تحریر ہونا۔

۲۶۔ سُنبُلَہ : ایک برج کا نام

۲۷۔ غاشِیَہ بردار : غلام۔ شاہی سواری کی پرشش سے کر سواری کے ساتھ چلنے والا خادم۔ غاشیہ : وہ کپڑا جو آراستہ گھوڑے کی زین پر ڈال جاتا ہے کہ وہ گرد سے محفوظ رہے ۔ گردپوش۔

۲۸۔ سرِ سواری : سواری کے اوپر۔

۲۹۔ عَنْبَر شمامہ : عنبر کی خوشبو۔

۳۰۔ طُرَّہ : کلغی۔ وہ نشان جو پگڑی پر لگاتے ہیں ۔ امتیازی نشان ۔

۳۱۔ شَمْلَہ : عمامے کا وہ سرا جو گردن کی طرف یا کنپٹی کی طرف لٹکتا ہے ۔

۳۲۔ مورچھل : مور کے پروں کا پنکھا۔ ایک خوبصورت آلہ جس کے اوپر قیمتی بالوں یا مور کے پروں کا گچھا لگا کر، امیروں کے پر ہلاتے ہیں (مکھیاں دور رکھنے والی شئے)

۳۳۔ جِدال : بحث، جنگ ۔

۳۴۔ پنبہ : روئی ۔

۳۵۔ گُرْدان : اگُرد کی جمع (پہلوان ۔

۳۶۔ جِھِلْم : خود سے لگی ہوئی جالی کی نقاب، فولادی نقاب ۔ جو چہرے کی حفاظت کے لیے منہ پر ڈالی جاتی تھی ۔

۳۷۔ پَرتَلا : تلوار لٹکانے کا تسمہ ۔ ڈاب ۔

۳۸۔ نُقْرَہ سَمَنْد : سفید رنگ کا گھوڑا ۔

۳۹۔ لا تُعَدّ : بے شمار ۔ بہت زیادہ ۔

۴۰۔ جَلاجِل : جانجھ ۔ ایک قسم کا باجا، جسے ہاتھوں سے بجاتے ہیں ۔

۴۱۔ مِغْفَر : لوہے کی ٹوپی، ایک جنگی ٹوپی ۔ خود ۔

۴۲۔ ڈاب : نیام ۔ پرتلا ۔

۴۳۔ کمربند : پیٹی ۔

۴۴۔ تَری : پار ہوئی، تیر گئی ۔

۴۵۔ یا اَرْضُ ابْلَعِیْ : اے زمین نگل جا، پی جا۔ (قرآن مجید)

۴۶۔ گَبْر : آتش پرست ۔ کافر ۔

۴۷۔ گِلِ ارمنی : آرمنستان کی مٹی ۔ اَرْمَنی : عیسائی ۔ نصرانی ۔

۴۸۔ تَحْوِیل : سورج کا دورہ مکمل کر کے، برجِ حمل میں داخل ہونا ۔

۴۹۔ طالِع : بچے کی پیدائش کے وقت نجومی ساعت ۔ (اس بند میں خورشید، چلن، تحویل، نوروز، شبِ برات، طالع، دن رات، باہم متعدد مناسبتیں رکھنے والے الفاظ ہیں)

۵۰۔ زَلُو : جونک ۔ (دفترِ ماتم کے حاشیہ پر یہی معنے چھپے ہیں)

۵۱۔ ہَڑواڑ : قبرستان ۔

۵۲۔ حُجَّتِ قاطع : حریف کے دعوے کو ختم کر دینے والی دلیل ۔ مضبوط دلیل ۔

۵۳۔ امڈیں : گھر کر آئیں ۔ چھا گئیں ۔

۵۴۔ شہِ دُلدُل سوار : حضرت علی علیہ السلام ۔

۵۵۔ سنان : سنان ابن انس، وہ شخص جس نے امام علیہ السلام کو نیزہ مارا تھا ۔

۵۶۔ موزہ : جوتا، تلوے اور پنجے کو چھپاتے والا موزہ ۔

۵۷۔ چادرِ تطہیر : وہ چادر عصمت و طہارت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی،

حضرت فاطمۂ زہرا، حضرت امام حسن و حضرت امام حسینؑ جمع ہوئے تھے اور "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" (سورۃ الاحزاب کی ۳۳ ویں) آیت نازل ہوئی جس میں پنجتنِ پاک کو عصمت کاملہ کی سند دی گئی تھی — (ترجمہ) بلاشبہ اللہ نے ارادہ کیا کہ اہل بیت تم سے رجس (ہر قسم کی نجاست) کو دور کردے اور تمھیں وہ طہارت دے جو پاکیزگی کا حق ہے"

۵۸- وا اخا (کا) : ہائے بھائی۔

مرثیہ نمبر ۱۲

قدرت کے حوصلے کا تحمّل حُسین ہے

۸۸ بند

بیان شہادت امام حسین علیہ السلام

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگ الفاظ

مرثیہ پر نظر

مرثیہ کی اٹھان اور مصرعوں کا آہنگ دیکھ کر شبہ ہوتا ہے، جیسے کسی آج کے شاعر نے لکھا ہے:
مثلاً پہلا بند، خاص طور پر یہ بیت :

خوش ہو کے خاک میں چمن اپنا ملا دیا　　ایمان کو حسینؑ نے مر کر جلا دیا

بندوں کا کیا حساب ہے اور کیا شمار ہے
حیدرؑ کا لال یاورِ پروردگار ہے

اور یہ بند دیکھیے :

ایواں ہے جس کا عرش، وہ ایوان حسینؑ ہے　　قرآں ہے رحل جس کی، وہ قرآں حسینؑ ہے
قائل ہیں انبیائے سلف، جان حسینؑ ہے　　مورِ ضعیف سب ہیں، سلیماںؑ حسینؑ ہے
ایماں کے قافلے کو جو دیکھا جہان میں
یوسفؑ بھی خضر کو نہ ملے کاروان میں

ایمان جس کا پھل ہے وہ طوبا حسینؑ ہے　　کوثر ہے جس کا قطرہ وہ دریا حسینؑ ہے
بیمار سب جہاں ہے مسیحا حسینؑ ہے　　خالق کے بعد، بندوں میں یکتا حسینؑ ہے
یکتا یہ بندہ صبر و شکیبائی میں ہوا
جس کا کوئی شریک نہ تنہائی میں ہوا

یہ ندرتِ فکر اور زورِ بیان اس مرثیہ میں بہت نمایاں ہے۔ تنقیدی نظر سے دیکھیے اور سرسری نظر سے مطالعہ کر جائیے۔ آپ مرثیہ کو سادگی سے آراستہ اور شاعرانہ خوبیوں سے پیراستہ پائیں گے۔ صنعتوں کا التزام، محاسن لفظی و معنوی کا اہتمام نہ ہونے کے باوجود دبیر کا یہ کمال بڑی بے ساختگی سے نمایاں ہوتا ہے۔

مرثیہ اور بین کی کسک اور درد انگیزی و رقت خیزی کی تاثیر بھی پوری قوت سے محسوس ہوتی
[illegible] سامنے آتا ہے وہ طویل کو مختصر اور مرکب کو مفرد بنانے کا عمل ہے

مرثیہ، اپنے اجزاء کی وجہ سے پھیلاؤ چاہتا ہے، شاعر اپنی فنی قوت اظہار کی خاطر فکر و خیال کے پہلو نکالتا ہے خطیب جس قدر شیوا بیان ہوتا ہے اسی نسبت سے اس کی تقریر میں پہلو داری ہوتی ہے۔ ادیب کو جتنی مہارت ہوتی ہے اس کی عبارت میں اسی قدر پھیلاؤ ہوتا ہے۔ پھر شاعر و خطیب کی ذاتی حیثیت و محبوبیت بھی مجمع اور سامعین کا مطالبہ بدل دیتی ہے۔ اچھا شاعر اپنے سامعین اور قدردانوں کو مطمئن کرنے کے لیے نظم لکھتا ہے۔ مجمع میں اپنا کلام سناتا ہے۔ لوگ اثر لیتے ہیں کچھ لوگ اس نظم یا مرثیہ کو دوبارہ سننے کے لیے پھر مجلس کرتے ہیں۔ اور شاعر وہ کلام دوبارہ پڑھتا ہے۔ چونکہ چھوٹی بڑی مجلسیں بکثرت ہوتی تھیں اور اپنے دور میں مرزا صاحب ہر جگہ نہیں پڑھ سکتے تھے، اس لیے چھوٹے ذاکر مرزا صاحب کا مرثیہ ان سے لے کر پڑھتے تھے، شاعر کے نہ ہونے اور زبان کے بدلنے سے تاثیر کا بدلنا بھی ضروری ہے۔ مرزا صاحب دو سو بند پڑھتے تھے، لوگ دل جمعی سے سنتے تھے، دوسرے مرثیہ خوان کے لیے مشکل تھا کہ وہ مجمع کو اتنی دیر تک روک سکے لہذا وہ مرثیہ کو مختصر کرتے تھے، اس اختصار میں اجزا بے جوڑ اور فکر بے ربط ہو جاتی تھی۔

مرزا دبیر نے اپنے دوستوں اور قدردانوں کی خاطر ایک جدت اختیار کی اور مرثیہ میں اتنے موڑ رکھے کہ پڑھنے والا جہاں سے چاہے مرثیہ شروع کر دے اور جتنے وقت میں چاہے مرثیہ ختم کر دے اس طرح طویل مرثیہ کو مختصر کرنے کا طریقہ وضع ہو گیا، وہ مرثیہ میں متعدد مطالع کے موجد ہیں ایک ایک مرثیہ میں چار چار یا پانچ مطلع لکھے اور زیر نظر مرثیہ تو اٹھارہ مطلعوں پر مشتمل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب مجلس کی مناسبت سے مختصر پڑھنا چاہیں تو ابتدائی بند حسب موقع کم کر دے اور سترہ بند تک مطلعے نہ پڑھے تو اڑسٹھ بند باقی رہتے ہیں اور اگر آخری دو بند بھی نہ پڑھے تو چھیاسٹھ بند کم و بیش پون گھنٹے میں پڑھ سکتے ہیں۔

مرزا صاحب نے اس جدت کے علاوہ ایک نئی بات یہ کی ہے کہ آخر میں ایک بند عربی میں اور دوسرا بند اس کے ترجمے میں لکھا ہے، عربی کا بند کسی کی فرمائش سے لکھا ہے یا اظہار قدرت کے طور پر؟ انہوں نے مستقل عربی میں مشق سخن کے بغیر لکھا ہے یا اس زبان میں طبع آزمائی کر چکے تھے۔ سر دست اس سے بحث نہیں۔ لیکن اس سے ایک تو مرزا صاحب کی دسترس کا حال معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے اس نظر کی داد دینا پڑتی ہے کہ یہ دونوں بند مرثیہ کے جزو لاینفک نہیں بنائے۔ چنانچہ ان کی اشاعت دفتر ماتم میں تو ہوئی مگر اس کی روایت ہمارے قلمی مرثیے تک نہیں پہنچتی۔

دفتر ماتم میں مرثیہ کے آخر میں دو بند تخلص کے ہیں۔ پہلا بند ہمارے قلمی نسخے میں نہیں ہے۔ قلمی مرثیہ بیاسی بندوں پر مشتمل ہے اور دفتر ماتم کی ساتویں جلد میں اٹھاسی بند ہیں۔ نول کشور کے شائع کردہ مجموعے میں یہ مرثیہ موجود نہیں ہے۔ میں نے مطبوعہ اور قلمی مرثیہ کا تقابلی مطالعہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے۔

۱۔ دفتر ماتم جس مخطوطے کے پیش نظر چھاپا گیا ہے وہ قدیم نسخہ تھا اور میرا نسخہ اس کے بعد کا مخطوطہ ہے
۲۔ مرزا صاحب نے اس مرثیہ پر کم از کم تین مرتبہ نظر کی ہے، ابتدائی فکر کا نقش چھپا ہے اور اسی پر بعض بند مکرر لکھے۔ جنھیں بلا غور و فکر اسی طرح متن میں لکھ لیا گیا۔
۳۔ نظر ثانی شدہ مرثیہ پر پھر غور کیا گیا اور وہ متن تیار ہوا جس سے نقل تیار ہوئی ہے جسے میں نے زیر نظر متن کی بنیاد قرار دیا ہے۔
۴۔ میرا نسخہ جس مطلع سے شروع ہوتا ہے، دفتر ماتم میں وہ ساتواں مطلع ہے۔
(مطلعوں کی تفصیل بحث و تحقیق میں دیکھیے)
۵۔ دفتر ماتم میں بنیادی نسخے کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ میرا نسخہ اگرچہ بہت خوش خط نہیں مگر عام خطی نسخوں کے برخلاف اچھے خاصے تفصیلات کا حامل ہے۔

(الف) خط واضح ہے۔ املا غلط، کاتب لفظیں چھوڑنے، یا مکرر لکھنے کا عادی ہے۔

(ب) سرورق پر ۸۴ بند تحریر ہے جب کہ مرثیہ میں ۸۲ بند لکھے ہیں۔

(ج) بند نمبر ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۵۸، ۶۱ پر "لا" درج ہے یعنی مرثیہ خواں، یا خود کاتب مجلس پڑھتے ہوئے ان بندوں کو چھوڑ سکتا ہے۔

(د) دس ورق، ہر ورق میں چار بند، صفحہ ۸ تا ۱۱، اور صفحہ ۱۳ و ۱۵ پانچ بند، صفحہ ۲۰ تین بند۔ سائز کاپی کا ہے ــــ

(ھ) کاتب کا نام اکبر علی ہے ان کی قابلیت کے لیے ترقیمہ کی عبارت و املا ملاحظہ ہو:

"تمت تمام شد بوقت دو پاس روز باقی مندہ تمامی یافت۔
خط بدنمط عاصی اکبر علی تحریر بتاریخ بست و پنجم محرم الحرام ۱۲۷۳ھ ہجری"

کسی دوسرے قلم سے ۳ کو ۵ بنانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ۳ کا عدد صاف پڑھا جاتا ہے

(و) سرورق پر مندرجہ ذیل تحریر ہے:

(از) "تصنیفات جناب مرزا دبیر صاحب ہفدہ چیدہ مدح جناب سبطِ اکبر گفتہ اند،
قدرت کے حوصلہ کا تجمل حسین ہی

بند ۸۴

اور بالائی گوشے میں "مقابلہ نمودہ شد"

اسی گوشے کے داہنی طرف لکھا ہے: "قیمت ۲ر از اصغر علی، مالک شجاعت علی"

(ز) ۲۵ محرم ۱۲۷۲ھ یعنی ۲۵ ستمبر ۱۸۵۶ء میں مرزا صاحب کی عمر پچپن سال تھی اور لکھنؤ کی شاہی ختم ہو کر کمپنی کا راج قائم ہو چکا تھا۔

اس طرح یہ مرثیہ غدر سے پہلے کا تو بلاشبہ ثابت ہو گیا، لیکن مرثیے کا اسلوب بتاتا ہے کہ شاید یہ مرثیہ اس سے پندرہ بیس برس پہلے کی تصنیف ہو۔

مرثیہ

قدرت کے حوصلے کا تحمّل حسین ہے

۸۵ بند

بیان شہادت امام حسینؑ علیہ السلام

۱ قدرت کے حوصلے کا تحمّل حسینؑ ہے   سب جزو ہیں مقابلے میں کل حسینؑ ہے
بو جس کی باغ خلد ہے وہ گل حسینؑ ہے   گل جس کا عشق حق ہے وہ بلبل حسینؑ ہے
خوش ہو کے خاک میں چمن اپنا ملا دیا
ایماں کو حسینؑ نے مر کر جلا دیا

۲ آیاتِ ہفت[1] ہیکل گردوں، حسینؑ ہے مطلع   قرآن کا چنا ہوا مضموں، حسینؑ ہے
بحرِ علوم کا دُرِ[2] مکنوں، حسینؑ ہے   یوسفؑ ہے نثر، مصرعِ موزوں حسینؑ ہے
روشن ہے سب پہ، وِرد ہے یہ طفل و پیر کو
جوشن[3] ہے ان کا نام صغیر و کبیر کو

۳ قدرت کے آفتاب کا مطلع حسینؑ ہے مطلع   انوارِ انبیا کا مُرَقَّع[4] حسینؑ ہے
خُلق و سخا و حِلم کا مجمع حسینؑ ہے   مشکل میں خاص و عام کا مرجع[5] حسینؑ ہے
بندوں کا کیا حساب ہے اور کیا شمار ہے
حیدرؑ کا لال، یاورِ پروردگار ہے

۴ ہر مدرسے میں مصحفِ[6] ناطق حسینؑ ہے مطلع   گویا زبانِ مخبرِ[7] صادق حسینؑ ہے
معشوقِ خلق و عاشقِ خالق حسینؑ ہے   صلِّ علیٰ درود کے لائق حسینؑ ہے
حیدرؑ کی روح، فاطمہؑ کی جان جانیے
حق یہ ہے بس حسینؑ کو ایمان جانیے

۵ ایواں ہے جس کا عرش، وہ سلطان حسینؑ ہے مطلع قرآں ہے رحل جس کی وہ قرآں حسینؑ ہے
قائل ہیں انبیاءِ سلف، جانِ حسینؑ ہے مورِ ضعیف سب ہیں، سلیماںؑ حسینؑ ہے

ایماں کے قافلے کو جو دیکھا جہان میں
یوسفؑ بھی خضرؑ کو نہ ملا کاروان میں

۶ حرزِ گلوئے مصحفِ یزداں حسینؑ ہے مطلع تعویذِ حبِ خالقِ سبحاں حسینؑ ہے
انگشتری ہے شرع، سلیماں حسینؑ ہے شیعہ ہیں خضر، چشمۂ حیواں حسینؑ ہے

یہ آبرو ہے خضر علیہ الصلوٰۃ کی
خضر اک طرف، حیات ہے، آبِ حیات کی

۷ ایماں ہے کوہِ طور، تجلّی حسینؑ ہے مطلع شرعِ نبیؐ کی حدِ تعلّی حسینؑ ہے
یحییٰؑ کے دل کا صبر و تسلّی حسینؑ ہے محرابِ تیغِ شمر، مُصلّی، حسینؑ ہے

یوں فرض دینِ شیعہ میں حُبِّ امام ہے
جس طرح سے نماز میں واجب سلام ہے

۸ تسبیحِ دانہ ہای امامت حسینؑ ہے مطلع نامِ خدا، اذان و اقامت حسینؑ ہے
فالِ نجاتِ روزِ قیامت حسینؑ ہے اعجاز و وحی و فضل و کرامت حسینؑ ہے

یوں امر و نہی آپ کے دل سے گوارہ ہے
مرغوب جس طرح عملِ استخارہ ہے

۹ عطرِ گلِ ریاضِ امامت حسینؑ ہے مطلع فصلِ بہارِ باغِ شہادت حسینؑ ہے
مجموعۂ حدیقۂ قدرت حسینؑ ہے رضواں غلام، مالکِ جنّت حسینؑ ہے

نامِ نبی بڑھا خلفِ بوتراب سے
جیسے فزوں ہو بوئے گلاب آفتاب سے

۱۰ پشت و پناہِ یثرب و بطحا، حسینؑ ہے مطلع مختارِ دین و مالکِ دنیا حسینؑ ہے
درِ نجف میں گوہرِ یکتا حسینؑ ہے برجِ شرف میں نیّرِ زہرا حسینؑ ہے

صرفِ طوافِ لاش، فرشتوں کی فوج ہے

۱۱ ایمان جس کا پھل ہے وہ طوبا حسینؑ ہے مطلع کوثر ہے جس کا قطرہ وہ دریا حسینؑ ہے
بیمار سب جہاں ہے مسیحا حسینؑ ہے خالق کے بعد بندوں میں یکتا حسینؑ ہے

یکتا یہ بندہ صبر و شکیبائی میں ہوا
جس کا کوئی شریک نہ تنہائی میں ہوا

۱۲ دریا دلی میں ساقیِ کوثر حسینؑ ہے مطلع تشنہ لبی میں فخرِ سکندر حسینؑ ہے
نہ کشتیِ سپہر کا لنگر حسینؑ ہے گردابِ آبرو کا شناور حسینؑ ہے

مجھ کو قسم ہے تشنہ لبانِ فرات کی
طوفانِ حشر میں ہے یہ کشتی نجات کی

۱۳ حق کا زباں شناس و سخن رس حسینؑ ہے مطلع ایجاد سے مرادِ خدا، بس حسینؑ ہے
شمعِ حریمِ کعبۂ اقدس حسینؑ ہے رویا نہ کوئی جس کو وہ بیکس حسینؑ ہے

دسویں کو سر سے چھوٹ کے جہلم کو تن ملا
مدفن ملا، پر آہ! نہ غسل و کفن ملا

۱۴ دار القرارِ صبر و تحمّل حسینؑ ہے مطلع بیتُ الاثباتِ فقر و توکّل حسینؑ ہے
گنجینۂ شکوہ و تجمّل حسینؑ ہے حقّا امیدگاہ جزو و کل حسینؑ ہے

برتر ہے اوجِ عرش سے پایا حسینؑ کا
افضالِ ذوالجلال ہے سایا حسینؑ کا

۱۵ کوہِ شکوہِ صبر و تحمّل، حسینؑ ہے مطلع باغ و بہارِ فقر و توکّل، حسینؑ ہے
درجِ بیاضِ جاہ و تجمّل، حسینؑ ہے شیرازۂ حیاتِ جزو و کل، حسینؑ ہے

اس کا شرف نبیؐ ہے، نبیؐ کا شرف ہے یہ
یکتا ہے آبرو میں کہ درِ نجف ہے یہ

۱۶ کشور کشائے مغرب و مشرق، حسینؑ ہے مطلع مفتاحِ گنجِ حکمتِ خالق، حسینؑ ہے
طفلی سے ذوالجلال کا عاشق، حسینؑ ہے شاہد ہے صبحِ قتل کہ صادق، حسینؑ ہے

زینبؑ کی قید، رحلتِ اکبرؑ قبول کی
کی نذرِ حق تمام کمائی بتولؑ کی

۱۷ گلگوں قبائے آلِ پیمبرؐ حسینؑ ہے مطلعِ صاحب عزائے اکبر و اصغر حسینؑ ہے
محوِ رضائے خالقِ اکبر، حسینؑ ہے اللہ پر فدا مع لشکر حسینؑ ہے
نے طبل نے سپاہ نہ باقی علم رکھا
دل پیشِ نیزہ، سر تہہِ تیغِ دو دم رکھا

۱۸ بے فوج و بے علم جو امامِ مُبیں ہوا مطلعِ رخصت حرم سے قبلۂ دنیا و دیں ہوا
قرآنِ نور زیب دہِ رحلِ زیں ہوا غل پڑ گیا کہ طور پہ موسیٰؑ مکیں ہوا
دیکھو ذرا عروج علیؑ کے نشان کا
عیسیٰؑ نے پھر ارادہ کیا آسمان کا

۱۹ اس دبدبے سے رن کو چلا سیدِ غیور شوکت جلو میں، فتح قریب اور شکست دور
پرتو فگن ہوا جو رخِ شاہِ دیں کا نور ہر نقشِ پا زمیں پہ بنا صافِ چشمِ حور
دیکھا گیا نہ غلبۂ نورِ جناب کو!
عینک کی احتیاج ہوئی آفتاب کو!

۲۰ نورِ خدا کا نور جو نخلیں جلوہ گر ہوا صحرا میں نخلِ طور وہیں ہر شجر ہوا
اکسیر خاک ہو گئی ہر ذرّہ زر ہوا ہر سنگریزہ غیرتِ لعل و گہر ہوا
دیکھو فلک کے پردے سے اختر نکل پڑے
غرفوں سے حورِ خلد کھلے سر نکل پڑے

۲۱ پہنچا یہ کارخانوں میں فرمانِ کبریا جائے نسیمِ خلد کرے راہ کو صفا
ہاں رعد سے کہو کہ دُہل فتح کے بجا قدرت کی چوب برق کے نقّارہ پر لگا
رن میں گذر ہے آبروئے کائنات کا
چھڑکاؤ اب خضرؑ کرے آبِ حیات کا

۲۲ فرّاشِ مہر، فرشِ زری سر بسر بچھائے صرّافِ چرخ، درہمِ انجم ابھی لُٹائے
جب اپنی وعدہ گاہ پہ میرا حسینؑ آئے رضوان کلیدِ ہشت جناں نذر لے کے جائے
ہاں جاؤ سب جلو میں شہِ مشرقین کی
[illegible]

۲۳ بولا فلک قمر سے کہ حاصل ثواب کر نَحنُ الفِدَا سر اپنا فدائے رکاب کر
چلّایا روز، فخر سے آئے آفتاب کر طالع ہے مہرِ برجِ نبیؐ، تو حجاب کر
لرزے میں ہے زمیں، فلک تھرتھراتے ہیں
غل ہے کہ اب حسینؑ زمانے سے جاتے ہیں

۲۴ برپا ہے آمدِ شہِ والا کی دھوم دھام حاضر مُسبّحانِ فلک ہیں بہ اہتمام
باندھے پرا کھڑے ہیں ملائک پئے سلام جنّات کا ہجوم ہے پریوں کا اژدہام
میکال تھامے گوشۂ داماں حسینؑ کا
پلکوں سے جبرئیلؑ مگس راں حسینؑ کا

۲۵ ہے گرد شہ کے لشکرِ افضالِ کبریا پابوسؑ ہر قدم پہ ظفر مثلِ نقشِ پا
اقبال و فتح ہاتھ میں تھامے ہوئے عصا زہراؑ صدا یہ دیتی تھی "روحی لک الفدا"
کیوں واری، تم تو اپنے گلے کو کٹاتے ہو؟
زہراؑ کی بیٹیوں کو کسے سونپے جاتے ہو؟

۲۶ حجّتؑ کے ختم کرنے کو وہ حجّتِ خدا آیا قریب ظالموں کے اور یہ کہا
بتلاؤ ظالمو، تمہیں اب آرزو ہے کیا وہ تم ہو اور یہ ہم ہیں، وہ تیغیں ہیں، یہ گلا
پر سوچو، ظلم کرتے ہو کس تشنہ کام پر
اپنے نبیؐ کے لال پر، اپنے امام پر؟

۲۷ کیوں کر کہوں کہ تم مجھے پہچانتے نہیں سب جانتے ہیں مجھ کو، تمہیں جانتے نہیں؟
تیروں سے یوں کسی کا جگر چھانتے نہیں میں تم کو منع کرتا ہوں، تم مانتے نہیں
مہماں سے اپنے نہر بھلا چھین لیتے ہیں؟
پانی قصوروار کو بھی اپنے دیتے ہیں

۲۸ تم نے اگر بلایا ہے تو قیر چاہیے گر آپ سے میں آیا ہوں تعزیر چاہیے
لو، کاٹ لو اگر سرِ شبیرؑ چاہیے ثابت بھی کرنا پر مری تقصیر چاہیے
پانی پلاؤ، ابنِ امیرِ عرب ہوں میں!
اب تشنہ لب نہ سمجھو مجھے جاں بلب ہوں میں

۲۹ عالم مرا مُطیع، مطیعِ خدا ہوں میں — نانا کی شکل ہادیِ ہر دوسرا ہوں میں
بابا کی طرح خلق کا مشکل کشا ہوں میں — سیّد ہوں میں، امام ہوں میں پیشوا ہوں میں
مخدومِ خلق و خادمِ ربِّ جلیل ہوں!
میں وارثِ مسیحؑ و ذبیحؑ و خلیلؑ ہوں!

۳۰ دُرِّ نجف ہوں، شاہِ نجف کا خلف ہوں میں — قطبِ زمیں و نیّرِ برجِ شرف ہوں میں
محمدؐ اوصیا ہیں جس کے گہر وہ صدف ہوں میں — تم ہو سوئے یزید، خدا کی طرف ہوں میں
اس کا پسر ہوں جس نے مُہمّوں کو سر کیا
اس کا قمر ہوں جس نے کہ شقّ القمر کیا!

۳۱ واقف ہوں حالِ غیب سے بالکل، میں تشنہ لب — جو دل میں ہے تمہارے وہ مجھ پر عیاں ہے سب
تم گھر میں اہلِ بیت کے جاؤ گے بے ادب — مسندِ رسولِ حق کی جلاؤ گے، ہے غضب
زینب کے سر سے چادرِ زہراؑ اتارو گے؟
ہے ہے، طمانچے میری سکینہ کو مارو گے؟

۳۲ چاہیں تو ہم زمیں کو ابھی آسماں کریں! — اعجاز انبیائے سلف کے عیاں کریں
عیسٰیؑ صفت رواں تنِ بے جاں میں جاں کریں — مثلِ خلیلؑ نار کو باغِ جناں کریں
موسٰیؑ کی طرح ساحروں کو پست کرتے ہیں
ہم اژدہا عصا کو، سرِ دست کرتے ہیں

۳۳ تم میں سے کس شجاع کو ہے مجھ سے ہم سری — فاقہ ہے کس یتیم کا میراثِ مادری
تم میں ہے کون راکبِ دوشِ پیمبری — تم میں ہے کون جوہرِ شمشیرِ حیدری
نانا نے کس کے دوش پہ معراج پائی ہے
مسجد میں کس کے باپ نے تلوار کھائی ہے

۳۴ غصّے سے گر جبیں پہ ہماری شکن پڑے — تو سر پہ سر، بدن پہ بدن، رن پہ رن پڑے
رن سے بھی بے گریز کیے کچھ نہ بن پڑے — روکیں سپر جو منہ پہ تو سورج گہن پڑے
گردوں گرے، چڑھائیں اگر آستین کو
ہم آستیں کی طرح الٹ دیں زمین کو

۳۵ ابنِ علیؑ ہوں سبطِ رسالت پناہ ہوں — حیدرؑ کا آفتاب ہوں زہراؑ کا ماہ ہوں
بے کس ہوں، بے دیار ہوں اور بے سپاہ ہوں — بے رحمو! مجھ پہ رحم کرو، بے گناہ ہوں
حق کے غضب سے، فاطمہؑ کی آہ سے ڈرو
سیّد کو قتل کرتے ہو، اللہ سے ڈرو!

۳۶ چشمِ نبیؐ و حیدرؑ و زہراؑ کا نور ہوں — سردار ہوں، غیور ہوں اور بے دیار ہوں
نزدیکِ حق ہوں باطل و عصیاں سے دور ہوں — کیوں مجھ کو قتل کرتے ہو؟ میں بے قصور ہوں
نے آب نے غذا نہ کوئی جا قیام کی
کیوں منصفو، یہی ہے ضیافت امام کی

۳۷ منظور میرا قتل ہے بہرِ حصولِ جاہ؟ — یہ اپنے دل سے دور رکھو تم، خدا گواہ
گر میں ہوا تباہ تو تم بھی ہوئے تباہ — دنیا میں زرد رو ہوئے عقبیٰ میں روسیاہ
نے دیں ہی ملے گا نہ دنیا ہی پاؤ گے
واللہ بے حساب جہنّم میں جاؤ گے

۳۸ لو، اب بھی باز آؤ نہ عمداً سقر میں جاؤ — تھوڑا مجھے ستایا ہے، بس بس نہ اب ستاؤ
بجلی گرے گی، تیغ نہ مظلوم پر اٹھاؤ — برسے گا خوں فلک سے، نہ میرا لہو بہاؤ
ہشیار، خاک ملتی ہے زہراؑ جبین پر
تیھوڑا ہے سر پٹکنے کو گردوں زمین پر

۳۹ مجھ کو نہ مال چاہیئے نہ ملک نے سپاہ — حاشا، نہ شوق طبل و علم ہے نہ حبِّ جاہ
بس ایک آرزو ہے یہ میری خدا گواہ — دروازہ بند کر کے کروں طاعتِ الٰہ
جاروب میں دیا کروں قبرِ بتولؑ پر
قرآں پڑھا کروں میں مزارِ رسولؐ پر

۴۰ یہ امر سہل ہے تمھیں دشوار ہوں اگر — رخصت دو ہند کی نہ کرو اب فساد و شر
لے لو قسم عرب میں نہ جاؤں گا عمر بھر — یہ سب ہے اس لیے کہ نہ زینبؑ ہوں ننگے سر
واں بھی نہ بیبیوں میں حیا سے میں جاؤں گا
کھو کر جواں پسر کو کسے منہ دکھاؤں گا

۴۱ جاؤں گا اک گھڑی کو مدینے کے درمیاں　　صغراؑ ہے، اُمِّ سلمہؓ ہے، اُمُّ البنینؑ ہے وہاں
ہمراہ اپنے لوں گا انھیں بھی میں خستہ جاں　　جب ہم نہیں تو ان کا ٹھکانا وہاں کہاں
چھوڑا وطن کو، گھر کو، عزیزوں کی قبر کو
دیکھو ہمارے صبر کو اور اپنے جبر کو

۴۲ مکّہ، مدینہ، شام مبارک یزید کو　　ملکِ عرب تمام مبارک یزید کو
یثرب کا انتظام مبارک یزید کو　　بے کس ہوا امام، مبارک یزید کو
گزرا سو گزرا کچھ نہ کسی سے کہوں گا میں!
جنگل میں مثلِ خضر اکیلا رہوں گا میں!

۴۳ ہمراہی حرم بھی نہ ہو گر تمھیں قبول　　زینبؑ کو دوں مجاوریِ تربتِ بتولؑ
بانو کو میں بٹھا دوں سرِ مرقدِ رسولؐ　　تنہا کسی طرف کو نکل جاؤں میں ملول
نادار اقربا مرے مثلِ بتولؑ ہیں!
تم ان کو خمسؓ دینا کہ آلِ رسولؐ ہیں

۴۴ ناگہ ندا یہ آئی، کسے چھوڑ جاؤ گے؟　　بھیّا، کسے مجاورِ زہرا بناؤ گے؟
آفت میں وارثی سے مری ہاتھ اٹھاؤ گے؟　　میں اپنی جان دوں گی جو یہ تم سناؤ گے
اچھا چلو تو یاں سے مزارِ رسولؐ پر
انصاف اس کا ہوئے گا قبرِ بتولؑ پر

۴۵ اب تو میں صدقے جاؤں مجھے ساتھ لیجیے　　یہ حال قبرِ فاطمہؑ پر عرض کیجیے
گر وہ کہیں تو خیر مجھے چھوڑ دیجیے　　بے لو قسم بچھڑ کے جو بنتِ علیؑ جیے
ہو گی وہ اور بہن جو جدا ہو کے روئے گی
زینبؑ تو پیارے بھائی پہ قرباں ہوئے گی

۴۶ تھاما تھا تم نے ہاتھ مرا باپ کے حضور　　حضرت کو شرم ہاتھ پکڑنے کی ہے ضرور
کیوں چھوڑنے لگے مجھے حضرت، مرا قصور؟　　ہمراہ ہوں میں جائیے نزدیک یا کہ دور
ہاں یہ قصور ہے کہ قرارِ جگر گیا
اکبر کو میں نے پالا تھا سو آج مر گیا

۴۷ پانی پلانا تم کو سمجھتے ہیں جو گناہ　　وہ ہم کو خمس دیویں گے اے شاہِ دیں پناہ؟
مڑ کر کہا حسینؑ نے سچ ہے، خدا گواہ　　بھینا نہ مضطرب ہو کہ رزّاق ہے اللہ
حُجّت کے ختم کرنے کو ایسے کلام ہیں
حجّت بھی اب تمام ہے ہم بھی تمام ہیں

۴۸ بھینا پناہ دیتا ہے اس خستہ تن کو کون　　جاتا ہے قتل گاہ سے پھر کر وطن کو کون
بے کس ہیں مانتا ہے ہمارے سخن کو کون　　غربت میں چھوڑ دیتا ہے اپنی بہن کو کون
جیتے جی اے بہن تو برادر کے ساتھ ہے
مرنے کے بعد بھی تو مرے سر کے ساتھ ہے

۴۹ آنکھیں ملا ملا کے یہ کہنے لگے عدو　　سچ کہہ حسینؑ! ہم ہوئے برباد یا کہ تو
بے جا ہے اب یہ صلح و مدارا کی گفتگو　　اکبرؑ کے بعد ہے تمھیں جینے کی آرزو
بستی کی راہ دیں، نہ بیاباں کی راہ دیں
بیعت بھی اب کرو تو نہ تم کو پناہ دیں

۵۰ مظلومیت سے شاہ نے دیکھا سوئے فلک　　آئی ندا یہ ہاتفِ غیبی کی یک بیک
اذنِ جہاد چاہتے ہو ہم سے یا کمک　　عاجز نہیں، سبھوں پہ ہو غالب ابد تلک
ہم سمجھے قبضہ چومتے ہو ذوالفقار کا
دکھلاؤ زور قدرتِ پروردگار کا

۵۱ یہ سن کے اپنے جامے سے باہر ظفر ہوئی　　گویا جدا نیام سے تیغِ دو سر ہوئی
جوہر کو فوج دیکھ کے زیر و زبر ہوئی　　قبضے سے قبضِ روحِ سپاہِ عمر ہوئی
حاشا، سنے نہ دیکھے یہ جوہر حسام میں
کہتے تھے سب کہ تیغ ابھی ہے نیام میں

۵۲ شر نے کہا لرز کے خدا خیر اب کرے　　یہ شعلہ وہ ہے جس کا جہنّم ادب کرے
فتنہ پکارا دیکھیے یہ کیا غضب کرے　　اغلب تھا دین کفر سے جذبہ طلب کرے
موجِ نسیمِ تیغ کا یہ غلغلہ ہوا
لشکر سمٹ کے پانی کا اک بلبلہ ہوا

۵۳ مالک تھی دو زبانوں کی تیغِ شہِ انام   جوہر کلام اس کا تھا پر پیچ کا کلام
جوہر نہ کیسے صاحبِ تسخیر[۳۴] تھی حسام   از بر تھی ہر زبان پہ سیفی اسے تمام
مولا نے دشمنوں پہ جو اس کو علم کیا
تیغِ دو دم نے جوہرِ سیفی کو دم کیا

۵۴ رہوارِ صحنِ چرخِ بریں دیکھنے لگا   اور سم سے نبضِ گاوِ زمیں دیکھنے لگا
اوجِ سرِ سپاہ لعیں دیکھنے لگا   اور مڑ کے مرضیِ شہِ دیں دیکھنے لگا
تن کر چلا جو زورِ بدن تولتا ہوا
آگے نقیبِ حشر چلا بولتا ہوا

۵۵ پھر تو قدم قدم پہ قیامت بپا ہوئی   بہرِ گریز گاوِ زمیں باد[۳۵] پا ہوئی!
ہو کر رواں پہاڑوں کی خلقت ہوا ہوئی   ساکن مثالِ کوہ ہوا جا بجا ہوئی
اٹھا نہ تھا غبار وہ گھوڑے کی گشت سے
اڑنے کو پر زمیں نے کھولے تھے دشت سے

۵۶ ظاہر میں تیغ ایک تھی پر صورتیں ہزار   دریا میں موج، باغ میں لو، کوہ میں شرار
گہ قاف میں بصورتِ سیمرغ آشکار   گہ مثلِ کہکشاں وہ فلک کے گلے کا ہار
زیرِ زمیں بہار کے طالع جگا دیئے
گاوِ زمیں کی شاخ میں دو پھل لگا دیئے

۵۷ کہتا تھا بسکہ گنبدِ دوّارِ[۳۶] آسمان   جھک جھک گئی تھی سقفِ ضیا بارِ آسمان
وہ تیغ رن میں بن گئی معمارِ آسمان   کشتوں سے باندھا پشتۂ دیوارِ آسمان
وہ تیغ خاص تھی کمرِ بوترابؑ کی!
کفّار کیسے، کفر کی مٹی خراب کی!

۵۸ قاروں کا درہمِ[۳۷] لغلی تھی وہ شعلہ زن   گا ہے فلوسِ ماہی ظلمت پہ سکہ زن
مشرق میں مثلِ مہر چھپی گرد صف شکن   مغرب سے ماہِ نو کی طرح نکلی دفعتن[۳۸]
ہو کر وہ تنگ تنگیِ دشتِ جدال سے
لڑتی تھی غرب و شرق و جنوب و شمال سے

۵۹ تیغِ دو سر نے تن سے سروں کو اڑا دیا   تیغوں کو کاٹا اور سپروں کو اڑا دیا
عنقائے[۳۹] مغربی کے پروں کو اڑا دیا   دل کھول کھول کر جگروں کو اڑا دیا
ہاتھوں سے خائنوں کے کمانیں نکل گئیں
کیسی کمانیں، جسم سے جانیں نکل گئیں

۶۰ آئی جو خود پر تو مع سر کیا شگاف   کاٹا جو سر تو سینے سے در آئی تا بہ ناف
آئی جو ناف تک تو کیا اسپ کو بھی صاف   پہنچی زمین پر تو وہ بولی کہ بس معاف،
نزدیک تھا جدا جو نہ یہ شعلہ تاب ہو
گاوِ زمیں حلال ہو، مچھلی کباب ہو

۶۱ کفار رن سے ڈوبنے سب نہر کو گئے   تیغوں کی آبرو بھی مخالف ڈبو گئے
چھپ کر دلیر تیغ کے نزدیک جو گئے   دو، چار- پانچ، دس ہوئے دس بیس ہو گئے
روحیں بھی دم نہ لیتی تھیں غیر از سقر کہیں
ڈر تھا نہ پیچھے آتی ہو تیغِ دو سر کہیں

۶۲ ناگہ ندا یہ آئی کہ وعدہ وفا کرو   بس، اے حسینؑ بس، نہ زیادہ وغا کرو
اے تاجِ حشر، آج سر اپنا فدا کرو   آباد بزمِ خلوتِ ربّ العلا کرو
آئے ہو قتل کرنے کو یا قتل ہونے کو
رن میں بتول آئی ہے لاشے پہ رونے کو

۶۳ یہ سنتے ہی لرز گیا خورشیدِ مصطفٰےؐ   تلوار کی نیام میں اور شکرِ حق کیا
تنہا پہ ہر طرف سے بڑھا لشکرِ جفا   جز "اقتلوا الحسین"[۴۰] نہ کچھ اور تھی صدا
حربے تھے چار لاکھ کے اک نیم جان پر
بس ہر گھڑی تھی موت کی لذت زبان پر

۶۴ سوکھی زباں حسینؑ جو سب کو دکھاتے تھے   واں جبرئیل آنکھوں سے دریا بہاتے تھے
یاں نیزہ کھا کے گھوڑے پہ شہ تھرتھراتے تھے   واں حاملانِ عرشِ بریں کانپ جاتے تھے
جنت میں تھا یہ حال رسولانِ نیک کا
بے تیغ کٹ رہا تھا کلیجہ ہر ایک کا

۶۵ سب کو قلق تھا، پر ملک الموتِ نامور — بیٹھے تھے زیرِ سایۂ طوبیٰ جھکائے سر
لکھا ہے راویوں نے کہ طوبیٰ ہے وہ شجر — مرقوم جس کے برگ پہ ہے نام ہر بشر

افتادہ جس کے نام کا وہ برگ پاتے ہیں
بس قبضِ روح کو ملک الموت آتے ہیں

۶۶ پر صبحِ قتل سے نہ حواس ان کے تھے بجا — گہ سکتہ، گاہ غش، گہے نالہ، گہے بکا
رن میں تو کٹ رہا تھا گلستانِ مرتضیٰؑ — طوبیٰ کے گر رہے تھے یہاں برگ پر ضیا

اکبر کے نام کا کوئی اصغر کے نام کا
کیا نام مٹ رہا تھا رسولِ انام کا

۶۷ لکھا ہے ایک برگ تھا طوبیٰ کا تاج سر — خوشبو میں عطر، رنگ میں گل، نور میں قمر
ناگاہ وقتِ عصر گرا وہ بھی ٹوٹ کر — الفت سے اس کی ساتھ جھکا گرنے کو شجر

آئی ندا کہ حیدرؑ صفدر کا نام لو
ہاں اے فرشتو، دوڑ کے طوبیٰ کو تھام لو

۶۸ احوال ہو گیا ملک الموت کا تباہ — اس برگ کو اٹھا کے جو کی نام پر نگاہ
دیکھا، حسینؑ ابن علیؑ فدیۂ الٰہ — مندیل کو پٹک کے کہا "وا محمداہ"

ہے ہے، مرا خوزادہؑ، مرا ابن فاطمہؑ
لو پنجتن کا ہوتا ہے دنیا میں خاتمہ

۶۹ وہ برگ لے کے خلد میں آئے برہنہ سر — قصرِ علیؑ میں ڈھونڈھا علیؑ کو اِدھر اُدھر
دیکھا، پڑا ہوا ہے عمامہ زمین پر — ناگاہ ایک حوریہ چلائی پیٹ کر

کیا جانے کیوں زمین کے فرشتے پکارے ہیں
سر ننگے کربلا کو ابھی وہ سدھارے ہیں

۷۰ یہ سن کے قتل گاہ سے روتا ہوا چلا — پہنچا غضب کے وقت سرِ دشتِ کربلا
غش تھے علیؑ، گلے پہ رکھے پیار سے گلا — اور ایڑیاں رگڑتا تھا زہرا کا لاڈلہ

زانو سرِ حسینؑ کے نیچے علیؑ کا تھا
اور سینۂ حسینؑ پہ زانو شقی کا تھا

۷۱ دیکھا گیا ملک سے نہ حالِ شہِ زماں — رو کر نکالا جیب سے گلدستۂ جناں
کی عرض یہ علیؑ سے کہ اے شاہ دو جہاں — ہے اذن، قبض میں کروں روحِ نبیؐ سے جاں

منہ پھیر کر علیؑ نے کہا اختیار ہے
پر اپنی والدہ کا انھیں انتظار ہے

۷۲ یہ ذکر تھا کہ دشت سے چلائی فاطمہؑ — شبیر، السلام علیک، آئی فاطمہؑ
سن کر تمھاری غربت و تنہائی، فاطمہؑ — بھائی کو، نانا جان کو بھی، لائی فاطمہؑ

خیمے کے در پہ دیر سے آنسو بہاتی تھی
غش تھی سکینہ اس کو گلے سے لگاتی تھی

۷۳ آئی تھی آرزو میں کہ دیدار دیکھوں گی — کیا جانتی تھی حلق پہ تلوار دیکھوں گی
اک سنگ دل کو سینے پہ اسوار دیکھوں گی — سید کے گرد نرغۂ کفار دیکھوں گی

ہے ہے، یہ ظلم، خاک میں ان کو ملاؤں میں
اور اب کہو تو عرش کا پایا ہلاؤں میں

۷۴ بیٹا، تمہارے دل پہ کہو کیا گذرتی ہے — گھبرا رہے ہو، سانس نہیں کیا ٹھہرتی ہے
زینبؑ بھی جاں بلب ہے، سکینہ بھی مرتی ہے — تم سنتے ہو جو فاطمہؑ یہ بین کرتی ہے

سر پیٹتی ہوں ہاتھ مرا آ کے تھام لو
قابو میں ہو زبان تو اماں کا نام لو

۷۵ بولے علیؑ، کہ صبر کر، اے مادرِ حسینؑ — اب تا بحشر ہے تری قسمت میں شور و شین
منظور اب حسینؑ کی تکلیف ہے کہ چین — اس نے کہا گواہ ہے معبودِ مشرقین

میں نے سوال بعد نمازوں کے جب کیا
آرام چین بچے کا اپنے طلب کیا

۷۶ رو کر کہا علیؑ نے کہ اے بنتِ مصطفیٰؐ — اب غور کر حسینؑ کی تکلیف پر ذرا
سینے پہ اس کے دیر سے بیٹھا ہے بے حیا — دے قبضِ روح کی ملک الموت کو رضا

مرنے میں اس کو چین ہے، ایذا ہے جینے میں
اب درد ہے بہت مرے بیٹے کے سینے میں

۷۷ سر پیٹ کر یہ اس نے کہا، اے ابوالحسنؑ — تم کہہ دو میرے منہ سے نہ نکلے گا یہ سخن
کیا عذر، ہو جو مرضیِ معبودِ ذوالمننؐ — پر ٹکڑے ٹکڑے ہے مرے بچے کا سب بدن
یوں قبض عضو عضو سے روحِ حسینؑ ہو
زخموں میں جتنا درد ہے اتنا ہی چین ہو

۷۸ آوازِ غیب آئی کہ ہرگز نہ ہو ملول — محکوم اس کا ہے ملک الموت، اے بتول
اس کے غلاموں کی ہمیں ایذا نہیں قبول — قدرت کے بوستان کا گل ایک ہے یہ پھول
عزت بڑھے گی سب سے ترے نورِ عین کی
ہم آپ قبض روح کریں گے حسینؑ کی

۷۹ زہراؑ یہ بین کرتی تھی رو رو کے زار زار — اور چل رہی تھی اس کے جگر پر چھری کی دھار
حاشا، نہ قبضِ روح کی ایذا تھی زینہار — پر تیغ تھی یہ کند، کہ رکتی تھی بار بار
کٹتے ہیں سر کے بنتِ نبیؐ کو غش آگیا
بالیں پہ مرتضیٰؑ کو نبیؐ کو غش آگیا

۸۰ غش سے جو آئی ہوش میں پھر مادرِ حسینؑ — دیکھا تڑپ رہا ہے تنِ اطہرِ حسینؑ
نے رخت، نے قبا، نہ کلاہِ سرِ حسینؑ — نکلی ہے لے کے بی بیوں کو خواہرِ حسینؑ
آغوش میں لیا وہ بدن لوٹتا ہوا!
پوچھا علیؑ سے "سر مرے بچے کا کیا ہوا"؟

۸۱ رو کر کہا علیؑ نے کہ تیرے پسر کا سر؟ — وہ شمر، زلفیں پکڑے ہوئے جاتا ہے ادھر
سر پیٹ کر حسینؑ کی مادر نے کی نظر — چلائی کس طرف ہے، کہاں ہے، کدھر کدھر
کیوں کر بلائیں دوڑ کے لوں دست و پا نہیں
یا مرتضیٰ علیؑ! مجھے کچھ سوجھتا نہیں

۸۲ یہ کہہ کے، بین کرنے لگی بنتِ مصطفٰؐ — ہے ہے، مرا حسینؑ، مرا لال، مہ لقا
بس اے دبیرِ خستہ کہ ہے شدّتِ بکا — درگاہِ ذوالجلال میں رو رو کے کر دعا
جب تک فلک ہیں عرشِ معلّٰی کے سائے میں
شیعہ رہیں پیمبرؐ و زہراؑ کے سائے میں

۸۳ قَدْ قَالَتِ الْبَتُوْلُ لَهٗ، روحنا فداك — وَيْلٌ لِقَاتِلٍ قَطَعَ الرَّاسَ مِنْ قِفَاكَ
يَا لَيْتَنِيْ هَلَكْتُ وَلَمَا اَدْرِ مَا اعْتَرَاكَ — اَشْكُوْا اِلٰى اَبِيْ وَاِلَى اللّٰهِ، مِنْ جَفَاكَ
يَبْكِيْ اَبُوْكَ يَا وَلَدِيْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارْ
كَالْمُزْنِ مِنْ عَزَاكَ حَزِيْنًا بِلَا اخْتِيَارْ

ترجمہ

۸۴ روحِ بتول کہتی تھی: میں تجھ پہ ہوں فدا — اے وائے، اس پہ جس نے ترا سر جدا کیا
اے کاش میں نہ دیکھتی یہ حادثہ ترا — شکوہ کروں گی پیش خدا، اور مصطفا
بابا تمھارے تم کو شب و روز روتے ہیں
باراں کی طرح اشک رواں ان کے بہتے ہیں

۸۵ تھے عینِ اضطرار، یہ خیر النسا کے بین — بے ہوش تھے ملائکہ لاشے کے جانبین
بس اے دبیر کہہ یہ یہاں سے بشور و شین — "بَلِّغْ تَحِيَّتِيْ وَسَلَامِيْ عَلَى الْحُسَيْنِ"!
اور عرض کر کہ گنجِ تولّا عطا کرو
جاگیرِ کربلائے معلّا عطا کرو

"تمت تمام شد، دو پاس روز باقی ماندہ تمامی یافت۔ خط بد نمط عاصی اکبر علی۔
تحریر فی تاریخ بست و پنجم محرم الحرام ۱۲۷۳ ہجری"

تحقیقِ متن

۱۔ قلمی مرثیہ، مخطوطہ اکبر علی، ۲۵ محرم ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء

۲۔ دفترِ ماتم، جلد ہفتم، طبع دوم، مطبع شاہی لکھنؤ، ۱۹۱۲ء ص ۸۹

بند ۱: دفترِ ماتم میں اٹھارہ بندوں پر مطلع لکھا ہوا ہے اور یہ مطلع مندرجہ ذیل ترتیب سے چھپے ہیں،

۱۔ حرزِ گلوئے مصحفِ یزداں حسینؑ ہے — قلمی مرثیہ کا بند نمبر ۶
۲۔ ایواں ہے جس کا عرش وہ سلطاں حسینؑ ہے — قلمی مرثیہ کا بند نمبر ۵
۳۔ پشت و پناہ یثرب و بطحا حسینؑ ہے — قلمی مرثیہ کا بند نمبر ۱۰
۴۔ ایمان جس کا پھل ہے وہ طوبا حسین ہے — ۱۱

اس بند کا پانچواں مصرع ہے: "سقایہ بے مثال شکیبائی میں ہوا"

۵۔ دار القرارِ صبر و تحمل حسینؑ ہے — قلمی مرثیہ بند نمبر ۱۴
۶۔ کوہ شکوہ صبر و تحمل حسینؑ ہے — قلمی مرثیہ بند نمبر ۱۵
۷۔ قدرت کے حوصلے کا تحمل حسینؑ ہے — ۱
۸۔ کشورکشائے مغرب و مشرق حسینؑ ہے — ۱۶
۹۔ ہر مدرسے میں مصحفِ ناطق حسین ہے — ۴
۱۰۔ قدرت کے آفتاب کا مطلع حسین ہے — ۳
۱۱۔ آیاتِ ہفت ہیکلِ گردوں حسین ہے — ۲
۱۲۔ ایماں ہے کوہ طور تجلی حسین ہے — ۷
۱۳۔ دریا دلی میں ساقیِ کوثر حسین ہے — اس بند کا تیسرا مصرع

ہمارے قلمی نسخے میں "یہ کشتی" ہے اور دفترِ ماتم میں "نہ کشتی" جو صحیح ہے۔

۱۴۔ حق کا زباں شناس و سخن رس حسینؑ ہے — ۱۳ پچھلے بند کے ایک

حرف میں معمولی سا اختلاف ہے،

"مدفن ملا، پر، آہ! نہ غسل و کفن ملا"

۱۵۔ تسبیح دانہ ہائے امامت حسینؑ ہے — قلمی مرثیہ کا بند نمبر ۸
۱۶۔ عطرِ گلِ ریاضِ امامت حسینؑ ہے — قلمی مرثیہ کا بند نمبر ۹

۱۷۔ گلگوں قبائے آلِ پیمبر حسینؑ ہے۔ قلمی مرثیہ ۱۷ اس کی بیت دفترِ ماتم میں ہے:

حق عشقِ حق کا روزِ شہادت ادا کیا — ستر دو تن کو تین پہر میں فدا کیا

۱۸۔ جب عازمِ جہاد امامِ مبیں ہوا — قلمی مرثیہ بند ۱۸ لے فوج ویسے علم جو امامِ مبیں ہوا

بند ۲: دفترِ ماتم کا بند ۱۱، مصرع ۴

"یوسف ہے نثرِ مطلعِ موزوں حسین ہے

بند ۶: دفترِ ماتم کا پہلا بند ہے۔ قلمی نسخہ مصرع ۶

"خضر اک طرف، حیاتِ آبِ حیات کی" — دفترِ ماتم سے تصحیح کی ہے۔

بند ۶: دفترِ ماتم اور قلمی مرثیے میں مصرع ۳

"بچپلے کے دل کی صبر و تسلی حسینؑ ہے"

بند ۱۲: قلمی نسخہ مصرع ۳ "یہ کشتیِ سپہر کا لنگر حسینؑ ہے" — متن مطابق دفترِ ماتم

بند ۱۳: دفترِ ماتم مصرع ۴ "رویا جسے نہ کوئی وہ بے کس حسینؑ ہے"

دفترِ ماتم، مصرع ۶ مطابق متن و قلمی نسخہ:

مدفن ملا، پہ آہ، نہ غسل و کفن ملا"

بند ۱۵: دفترِ ماتم، مصرع ۲ "باغِ بہارِ فقر و توکل، حسینؑ ہے"

بند ۱۷: دفترِ ماتم کی بیت ہے:

حق عشقِ حق کا روزِ شہادت ادا کیا
ستر دو تن کو تین پہر میں فدا کیا

دیکھا سوار جو خلفِ بوتراب کو — چوما ادب سے روحِ امیں نے نقاب کو

بند ۲۰: دفترِ ماتم کی بیت ہے:

دیکھا گیا نہ جلوۂ نورِ جناب کو — عینک کی احتیاج ہوئی آفتاب کو

بند ۲۱ : قلمی نسخہ، مصرع ۴، "قدرت کی چوب برق نقّارہ پر لگا" تصحیح دفترِ ماتم سے کی ہے۔

بند ۲۳ : دفترِ ماتم، بیت :

"ویران ہے زمیں، فلک تھرتھراتے ہیں"

بند ۲۴ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ "حاضر مُسبّحان فلک بہر اہتمام"

مصرع ۶ "روح القدس پروں سے مگس رانِ حسینؑ کا"

قلمی نسخے کے کاتب نے "تھامے" کا املا "تھانبے" لکھا۔

بند ۲۶ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ "آیا حضورِ ظالموں کے اور یہ کہا"

مصرع ۳، ۴

کیوں ظالمو، کہو تمھیں اب آرزو ہے کیا؟ وہ تم ہو، یہ حسینؑ، وہ تیغیں ہیں، یہ گلا

بند ۲۷ : قلمی نسخہ، مصرع ۲ "نیزوں سے یوں کسی کا بدن چھانتے نہیں"

متن کا مصرع دفترِ ماتم کے مطابق ہے۔

قلمی نسخے کے کاتب نے "میں" کو "مع" لکھا ہے

"مع تم کو منع کرتا ہوں"

دفترِ ماتم، مصرع ۶، "پانی قصوروار کو بھی لوگ دیتے ہیں"

بند ۲۸ : دفترِ ماتم، مصرع ۳، ۴

موجود ہے۔ اگر سرِ شبیّر چاہیئے پر تم کو خوفِ مالکِ تقدیر چاہیئے

بند ۳۰، دفترِ ماتم، مصرع ۳ "نور و ضیا ہیں جس کے گہر وہ صدف ہوں میں"

قلمی نسخہ میں "پیراو صیا ہیں جس کے گہر وہ صدف ہوں میں"

دفترِ ماتم، مصرع ۵ "اس کا پسر ہوں جس نے کہ غزووں کو سر کیا"

بند ۳۱ : دفترِ ماتم، مصرع ۴، ۵، ۶

مسندِ نبیؐ کی آج جلاؤ گے، ہے غضب

ہے ہے تمانچے میری سکینہ کے مارو گے زینب کے سر سے چادرِ زینب اتارو گے

بند ۳۳ : دفترِ ماتم، مصرع ۳، ۴

ہے تم میں کون راکبِ دوشِ پیمبری ہے تم میں کون، جوہرِ شمشیرِ حیدری

بند ۳۴ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ "پھر سر پہ سر، بدن پہ بدن، رن پہ رن پڑے"

دفترِ ماتم میں بند ۳۴ سے پہلے ایک بند زائد ہے، جس کا مفہوم چوں کہ بند ۳۵ میں موجود ہے اس لیے ہم نے اسے متن میں نہیں لکھا، وہ بند ہے:۔

میں خاصِ حق ہوں، قبلۂ ہر خاص و عام ہوں حاجت روائے خلق ہوں، شاہِ انام ہوں

احمدؐ کا میں نشان ہوں، حیدرؑ کا نام ہوں مختارِ سلسبیل ہوں اور تشنہ کام ہوں

پشت و پناہِ شرعِ رسالت پناہ ہوں

میں، ناخدائے کشتیِ دینِ الٰہ ہوں

بند ۳۶ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ "سردار ہوں، غیور ہوں ابنِ غیورؑ ہوں"

مصرع ۵ "نا آب، نا غذا، نہ کوئی جا قیام کی"

قلمی مرثیہ، مصرع ۵ "نہ کوئی جا مقام کی"

بند ۳۹ : دفترِ ماتم بیت :

جاروب میں دیا کروں قبرِ رسولؐ پر قرآں پڑھوں ہمیشہ مزارِ بتول پر

بند ۴۰ : دفترِ ماتم، مصرع ۳ "لے لو قسم، عرب میں نہ آؤں گا عمر بھر"

مصرع ۵ "واں بھی میں بستیوں میں حیا سے نہ جاؤں گا"

بند ۴۱ : قلمی نسخہ، مصرع ۴ "جب ہم نہیں تو ان کا ٹھکانا بھلا کہاں"

بند ۴۲ : دفترِ ماتم میں تیسرا مصرع دوسرا، اور دوسرا مصرع تیسرا ہے۔

بند ۴۳ : قلمی نسخے میں مصرع ۲ اور ۳ کا قافیہ یوں ہے :

زینب کو دوں مجاوریِ تربتِ رسولؐ

بانو کو میں بٹھا دوں سرِ مرقدِ بتول!

لیکن دفترِ ماتم متن کے مطابق ہے جو دوسرے بند کی روشنی میں درست ہے۔ نیز دفترِ ماتم کی بیت ہے:

فاقے سے مر نہ جائیں، خبر ان کی لیجیو!

تم خمس پنجتن کے عزیزوں کو دیجیو!

اس کے بعد ایک بند اور درج ہے :۔

تم سب کے زعم میں ہوں فقط میں قصوروار یہ سب ہیں بے قصور پیمبرؐ کے رشتہ دار

زینب علی الخصوص بہن میری غم گسار   مانندِ فاطمہؑ ہے سدا صائم النہار
زیور نہ زر، نہ گوہر و یاقوت دیجیو
کچھ نذر اس کے جد کی پئے قوت دیجیو

بند۴۴: دفترِ ماتم، مصرع ۱ "ناگہ صدا یہ آئی: کسے چھوڑ جاؤ گے"

پھر تیسرے چوتھے مصرعے کی ترتیب مختلف ہونے کے علاوہ تیسرے مصرع کی صورت یہ ہے:
ہے ہے، میں جان دوں گی جو یہ پھر سناؤ گے

مصرع ۵ "اچھا، چلو یہاں سے مزارِ رسولؐ پر"

بند۴۶: دفترِ ماتم، مصرع ۲ "میں ہوں جلو میں، چاہیئے نزدیک یا کہ دور"

مصرع ۴ "کیوں مجھ کو چھوڑنے لگے حضرت، مرا قصور"

بند۴۷: دفترِ ماتم،
پانی پلانا ہم کو سمجھتے ہیں جو گناہ
وہ خمس ہم کو دیویں گے، اے شاہِ دیں پناہ

قلمی نسخہ "بہنا" دفترِ ماتم "بھینا"

دفترِ ماتم، مصرع ۵ "ان سے ثبوتِ حق کے لیے یہ کلام ہیں"

بند۴۸: دفترِ ماتم میں یوں ہے:
آفت میں چھوڑتا ہے اکیلا بہن کو کون   اب گھر ہے قبر، جاتا ہے زینب، وطن کو کون؟
بھینا اماں دیتا ہے اس خستہ تن کو کون؟   سنتا ہے بے کسی میں ہمارے سخن کو کون؟
نامحرموں کے ترغے میں زینب گھرے گی تو
بھائی کے سر کے ساتھ کھلے سر پھرے گی تو

بند۴۹: قلمی نسخہ، مصرع ۳ "بے جا ہے اب صلح و مدارا کی گفتگو"

دفترِ ماتم مصرع ۴ "اکبر کے بعد تم کو ہے جینے کی آرزو"

قلمی نسخہ، مصرع ۵ "بستی کی راہ دیں، نہ مدینے کی راہ دیں"

بند۵۰: دفترِ ماتم، مصرع ۲ "حق کی طرف سے آئی یہ آواز یک بیک"

بند۵۱: دفترِ ماتم، مصرع ۲ "یعنی جدا نیام سے تیغِ دوسر ہوئی"

بند۵۲: دفترِ ماتم، مصرع ۲ "یہ وہ شر ہے جس کا جہنم ادب کرے"

بند۵۴: دفترِ ماتم، مصرع ۵ "تن کر بڑھا جو زور بدن تولتا ہوا"

بند۵۵: دفترِ ماتم مصرع ۵ "اٹھا نہ تھا غبار وہ توسن کی گشت سے"

بند۵۶: دفترِ ماتم، مصرع ۱ "پیکر تو دو تھے تیغ کے پر صورتیں ہزار"

بند۵۷: دفترِ ماتم، مصرع ۳ "یہ تیغ رن میں بن گئی معمارِ آسمان"

بند۵۸: دفترِ ماتم، مصرع ۱ "قاروں کا درہم لیلیٰ، گہ وہ شعلہ تن"

مصرع ۳ "مشرق میں مثلِ ماہ چھپی، گر وہ صف شکن"

مصرع ۵ "ہو ہو کے تنگ تنگی دشتِ جدال سے"

بند۵۹: دفترِ ماتم، مصرع ۵ "قبضے سے خاطیوں کی کمانیں نکل گئیں"

بند۶۰: دفترِ ماتم:
پہنچی جو خود پر تو پڑا ایک قلم شگاف   سر سے بڑھی تو سینے میں در آئی تا بہ ناف
گذری جو ناف سے تو کیا اسپ کو بھی صاف   اتری زمیں پر تو زمیں بولی، بس معاف

قلمی نسخہ، مصرع ۶ "گاو زمیں ہلال ہو، مچھلی کباب ہو"

بند۶۱: دفترِ ماتم، مصرع ۱ "سب رن سے ڈوبنے کے لیے نہر پر گئے"

مصرع ۳ "چھٹ کر دلیر تیغ کے نزدیک جو گئے"

بند۶۲: دفترِ ماتم، مصرع ۲ "اے تاجدارِ حشر! سر اپنا فدا کرو"

قلمی نسخہ مصرع، ۶ زہرا کو بھیجتا ہوں میں لاشے پہ رونے کو

بند۶۳: دفترِ ماتم، مصرع ۲ "تلوار روکتے ہی بڑھے وال سے اشقیا"

۳ "ظلمت میں ہر طرف سے گھرا نورِ کبریا"

۴ "جز اقتلوا الحسین نہ تھی رن میں کچھ صدا"

بند۶۴: دفترِ ماتم کی ترتیب یہ ہے مصرع ۳، ۴، ۱، ۲

بند۶۵: دفترِ ماتم میں ایک بند مطلع کا زائد ہے:
برباد جب مرقعِ خیر النسا ہوا   اور یک قلم قلم چمنِ مصطفےٰ ہوا
پھر اقتلوا الحسین کا غل جا بجا ہوا   سبطِ نبی پہ نرغۂ اہلِ جفا ہوا
خنجر فلک کا فاطمہ کے دل پہ پھر گیا
زہرا کا چاند ظلم کے بادل میں گھر گیا

سب کو قلق تھا اور ملک الموت نام ور — بیٹھے تھے زیرِ سایۂ طوبیٰ برہنہ سر
لکھا ہے راویوں نے کہ طوبیٰ ہے وہ شجر — ہر برگ پر جس کے رقم نام ہر بشر
افتادہ جس کے نام کا وہ برگ پاتے ہیں
پھر قبضِ روح کو ملک الموت آتے ہیں

بند ۷۶ : دفترِ ماتم، مصرع ۳ "رن میں تڑکٹ رہا تھا گلستانِ مصطفےٰ[ص]"

بند ۷۸ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ "حال اس گھڑی ہوا ملک الموت کا تباہ"

مصرع ۶ "ہونا ہے پنجتن کا زمانے میں خاتمہ"

بند ۷۹ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ ڈھونڈا علیؑ کو قصرِ علیؑ میں اِدھر اُدھر

مصرع ۴ پوچھا تو ایک حور یہ چلائی پیٹ کر

بند ۷۰ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ "سر پیٹتا ہوا وہ سرِ قتل گہ چلا

بند ۷۱ : دفترِ ماتم، مصرع ۲، ۴

کی عرض مرتضیٰؑ سے کہ اے شاہِ دوجہاں — ہے اذنِ قبض میں کروں جانِ نبیؐ کی جاں

قلمی نسخہ مصرع ۶ "پر اپنی والدہ کا انھیں اختیار ہے"

بند ۷۲ : دفترِ ماتم، مصرع ۴، اور بیت۔

پیارے کے نانا جان کو بھی لائی، فاطمہؑ

ٹھہری تھی رن میں ایک تنِ پاش پاش پر — بابا گرے تھے کانپ کے اکبر لاش پر

بند ۷۳ : دفترِ ماتم، مصرع ۶ "واری، کہو تو عرش کا پایہ ہلاؤں میں"

بند ۷۴ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ گھبرا رہے ہو، سانس نہیں کیا ٹھہرتی ہے

مصرع ۴ تم سنتے ہو یہ فاطمہؑ جو بین کرتی ہے

مصرع ۵ سر پیٹتی ہوں اٹھ کے مرے ہاتھ تھام لو

بند ۷۵ : دفترِ ماتم، مصرع ۲ "محشر تلک ہے اب تری قسمت میں شور و شین"

مصرع ۶ "آرام و چین بچے کا اپنے طلب کیا"

بند ۷۶ : دفترِ ماتم میں بند ۷۹ اور بند ۸۰ پر "نسخہ" — "نسخہ" درج ہے۔

پہلا بند ہے ۷۹

فرمایا مرتضیٰؑ نے کہ اے بنتِ مصطفاؐ — گر چاہتی ہے راحتِ مظلومِ کربلا
دے قبضِ روح کی ملک الموت کو رضا — ایذا میں ہے حسین ترا نازنیں ترا
تن کانپتا ہے صدمے سے اور رنگ زرد ہے
اس دم بہت حسینؑ کے سینے میں درد ہے

دوسرا بند ۸۰، ہمارے قلمی نسخے سے ملتا جلتا ہے :

فرمایا مرتضیٰؑ نے کہ اے بنتِ مصطفاؐ — اب غور کر، حسینؑ کی تکلیف پر ذرا
سینے پہ اس کے دیر سے بیٹھا ہے بے حیا — دے قبضِ روح کی ملک الموت کو رضا
راحت ہے اس کو مرنے میں ایذا ہے جینے میں
اب درد ہے بہت ترے بیٹے کے سینے میں

بند ۷۷ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ "راضی تو وہ ہوئی، پہ کہا : یا ابوالحسنؑ"

مصرع ۳ "کیا عذر ہے، جو مرضیِ معبود ذوالمنن"

بند ۷۸ : دفترِ ماتم، مصرع ۵ "عزت بڑی ہے سب سے ترے نورِ عین کی

بند ۷۹ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ "زہرا تو سن رہی تھی یہ فرمانِ کردگار"

دفترِ ماتم کی بیت ہے :

کٹنے میں سر کے سبطِ نبیؐ کو غش آ گیا — بالیں پہ فاطمہؑ کو علیؑ کو غش آ گیا

بند ۸۰ : دفترِ ماتم، مصرع ۳ جو دفترِ ماتم میں مصرع ۴ ہے۔

نے رخت کہنہ ہے، نہ کلاہ سرِ حسینؑ

بند ۸۱ : دفترِ ماتم، مصرع ۱ "بولے علیؑ کہ سر ترے بچے کا کاٹ کر

بیت :

اب تو کلیجہ شق ہوا جاتا ہے، یا علیؑ — آنکھوں سے کچھ نظر نہیں آتا ہے، یا علیؑ

بند ۸۲، ۸۳، ۸۴ : دفترِ ماتم سے نقل ہے۔ قلمی نسخے میں نہیں ہے۔

بند ۸۵ : دفترِ ماتم

تھے بین اضطرار پہ خیر النسا کے بین — حور و ملک تڑپتے تھے لاشے کے جانبین
اب اے دبیرؔ کہہ یہ صبا سے بشور و شین — بَلِّغْ تحیّتی و سلامی الی الحسینؑ"

فرہنگ

۱- ہفت ہیکل : وہ سات دعائیں جو ہفتہ کے ہر دن کو باری باری پڑھی جاتی ہیں، نیز "ہیکل" جسم، ہفت ہیکل۔ سات آسمان۔

۲- دُرِ مکنون : قیمتی موتی۔

۳- جوشن : زرہ۔ دو چھوٹی اور بڑی دعائیں جو ردِ بلا اور حفاظت کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ نیز حفاظت کے لیے گلے میں بھی ڈالتے ہیں۔

۴- مُرقّع : تصویر۔ تصویروں کا مجموعہ۔

۵- مرجع : وہ شخص جس کی فرماں برداری کی جائے، جس سے حکم پوچھے جائیں۔ مرکز

۶- مُصحفِ ناطق : بولتا قرآن، مراد امام

۷- مُخبرِ صادق : صحیح خبر دینے والا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب۔

۸- مور : چیونٹی۔ مور و سلیمانؑ کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان اپنے لشکر کے ساتھ کسی میدان سے گذر رہے تھے ایک چیونٹی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سب بھاگ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کی فوج کچل نہ دے۔ حضرت سلیمانؑ نے اس چیونٹی کو اٹھا کر اپنے ہاتھ پر بٹھا لیا۔ اس طرح ایک ناتواں مخلوق ایک عظیم بادشاہ اور نبی کے ہاتھ پر معراج پا گئی۔ اور حضرت سلیمانؑ نے اس کی عزت افزائی کر کے بتایا کہ اللہ کے نبی ادنیٰ کو ادنیٰ نہیں سمجھتے۔ اگر کسی ادنیٰ میں صلاحیت ہو تو اسے بلندیاں عطا کرتے ہیں۔

۹- تعلّی : بلندی۔

۱۰- امر و نہی : حکم و ممانعت۔ احکامِ خداوندی۔ مرغوب : پسندیدہ، محبوب۔ عملِ استخارہ : اللہ سے کسی کام کے شروع کرنے میں خیر و بہتری طلب کرنا۔

۱۱- حدیقہ : باغ، ریاض۔ رضوان : داروغہ جنت۔

۱۲- یثرب : مدینہ۔ بطحا : کعبہ اور اس کا ملحقہ علاقہ جو پتھریلا ہے۔ نیّرِ زہرا : چمکتا سورج۔

۱۳- نہ کشتیِ سپہر : نو آسمانوں کو نو کشتیاں قرار دیا ہے۔ سپہر : آسمان۔

۱۴- بیت الاثاث : اصل سرمایہ رکھنے کی جگہ۔ گنجینہ : خزانہ۔ حقّا : سچ اور حق یہ ہے۔ بلاشبہ۔

۱۵- افضال : فضل و انعام خداوندی۔

۱۶- مفتاح : کنجی۔ کلید

۱۷- فرّاش : خادم۔ فرش فروش کا انتظام کرنے والا۔ صرّاف : سونے چاندی کا کاروبار کرنے والا۔

۱۸- حقّ القدم : کسی معزز آدمی کی آمد کا نذرانہ

۱۹- مُسبّحان : تسبیح پڑھنے والے۔ فرشتے۔

۲۰- مگس راں : وہ خادم جو امیروں کے قریب مورچھل لے کر کھڑا ہوتا اور مکھیاں قریب نہیں آنے دیتا۔

۲۱- پابوس ہونا : قدم چومنا۔

۲۲- روحی لک الفدا : میری جان تم پر قربان۔

۲۳- حُجّت : دلیل۔ خدا کی طرف سے مقرر کردہ نبی یا امام۔

۲۴- مسیح : حضرت عیسےٰؑ۔ ذبیح : حضرت اسماعیلؑ۔ خلیلؑ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب۔

۲۵- نہ اوصیا : وہ نو امام جن کے بارے میں یکے بعد دیگرے وصیت کی گئی ہے، یعنی امام زین العابدینؑ و امام محمد باقر و امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم و امام علی رضا و امام محمد تقی و امام علی نقی و امام حسن عسکری و امام مہدی آخر الزمان علیہم السلام۔

۲۶- مہم : جنگ، غزوہ۔ شق القمر : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ، آپ کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔

۲۷- سقر : جہنم

۲۸- جاروب : جھاڑو۔

۲۹- ام المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضوان اللہ علیہا زوجۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو محرم ۶۱ھ میں زندہ تھیں۔ امّ البنین : زوجۂ حضرت علی علیہ السلام مادر حضرت عباسِ علمدارؑ، یہ سب خواتین مدینہ میں تھیں۔

۳۰- خُمس : سالانہ منافع اور سالانہ بچت وغیرہ کا پانچواں حصہ راہ خدا میں نکالنا۔ جس کا نصف

حصہ خدا و رسولؐ و امام کا ہے اور نصف حصہ سادات کا۔

۳۱۔ مُدارا: صلح۔ مدارات۔ رعایت کرنا۔

۳۲۔ ہاتِف: آواز دینے والا۔ عالمِ غیب سے بولنے اور آواز دینے والا فرشتہ۔

۳۳۔ حُسام: تلوار۔

۳۴۔ تسخیر: قابو میں کرنا۔ صاحبِ تسخیر: وہ عامل جو ریاضت و چلہ کشی کے ذریعے جن اور پری کو قابو میں کرے۔

۳۵۔ بادِ پا: تیزی سے بھاگنے والا۔ (تیز رفتار گھوڑا)

۳۶۔ دَوّار: دورہ کرنے والا۔ گنبدِ دوّار: آسمان۔ سَقف: چھت، سقفِ ضیا بار: روشنی دینے والی چھت۔ چاند تاروں کا آسمان۔

۳۷۔ دِرْہَمِ نُقْلی: ایک قدیم سکہ، چاندی کا روپیہ۔ فُلوسِ ماہی: مچھلی کی جلد پر گول گول چھلکے۔ (درہم، فلوس، سکّہ۔ متناسب الفاظ جمع کرکے حسن پیدا کیا ہے)۔

۳۸۔ دَفْعَتَہْ: دَفْعَتہً / دَفْعَتاً کا یہ املا، شعری ضرورت کی بنا پر اختیار کیا ہے۔ اور یہاں قافیہ ہے "شعلہ زن" "سکّہ زن" "صف شکن" لہذا "دَفْعَتَہْ" لکھا ہے۔

۳۹۔ عَنقائے مُغرِب: ایک خیالی پرندہ، نظر آنے والا طویل و عریض پرندہ۔

۴۰۔ اُقتُلُوا الحُسَینؑ: حسینؑ کو قتل کردو۔

۴۱۔ سَکتَہ: ایک بیماری جس میں آدمی کی حس و حرکت جاتی رہتی اور مریض مردہ معلوم ہوتا ہے۔ سانس آتی ہے اور بس۔

۴۲۔ خوزادہ: (خدا زادہ = خو = مخفف خدا) آقا کا فرزند۔ شہزادہ۔

۴۳۔ ذُوالمِنَن: احسان و انعام کا مالک۔ خدا۔

۴۴۔ بَلِّغْ تَحِیَّتِی وَسَلَامِی عَلَی الْحُسَیْنؑ: امام حسینؑ کے حضور میں میرا سلام و آداب پہنچادو۔

۴۵۔ تَوَلّا: محبتِ اہل بیت۔

مرثیہ نمبر ۱۳

زنداں کی طرف ہند تحمل سے رواں ہے

۱۰۲ بند

احوال قید شام

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگ الفاظ

مرثیہ پر نظر

"زنداں کی طرف ہند تجمل سے رواں ہے" مطلع کا پہلا مصرع ہے اور مطلع ہی سے موضوع اور واقعہ کا عنوان سمجھ میں آجاتا ہے۔ ہند کا قید خانۂ شام میں آنا عہد انیس و دبیر کا عام موضوع ہے۔ کہتے ہیں کہ یزید کے حرم سرا میں ہند نامی ایک خاتون تھی جو مدتوں مدینہ میں رہی اور اہل بیت کے گھر میں خدمت گذاری کا شرف پا چکی تھی ـــ امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے مکہ اور مکے سے عراق آنا زبان زد تھا۔ کربلا کا واقعہ ہوا تو ہند کھٹکی اسے تفصیل سے تو کچھ نہ معلوم ہو سکا مگر مدینہ ـــ باغی ـــ قتل ـــ سر کا آنا ـــ قیدیوں کا پابندِ زنداں ہونا۔ گھر میں چرچا تھا، ہند نے ان قیدیوں کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اور ایک دن وہ کنیزوں، خواصوں اور محافظ عورتوں کے ساتھ محل سرا سے قید خانے تک آئی۔ قید خانے کا عملہ، یزید کے نوکر بلکہ خود ہند کی کنیزیں بھی چاہتی تھیں کہ ملکہ کسی طرح قیدیوں کو نہ دیکھے ان سے ہمدردی نہ کرے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

اُدھر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو اطلاع ہو گئی وہ متفکر ہوئیں کہ جس خادمہ نے اس گھرانے کو عالم اعزاز و احترام میں دیکھا تھا، جن لوگوں کا شیوہ بھوکوں کو شکم سیر کرنا، یتیموں کی سرپرستی کرنا، قیدیوں کو رہائی بخشنا تھا آج وہی عورت اُن کو قیدیوں کی حالت میں دیکھے گی تو کیا ہوگا۔ یہ سب باتیں خالص شاعرانہ خیال اور تخلیقی فکر سے نظم کی گئی ہیں۔

مرزا صاحب نے آرائشِ سخن کے لیے، امیرانہ زنانی سواری اور شاہی حرم سرا کے ٹھاٹ باٹ، اس کے مقابل میں معزز تباہ حال خواتین کے نفسیات و جذبات کی عکاسی اور تمثیلی روئداد بیان کرنے میں ماہرانہ مصوّری سے کام لیا ہے۔ مرثیہ کی مجموعی ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ مرثیہ، سوز خوانی کے لیے لکھا گیا تھا، پھر اسے تحت اللفظ میں پڑھنے کے لیے اشعار نظرِ ثانی کی اور "سراپا" کا اضافہ کر کے کم و بیش تیس بند یعنی نوے اشعار کا اضافہ کیا، اس طرح یہ مرثیہ مختصر و طویل مرثیہ کی ٹکنیک سے تیار ہوا یعنی "سراپا" کے تیس بند (از بند ۱۰ بند ۴۰) نکال دیتے جائیں تو بہتر "بند کا" بینیہ "مرثیہ بن جاتا ... مصائب خوانی کے لیے کافی ہے۔ ٹھاٹ کی مجلس پڑھنا ہو تو یہی تیس بند ملا لیے جائیں۔

"سراپا" یعنی، چہرہ (پیشانی، بھویں، آنکھ، ناک، لب، رخسار، ڈاڑھی، ٹھڈّی، دانت، گردن، سینہ غرض) تمام اعضا کی تعریف، انیسویں صدی کے نصف اول سے کچھ پہلے مرثیے میں جز کے طور پر داخل ہوئی۔

لکھنؤ کے شاہی ٹھاٹھ باٹ، اور قصیدے کے رواج، تکلفات امارت کے قیام ورواج نے اس وقت جڑیں پکڑ لی تھیں، اس لیے بیان واقعات کا لہجہ بدل گیا، رزم وبزم کا بیان ہو یا حرف وحکایت کی زبان، شاعر ہمیشہ اپنے وقت کے لہجہ میں بات کرتا ہے، ماحول کے تقاضوں اور لہجے کے آہنگ نے ہر صنف سخن کو متاثر کیا، مرثیہ میں اس کا تاثر، غالباً چہرے سے بین تک مکمل طور پر نمایاں ہے۔ بہرحال دبیر کے شباب فن اور ان کی شاعری کے پندرہ بیس سال بعد "سراپا" مرثیہ کی ٹکنیک میں جزو بن کر داخل ہوا، اب اس "سراپا" میں رنگا رنگ ایجادیں ہوئیں جس کی لطافت اپنے طویل فنی پس منظر میں قابل دید وداد ہے۔ اس تنوع میں ایک نادر زاویہ اس مرثیہ میں ہے — سراپا — عام طور سے کسی زندہ شخص کا لکھا جاتا تھا، پورے وجود، متحرک ذات کو موضوع بنایا جاتا تھا۔ مرزا صاحب نے اس مرثیہ میں امام حسین علیہ السلام کے سر بریدہ کے اعضاء کی تصویر کشی کی ہے۔ سر و رخسار، چشم وابرو، بینی و ذقن، خد و خال کی مدح کے بعد گردن کی تعریف کرتے ہوئے خیال آیا کہ

اک گردنِ انور جو قلم ہو گی، ہے دوجا ۔ کچھ نقص نہیں عینِ کمال اب بھی ہے پیدا
اب ذکرِ الٰہی کو دہن دو ہوئے گویا ۔ ہر اک ہے عبادت کی تمامی میں مہیا
اُس نصف نے بالکل شرفِ سجدہ لیے ہیں
اِس نصف نے قرآن کئی ختم کیے ہیں

آدھا مرثیہ، بند ۵۰ سے خصوصی طور پر نجی گفتگو، ڈرے سہمے، محتاط اور آبرومند ماحول میں دکھائی ہے، عورتوں کی دلیری، آزمائش میں حوصلہ مندی، مشکلات میں نسوانی جبلت کے ساتھ مقابلہ کی طاقت، اپنے ماضی پر فخر اور حال پر عاجزی اور شکست کے اظہار سے پہلو تہی۔ احتجاج اور صبر وشکر کا تذکرہ، رلانے کا تصور اور اہلِ مجلس کو تڑپا دینے کی کیفیت، زبان کی سادگی اور بیان کی اثر آفرینی مرثیہ کے بقیہ حصّے کا امتیازی پہلو ہے۔

تازہ ہے تمامی یہ سخن، تازہ ہے تمہید

(۲)

مرزا دبیر نے ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء سے مرثیہ گوئی کا آغاز کیا (حیات دبیر ج ۱ص ۲۲) اگر یہ روایت صحیح ہے تو میرا قلمی نسخہ مرزا صاحب کی ستائیس سالہ شاعری کی نشان دہی کرتا ہے۔ صفر، ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء کا مخطوطہ قطعی طور پر تو یہ نہیں بتاتا کہ مرثیہ اسی سال کی تصنیف ہے۔ البتہ اس سے زمانۂ تصنیف کی تقریبی حدبندی ضرور ہو جاتی ہے۔ میرا قلمی نسخہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اوّلاً تو تحریر مرزا کی تقریباً ۳۹ برس کی عمر سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ زمانہ دبیر کی شعری جوانی کا زمانہ ہے — تیسرے مخطوطے کی عبارتیں بتاتی ہیں کہ مرثیہ کسی اچھے نسخے سے نقل کیا گیا، کاتب عطا حسین بدخط ہونے کے باوجود بڑی حد تک صحیح نویس ہیں، اس نسخے میں جو عبارت جس طرح لکھی تھی اسی طرح نقل کر دی ہے۔ مصرع پر مصرع، بیت کے آخر میں بیت۔ لفظ کے اوپر لفظ مرزا صاحب کی ترمیم وتبادلہ شعر ولفظ ہے۔ مرثیہ کے نصف حصّے کی کتابت محبوب علی نے کی۔ ان کا خط اچھا اور املا صحیح ہے — مرثیہ کے سر ورق پر تصحیح اور آخر میں کچھ اہم تفاصیل ہیں۔ مثلاً سرورق کی عبارت ہے:

نوازش علی (دستخط)
مرثیہ تصنیف میاں دبیر سلمہ اللہ تعالےٰ
صحیح نمودہ شد

مرثیہ

زنداں کی طرف ہند تجمل سے رواں ہے

المالک ھذا الجز عبد الضعیف الراجی
(الی) اللہ عطا حسین اللہم بارک لی و (لی؟) للاولادی
بحرمۃ النبی مع (؟ وآلہ) الامجاد۔

المالک عطاحسین خان عفی عنه وعن والدیه

بند ۵،

زنداں کی طرف ہند تجمل سے رواں ہے

ورق ۱۴-الف کی عبارت ہے۔

تمت تمام شد خط خام نصف بندہ حقیر سراپا تقصیر محبوب علی و نصف خط دستخط خاص خان صاحب خداوند نعمت عطاحسین خان دام اقبالہ شروع نمودہ شد از چہار گھڑی شب گذشتہ و تمام شد بوقت چہار گھڑی شب باقی ماندہ بروز شنبہ بوقت صبح در ماہ صفر المظفر ۱۲۵۷ھ ہجرت) نبوی صلعم

ہر کہ خواند دعا طمع دارم! زانکہ من بندۂ گنہ گارم تم تم تم تم تم

تمام شد صحو

ای کریمی کہ ارحرار

واللہ کلاہ سر عالم ہوا حر

حلہ ملا معصومہ کا رومال ملا

پھر ترچھے خط میں دو رباعیاں تحریر ہیں۔

۱ سرورق پر تعداد بند ،، لکھ کر کاٹ دی ہے اس کے بعدہ، لکھا ہے لیکن دراصل اس نسخے کے متن و حواشی پر لکھے ہوئے بند ۱۰۳ ہیں۔

مرثیہ چار پانچ گھنٹے میں دو آدمیوں نے نقل کیا ہے اس لیے خط رواں اور جلدی نقل کرنے کے آثار سے آراستہ ہے۔

مرثیہ؛

زنداں کی طرف ہند تجمّل سے رَواں ہے

۱۰۲ بند

قیدِ شام کا حال

ہِند کی قید میں آمد

۱ زنداں کی طرف ہندِ تجمّل سے رواں ہے پر جو قدم اٹھتا ہے وداعِ دل وجاں ہے
نے صبر ہے نے ہوش ہے نے تاب وتواں ہے دل وقفِ تردّد ہے، زباں صَرفِ فغاں ہے ۱
یہ نذرِ حَرم، لختِ جگر لے کے چلی ہے
واں تحفہ کی جا داغِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۲ گریاں حشَمِ شاہ پہ ہیں دیکھنے والے آگے تو سواری کے بڑھے جاتے تھے نالے
ہے بے خبری گوشۂ دامن کو سنبھالے اور رختِ بدن پنجۂ ماتم کے حوالے
گہ فرش پہ ہے زلزلہ، گہ عرش بریں پر
آہیں جو فلک پر ہیں تو آنسو ہیں زمیں پر

۳ دل مثلِ خیامِ نبوی جلتا ہے ہر بار مانندِ گریبانِ حرم سینہ ہے افگار
اور صورتِ زخمِ شہدا چشم ہے خوں بار باروں سے پریشانیِ سادات نمودار
زنداں کی طرف آہ مسلسل جو رواں ہے
ہر گام پہ سجادؑ کی زنجیر عیاں ہے

۴ ہر اشک کے قطرے میں ہے ضم چشمۂ زمزم اندیشۂ مصاحب ہے، دم سرد ہے ہمدم
شب ہے پہ عیاں صبحِ قیامت کا ہے عالم ہے شام کی کشور میں یہ پہلی شبِ ماتم
کہتی تھی کہ لوٹے ہوئے قیدی وہ کدھر ہیں؟
زنداں سے ندا آتی تھی زہراؑ کی۔ اِدھر ہیں

۵ دل پُر ز غم، جگر تختہ، لبِ حال پہ یہ فال   اللہ مرے، خیر سے ہو فاطمہؑ کا لال
ہر چند امیرانہ ہے سب حشمت و اجلال   آشفتہ فقیروں کی طرح دل کا ہے احوال
اُغلب ہے اگر قتلِ شہِ دیں کا یقیں ہو
یوں خاک پہ یہ تڑپے کہ پیوندِ زمیں ہو

۶ منّت ہے خواصوں کی کہ چادر کو سنبھالو   یہ راستہ ہے چہرے کو بالوں میں چھپا لو
وہ کہتی ہے، اب ذکر نہ پردے کا نکالو   چادر کے عوض خاک مرے بالوں پہ ڈالو
کیوں کر نہ زمانہ اسے ان حالوں سے دیکھے
جو خواب میں زہرا کو کھلے بالوں سے دیکھے

۷ باندھے ہوئے دامن کو کنیزیں کئی ہشیار   بڑھ بڑھ کے خبر لاتی ہیں زنداں کی ہر اک بار
کہتی ہیں کہ اے بی بی، قیامت کے ہیں آثار   ہے ہے، موئے پیے موت یہ زنداں کے گرفتار
در بند ہے، دم رکتا ہے، بے ہوش پڑے ہیں
تلواریں نکالے ہوئے درباں کھڑے ہیں

۸ بیرونِ خرابہ کئی سر نیزوں پہ ہیں، آہ   کوئی ہے ستارہ، کوئی خورشید، کوئی ماہ
روتی ہیں جو بیبیاں، تو وہ تھرّاتے ہیں، واللہ   گھر پھر چلو، تم دیکھو نہ یہ صدمۂ جاں کاہ
جب "ہائے حسینا" کوئی مظلومہ کہے گی
اے توبہ، تمھیں سننے کی کیا تاب رہے گی

۹ پہنچی درِ زنداں کے برابر جو سواری   تب ہند کے قدموں پہ گریں لونڈیاں ساری
بولیں کہ ردا اوڑھ لو، ہم آپ پہ واری   کل ہم پہ نہ حاکم کا غضب ہو کہیں طاری
درباں تمھیں دیکھ کے کیا دل میں کہیں گے
ہم چشموں کے بی بی پہ سدا طعنے رہیں گے

۱۰ پہنچی درِ زنداں پہ جو با نالہ و افغاں   تعظیم سواری کو اٹھے دور سے درباں
کیا دیکھتی ہے ہند کہ پیشِ درِ زنداں   نیزوں پہ علم ہیں کئی سر خوں میں غلطاں
کہنے لگی: اللہ یہ کیا قدرتِ رب ہے
[illegible]

۱۱ ناگاہ نظر آیا وہاں اک سرِ انور   دیکھا اسے اور یاد حسینؑ آئے برابر
اک زینہ بلند اور ہو گر عرش کا منبر   تو خطبۂ اوج اس کا پڑھے قدرتِ داور
سر ہے کہ گلِ تازۂ بستانِ شفاعت
اس سر کی قسم کھاتا ہے سامانِ شفاعت

۱۲ توفیقِ خدا عقل کو کرتی ہے اب آگاہ   لکھ صفحۂ تقریر پہ تصویرِ سرِ شاہ
دیکھا جو اسے ہند نے کیا شان تھی کیا جاہ   حشمت پہ تو ہو "واہ" اور اُس حال پہ ہو "آہ"
دیکھو سرِ بے تن کی ذرا شوکت و شاں کو
بے شمع کے شعلہ میں دکھاتا ہوں جہاں کو

۱۳ نیزے پہ نگیں ہے سرِ زیبائے امامت   افتادہ ہے رن میں قدِ بالائے امامت
چہرہ ہے گلِ باغِ تمنّائے امامت   جلدِ سوم مصحفِ طغرائے امامت
تشبیہ کوئی مصحفِ رخ کے نہیں قابل
بسم اللہ اگر شمس و قمر ہوئیں مقابل

۱۴ نیزے سے نہیں اوجِ سرِ شاہِ دو عالم   اونیٰ ہے مقام اس کا سرِ عرشِ معظّم
ہاں نیزے کو بخشا ہے شرف اک قدِ آدم   اب تختِ سلیماں کا ہے یہ قبلۂ اعظم
تسلیم طلب نیزہ ہے موسیٰؑ کے عصا سے
تعظیم کا مشتاق ہے یہ عرشِ خدا سے

۱۵ بس لائقِ حق مصحفِ عارض کی ثنا ہے   اپنے لیے "سبحانک لا علم لنا" ہے
لب آیۂ شیریں "نباتاً حسنا" ہے   پر تشنہ دہانی بھی عیاں بعدِ فنا ہے
کس حسن سے سوکھے ہوئے ہونٹوں میں زباں ہے
خورشید کنارِ دو مہِ نو میں عیاں ہے

۱۶ تفسیرِ دو عارض ہے حدِ شرع سے افزود   اک خاک سے آلودہ ہے اک خوں سے آلود
لو، زلف کے بھی یاسیں بھی ہے قرآں میں موجود   اک نقطے سے ہے شہرۂ رنگینِ مصحفِ معبود
وہ نقطہ بیاں کے لیے محتاج دہن ہے
یاں نقطۂ گویا دہنِ شاہِ زمن ہے

۱۷ جس خاک پہ خورشیدِ ضیا چہرے کی پائے — تو پنجۂ مژگانِ شعاعی سے اٹھائے
پھر میلِ طلا تارِ شعاعی کو بنائے — اور چشمِ قمر میں وہ سدا سرمہ لگائے
شامل جو نہ ہو روشنی اس قدرتِ رب کی
آفاق میں پھر صبح نہ ہو ئے کسی شب کی

۱۸ گر بیچ میں ہوتا نہ جمالِ شہِ ابرار — پڑھتے نہ درود آئینے کو دیکھ کے دیدار
دو آنکھیں ہمیں حق نے جو دیں ہے یہی اسرار — اک لحظہ میں اس رخ کی زیارت کریں دو بار
کیا نام خدا پر تو عارض کی چمک ہے
ہر ذرہ نسب نامۂ خورشیدِ فلک ہے

۱۹ دیکھو تو یہ گیسو ہیں و یا قدرتِ داور — دکھلاتے ہیں کوثر سے جدا موجۂ کوثر
رخ چشمۂ حیواں ہیں، یہ ہیں خضر کے رہبر — پر تو اسی کاکل کا ہے جبریل کا شہپر
ہے بخش جو یوں نام یہاں بالِ ہما کا
گیسو نہیں، سایہ ہے چپ و راست خدا کا

۲۰ پر آہ عدو کو نہیں خوفِ اَحَدی ہے — نیزے سے انھیں باندھا ہے کیا بے خردی ہے
کی ہے وہ بدی جس میں عذابِ اَبَدی ہے — لو تارِ شعاعی کو گرہ نیزے سے دی ہے
گیسو کی طرح گرد فدا ہوتی ہے زہرؑا
سلجھاتی ہے ان زلفوں کو اور روتی ہے زہرؑا

۲۱ کہتی ہے جینا مجھے آواز سنا دو — ٹوٹا ہو کوئی تار جو زلفوں کا بتا دو
بال اپنے تہہِ عرش میں کھولوں جو رضا دو — آتی ہے ندا سر سے کہ امت کو دعا دو
کب زلف کے بندھنے سے برائی پہ نگہ جائے
امت کی شفاعت کا نہ عقدہ کوئی رہ جائے

۲۲ کیا قبلۂ ابرو کا شرف پلکوں سے ہے، واہ — رُو سب کا سوئے قبلہ ہے، قبلہ سوئے اللہ
دیکھا ہے ہلالِ خمِ ابرو کا کہیں جاہ؟ — ہے شرم سے ہالے کے گریباں میں رخِ ماہ
قربان میں نقاشیِ ربِ دو جہاں پر
[illegible]

۲۳ مضمونِ مژہ کے لیے تازہ یہ قبا ہے — یہ بندِ قبائے نگہِ لطفِ خدا ہے
لیکن یہ مژہ ہے جو سیہ پوش تو کیا ہے — نورِ نظر شاہِ شہیداں کی عزا ہے
ہیں اشک فشاں آنکھیں غمِ نورِ نظر میں
پیراہنِ آبی ہے ہر اک بحر کے بر میں

۲۴ مدحِ الف بینیِ زیبا سے ہے دل شاد — توحیدِ جنابِ اَحَدی بندوں نے کی یاد
جو ایک الف کا وہی اک خالقِ ایجاد — ہر قلت و کثرت میں یہ اک داخلِ اعداد
کونین کی بنیاد میں یہ ایک الف ہے
کل ابجدِ ایجاد میں یہ ایک الف ہے

۲۵ خط حاشیۂ مصحفِ شاہِ دو سرا ہے — گو نقش اسی کے ورا، نقشِ دلِ خیر وری ہے
قرآن پہ ہاتھ اپنا یہ قدرت نے دھرا ہے — کھاتی ہے قسم حسنِ ازل سے یہ بھرا ہے
عارض پہ دلیلِ شرف اس خط کی قوی ہے
ہم پہلوئے قرآن یہ حدیثِ نبوی ہے

۲۶ ہے یہ خطِ زیبا کہ امامت کا جریدہ — یہ نسخۂ درماں ہے پئے دردرسیدہ
عارض کی تجلی سے یہ مضمون ہے چیدہ — لو طور کی آتش پہ ہوا سبزہ دمیدہ
خوشبو وہ ہے جس سے کہ خجل مشکِ ختا ہے
یہ خطِ شفاعت پئے اربابِ خطا ہے

۲۷ حسنِ دُرِ دنداں کی میں تعریف کروں کیا — ہے نقطۂ تنگ دہنِ تنگ صدف میں دُرِ یکتا
اصل ان کی حضور ایک گہر کی نہیں اصلا — ہاں ترجمہ ہر دانۂ لؤلؤ کا ہے لالا
حسنِ لب و دنداں پہ عطارد نگراں ہے
یہ دُرج میں تسبیحِ دُرِ کاہکشاں ہے

۲۸ وصفِ لب و دنداں میں سخن سنج ہوں کیا ہم — تولیں جو وقاران کا تو ساماں نہیں باہم
میزان تو ہو برگِ گل اور سنگ ہو شبنم — پر اس میں بھی عصیاں کا خیال آتا ہے پیہم
شبنم ہو تو ہو قدرتِ ربِ اَزَلی کی
میزاں ہو تو برگِ گلِ اعجازِ علیؑ کی

۲۹ یہ لب ہیں کہ دو مصرعِ دیوانِ قدرؑ ہیں   قرآن خموشی کے و یا زیر و زبر ہیں
دونوں کے اشارے یہ سوئے اہلِ نظر ہیں   دو لال ہیں زہراؑ کے لیں اور دو ہی گہر ہیں
مردہ جو دمِ نزع پکارے شہِ دیں کو
بخشیں دمِ عیسےٰؑ یہ دمِ بازپسیں کو

۳۰ ہے قابلِ کوثر صفتِ چاہِ زنخداںؑ !!   پانی ہوا خجلت سے یہاں چشمۂ حیواں
گنجائشِ یوسفؑ ہے کب اس چاہ میں پنہاں   سر تا بقدم روح بنے یوسفِؑ کنعاں
اس چاہ کی ہے چاہ دلِ خیر بشر میں
اس چاہ سے جو نکلا گرا قعرِ سقر میں

۳۱ اب مدحتِ گردنؑ میں خمیدہ ہے سراسر   اک نصف بہم سر سے ہے اک نصف بدن پر
قد شمعِ حرم، شعلہ ہے یہ گردنِ انور   لو قدرتِ حق شعلہ ہے، دو حصے برابر
گردن ہے و یا مطلعِ انوار و ضیا ہے
ہے نور کا مطلع مگر اب قطع ہوا ہے

۳۲ اک گردنِ انور جو قلم ہو گئی ہے دو جا   کچھ نقص نہیں عینِ کمال اب بھی ہے پیدا
اب ذکرِ الٰہی کو دہن دو ہوئے گویا   ہر اک ہے عبادت کی تمامی میں مہیا
اُس نصف نے بالکل شرفِ سجدہ لیے ہیں
اِس نصف نے قرآن کئی ختم کیے ہیں

۳۳ اس شان سے جو ہند نے سرِ شاہ کا دیکھا   بے ساختہ گھبرا کے کہا "ہائے حسینا"
چلائیں کنیزیں، "تمھیں کچھ خبر ہے، یہ کیا؟   لو آگے بڑھو بی بی، یہ سر پیٹنا کیسا؟
کیا یہ پسرِ احمدِؐ مختار کا سر ہے؟
یہ تو ترے شوہر کے گنہ گار کا سر ہے۔

۳۴ مصروف ہے بخشش میں سرِ شاہِ خوش انجام   شب نور کی تقسیم سے ہے صبح کے ہم نام
کھولے ہوئے دامن کو زمیں طالبِ انعام   بھرتا ہے فقیرِ فلک اک چلو سے نو جام
حاضر مع اطفال کواکب ہے قمر بھی
شب لے چکی جو لینا تھا آتی ہے سحر بھی

۳۵ ایسا تو زمانے میں غضب ہو گا بھلا کیا   اُمت نے گلا کاٹا ہو فرزندِ نبیؐ کا
وہ بولی، کہ باور تو مجھے بھی نہیں، اِلّا   شبیرؑ کے نقشے سے بہت ملتا ہے نقشا
ہستی میں یہ آوارہ وطن ہوئے گا کیسا
سر کی تو یہ حشمت ہے، بدن ہوئے گا کیسا

۳۶ ناگاہ یہ اک لونڈی نے آواز دی، رو رو   اے بی بی! یہ سر چھوٹے سے بچے کا تو دیکھو
ہے ہے نہ پھرا ہو گا ابھی گھٹنیوں یہ تو   چھوٹے ہی ہیں سر کاٹ کے لے آئے ہیں بدخو
بچوں کی طرح دودھ اُگل کر جو مُوا ہے
سو، باچھوں سے بہہ بہہ کے گلے پر وہ جما ہے

۳۷ کوئی سرِ اکبر پہ نظر کر کے پکاری   بی بی! یہ پیمبرؐ تو نہیں، میں ترے واری
ہم شکلِ نبی کہتی ہے خلقت اسے ساری   آ گئے تو مدینے میں سکونت تھی تمھاری
پہچانو تو ہم شکلِ نبیؐ ہے کہ نبی ہے
یہ اور کوئی ہے کہ رسولِ عربیؐ ہے

۳۸ اک کہتی ہوئی آئی کہ یہ حادثہ کیا ہے!   اک سر پہ میں قربان گئی سہرا بندھا ہے
قسمت نہ الٹ جائے، تحذر کرنے کی جا ہے   یہ آرسی مصحف کی گھڑی قتل ہوا ہے
اغلب ہے کہ مردے کو ملا ہو نہ کفن بھی
ہوئے گی انھیں قیدیوں میں اس کی دلھن بھی

۳۹ کیں ہند نے بند آنکھیں کہ یا رانھیں اصلا   اور حکم دیا: ہاں، درِ زنداں کو کر دو وا
درباں پکارے کہ ہے انکار ہمیں کیا   پر آپ کی تکلیف کا ہے دھیان سراپا
کل دیکھیو بُلوا کے محل میں انھیں دن کو
ہم باندھ کے اک رسّی میں لے آئیں گے ان کو

۴۰ زنداں میں قدم رنجہ کریں آپ نہ زنہار   حاضر درِ دولت ہی پہ کل ہوں گے گنہ گار
در کھولنے میں ہیبتِ حاکم سے ہے انکار   ایسا نہ ہو، کم ان میں سے ہو کوئی گرفتار
جب فوج نے خلعت لیے ہیں ملک لیے ہیں
تب اتنے اسیر اور یہ سر لا کے دیئے ہیں

۴۱ تب ہند نے آخر یہ کیا اُن سے بہانا — اِس فتح کے ہونے کے لیے میں نے ہے مانا
خود جا کے اسیروں کو کھلاؤں گی میں کھانا — وہ بولے کہ حاشا، نہ کھلانا نہ کھلانا

ہم شمر سے پوچھ آئیں، ذرا آپ ٹھہر جائیں
حاکم کو ہے منظور کہ یہ فاقوں سے مر جائیں

۴۲ اس نے کہا: اللہ یہ ایسے ہیں گنہ گار؟! — القصہ کہ آئی درِ زنداں پہ وہ ناچار
دستک کفِ افسوس و کلید آہِ شرربار — دربانوں نے دروازہ کُشادہ کیا اک بار

واں ہند کا دروازے کے باہر ہی قدم تھا
یاں فاطمہؑ کی بیٹیوں کے دم میں نہ دم تھا

۴۳ عابدؑ سے یہ فرمانے لگی دخترِ زہراؑ — لو ہند تو آپہنچی، میں اب کیا کروں بیٹا؟
ذلّت کا تو ہے سامنا اور موت میں عرصا — بے رحموں کے قابو میں ہیں کچھ بس نہیں اپنا

مانگو یہ دعا نائبِ شاہِ دوجہاں ہو
واں داخلہ ہو ہند کا یاں روح رواں ہو

۴۴ اے کاش زمیں شق ہو بدن میرا سما جائے — زینبؑ پہ کسی اور کی آئی ہوئی آ جائے
اب تک تو میں غم کھاتی تھی اب غم مجھے کھا جائے — بھائی کہاں چادر جو مرے سر پہ اُڑھا جائے

اِفراط ہے اب ذلّتِ جاں کاہ کی مجھ پر
کیوں بجلی نہیں گرتی مری آہ کی مجھ پر

۴۵ آنکھوں کے تلے پھرتی ہے وہ شمر کی تلوار — گردن پہ نہیں پھرتی کہ ہو فیصلۂ کار
برچھی دلِ اکبرؑ کی بھی یاد آتی ہے ہر بار — ہوتی نہیں پر حیف کلیجے سے کبھی پار

ذلّت ہے، حقارت ہے، اسیری ہے، جفا ہے
جو بھائی کو کھو کر جیے اس کی یہ سزا ہے

۴۶ جب ہند کی آمد ہوئی زندانِ ستم میں مطلع — بیبیوں کو غم تازہ ہوا پیاروں کے غم میں
زینبؑ نے کہا یادِ شہنشاہِ اُمم میں — جلد آؤ، نہیں مرتی ہے بھینا کوئی دم میں

وارث کوئی جز ذاتِ خدا سر پہ نہیں ہے
[illegible] سر پہ نہیں ہے

۴۷ یہ کہتی تھی اور روتی تھی بنتِ شہِ مرداں — واں لونڈیوں سے ہند کی کہنے لگے درباں
لو جا کے اسیروں کی تلاشی کسی عنواں — ہو کاردؑ و شمشیر کسی پاس نہ پنہاں

جو مرد ہو باہر اسے زنداں سے نکالو
بچوں کو بھی گودی سے اسیروں کی اٹھا لو

۴۸ داخل ہوئیں زنداں میں کنیزیں تو یہ دیکھا — اک صاحبِ آزار ہے بن پانی تڑپتا
اور لپٹا ہوا روتا ہے اک ننھا سا بچا — کہتا ہے کہ ہے ہے مِرے بابا مرے بابا

بیمار سے بولا بھی نہیں جاتا عطش میں
پر ہونٹوں سے "پانی" کی صدا آتی ہے غش میں

۴۹ پھر بڑھ کے کیے سب نے اسیروں کے نظارے — دیکھا کہ ہیں سر بیبیاں پر شرم کے مارے
بولیں کہ سنو صاحبو! کہتے ہیں پکارے — "ہو کارد و خنجر نہ کوئی پاس تمہارے

گر ہند کے رونے کو خلل ہوئے گا لوگو
تو ذبح یہ سب قافلہ کل ہوئے گا لوگو

۵۰ طیش آ گیا فضہ کو پکاری یہ لرز کر — کچھ خیر ہے! ہم پاس کہاں کارد و خنجر؟
ہاں وارثوں کے حصّے میں آئی یہ مقدر — پاس اپنے فقط طوق و سلاسل کا ہے زیور

ہوتی جو چھری پھیرتے ہم حلق پر اپنے
اشراف ہیں دکھلاتے ہیں یوں ننگے سر اپنے

۵۱ آواز سے فضہ کی گیا ہند کا آرام! — اغلب تھا کہ ہو داخلِ زنداں وہ خوش انجام
پر دوڑ کے جلدی سے کنیزوں نے لیا تھام — اور بولیں کہ مردانہ ہے، جانے کا نہیں کام

نامحرموں میں تم کو جو سُن پائے گا حاکم!
کل صبح ہمیں دار پہ کھچوائے گا حاکم

۵۲ دروازے کے نزدیک ہے اک شخص کا بستر — بستر کہاں لیٹا ہوا ہے خاک کے اوپر
دو طوق ہیں، دو بیڑیاں اور اک تنِ لاغر — ننھا سا پسر رو رہا ہے اُس سے لپٹ کر

کیا اس کو کہیں حس کو نہ کچھ اپنی خبر ہو
بے اس کے اُٹھے آپ کا کس طرح گذر ہو

۵۳ دربان پکارے: اُسے ہم کو تو بتاؤ　　کیا معنی، اگر غش میں ہے تو کھینچ کے لاؤ
اک کہنے لگا، شمر کو اس وقت بلاؤ　　بیروں کا تڑپنا زنِ حاکم کو دکھاؤ
آئے گا اگر شمر تو ڈر جائے گا بیمار
باہر ابھی زنداں سے چلا آئے گا بیمار

۵۴ اِس مشورے کا آہ ہوا جب کہ قرینہ　　یکبار دھڑکنے لگا سب بیروں کا سینہ
مقتل میں ہلا لاشۂ سلطانِ مدینہ　　اور دوڑ کے عابدؑ کے گلے لپٹی سکینہ
کہتی تھی کہ ماں بہنیں کہاں اور کہاں میں!
اب تو مرے بھائی جہاں جاویں گے واں میں

۵۵ کہتی تھی کبھی لونڈیوں سے ہند کی رو رو　　تم کو بھی ترس ہم پہ نہیں آتا ہے لوگو!
طاقت ہے کسے چلنے کی، لے جاؤ گی کس کو؟　　بھیا کے مرے سوجے ہوئے پاؤں تو دیکھو
لوٹو نہ ہمیں پہلے عدو لوٹ چکے ہیں
مقتل میں بھی دو بھائی مرے چھوٹ چکے ہیں

۵۶ کیوں شمر کو بلواتی ہو، کاہے کو بلاؤ　　مطلب ہے ستانے سے تمھیں، ہم کو ستاؤ
وہ دُرّے لگائے گا، تمھیں دُرّے لگاؤ　　پر حاضر و ناظر ہے خدا، بھول نہ جاؤ
کس طرح گوارا نہ کریں ظلم و ستم کو
کیا جیتے ہیں بابا جو بچا لیویں گے ہم کو

۵۷ ہے کس کی حمایت جو کریں دکھ سے کنارا　　کس نے نہیں گھر کا ہمیں، کس نے نہیں مارا
ہم سنتے تھے، آیا تمھیں کچھ دھیان ہمارا　　ہے رحم تو یہ ظلم غضب ہو گا تمھارا
گر مجھ کو طمانچہ کوئی ہیہات لگے گا
کیوں دیکھنے والو، تمھیں کیا ہات لگے گا

۵۸ گہ عابدِ بے کس کی وہ زنجیر ہلاتی!　　تلوے کبھی سہلاتی، یہ بھائی کو سناتی
بھیا اُٹھو، دھڑکے سے ہے بہنا مری جاتی　　حاکم کے محل کی ہیں یہاں بیبیاں آتی
ہیں طوق سنبھالے ہوئے ہوں اُٹھو سنبھل کر
باہر ہی کہیں لیٹ رہو خاک پہ چل کر

۵۹ حاکم کے مکانوں پہ ہے کیا زور تمھارا　　وہ سب کو نکلوا دے تو ہے کس کا اجارا
آلا ہے ابھی پشت کا ہر زخم تمھارا　　ہے قہر جو اب شمرِ لعیں نے تمھیں مارا
پھر اتنی بھی توقیر نہ ہیہات رہے گی
جب شمر اٹھاوے گا تو کیا بات رہے گی

۶۰ اُس دم سرِ زنجیر کو میں ہاتھ میں لوں گی　　اور طوق اٹھائے ہوئے کاندھے پہ چلوں گی
شمر آئے گا تو آتشِ فرقت میں جلوں گی　　تم ہو گے کہیں اور کہیں میں ہاتھ ملوں گی
جب غیر تمھیں گھیرے گا گھبرا کے اٹھو گے
تھرّا کے گرو گے کبھی تھرّا کے اٹھو گے

۶۱ اٹھنے لگے عابدؑ سرِ زنجیر پکڑ کے　　اور غش ہوئے پھر بازوئے ہمشیر پکڑ کے
رونے لگے دل صاحبِ تطہیر پکڑ کے　　دربان بڑھے غصّے سے شمشیر پکڑ کے
اٹھ کر کہا عابدؑ نے شفا ہوئے جو مر جاؤں
جلدی کہو بہنا میں کہاں بیٹھوں، کدھر جاؤں

۶۲ اک گام اٹھایا تھا کہ پھر غش ہوا طاری　　تب جوڑ کے ہاتھ اپنے سکینہ یہ پکاری
لو صاحبو! بھیا کو اُٹھایا کئی باری　　تقصیر نہ اُن کی ہے نہ تقصیر ہماری
مختار ہو جو چاہو وہ تعزیر دو اِن کو
اب ایسا غش آیا ہے کہ ہوش آئے گا دِن کو

۶۳ چلّا کے کہا ہند نے ہے ہے نہ ستاؤ　　اب نام نہ لو شمر کا، بس بس نہ ڈراؤ
دربانو! اسیروں کو نہ تلواریں دکھاؤ　　میرے پیے بیمار کو تپ میں نہ ستاؤ
آنکھیں نہیں کھلتیں، یہ بھلا دیکھے گا مجھ کو؟
ہے ماں بہن اس کی بھی یہ، کیا دیکھے گا مجھ کو!

۶۴ دروازے میں داخل ہوئی وہ عاشقِ مولا　　زنداں کے اک درجے میں سب رانڈوں کو دیکھا
اک ہاتھ میں کبریٰ کے بندھا کنگنا تو پوچھا　　کیا تخت کی شب کو تجھے تقدیر نے لوٹا؟
سہرا بندھا نیزے پہ جو سر خون میں تر ہے
نواسن کی دُلھن ہے، وہ ترے دولھا کا سر ہے!

۶۵ قسمت نے رنڈاپے کا نشاں تجھ کو دکھایا دولھا کو ترے نیزے پہ پروان چڑھایا
سر تو ہے یہاں، بولو، کفن لاشے نے پایا؟ کیا لٹ کے ترے بیاہ میں یہ قافلہ آیا؟
وہ بال جھنڈولے ہیں پڑے کانوں پہ جس کے
سر چھوٹی سی برچھی پہ ہے فرزند کا کس کے؟

۶۶ سن کر یہ بیاں بانو نے مضطر ہوئی مضطر اغلب تھا کہ رو کر کہے "ہے ہے علی اصغر"
پر رہ گئی ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر حیران ہوئی ہند کہ اب کیا کروں، داور!
سب کے لبِ اظہار پہ ہے مہرِ حیا کی
صورت تو امیروں کی ہے حالت فقرا کی

۶۷ ہر طرح کی حشمت مجھے بخشی ہے خدا نے زنداں میں بھی حاکم ہر مجھے دینا تھا آنے
پر حق کے سوا کون مرے درد کو جانے مارا ہے مجھے "ہائے حسینا" کی صدا نے
صدمہ درِ زنداں پہ بھی تقدیر سے پایا
اک سر کو مشابہ سرِ شبیر سے پایا

۶۸ جس وقت سے اس خون بھرے سر کو ہے دیکھا دل کہتا ہے، سر پیٹ کے چل جانبِ صحرا
شبیر کی جانب سے تردد نہیں بے جا تم نام وہی لیتی ہو، سر کا وہی نقشا
بے قدر کیا عشقِ حسین ابنِ علی نے
میں آئی یہاں اور نہ کی بات کسی نے

۶۹ تب دل میں یہ فرمانے لگی زینبِ ناچار بن بولے ترے بات نہیں بننے کی زنہار
چھپوڑائے ہوئے سر کو، یہ کی ہند سے گفتار گر تم ہو غنی، ہم بھی سدا کے نہیں نادار
اب لٹ گئے ہیں آگے محل بھی تھا، حشم بھی
آفاق میں تھے وارث و والی کبھی ہم بھی

۷۰ بی بی ہمیں کچھ خلق سمجھیو نہ خدارا اک دن تھا کہ صحرائی جہاں اپنا تھا سارا
لیتا نہیں یاں کوئی سلام آج ہمارا سو ترکِ سخن ہم نے کیا سب سے گوارا
گر اہلِ دوَل دولت و اموال میں خوش ہیں
ہم خاک نشیں اپنے پھٹے حال میں خوش ہیں

۷۱ یہ دربدری کا کئی دن سے ہے قرینہ عقبیٰ میں مکاں خلد ہے، دنیا میں مدینہ
ہم صاحبِ ایماں ہیں، کسی سے نہیں کینہ حاکم نے ترے بھر دیا اندوہ سے سینہ
بچوں پہ یتیمی ہے تو رانڈوں پہ جفا ہے
جو وقتِ پیمبر تھا سو وہ ہم پہ پڑا ہے

۷۲ پاس آکے کہا ہند نے: گردن تو اٹھاؤ کیا کہتی ہو، پھر تو مجھے آواز سناؤ
بکھرے ہوئے بالوں کو تو چہرے سے ہٹاؤ قرباں ہو لونڈی، نہ گنہ گار بناؤ
حاکم سے ابھی جا کے رہائی کی قسم لوں
زینب ہو تو کہہ دو، میں بلائیں لوں، قدم لوں

۷۳ آواز تو زینب کی سی ہے آپ کی، واللہ زینب نے کہا: توبہ کر، اے ہندِ حق آگاہ
ہے ہے کہاں زینب، کہاں میں پیاروں موئی آہ آ ہوش میں، کس سے تو ملاتی ہے، کسے، واہ
شاید تو بہت حضرتِ زینب پہ فدا ہے
ہر لفظ انھیں کی ترے کانوں میں صدا ہے

۷۴ زینب مجھے کہتی ہے، دُہائی ہے، دُہائی زنداں میں، اور حیدرِ کرّار کی جائی؟
زینب کی کبھی لونڈی بھی ہے قید میں آئی تو اُن کی محب ہو کے سخن لب پہ یہ لائی؟
کرتے ہیں مدد سب کی علی رنج و محن میں
سو بازوے زینب وہ بندھے رکھتے رسن میں؟

۷۵ شبیر کے سر کٹنے کا آیا تجھے باور؟ معصوم، گناہوں سے بَری، سبطِ پیمبر
زینب کی اسیری کا یقیں ہو گیا کیوں کر؟ سرتاجِ خواتینِ عرب، دخترِ حیدر؟
دردا، رسن اور زینبِ ناچار کے شانے
یوں بندھتے ہیں دنیا میں گنہ گار کے شانے؟

۷۶ شبیر کی تو عاشق و شیدا ہے جو خواہر پھرتا ہے تری آنکھ تلے نقشۂ سرور
یہ تو مرے بھائی کا ہے سر نوکِ سناں پر تو اس کو سمجھتی ہے سرِ سبطِ پیمبر
اس رنگ رخ و زرد کے بھی سامان بہت ہیں
اک شکل کے اک نام کے انسان بہت ہیں

۷۷ اس نے کہا: وہ کہیے کہ ہو دل کو تسلّی — اک نام کے ہوتے ہیں بشر، یہ تو ہیں سمجھی
پر، فاطمہ زہراؑ کا حسینؑ ایک ہے بی بی — زینبؑ بھی ہے کُل ایک محمدؐ کی نواسی

مانا ہے، سنوں خیر جو شاہِ دوسراؐ کی
ٹھنڈک ابھی میں جا کے کروں خیرِ نسا کی

۷۸ زینبؑ تو بھلا تم نہیں، آخر کو ہے کیا نام — مطلب سے ہے مطلب مجھے، اس قصّے سے کیا کام؟
اب اہلِ مدینہ کی خبر دو کہ ہو آرام — کچھ ان کا کہو حال، سنو کچھ مرا پیغام

فرما چکی ہو تم کہ مدینے میں مکاں ہے
سرسبز تو گلزارِ رسولِ دو جہاں ہے؟

۷۹ فرمایئے، صحت سے تو ہیں سیّدِ ابرار؟ — عبّاس تو ہیں خیر سے، اے بیکس و ناچار؟
شبیرؑ کا تو ہو گا اور اب ان پہ سوا پیار؟ — بیٹا کیا تھا رو بروے حیدرؑ کرّار

سنتی ہوں کہ بھائی کے علم دار ہوئے ہیں
اب نامِ خدا جعفرِ طیّار ہوئے ہیں

۸۰ یاد آیا مجھے خوب، کہو بانو ہے کیوں کر؟ — اقبال کی ان کے میں قسم کھاتی ہوں اکثر
شوہر تو ہے شبیرؑ سا، بیٹا علیؑ اکبر — یہ سبطِ پیمبرؐ ہے وہ ہم شکلِ پیمبرؐ

خود بیاہنے کو روح گئی خیرِ نسا کی
کِسرائیؓ سے کہلائی بہو شیرِ خدا کی

۸۱ اللہ زیادہ کرے، اب ان کے ہیں کے لال؟ — حُسنِ علیؑ اکبر کا بہت شُہرہ ہے فی الحال
بن بیاہا ہے، یا بیاہا گیا ہے وہ خوش اقبال — اٹھارواں ہے سال کہ انیسواں ہے سال

مشتاق ہوں ہم شکلِ رسولؐ عربی کی
اللہ رکھے اس کو زیارت ہے نبیؐ کی

۸۲ عابدؑ جو بڑا بیٹا ہے، ماں باپ کا محبوب — سو فاطمہؑ بنتِ حسنؑ سے ہے وہ منسوب
اب شادیِ اکبر ہے کہاں بانو کو مطلوب — یہ تو ہے بہت خوب، دولھن بھی ملی پر خوب

ہم شکلِ پیمبرؐ کا شرف سب سے جدا ہے
شبیرؑ کا محبوب تو محبوبِ خدا ہے

۸۳ بیمار تھی سابق میں اب اچھی ہوئی صغرا — کیوں بی بی سکینہ ہے کوئی دخترِ مولا؟
سینے پہ سلاتے ہیں حسینؑ اس کو ہمیشا — شبیرؑ بھی، عباسؑ بھی، سب اس کے ہیں شیدا

لپٹی ہوئی رہتی ہے سدا شہ کے جگر سے
اللہ رکھے اس کو چھڑائے نہ پدر سے

۸۴ ہاں، شادیِ کُبریٰ کا تو اے بی بی بیاں کر — اس بیاہ کا پُر داغ حسنؑ لے گئے دل پر
سینے سے تو کٹ کٹ کے جگر آتا تھا باہر — اور نام زرِ قاسم اُسے کہتے تھے شبرؑ

کُبریٰ بھی سلامت رہے اور ابنِ حسنؑ بھی
دنیا میں پھلے پھولے یہ دولھا بھی دولھن بھی

۸۵ لو بھیجو درود! اب مجھے زینبؑ کی خبر دو — سچ ہے مری بی بی کے پسر چاند سے ہیں دو
زینب سے کہا کرتے ہیں اکثر شہِ خوش خو — بھینا، یہ مرے بیٹے ہیں میں بیاہوں گا ان کو

کُڑھنے کی کسی کے نہ کوئی بات ہو زینبؑ
ہو بیاہ بھی ان دونوں کا تو ساتھ ہو زینبؑ

۸۶ جب نام یہ ہندؔ نے تفصیل سے سارے — سب قیدیوں کے سامنے پھرنے لگے پیارے
اور سینے میں دم رکنے لگا ضبط کے مارے — اک بار سب، اللہ کو، رو رو کے پکارے

غش کی کہیں شدّت تھی، کہیں ہچکی بندھی تھی
سر بیڑی پہ رکھے کوئی دم توڑ رہی تھی

۸۷ زینبؑ سے کہا ہندؔ نے: بی بی یہ ہوا کیا؟ — میں آپ ہی کو جانتی تھی دخترِ زہراؑ!
زہراؑ کی قرابت کی تو بو سب میں ہے پیدا — وہ بولی کہ بیووں کے تڑپنے پہ نہ تو جا

زہراؑ کا جو کنبہ ابھی پوچھا گیا بی بی
آباد گھر اپنا انھیں یاد آ گیا بی بی!

۸۸ ہم ہیں وہی قیدی، وہی بے کس وہی نادار — زہراؑ کی قرابت کے لیے رتبہ ہے درکار
وہ کہنے لگی، ہائے غضب، اب بھی ہے انکار — اچھا نہ بتاؤ مجھے، ہو جاتا ہے اظہار

وہ سر جو مشابہ ہے حسینؑ ابنِ علیؑ سے
اب جا کے یہ احوال میں پوچھوں گی اسی سے

۸۹ یہ کہہ کے چلی سر کی طرف کرتی وہ زاری   زینبؑ بھی تڑپ کر سوئے دروازہ پکاری
اے سر، مرے بھائی کے! اے بھیا ترے واری   اب شمر ترے ہاتھ ہے زنداں میں ہماری
زینبؑ کو نہ خواہر، نہ عزیز اپنی بتانا
میں واری، بتانا تو کنیز اپنی بتانا

۹۰ نیزے کے تلے ہند یہ سر سے ہوئی گویا   اے قافلہ سالارِ شہیداں! مرا مجرا
تابوت علیؑ لے گئے تھے اُن کے اپنا   برحق تو اگر حیدرِؑ صفدر کا ہے بیٹا
تو سوکھے ہوئے ہونٹوں کے اعجاز دکھا دے
زینبؑ کو بتا دے، مجھے زینبؑ کو بتا دے

۹۱ بولا سرِ شبیرؑ، تامُّل تجھے کیا ہے   حیدرؑ کا میں بیٹا ہوں گواہ اس پہ خدا ہے
زینبؑ کو اگر پوچھتی ہے، تو یہ پتا ہے   بھائی کا لہو بہنا کے ماتھے پہ لگا ہے
رو رو کے لہو ماتھے سے دُھلوا دے ہمارا
جا، فاطمہؑ کی بیٹی کو پرسا دے ہمارا

۹۲ پر دیکھ، خبردار! امیری نہ جتانا   پھر مجھ سے بھی وہ روٹھے گی، مشکل ہے منانا
اللہ، غضب ہوگا جو بے قدر اسے جانا   مر جائے گی غیرت سے ردا بھی نہ اُٹھانا
شرمائے جو وہ ملنے میں، کچھ خستہ جگر سے
کہہ دیجیو پوچھ آئی ہوں شبیرؑ کے سر سے

۹۳ سن کر یہ ندا سر کی، پھری پیٹتی سر کو   اور آتے ہی زینبؑ کے قدم پر گری رو رو
باہر سے پکارا یہ سرِ سیّدِ خوش خو   زینبؑ! مری غم خوار کو چھاتی سے لگا لو
تم دو اسے پرسا، تمھیں پرسا دے یہ رو کر
کم کرتی ہو اخلاق، بنیؐ فاطمہؑ ہو کر

۹۴ زینبؑ اٹھی ملنے کے لیے اور ہوئی گویا   لوگو، کرو تعظیم اسے حضرت نے ہے بھیجا
سر پیٹ کے وہ بولی کہ تعظیم مری کیا   ہے ہے مری سیدانی، سنا حال تو اپنا
زینبؑ نے کہا: پیارے قضا کر گئے بی بی!
سب لٹ گئے، سب چھٹ گئے، سب مر گئے بی بی!

۹۵ پھر انگلی سے بتلانے لگی سب کو وہ دکھیا   یہ بانو ہے بی بی، یہ سکینہؑ ہے یہ کبریٰ
ناگاہ وہاں ہند نے اک بی بی کو دیکھا   زخمی ہے جبیں، خوں سے آلودہ ہے چہرا
کہتی ہے کوئی شمر سے، کہتا نہیں جا کے
بھائی کی طرح ذبح کرے مجھ کو بھی آ کے

۹۶ عقیلۂ[۴۵] کہا ہند نے: یہ بی بی ہے کلثوم   کلثوم کے صدقے ہوئی وہ عاشقِ قیوم
پوچھا جو لہو زخم کا تڑپا دلِ مغموم   دو ٹکڑے نبی زادی کا ماتھا ہوا معلوم
چلائی کہ سیدانی پہ ہے ہے یہ جفا کی
اس امتِ بے رحم پہ لعنت ہے خدا کی

۹۷ وہ بولی کہ تہمت نہ کر امت پہ خدارا   کاذبؑ[۴۶] نہیں کلثوم جو ہو کذب گوارا
جب لوٹ میں مقنع تھا مرے سر سے اتارا   تب شمر نے نیزہ تھا مری پشت پہ مارا
بہتان نہ میں لوں گی مجھے خوفِ خدا ہے
ماتھا مرا زخمی نہیں امت نے کیا ہے

۹۸ ہم کو درِ ساعاتؑ[۴۷] میں جب لائے ستم گر   میں دیکھ رہی تھی سرِ فرزندِ پیمبرؐ
تھا "مُرّہ" کے نیزے کے برابر سرِ اکبر   فرزند کے رُخ پر نگراں تھا سرِ انور
لے جاتا تھا ظالم جدھر اس پیارے کے سر کو
سر بھائی کا پھر جاتا تھا نیزے پہ اُدھر کو

۹۹ اُن پتلیوں کا پھرنا مجھے یاد ہے واللہ   پر حیف "ہوا مُرّہ" جو اس بات سے آگاہ
لے کر سرِ اکبر کو گیا دور وہ گمراہ   نیزے پہ تڑپ کر سرِ شبیرؑ نے کی آہ
آواز دی اکبر کو کہ جاتے ہو کدھر کو
مڑ مڑ کے لگا دیکھنے وہ سر بھی اِدھر کو

۱۰۰ دیکھا جو ہمیں غربت سے سرِ شہ نے مکرر   یعنی کہو ظالم سے، نہ لے جا سرِ اکبر
سر نے یہ اشارا جو کیا ہو گیا محشر   سر ننگے نظر آ گئے رانڈوں کو پیمبرؐ
مجھ سے نہ سنبھالا گیا اُس دم جگر اپنا
سر پیٹ کے دے پٹکا کجاوے پہ سر اپنا

۱۰۱ اُس ضرب سے ماتھا مرا دو ٹکڑے ہوا ہے — ان صدموں سے بے ہے میں نہیں مرتی، یہ کیا ہے
آوازِ بتولؑ آئی کہ یہ صبر کی جا ہے — شبیرؑ کے رونے کو نہیں حق نے کہا ہے
دل سے ستمِ لشکرِ بے داد بھلا دو
شبیرؑ کو رو یا کرو، امت کو دعا دو

۱۰۲ شاکر ہو دبیر آلِ نبیؐ کی ہے یہ تائید — تازہ ہے تمامی یہ سخن، تازہ ہے تمہید
دزدانِ مضامیں پہ نہ کر منع کی تاکید — تو مجتہدِ نظم ہے فرحق ان پہ ہے تقلید
گل چین ہے تو گلشنِ الہامِ خدا کا
مضموں سے نہ مضموں ہو تو کو اُردو شعرا کا

رُباعی مرزا سلامت علی دبیر

بزمِ شہِ والا میں فقیر آیا ہے — دربارِ جلیل میں حقیر آیا ہے
امداد، امداد یا ابا عبداللہ — تحصیل سعادت کو دبیر آیا ہے

رُباعی دیگر دبیر

اعدا کو حرام کا ادھر مال ملا — حر کو اسد اللہ کا اِدھر لال ملا
واللہ کلاہِ سرِ عالم ہوا حُرّ — حُلّہ ملا، معصومہ کا رومال ملا

صفر المظفر ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء

تحقیقِ متن

- قلمی مرثیہ: مخزونہ کتب خانۂ مرتضوی۔ مکتوبہ، صفر ۱۲۵۷ھ/اپریل ۱۸۴۱ء۔
- دفترِ ماتم: جلد ۱۱، طبع اول مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ۔

بند ۱: دفترِ ماتم کا متن اور قلمی نسخے کا مصرع بدل ۱:

اے مومنو زنداں کی طرف ہند رواں ہے

قلمی مرثیہ مصرع ۲ کا حاشیہ: دامن میں گل لختِ جگر لب پہ فغاں ہے

ہر چشم سے اک گنجِ دُرِ اشک عیاں ہے

حاشیہ قلمی مرثیہ مصرع ۵: یاں نذرِ حرم لختِ جگر لے کے چلی ہے

بین السطریں قلمی مرثیہ مصرع ۴ اور رخت "قبا"

بند ۱۰: قلمی مرثیہ میں پہلا مصرع "تب ہند نے چادر میں چھپایا سرِ عریاں" قلم زد کر کے جو مصرع لکھا ہے وہی دفترِ ماتم میں چھپا ہے۔ نیز قلمی مرثیے کے حاشیے پر بیت بدل یہ لکھی ہے:

بولی لبِ حسرت سے یہ شب کون سی شب ہے — روشن کئی خورشید، کیا قدرتِ رب ہے

دفترِ ماتم میں مندرجہ متن بیت بند نمبر ۲۳ میں بھی مکرر ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس بند کے بعد سراپا لکھ کر مرثیے کو طویل بھی بنایا ہے۔ یہ اضافہ ہمارے قلمی مختصر مرثیے میں نہیں ہے۔ اس طرح بند ۱۱ سے ۲۲ تک نیز ۲۴ تک نیز ۲۴ دفترِ ماتم سے نقل ہے۔

بند ۱۱: مرزا صاحب نے سرِ انورِ امام حسین علیہ السلام کے خد و خال لکھ کر مرثیہ کے سراپا ایک جدت دکھائی ہے، کٹے ہوئے سر کی صورت نگاری اور کہیں نظر نہیں آتی۔

بند ۳۶: قلمی مرثیہ چھٹا مصرع متن میں ہے:

"سو باچھوں سے بہہ بہہ کے گلے پر وہ بہا ہے"

اور حاشیہ پر متبادل مصرع ہے: "باچھوں میں بھی اور تھنے گلے پر وہ بہا ہے"

دفترِ ماتم کا مصرع متن کے مطابق ہے۔

بند ۳۷: دوسرا مصرع حاشیہ قلمی اور متن دفترِ ماتم:

"بی بی یہ پیمبر تو نہ ہوں میں ترے واری"

بند ۴۰: مصرع ۲، دفترِ ماتم: "حاضر درِ دولت ہی پہ ہوں گے یہ گنہ گار"

مصرع ۴ دفترِ ماتم: "ایسا نہ ہو گم ان میں سے ہو کوئی گرفتار"

بند ۴۳: مصرع ۱، قلمی مرثیہ کا حاشیہ اور دفترِ ماتم:

"پھر دیکھ کے عابد کی طرف بولی وہ دکھیا"

قلمی مرثیہ میں متبادل بیت حاشیہ پر یوں ہے:

اس جینے سے بیزار کہیں میں نہیں ہوتی ۔۔۔ ہند آتی ہے پیوندِ زمیں میں نہیں ہوتی

نیز مصرع ۴ قلمی مرثیہ "بے رحموں کے قابو میں ہیں کچھ بس نہیں چلتا"

بند ۴۵: مصرع ۵ قلمی مرثیہ "ذلت ہے حقارت ہے اسیری ہے بلا ہے" حاشیہ پر "بلا ہے" کے اوپر "جفا ہے" بھی لکھا ہے۔ متن دفترِ ماتم کے مطابق ہے۔

قلمی مرثیہ کی بیت ہے:

تو بار گری بھائی کے لاشے پہ بھی رن میں ۔۔۔ یکبار جدائی نہ ہوئی روح و بدن میں!

بند ۴۶: دفترِ ماتم میں نہیں ہے۔

بند ۴۹: قلمی مرثیہ مصرع ۱ "بڑھ بڑھ کے کیے سب نے اسیروں کے نظارے"

بند ۵۰: قلمی مرثیہ مصرع ۴ حاشیہ پر یوں بھی لکھا ہے:

"یاں بیڑیاں ہیں طوق ہیں"

دفترِ ماتم میں بیت کے مصرع پس و پیش ہیں۔

بند ۵۶: قلمی مرثیہ کے حاشیہ متبادل بیت یوں ہے:

خرد صبر سے ہم دُرّے کے کھانے کو اٹھیں گے
بابا نہیں بیٹی کے بچانے کو اٹھیں گے

دفترِ ماتم میں بیت کی صورت یہ ہے:

ترکو! جفا نے کوئی روداد ہے باقی ۔۔۔ ہاں لونڈیوں کے ہاتھ کی بیداد ہے باقی

بند ۵۸: قلمی مرثیہ حاشیہ: "تکرے کبھی سہلا کے یہ رو رو کے سناتی"

بند ۶۰: دفترِ ماتم مصرع ۴: "تم ہوگے کہیں اور میں کہیں ہاتھ ملوں گی"

بند ۶۲: دفترِ ماتم مصرع ۳: میرے بیسے بیمار کو تپ میں نہ اٹھاؤ

اور متن کا مصرع ۳ دفترِ ماتم میں مصرع ۴ ہے۔

بیت کا پہلا مصرع قلمی مرثیہ میں ہے:

"ہے ماں بہنیں اس کے بھی یہ کیا دیکھیے گا مجھ کو"

دفترِ ماتم سے تصحیح کی ہے۔

بند ۷۲: قلمی مرثیے کے متن میں مصرع ۲ ہے:

"کیا کہتی ہو آواز مجھے پھر تو سناؤ"

حاشیہ پر متبادل مصرع لکھا ہے جو ہم نے متن میں لکھا ہے پھر اس پر صح کا نشان ہے۔

بند ۷۳: قلمی مرثیہ: "آواز تو زینب کسی ہے"

قلمی مرثیہ مصرع ۳ و ۴ میں قافیہ "آہ" "آہ" ہے۔

بند ۷۴: قلمی مرثیہ کے متن میں ہے:

"آجائے قیامت وہ سخن لب پہ تو لائی"

ہم نے حاشیہ کا متبادل مصرع اپنے متن نقل کیا ہے۔

بند ۷۵: قلمی مرثیہ مصرع ۵: "تشویش کے کم کرنے کو سامان بہت ہیں" اس بند کے اوپر مصرع متبادل لکھا ہے جسے ہم نے متن میں درج کیا ہے۔

غلام حسین دلگیر نے اسی بات کو یوں لکھا ہے:

زینب نے یوں جواب دیا ہو کے اشکبار ۔۔۔ دنیا میں ایک شکل کی مخلوق ہیں ہزار

دیکھیے دلگیر کا مرثیہ: "جس دم ہوا شہید ستم شاہ کربلا" (جلد اول ص ۳۴۲)

بند ۷۸: قلمی مرثیہ میں اصل بیت یہ ہے:

آخر کو مدینے ہی میں صاحب کا بھی گھر ہے ۔۔۔ رونق پہ تو دربارِ شہ جن و بشر ہے

اس کے نیچے مقابلے میں مندرجۂ متن بیت تحریر ہے۔

بند ۸۴: دفترِ ماتم میں ہے، قلمی مرثیہ میں نہیں ہے۔

بند ۸۶: قلمی مرثیہ مصرع ۴: "یک بار سب اللہ کو رو رو کے پکارے"

دفترِ ماتم کی بیت:

وہ درد اٹھا دل میں کہ غش ہونے لگے سب　　زنجیروں پہ سر رکھ دیئے اور رونے لگے سب

بند ۸۷: مصرع ۵ قلمی مرثیہ میں ہے: "زہرا کا بھرا کنبہ جو لوٹا گیا بی بی" حاشیہ پر قلمی مرثیہ میں اور دفتر ماتم کے متن میں وہی مصرع درج ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

بند ۸۸: دفترِ ماتم کا چوتھا مصرع:

"خیر آپ نہ بتلائیں کھلا جاتا ہے اسرار"

بند ۹۲: مصرع ۵، قلمی مرثیہ کے میں لکھا ہے: "شرمائے وہ جو" اس کے اوپر مقابلے میں "جو وہ" درج ہے۔

بند ۹۳: مصرع ۱ قلمی مرثیہ "سن کر یہ صدا" دفترِ ماتم "سن کر یہ ندا" دفترِ ماتم میں بیت کے مصرعوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

بند ۹۵: دلگیر کا مرثیہ ہے۔ "پہنچے امیرِ شام کی مجلس میں جب اسیر" (کلیات مرثیہ دل گیر جلد اول صفحہ ۳۱۳) اس مرثیہ میں دلگیر نے لکھا ہے کہ ہند نامی عورت، دربار یزید میں کھلے سر نکل آئی اور حضرت زینب سے باتیں کرنے لگی اس گفتگو میں حضرت زینب نے فرمایا:

یہ بی بیاں جو کھولے ہیں سب اپنے منہ پہ بال　　زہرا کی بہو بیٹیاں ہیں سب نکو خصال

یہ ننگے سر ہے زوجۂ عباس پر ملال　　کبرا یہ ہے جو اوڑھنی اوڑھے ہے سر پہ لال

دھنے کو میرے بانوئے مغموم ہے کھڑی　　بائیں طرف کو میرے یہ کلثوم ہے کھڑی

بند ۱۰۱: قلمی مرثیہ مصرع دوم: "ان صدموں میں سے ہے یہ میں نہیں مرتی یہ کیا کیا"

بند ۱۰۲: قلمی مرثیہ: مصرع دوم "تمامیِ سخن"

- مخطوطہ میں ۸۷ بند ہیں، ۲۴ بند دفترِ ماتم سے نقل کیے ہیں۔
- بنیادی طور پر متن میں خطی نسخہ کو اہمیت دی گئی ہے۔

فرہنگ

۱۔ ہِنْد: یزید کی کنیزِ خاص اور بیوی۔ تَرَدُّد: فکر۔ صَرف: استعمال۔ مصروف۔

۲۔ گِریاں: رونے والا۔ حَشَم: شان۔ رَخْت: لباس۔

۳۔ خِیام: خیمہ کی جمع۔ اَفگار: زخمی

۴۔ قُرعَہ: رمالوں، جفاروں کے حساب کا پانسہ۔ حَشمت و اجلال: شان شوکت۔ آشفتہ: پریشاں حال۔

۵۔ خواصیں: خاص لونڈیاں۔ خدمت گار عورتیں۔

۶۔ خَرابہ: بوسیدہ مکان۔ ٹوٹا پھوٹا گھر۔

۷۔ مَکِین: قائم۔ ٹھہرا ہوا۔ اُفتادہ: پڑا ہوا۔ مُصْحَف: قرآن مجید۔ طُغرا: ایک خاص قسم کا خط جس میں بسم اللہ یا شاہی نام لکھا جاتا ہے۔ مصرع کا مطلب ہے کہ امامؑ کا چہرہ امامت کے قرآن کے تیسرے پارے کا طغرا ہے۔

۸۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا سورۃ البقرہ کی ۳۲ ویں آیت ہے۔ "قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" ملائکہ نے کہا، تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں بس اتنا ہی جانتے ہیں جو تو نے بتایا ہے۔ نَبَاتًا حَسَنًا: نبات کے معنی ہیں مصری۔ نباتاً حسنا، عمدہ مصری، لیکن خود یہ کلمہ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی ۳۷ ویں آیت ہے "فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا" اللہ نے ان کی نذر کو قبول کیا اور اسے خوب اچھی نشو و نما دی"۔ کنار: گود

۹۔ رَطْب: تر۔ یابِس: خشک۔ شُہْرَہ فِگَن: شہرت پھیلانے والا۔

۱۰۔ مِیلِ طِلائی: سونے کی سلائی۔ آفاق: دنیا۔

۱۱۔ چشمۂ حَیَواں: آبِ حیات کا چشمہ۔ بالِ ہما: ہما کا پر۔ ہُما، ایک کمیاب پرندہ، جو عقاب کی قسم کا ہے اور سمندر کے پہاڑی جزائر میں پایا جاتا ہے ہمالائی دور میں اس کا سایہ بہت مبارک سمجھا جاتا تھا۔

۱۲۔ خوفِ اَحَدی: اللہ کا ڈر۔ بے خِرَدی: بے وقوفی۔

۱۳۔ عُقدہ: مشکل۔

۱۴۔ مِژَہ: پلک۔ پیراہَن: کرتہ۔

۱۵۔ کَون: کائنات۔ خیرِ وریٰ: دنیا سے بہتر۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۶۔ جریدہ: خبرنامہ۔

۱۷۔ سخن سنج: شاعر۔

۱۸۔ قدر: تقدیر۔ نزع: آخری وقت۔ دمِ بازپسیں: آخری سانس۔

۱۹۔ چاہِ زنخدان: ٹھوڑی کا درمیانی گڑھا جسے حسن کی نشانی مانا جاتا ہے۔ قعرِ سقر: جہنم کی گہرائی۔

۲۰۔ مدحت: مدح۔ تعریف۔ خمیدہ: جھکا ہوا۔

۲۱۔ اِلّا: مگر۔

۲۲۔ بدخو: بدمزاج۔ بدفطرت۔ مُوا ہے: مرا ہے۔

۲۳۔ حذر کرنا: پناہ مانگنا۔

۲۴۔ یارا نہیں: ہمت نہیں۔

۲۵۔ حاشا: ہرگز نہیں۔

۲۶۔ کلید: کنجی۔ دروازہ کشادہ کیا۔ دروازہ کھولا۔

۲۷۔ حیف: افسوس۔

۲۸۔ کارد: چھری۔

۲۹۔ صاحبِ آزار: بیمار

۳۰۔ مقرّر: ضرور۔ سلاسل: زنجیر۔ اشراف: معزز لوگ۔

۳۱۔ دار پہ کھچوانا: پھانسی دینا۔

۳۲۔ زنِ حاکم: بادشاہ کی بیوی۔ زندان: قید خانہ۔

۳۳۔ قرینہ: طریقہ۔

۳۴۔ حاضر و ناظر: موجود اور دیکھنے والا۔

۳۵۔ صاحبِ تطہیر: وہ پاک اہل بیت جن کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی آیۂ تطہیر یہ ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا "بے شک اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے نجاست کو دور کر دے اور تمہیں کما حقہ پاک کر دے"

۳۶۔ زنہار: ہرگز نہیں۔ ایسا نہ ہو۔ نادار: غریب۔ حشم: شان و شوکت۔

۳۷۔ کج خُلق: بداخلاق۔ مجرائی: سلام کرنے والا۔ اہلِ دُوَل: دولت مند لوگ۔

۳۸۔ مُحِب: دوست۔ محبت کرنے والا۔ مِحَن: مشکلات۔ رَسَن: رسّی۔

۳۹۔ باور آنا: یقین آنا۔ بَری: پاک۔

۴۰۔ رفعِ تردُّد: شک دور کرنا۔

۴۱۔ دوسرا: دونوں جہان۔ دنیا و آخرت۔ خیرُ النساء: تمام عورتوں میں بہتر۔ صحنک: وہ نذر جس میں صرف پاک اور سہاگن عورتیں شریک ہوتی ہیں۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نذر نیاز۔

۴۲ کسرائی: کسریٰ شاہ ایران کے خاندان سے تعلق رکھنے والی۔ شاہ زنان، شہر بانو بنت یزدجرد حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجہ۔

۴۳۔ رِدا: چادر

۴۴۔ بنی فاطمہ: اولادِ حضرتِ فاطمہؑ

۴۵۔ عقلیہ: اندازے سے۔

۴۶۔ کاذب: جھوٹا۔ کِذب: جھوٹ۔ مقنع: نقاب۔

۴۷۔ درِ ساعات: وہ دروازہ جہاں گھڑی لگی ہو، جہاں گھنٹا بجتا ہو۔ مُرّہ: ایک شامی سپاہی۔

۴۸۔ کجاوا: اونٹ پر رکھنے اور اس میں بیٹھنے کی عماری۔

۴۹۔ بتول: حضرت فاطمہ زہراؑ کا لقب۔

۵۰۔ تائید: امدادِ خداوندی۔ دزداں: دُزد، چور۔ گل چیں: پھول توڑنے والا۔ توارد: ایک خیال اور ایک ہم قسم کے الفاظ و ترکیب کے شعر جو دو شاعر لکھیں۔

مطلب: دبیر، اہل بیت کی امداد کا یہ نتیجہ ہے کہ تمہارے شعر نئے اور تمہید نئی ہے تمہیں کیا ضرورت ہے کہ چور شاعروں کو شعر اور خیالات چرانے سے منع کرو، تم تو شاعری کے مجتہد ہو۔ سب کو تمہاری تقلید کرنا ہی چاہیئے، تم چمنِ الہام کے گل چیں ہو، تمہارا خیال اور تمہارے شعروں میں توارد و ہم فکری نہیں ہو سکتی۔

مرثیہ نمبر ۱۴

جب قرب ہوگا آمد روزِ نشور کا

۱۱۰ بند

احوالِ قیامت و شفاعت

- تعارف و تبصرہ
- مرثیہ
- تحقیق متن
- فرہنگ الفاظ

مرثیہ پر نظر

دبیر کا زیرِ نظر مرثیہ تاریخ مرثیہ گوئی میں ایک نئے موڑ کی نشان دہی کرتا ہے۔ مشہور ہے کہ ضمیر نے مرثیے کی تکنیک میں تبدیلیاں کیں اور سب سے پہلے سراپا نگاری کی رسم ڈالی۔ ان کا مرثیہ "کس نور کی مجلس میں مری جلوہ گری ہے" پہلا مرثیہ ہے جس میں ممدوح کے خدوخال کی نقشہ کشی کی اور فخر یہ کہا:

جس سال کیے وصف بہم شکلِ نبی کے
سن بارہ سو انچاس تھے ہجرِ نبوی کے

آگے تو یہ اندازِ سخن تھے نہ کسی کے
اب سب مقلد ہوئے اس طرز روی کے

دس میں کہوں، سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا
جو جو کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

اسی تصریح کی بنا پر محققین نے میر مظفر حسین ضمیر کو مرثیہ کا مجدد مانا ہے۔ لیکن میرے کتب خانے کا مستند قلمی مرثیہ اس فیصلہ کے خلاف ثبوت مہیا کرتا ہے۔ زیرِ نظر مرثیہ جو ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) کا لکھا ہوا ہے اور اس کے دس بند (۷۲ سے ۸۲ تک) مرزا صاحب کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ اور پورا مرثیہ اصل مرثیہ سے مقابلے کے بعد تصحیح کے نشان "صح" سے آراستہ ہے۔ نیز دفترِ ماتم کی چودھویں جلد میں چھپ چکا ہے ــــ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زیرِ نظر مرثیہ سنہ ۱۲۴۹ھ سے کم از کم ایک سال قبل تصنیف ہو چکا تھا۔ اور شاگرد نے استاد سے پہلے مرثیے میں "سراپا" لکھنے کی طرح ڈال دی تھی۔

فرق یہ ہے کہ ضمیر نے حضرت علی اکبر کا ایک سراپا لکھا۔ اور دبیر نے شہدائے کربلا کے بجائے بارہویں امام کا سراپا قلم بند کیا، ضمیر نے حضرت علی اکبر کے حریف کو نظرانداز کر دیا۔ دبیر نے امام مہدی آخرالزمان عجل اللہ ظہورہ کے دشمن کو بھی موضوع بنا کر ضدو مخالف کی صورت گری سے مرثیہ میں تقابل کا حسن پیدا کیا جو بعد کے مرثیہ گویوں میں بہت مقبول ہوا۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اس مرثیہ کے وقت مرزا صاحب کم و بیش تیس سال کے تھے اور ان کی مرثیہ گوئی کو اٹھارہ برس گذر چکے تھے۔ وہ ۱۲۱۸ھ میں پیدا ہوئے تھے، ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ مرثیہ نگاری شروع کی تو ۱۲۴۸ھ میں ان کی مشقِ سخن عنفوانِ شباب ہی میں تھی۔ اس سن و سال میں قیامت کا بیان اور

ظہور امام کی بات مرزا صاحب کے نفسیات و رجحانات کی سمت متعین کرتی ہے یعنی وہ ابتدا ہی سے مذہبی پختگی اور دینی مسلمات و عقائد کے ترجمان تھے،

مرثیہ کے پہلے اٹھارہ بند پڑھیے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زبان، ان کی فکر، ان کی شعری ڈگر، ضمیر و خلیق و دل گیر جیسے معاصر بزرگ شعرا سے کس حد تک الگ ہے، ضمیر ان کے استاد تھے، ۱۲۴۹ھ میں ان کی زبان و فکر دیکھیے اور اسی زمانے میں دبیر کا لہجہ اور خیال ملاحظہ کیجیے:۔

مظفر حسین ضمیر "سراپا" لکھتے ہیں:

قرآن کی تشبیہ یہ کس دل سے بنائی   پیشانیِ انور ہے کہ ہے لوحِ طلائی
ابرو سے ہے "بسم اللہِ قرآں" نظر آئی   جدول کششِ زلف کی تاروں نے دکھائی
وہ زلف وہ بینی الف و لام رقم ہے
پر میم دہن مل کے یہ اک شکلِ الم ہے

اور کعبۂ دلہا کی یہ تمثیل ہے اظہر   یہ خال سیہ ہے حجرِ الاسود زیور
محرابِ حرم پیش نظر ابروے اکبر   یہ چاہِ ذقن ہے چہ زمزم کے برابر
اس بینیِ اقدس کا مجھے دھیان گر آیا
کعبے میں دھرا نور کا منبر نظر آیا

اب دبیر کہتے ہیں:

مثلِ ستارہ خال رخِ راست سے عیاں   سن میں مثالِ خضر مگر حسن میں جواں
سرمایہ نور کا تو سرِ سرورِ غیور ہے   اور اس پہ کس شکوہ و تجمل سے تاج نور
وصفِ دہانِ تنگ بھلا کیا کرے زباں   وہ ہوگا مثلِ غیبتِ مولائے دو جہاں
اللہ رے خطِ پشتِ لبِ پاک کی بہار   گویا کہ خضر کا لبِ حیواں پہ ہے گذار
گیسو دلیل شرع کے دو لام لا کلام   رخ پر ہوا سے آ گئی گر زلفِ مشک فام
اس میں نمود یوں الفِ بینیِ امام   جس طرح لام میں ہے الف اور الف میں لام
یوں لائق درود شبیہِ امام ہے   جس طرح سے نماز میں واجب سلام ہے
پیرِ خرد کرے گا یہ اس سینے کی ثنا   دیکھو خزینۂ گہرِ رازِ کبریا
ہاتھوں کو دیکھ دیکھ کے سب یہ کہیں گے بات   یہ ہاتھ وہ ہیں قبضے میں جن کے ہے کائنات

لفظوں کی شاعری اور اصطلاحوں میں معنی آفرینی کے ساتھ مصرعوں کی برجستگی اور ان کی بے ساختگی کا حسن تو عام بات ہے۔ مراعاۃ النظیر، تجنیس، و اشتقاق جیسے فنی محاسن کا وزن خالص علمی انداز ہے۔

اب دوسرا سراپا ہے:

یارو سنو! اب آمدِ دجالِ روسیاہ   سگ اس کی شکل نحس سے مشتق، خدا گواہ
ریشِ دراز، جس میں شیاطیں کی پناہ   بینا جو ایک چشم، تو اک چشم کور، واہ
ہے شبہ لام ظلم وہ گیسوئے پیچدار   عصیاں کا نون ابروئے دجالِ نابکار
اس لام اور نون میں یوں چشم آشکار   جوں درمیان لعن کی ہے عین برقرار
اور ہاتھ اس کے قوتِ بازوئے ظلم و جبر   دل اس کا قبرِ جرم و گنہ، سینہ لوحِ قبر

مرزا صاحب رمز اور اشارے، علامات اور استعاروں کے شاعر نظر آتے ہیں جیسے آج کا تجریدی مصور، یہ مصور کا واک لکیروں، سیدھی ترچھی لائنوں میں شوخ رنگ بھرتا ہے۔ اس کا دیکھنے والا اپنے ذوق کے مطابق اس کی شرح کرتا ہے۔ دبیر الفاظ اور ضائع بدائع استعمال کرتے ہیں اور لغت و معانی و بیان کا شوق رکھنے والے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ عام قاری کو علم اور فن کے نازک اور روزنی نکتوں سے واقفیت ہوتی ہے۔

یہ مرثیہ ایک سو دس بند ہونے کی وجہ سے قدرے طویل ہے لیکن اگر اس کے ابتدائی سترہ بند چھوڑ دیتے جائیں تو مجلس میں خوانندگی میں وقت کم صرف ہوگا۔ اٹھارواں بند اپنی اٹھان اور شگفتگی کے لحاظ سے کامل و مکمل ہے:

صبح ظہورِ مہدیِ ہادی پہ ہم نثار   جس کی بہار دیکھ کے قربان ہو بہار
دن نیک، وقت نیک، زہے بختِ روزگار   مُردے کہیں گے خضر سے لیں جان مستعار
ہوئے گا شور چار طرف نور نور ہے
ہاں، صاحب الزماں کا جہاں میں ظہور ہے

مرزا صاحب خالص مذہبی آدمی ہیں ان کے مرثیوں میں غزلیت بہت کم ہے وہ سپاٹ شاعری بھی بہت کم کرتے ہیں، ان کے مرثیے عموماً واقعات کے نظم کرنے سے عبارت ہیں۔ چنانچہ یہ مرثیہ بھی تین واقعات پر مشتمل ہے۔

(۱) دنیا کے خاتمہ سے پہلے حضرت مہدی آخر الزمان اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ظاہر ہوں گے

ان کے مقابلے کے لیے دجال خروج کرے گا اور دنیا اس کے ساتھ ہوگی پھر امام اسے قتل کریں گے، اس زمانے میں حضرت امام نماز جماعت پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰؑ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

(۲) امام مہدی آخرالزّمان عجّل اللہ فرجہ امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے انتقام لیں گے۔

(۳) قیامت کبریٰ آئے گی اسرافیل باری باری تین صور پھونکیں گے، میدان حشر گرم ہوگا، اس وقت حضرت فاطمۂ زہرا سلام اللہ علیہا بارگاہ عدل میں حاضر ہو کر اپنے اوپر ظلم کی فریاد کریں گی۔ امام حسین علیہ السلام حاضر ہوں گے، ان کے پاس سامان شفاعت ہوگا وہ اپنی شہادت اور اپنے ساتھیوں کی شہادت کے دلائل لائیں گے۔ خداوند عالم حکم دے گا ——

"دے دو کلید دوزخ و جنت حسینؑ کو"

حضرت شفیع المذنبین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام معاملات کے نگران ہوں گے۔

مرثیہ کا مبکی اور گریہ خیز حصہ وہ ہے جس میں حضرت فاطمہؑ کی میدان حشر میں آمد اور ان کے ساتھ کچھ سامان فریاد کا تذکرہ کیا ہے۔

(۲)

ہم نے اس متن کی ترتیب و تصحیح میں دو نسخے استعمال کیے ہیں (۱) ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء کا قلمی مرثیہ اور (۲) دفتر ماتم کی چودھویں جلد (۱۸۹۷ء لکھنؤ) میں شائع شدہ مرثیہ، ہمارے مخطوطے کا مطلع اوّل ہے:

"جب قرب ہوگا آمدِ روز نشور کا"

دفتر ماتم میں یہ بند موجود نہیں ہے، ہاں اس کے بعد والا بند ہے اور وہی دفتر ماتم کے مرثیے کا مطلع ہے:

"جب قبلِ حشر ہوگا ظہورِ امامِ عصرؑ"

ایک بند کی وجہ سے ہمارے مخطوطے کے بند ایک سو دس اور دفتر ماتم کے ایک سو نو ہیں۔ دونوں نسخوں میں بڑی حد تک مطابقت ہے۔ تقریباً چھتیس بند ایسے ہیں جن کے مصرعوں میں کچھ اختلاف ہیں۔ ان اختلافات کو ہم نے پہلے ضمیمے میں بیان کر دیا ہے۔

ہم اس مرثیے کے ذریعے ادب و تاریخ مرثیہ میں دو اہم انکشافات کر رہے ہیں۔

۱۔ مرزا دبیر کی جوانی کا کلام

۲۔ مرثیے میں سراپا کی قدیم ترین روایت اور اس میں مرزا دبیر کی اولیت۔

مرثیہ :

مطلع نمبر: ۱ جب قُرب ہوگا آمدِ روزِ نشور کا

مطلع نمبر: ۲ جب قبلِ حشر ہوگا ظہورِ امامِ عصر

مطلع نمبر: ۳ صبحِ ظہورِ مہدی ہادی پہ ہم نثار

۱۱۰ بند

در حال قیامت و مصائب حضرت فاطمہ زہراؑ

۱ جب قُرب ہوگا آمدِ روزِ نشورؒ کا مطلع پہلے ظہور ہوگا اِمامِ غیُور کا
پرتَو فگن چراغ جو ہوگا ظہور کا ہوگی زمین نور کی اور چرخ نور کا
غل ہوگا یہ گہر ہے رسالت کے دُرج کا
خورشید بارہواں ہے امامت کے بُرج کا

۲ جب قبلِ حشر ہوگا ظہورِ امامِ عصر مطلع روشن کرے گا دین کو نورِ امامِ عصر
جن و ملک مطیعِ امورِ امامِ عصر سب دست بستہ ہوں گے مطیعِ امامِ عصر
باہم ندا یہ ہوگی فلک اور زمین کی
اب ہے شکست کفر کی اور فتح دین کی

۳ مرقوم ہیں ظہورِ شہِ دین کے نشاں شہرِ یمن میں ہوگا نمودار اک جواں
عباسیہ کی نسل سے کج فہم و بدگماں سکّہ بزور تیغ کرے گا وہاں رواں
اک ضربِ ذوالفقار کی واں احتیاج ہے
پھر فوج میں نہ شاہ ہے نے تخت و تاج ہے

۴ ثالثاً یہ ہے نشانِ ظہورِ شہِ انام — نسلِ یزیدِ نحس سے، عثمان عنبسہ نام
قد پست، گربہ منظر و چشم سیاہ فام — مردِ چہار شانہ، زبون و نجس تمام

معروف ہوگا شام کے وہ انتظام میں
کردیں گے صبح مہدیِ دیں آکے شام میں

۵ سوم کسوفِ شمس، چہارم خسوفِ ماہ — یہ دونوں اک مہینے میں ہوں گے خدا گواہ
عاشورہ روزِ جمعہ کو ہوگا ظہورِ شاہ — اک ماہ طاق ان میں سے ہوگا کرو نگاہ!

یا سہ و یک میں یا کہ نہ و ہفت و پنج میں
ہوگا خزانہ دین کا دنیا کے گنج میں

۶ اور مکہ و مدینہ میں آئے گی فوجِ شام — سفیانیِ لعیں یہ انھیں دے گا حکمِ عام
ہاں خانۂ خدا کو کر و جا کے انہدام — ربِّ حرم زمیں سے کرے گا یہ تب کلام

لے جا فروشتاب تو اس ساری فوج کو
اور کر نگاہ مہدیِ ہادی کے اوج کو

۷ لکھا ہے صبحِ روزِ ظہورِ شہِ انام — حکمِ خدا سے ہوگا علم شہ سے ہم کلام
مولا مرے نہیں ہے توقف کا یہ مقام — عباس کے لہو سے میں اب تک ہوں سرخ فام

اب تو ظہور اے شہِ ابرار کیجیے
آج انتقامِ خونِ علم دار لیجیے

۸ نکلے گی پھر غلاف سے یہ کہہ کے ذوالفقار — ہاں اے کشندۂ درِ خیبر کے وارثِ دار
بے کس حسینؑ کی تو مصیبت ہے آشکار — اب تک رہا تو شاہِ شہیداں کا سوگوار

فرما کے "یا علیؑ" مرے قبضے کو تھام لے
ہاں خونِ ابنِ فاطمہؑ کا انتقام لے

۹ جب کربلا میں قتل ہوا شاہِ تشنہ کام — تب زیرِ عرش جمع فرشتے ہوئے تمام
اور عرض کی خدا سے کہ مارا گیا امام — کھینچ اس کے قاتلوں پہ تو شمشیرِ انتقام

سبطِ نبیؐ کسی کا نہ تقصیر وار تھا
پیاسا تھا تین روز کا اور بے دیار تھا

۱۰ معبود نے گروہِ ملائک کو دی ندا — حاجت تمہارے کہنے کی اس امر میں ہے کیا
میں جانتا ہوں تھا مرا شبیرؑ بے خطا — پر انتقام میں ابھی تاخیر ہے روا

میں خوں بہا بھی دوں گا شہِ مشرقین کا
اور لوں گا انتقام بھی خونِ حسینؑ کا

۱۱ پھر حق نے ایک پردۂ قدرت کیا کشاد — کی اس طرف ملائکہ نے چشمِ اعتقاد
دیکھا، عیاں ہے نورِ امامانِ خوش نہاد — اور اک بشر نماز کی خاطر ہے ایستاد

سب نے کہا: یہ راز تو آیا نظر ہمیں
اس رازِ غیب سے مگر آگاہ کر ہمیں

۱۲ حق نے کہا: حسینؑ کے فرزند ہیں یہ سب — یہ مرد جو کھڑا ہے برائے نماز اب
خونِ حسینؑ سب سے کرے گا یہی طلب — قائم ہے اس کا نام، امامِ زماں لقب

ہے فخر کائنات کو اس نیک ذات سے
ہم ظالموں کو دیں گے سزا اس کے ہات سے

۱۳ سو، یا امام اب تمھیں کس کا ہے انتظار — قرآں سے یہ خبر ہے کہ صادق ہے کردگار
گو کربلا میں گرم تھا بازارِ کارزار — کھودا تھا میں نے پر علی اصغرؑ کا مزار

اب قتل کافروں کو شہِ نیک خو کرو
اک بات جانتی ہوں کہ اک اک کو دو کرو

۱۴ مولا کہیں گے تیغ کے قبضے کو چوم چوم — اے تیغِ تیز تشنۂ خونِ گروہِ شوم
ہو لینے دے لعینوں کا تو جا بجا ہجوم — پھر اپنی حرب و ضرب کی تجھ کو سناؤں دھوم

کانوں میں غل ہے فاطمہ کے شور و شین کا
کیا میرے دل سے داغ مٹا ہے حسینؑ کا

۱۵ زہرا کا رونا ایک طرف سن اک اور حال — اب تک لحد میں روتا ہے خیر النساؑ کا لال
فرماتی ہیں شہیدوں سے با حسرت و ملال — اکبر ہوا جو قتل تو اٹھارواں تھا سال

اکبر کے درد سے نہیں شبیرؑ سوتے ہیں
پہلو بدل بدل کے لحد میں بھی روتے ہیں

۱۶ کیا مجھ کو حال بھول گیا اہلِ بیت کا — در در پھرے، اسیر ہوئے، وامصیبتا
اس ظلم کے قصاصؑ کی حد ہے نہ انتہا — ہاں اہلِ شام و کوفہ کو گر قتل کر لیا
کچھ خشک ہوں گے دیدۂ گریانِ فاطمہؑ
پھر عرشِ حق ہے اور سرِ عریانِ فاطمہؑ

۱۷ تاگر فرشتے آئیں گے گردوں سے صف بصف — میکال و جبرئیل و سرافیل یک طرف
سب اسپِ ابلقیؑ پہ علَم در میاں بکف — پھر تو سوار ہوگا شہنشاہ باشرف!
فخر اپنا جان جان کے کارِ جناب کو
تھامیں گے بار بار فرشتے رکاب کو

۱۸ صبحِ ظہورِ مہدیِ ہادی پہ ہم نثار — جس کی بہار دیکھ کے قرباں ہو بہار
دن نیک، وقت نیک، نہ ہے بخت روزگار — مژدے کہیں گے خضرؑ سے لیں جانِ مستعار
ہوئے گا شور چار طرف نور نور ہے
ہاں، صاحبُ الزّماںؑ کا جہاں میں ظہور ہے

۱۹ اس دم کے کیا شکوہ و تجمل کروں بیاں — سرخ و سفید رنگِ رخِ سیدِ زماں
مثلِ ستارہ خالِ رخِ راست پر عیاں — سن میں مثالِ خضرؑ مگر حسن میں جواں
پیدا یہ صاف ہوئے گا حسن و جمال سے
کم سن و سال ہے ابھی چالیس سال سے

۲۰ سرمایہ نور کا تو سرِ سرورِ غیور — اور اس پہ کس شکوہ و تجمل سے تاجِ نور
پروانہ جس کے عکس کا ہوئے چراغِ طور — وقتِ ظہور قدرتِ اللہ کا ظہور
گاوِ زمیں کو تہلکہ رعب و جلال سے
خوبی کو فخر حسن کو رونق جمال سے

۲۱ مابینِ ہر دو چشم رگِ ہاشمی بلند — مردمؑ کریں گے دیدۂ مردم کو واں سپند
وقتِ نظارہ چشم تجلی سے بہرہ مند — وہ چشم، وہ جمال، خدا کو تھا یہ پسند
ہر لحظہ حق کو ذوق تھا اس رخ کی سیر سے
پنہاں اسی لیے تو رکھا چشمِ غیر سے

۲۲ وصف دہانِ تنگ، بھلا کیا کرے زباں — وہ ہوگا مثلِ غیبتِ مولائے دو جہاں
موجود پر نگاہِ خلائق سے وہ نہاں — وصفِ دہن میں عقل کرے گی یہی بیاں
عینِ ظہور میں بھی دہن ہے چھپا ہوا
اک رازِ حق نہاں ہے اور اک راز وا ہوا

۲۳ اللہ رے خطِ پشتِ لبِ پاک کی بہار — گویا کہ خضر کا لبِ حیواں پہ ہے گذار
وصفِ خط و دہن میں جو کی فکر بے شمار — معنی و لفظ کی ہوئی تشبیہ آشکار!
خط نے عیاں کیا دہنِ غنچہ رنگ کو
تھی احتیاجِ حاشیہ اس متنِ تنگ کو

۲۴ اور قد کی راستی الفِ راست سے ہوا — نسبت پر اس سے ہے الفِ راستی کو کیا
اس قدِ پاک سے جو مشابہ الف بنا — حق نے کیا حروفِ تہجی کا پیشوا
اُس اک الف سے ارض بھی ہے اور سما بھی ہے
دنیا کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے

۲۵ گیسو دلیلِ شرع کے دو لام لا کلام — رخ پر ہوا سے آگئی گر زلفِ مشک فام
اس میں نمود یوں الفِ بینیِ امام — جس طرح لام میں ہے الف اور الف میں لام
یوں لائقِ درود شبیہِ امامؑ ہے
جس طرح سے نماز میں واجب سلام ہے

۲۶ پیرِ خرد کرے گا یہ اُس سینے کی ثنا — دیکھو خزینۂ گہرِ رازِ کبریا
کیا کیا خزانہ جمع ہے غیبت میں کیا ہوا — مہدیؑ کے بعد کوئی نہیں حجتِ خدا
جو کچھ ہے کارخانے میں پروردگار کے
وہ جمع سب ہے سینے میں اس نامدار کے

۲۷ ہاتھوں کو دیکھ دیکھ کے سب یہ کہیں گے بات — یہ ہاتھ وہ ہیں قبضے میں ہے جن کے کائنات
دنیا و دیں کو تھامے ہوئے ہیں یہ دونوں ہات — بیعت کرو تو ہاتھ لگے دولتِ نجات
ہاتھ آئے جس کا دستِ شہِ کائنات تک
پہنچے وہ ہاتھوں ہاتھ یداللہ کے ہاتھ تک

۲۸ قرآن ووحی وشرعِ نبی دینِ کبریا — یہ چار چیزیں ہوں گی چار آئینہ[۲۱] کی جا
اور تیغ شرحِ مصرعِ موزونِ لافتا — جو ہر کو اس کے عقل کہے دیدۂ قضا
تعویذ حفظِ مومنِ خوش حال کے لیے
لیکن قضا کا جال وہ دجال کے لیے

۲۹ اور پشتِ شاہِ دیں پہ سپر ہو گی یوں دھری — جیسے نبی کی پشت پہ مُہرِ پیمبری
اس رستے میں ہے ختمِ رُسل سے برابری — اُن کو نبوت، اِن کی اِمامت ہے آخری
مُہرِ امامت ان کی سپر لا کلام ہے
ہے مُہر اس لیے کہ اِمامت تمام ہے

۳۰ لاویں گے پیش کش پئے سلطانِ انس و جاں — خورشید نیزہ، ماہ سپر، توسن آسماں
انجم زرہ دکھائیں گے، قوسِ قزح کماں — ادنیٰ سا ایک جلو میں نشاں دار کہکشاں
قدسی[۲۱] کو دستِ راست پہ حکمِ الٰہ سے
اور دستِ چپ کو لشکرِ حق عز و جاہ سے

۳۱ یوں طعنہ زن ہلال پہ مولا کی وہ رکاب — گو تو مرا جواب ہے پر میں ہوں لاجواب
تجھ کو کہاں حصول ہے پابوسیِ جناب — برحق زہے رکاب، زہے شاہِ کامیاب
پارس[۲۲] کو چشمِ قہر سے دیکھے تو سنگ ہو
پارس جو سنگ ہوئے تو پارس کا زنگ ہو

۳۲ ہو گا ندائے ہاتفِ غیبی کا پھر یہ شور — ہاں اب خراب ہوئے گی بنیادِ ظلم و زور
چشمِ یقیں منور و چشمِ غرور کور[۲۳] — اب تخلیے میں دادطلب فیل سے ہے مور
دینِ نبی کو شرعِ خدا کو عروج ہے
حقا کہ آج حجتِ حق کا خروج ہے

۳۳ اعجازِ عیسوی مرے مولا دکھائیں گے — مرقد سے شیعیانِ علیؑ کو اٹھائیں گے
"قُم قُم" کہیں گے اور ہر اک کو جلائیں گے — ہر قبرِ شیعہ پر یہ فرشتے سنائیں گے
مظلوم آج جمع ہیں فریاد کے لیے
اٹھو امامِ عصر کی امداد کے لیے

۳۴ اب ہے بیانِ شیخِ مفید[۲۴] اس جگہ مفید — عصرِ ظہور میں ہے یہ افسانۂ جدید
دس دن کے بعد ہوئے گا دجال بھی پدید — پہلے مقیم ہو گا سرِ کوہ وہ پلید
اسباب و فوج جمع غرض کر کے کوہ پر
حملہ کرے گا پھر شہِ گردوں شکوہ پر

۳۵ یارو سنو اب آمدِ دجالِ روسیاہ — سگ اس کی شکلِ نحس سے مُشتق[۲۵] خدا گواہ
ریشِ دراز جس میں شیاطین کو، پناہ — بینا جو ایک چشم تو اک چشم کور، واہ
گو کفر سب ملا تھا ازل میں یزید کو
باقی جو کچھ رہا سو ملا اس پلید کو

۳۶ بے شبہ لامِ ظلم وہ گیسوے پیچدار — عصیاں کا نون، ابروے دجالِ نابکار
اس لام اور نون میں یوں چشم آشکار — جوں درمیانِ لعن کی ہے عین برقرار
اس منہ پہ یہ غرور وہ اہلِ ستم کرے
جس پر کہ لعن خامۂ قدرت رقم کرے

۳۷ اور ہاتھ اس کے قوتِ بازوے ظلم و جبر — دل اس کا قبرِ جرم و گنہ، سینہ لوحِ قبر
پشتِ الاغ[۲۶] پر تو مکیں ہوئے گا وہ گبر — اور گرد لویں مطیع، کہ جیسے ہجومِ ابر
گُھرے کا ایک نیزہ کفِ نابکار میں
طول اس کا ہوئے گا کئی فرسخ شمار میں

۳۸ دو کوہِ سحر[۲۷] ساتھ رواں اِدھر اُدھر — اک کوہ مثلِ باغِ اِرم آئے گا نظر
نہریں رواں غذائیں لطیف اُن میں بیشتر — اور دوسرے میں عقرب و مار، آگ شعلہ ور
سب سے کہے گا قہر و کرم میرے ہاتھ ہے
دوزخ بھی میرے ساتھ جنت بھی ساتھ ہے

۳۹ وہ مُنکرِ خدا یہ ندا دے گا برملا[۲۸] — طاعت مری کرو کہ میں تم سب کا ہوں خدا
آ کے لو بہشت کے میوے ہزارہا — ورنہ ہے عنقریب جہنم کا سامنا
اکثر گرسنہ شخص فریب اس کا کھائیں گے
سب جائیں گے، غلامِ علیؑ کے نہ جائیں گے

۴۰ دجّال کے خروج سے اک سال پیشتر — دنیا سے ہوئے گی برکت قطع سربسر
برسے گا ایک قطرہ نہ مینہ کا زمیں پر — روئیدہ ہو گا ایک نہ برگِ گیاہِ تر
کچھ سحر پڑھ کے جب وہ کہے گا زباں سے
برسے گا مینہ بھی چار طرف آسماں سے

۴۱ مردے کرے گا سحر سے زندہ وہ اہلِ جور — اکثر مطیع ہوئیں گے یہ سحر کر کے غور!
جز مکّہ و مدینہ و بیت المقدّس اور — ہر شہر و دہ میں ہوئے گا اس کا ہی دور دور
اپنا مطیع دیکھ کے سارے زمانے کو
آئے گا پھر وہ کعبۂ حق کے گرانے کو

۴۲ جس دم قریب کعبے کے پہنچے گا وہ یہود — ہو گا فلک سے عیسٰیؑ مریم کا تب ورود
پیشِ امام آئیں گے پڑھتے ہوئے درود — باہم گلے ملیں گے تو ہوگا یہی نمود
عیسٰیؑ جو ہم کنارِ امامِ اُمم ہوا
اک اور آیہ مصحفِ ناطق سے ضم ہوا

۴۳ وقتِ نماز ہوئے گا پیدا جو ناگہاں — فرمائیں گے مسیحؑ سے تب آخر الزّماں
تم آگے ایستادہ ہو اے فخرِ آسماں — عیسٰیؑ کہیں گے یہ مرا مقدور ہے کہاں
یہ ارث تیرا، حصّہ ترا، تیرا کام ہے
تو سب کا آج پیشِ نماز اے امام ہے

۴۴ پھر قبلہ رخ جو ہوں گے کھڑے شاہِ سرفراز — مومن صفیں درست کریں گے پئے نماز
عیسٰیؑ قریبِ پشتِ شہِ دیں بصد نیاز — سب کی نماز کے لیے ور آسماں کے باز
سب کس رجوعِ قلب سے ہوں گے نیاز میں
ہم سب کو حق شریک کرے اس نماز میں

۴۵ بعد از فراغِ طاعتِ معبودِ کردگار — ہوں گے امام و عیسٰیؑ گردوں نشیں سوار
اور پیش و پس جلو محبّانِ جاں نثار — آئیں گے سوئے لشکرِ دجّالِ نابکار
پھر تو ہجومِ خوف میں یاں تک گھرے گا کفر
[illegible] کفار [illegible] چھٹتا پھرے گا کفر

۴۶ فرمائے گا وہ لختِ دلِ شیرِ کبریا — کیوں غافلو، سمجھتے ہو دجّال کو خدا؟
اِس اعتقاد کی تمھیں دیتا ہوں اب سزا — دجّالِ روسیاہ کو پھر دیں گے یہ ندا
اقبال اوج پر ہے جو تیرا تو کیا ہوا
اقبال کو جو قلبؑ کیا "لا بقا" ہوا

۴۷ یہ کہہ کے اس پہ حملہ کریں گے شہِ انام — بھاگے گا کانپ کانپ کے دجّالِ زشت فام
فرمائے گا زمیں سے خدا: ہاں تو اس کو تھام — پھر تو نہ چل سکے گا وہ ملعون ایک گام
آشفتہ عقل ہوئے گی اس روسیاہ کی
پہنچے گی سر پہ مثلِ اجل تیغ شاہ کی

۴۸ اپنی زبانیں جو نکالے گی ذوالفقار — اس دم زبانِ سحر چلے گی نہ زینہار
القصہ، کہہ کے "یا اَسَدُ اللّٰہ" وہ نامدار — دجّال پر لگائیں گے تیغِ اجل شعار
ہوئے گا ایک ضرب میں وہ بدگمان دو
گاوِ زمیں کہے گی کہ مجھ کو امان دو

۴۹ پھر شاہ زیرِ تیغ کریں گے وہ سب سیاہ — عیسٰیؑ کہیں گے "واہ عجب زور ہے یہ واہ"
پھر ہوں گے سوئے شام رواں شاہِ دیں پناہ — اس دم یہ مومنوں سے کہیں گے بہ اشک و آہ
ہے دل میں درد فاطمہؑ کے نورِ عین کا
اب چل کے انتقام لو خونِ حسینؑ کا

۵۰ پہنچیں گے شام میں جو شہنشاہِ بحر و بر — یاد آئے گا حرم یہیں آئے تھے ننگے سر
لشکر کو لے کے آئے گا واں عتبہ کا پسر — ہوئیں گے شیعیانِ علیؑ اس پہ حملہ ور
تائید سب پہ فاتحِ بدر و حنین کی!
ہنگامِ ضربِ تیغ صدا "یا حسین" کی!

۵۱ اُس فوج میں جو ہوئیں گے سرکش بڑے بڑے — جوں نقشِ پا زمیں پہ وہ ہوئیں گے پڑے
اُن غازیوں سے لشکرِ کفّار کیا لڑے — جن کی کہ پشت پر ہوں امامِ زماں کھڑے
دل کھول کر جہاد نہ کیوں اہلِ دیں کریں
جب وقت ضرب مہدیِ دیں آفریں کریں

٥٢ ناگاہ ذوالفقار کو دیویں گے جلوہ[٣٥]، شاہ   بُرِّش سے جس کی ہووے قلم رشتۂ نگاہ
مثلِ سپر سہر اس میں اک ایک روسیاہ   ڈھونڈے گا آکے دوسرے کی پشت پر پناہ
تائیدِ حق یہ ہوگی شہِ نامدار کو
ماریں گے ایک حملہ تیغ ستّر ہزار کو

٥٣ ستّر ہزار ہوں گے جہنّم کو جب رواں   روکیں گے ذوالفقار کو مولائے دوجہاں
آواز فاطمہؑ کی یہ آئے گی ناگہاں   کیوں تیغ کی نیام میں، اے فاطمہؑ کی جاں
پوچھو خدا سے حال مرے شور و شین کا
بدلہ نہیں ہوا ابھی خونِ حسینؑ کا

٥٤ اِن ظالموں میں حق کا شناسا نہیں کوئی   محبوبِ کبریا کا نواسا نہیں کوئی
اِن سب میں تین روز کا پیاسا نہیں کوئی   اصغر سا اِن میں طفل ذرا سا نہیں کوئی
گذرا یہ ظلم لاشے پہ کس بے گناہ کے
کاٹے ہیں ہاتھ سبطِ رسالت پناہ کے

٥٥ زہراؑ کی بیٹیاں پھریں بلوے میں دربدر   ان میں سے دختر آج ہے کس کی برہنہ سر
چالیس دن پھرا سرِ شبیّر نیزے پر   زنداں میں مرگئی مری پوتی بھی بے پدر
ٹکڑے کوئی تنہِ سُمِ توسن نہیں ہوا
گھوڑوں سے پائمال مرا نازنیں ہوا

٥٦ پیدا خدا کے عرش سے ہوئے گی یہ ندا   اب ہم قصاص لیویں گے خونِ حسینؑ کا
اللہ بھی حسینؑ کے اعدا سے ہے خفا   اب ہم ہیں اور عدل اور اس خوں کی سزا
منظور ہوئے گا جو یہ ربِّ غیور کو
اک دم میں پھونک دیں گے سرافیل صور کو

٥٧ قرآں سے یہ خبر ہے نمایاں علی العموم   ہوئے گی آمد آمدِ محشر کی جب کہ دھوم
شق ہوں گے آسماں، سیہ ہوئیں گے نجوم   باقی رہے گا طاقِ فریدوں نہ قصرِ روم
گردوں اڑے گا پنبۂ حلاّج کی طرح
قبروں سے شاہ نکلیں گے محتاج کی طرح

٥٨ اک دو کماں کے فاصلے سے ہوگا آفتاب   نقرے کی سب زمیں، قیامت بہ آب و تاب
حدّت سے اُس کی اہلِ قیامت کو اضطراب   اور پاس کچھ نہ ستر کو ہوگا بجز حجاب
اک شوقِ خلد میں، کوئی فکرِ جحیم میں
دل انبیا کے عالمِ امید و بیم میں

٥٩ پھونکیں گے صورِ حشر[٣٨] سرافیل تین بار   پہلی صدا میں ہوئے گا قبروں کو اضطرار
ہوویں گے مُردے نفخۂ ثانی میں آشکار   بارِ سوم میں آئیں گے محشر میں بے قرار
افسردہ دل کوئی کوئی خوش حال ہوئے گا
ہاتھوں میں سب کے نامۂ اعمال ہوئے گا

٦٠ جبریل ساتھ لے کے فرشتے کئی ہزار   نازل زمیں پہ ہوں گے بہ فرمانِ کردگار
اور ڈھونڈھیں گے جنابِ رسالت کا وہ مزار   فرمائیں گے زمیں سے کہ کر مجھ پہ آشکار
پوشیدہ کس مقام میں نورِ اِلٰہ ہے
تجھ میں کہاں مزارِ رسالت پناہ ہے

٦١ اُس دم زمیں عرض کرے گی یہ کانپ کر   غفّار نے کیا مجھے پوشیدہ اِس قدر
کچھ مدفنِ رسولِ خدا کی نہیں خبر   ناگاہ اک مقام پہ نور آئے گا نظر
جس میں کہ چاند سے بھی تجلّی دوچند ہے
وہ نور آسماں کی جانب بلند ہے

٦٢ جائیں گے جبرئیل نبیؐ کا ہے یہ مزار   روح الامیں وہاں یہ ندا دیں گے ایک بار
اے روحِ مصطفےٰؐ تنِ اقدس میں کر قرار   تب خاک سے وہ نورِ خدا ہوگا آشکار
جبریل کہہ کے حکم خدائے وَدُود کا!
اپنی طرف سے بھیجیں گے تحفہ دُرود کا!

٦٣ سن کر خبر ظہورِ قیامت کی مصطفاؐ   روئیں گے اور پوچھیں گے پہلے یہ ماجرا
جبریل بے حواس ہوں میں، جلد تو بتا   منظور حق کو ہے مری اُمّت کے حق میں کیا
ہم تو خدا کے فضل سے فردوس پائیں گے
کہہ دے کہ کلمہ گو بھی مرے بخشے جائیں گے؟

۶۴ رُوح الامیںؑ کہیں گے، نہ ہوں آپ بے قرار   جس کو کہو گے تم اسے بخشے گا کردگار
تم کو بھی اختیار، علیؑ کو بھی اختیار   امت پہ تم نے اپنے نواسے کیے نثار

اِس دم بزیرِ عرش جو فریاد و داد ہے
کیا کیا ترے حسینؑ کے خالق کو یاد ہے

۶۵ خوش خوش براقِ خلد پہ ہوں گے نبیؐ سوار   اور آئیں گے نجف میں بصد حشمت و وقار
مرقد سے اپنے ہوں گے عیاں شیرِ کردگار   ہمرہ نبیؐ کے حشر میں ہوویں گے آشکار

قرباں نبیؐ کے، صدقے امامِ غیور کے
پہلوئے عرش بیٹھیں گے منبر پہ نور کے

۶۶ اللہ رے بادشاہِ حقیقی کا بندوبست   تر دامنوں کی سایۂ خورشید میں نشست
خاموش ایک جا پہ زبردست و زیردست   گم کردہ عقل ہوئیں گے ہشیار اور مست

رتبہ ہے کیا وہاں کسی سلطاں کے واسطے
طولِ حساب ہوگا سلیماںؑ کے واسطے

۶۷ اکثر فقیر ہوں گے وہاں قدر میں امیر   اکثر امیر ہوں گے وہاں قدر میں فقیر
جس دم فرشتے ہوئیں گے مصروفِ دار و گیر   اس دم چلے گا زور جواں کا نہ آہِ پیر

میزاں میں وزن ہوں گے خطا و ثواب کے
اہلِ گنہ کے گرد فرشتے عذاب کے

۶۸ خورشیدِ حشر کا تو بہت قرب ہوگا آہ!   اور سایہ کچھ نہ ہوئے گا، اللہ کی پناہ
شاہوں کے چترِ زر، نہ فقیروں کی واں کلاہ   گریاں ہر ایک چشم، پریشاں ہر اک نگاہ

رویا ہے جو حسین علیہ السلام کو
ہنستا ہوا اٹھے گا وہ روزِ قیام کو

۶۹ پیدا خدا کے عرش سے ہوئے گی یہ ندا   لاؤ ہمارے واسطے لائے ہو تحفہ کیا
اکثر کہیں گے، ہم ہیں تہی دست اے خدا   بعضے کہیں گے لائے ہیں ہم زہد و اتقا

مومن کہیں گے الفتِ آلِ رسولؐ ہے
آواز آئے گی [illegible] قبول ہے

۷۰ بعد اس کے اہلِ حشر سے فرمائے گا اِلٰہ   آئے ہمارے سامنے، ہے کوئی داد خواہ؟
دنیا میں جس کو جس نے ستایا ہے بے گناہ   وہ اس کا نام لے کے بڑھے گا بہ اشک و آہ

آئے گا زیرِ عرشِ بریں داد کے لیے!
اور دونوں ہاتھ اُٹھے ہوئے فریاد کے لیے

۷۱ ہر ایک داد خواہ سے پوچھے گا کبریا   مظلوم تم میں ہے کوئی میرے حسینؑ سا
سب متفق کہیں گے، نہیں کوئی اے خدا   پہنچے گا تب یہ حکم کہ ٹھہرو ابھی ذرا

مجھ کو قسم ہے اپنے ہی جاہ و جلال کی
میں پہلے داد دوں گا محمدؐ کے لال کی

۷۲ پوچھے گا تب فرشتوں سے معبودِ عالمیں[۱]   سب ہیں بزیرِ عرش، مری فاطمہؑ نہیں
کیا یاں بھی سدِ راہ ہیں اس کے عدوئے دیں   پہلو کے درد سے نہیں آسکتی وہ حزیں

کیا ظالموں کے ظلم سے اب بھی کراہتی ہے؟
زہرا مزار سے نہیں باہر نکلتی ہے؟

۷۳ کہہ دو مری حبیبہ سے پیغام یہ مرا   خاتونِ حشر معرکۂ حشر میں اب آ!
کس کی مجال اب جو ستائے تجھے بھلا   شوہر کا تیرے کوئی نہ باندھے گا اب گلا

جب تک نہ فیصلہ ہو ترا حق کی ذات سے
تو چھوڑیو نہ عرش مرا اپنے ہاتھ سے

۷۴ ناگہ زمینِ حشر کی ہووے گی سرد تر   ہو جائے گی فرو شررِ آتشِ سقر
چرچا یہ ہوگا اہلِ قیامت میں یک دگر   کس عاشقِ خدا کا ہے اب حشر میں گذر

اِس وقت آفتابِ قیامت بھی سرد ہے
آمد یہ جس کی ہے وہ رحیمی میں فرد ہے

۷۵ پھر تو نمود ہوں گی وہاں حوریں بے حساب   گیسو کشادہ، خاک بسر اور بے نقاب
اور صف بصف پکاریں گی با دیدۂ پُر آب   ہاں، اہلِ حشر بند کرو آنکھ کو شتاب

بنتِ رسولؐ صاحبِ تطہیر آتی ہے
خاتونِ حشر مادرِ شبیر آتی ہے

---

[۱] یہاں سے دس بند میرے قلمی مرثیہ میں مرزا دبیر کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔

۷۶ سب عورتیں کریں گی خدا سے یہ التجا   کیا ہم بھی آنکھیں بند کریں اپنی، اے خدا؟
روپوشیِ بتول کا ہم سے سبب ہے کیا؟   تب آئے گی ندا یہ ہے اسرارِ کبریا
اس حال سے بتول سوئے عرش آئے گی
تم سے وہ شکلِ فاطمہؑ دیکھی نہ جائے گی

۷۷ خونِ حسینؑ چہرے پہ زہراؑ نے ہے ملا   ہے گیسوؤں پہ خاکِ بیابانِ کربلا
ننھا سا لاشہ گود میں محسن کا ہے دھرا   اور ہے شکم شگافتہ بچے کی لاش کا
ہردم لہو گلے سے وہ بچہ اُگلتا ہے
پہلو کے درد سے نہیں لاشا سنبھلتا ہے

۷۸ آنکھیں کریں گے بند زن و مرد جب تمام   ہوگا نمود فاطمہؑ کا ناقۂ خوش خرام
حور و ملک جلو میں ہزاروں بہ احترام   حوروں کے بعد مریم و حوّا کا اہتمام
آلودہ ہوگی فاطمہ کی شکل خاک سے
روشن زمینِ حشر مگر روئے پاک سے

۷۹ طولانی اک ردا سرِ زہراؑ پہ آشکار   لپٹے ہر ایک گوشے سے لاکھوں گناہ گار
ان عاصیوں کو حوریں ہٹاویں گی بار بار   فرمائے گی بتول میں ہوتی ہوں شرمسار
یہ لوگ ہاتھوں سے جو ردا کو سنبھالے ہیں
حورو! مرے حسینؑ کے یہ رونے والے ہیں

۸۰ کاندھوں پہ سبز و سرخ ہر اک لال کی قبا   اک ہاتھ پر عیاں دُرِ دندانِ مصطفےٰؐ
اور ایک پر عمامۂ پُرخونِ مرتضےٰؑ   نقدِ نجاتِ خلق اس اسباب کی بہا
بازارِ حشر گرم ہر اک آہِ سرد سے
اک دم میں سو غش آئیں گے پہلو کے درد سے

۸۱ خاموش، کچھ سخن نہ کسی سے نہ کچھ مقالؐ   اور بات بھی کریں گی تو یہ "ہائے مرے لال!"
نزدیکِ عرش پہنچے گی جس دم وہ خستہ حال   ہوئے گا انبیاؑ کو یہ فرمانِ ذوالجلال
زہرا سے افتخار ہے میری خدائی کو
سب جاؤ میری فاطمہؑ کی پیشوائی کو

۸۲ زہرا کی پیشوائی کو آئیں گے انبیاؑ   تا قبّے سے فاطمہ کو اتاریں گے مصطفےٰؐ
لائیں گے اس شکوہ سے تا عرشِ کبریا   پہلو کا درد ہوئے گا اس ہرج* سے سوا
پونچھیں گے مصطفےٰؐ عرقِ روئے فاطمہؑ
آ کر خدیجہ تھامے گی پہلو سے فاطمہؑ

۸۳ مشکل سے ہوگا فاطمہؑ کا عرش تک گذر   ہاتھوں ہی ہاتھ لائیں گی حوریں سنبھال کر
پھر تو خدا کا عرش ہے اور فاطمہؑ کا سر   واں کھول دیں گی اور بھی گیسو وہ سر بسر
ٹکرائیں گی جو عرش سے ماتھے کو زور سے
رونے لگیں گے عرش کے حامل بھی شور سے

۸۴ فریاد پھر کرے گی، الٰہی! دُہائی ہے   گردوں ستائی آئی ہے، بےچاری آئی ہے
میری کمائی خاک میں ساری ملائی ہے   دوبارہ آگ بھی مرے گھر کو لگائی ہے
خنجر کہاں ستم کا، کہاں حنجرِ حسینؑ
ہفتاد ضربِ تیغ سے کاٹا سرِ حسینؑ

۸۵ پہلو کا میرے دیکھ شگاف اے مرے اِلٰہ   حاضر ہے لاش گود میں محسن کی، کر نگاہ
روداد پُر حسینؑ کی سب سے سوا ہے، آہ   بےکس تھا، بے وطن تھا، مسافر تھا، بےگناہ
مارا ہے پیاسا شمرِ ستم گر سے پوچھ لے!
منکر جو شمر ہوئے تو خنجر سے پوچھ لے!

۸۶ سر تو کیا تھا میرے پسر نے فدائے رب   پھر لاش پائمال جو کی اس کا کیا سبب؟
پھر لوٹا اہلِ بیت کو یہ اور ہے غضب   آلِ نبیؐ کا کرتی ہے امّت یہی ادب؟
ناوک سے بے زبانیِ اصغر کا حال پوچھ
نیزے سے زخمِ سینۂ اکبر کا حال پوچھ

۸۷ فرزند کو خلیلؑ جو کرنے لگا فدا   جنت سے دُنبہ بھیج دیا تو نے اے خدا
اور مرتبہ ذبیح کو قربانی کا ملا!   قابل نہ ایک دنبے کے میرا حسینؑ تھا
واحسرتا جو شیرِ الٰہی کا لال ہو
وہ مثلِ گوسفند چھری سے حلال ہو

* قلمی نسخے میں ہرج لکھا ہے اور مطبوعہ میں "حرج" یا جرح

۸۸ ہے قتل پر حسینؑ کے سارا جہاں گواہ   خنجر گواہ، تیر گواہ اور سناں گواہ
تنہائی پر زمین گواہ آسماں گواہ!   اور اس کی پیاس پر ہے اسی کی زباں گواہ

تو پوچھ کربلا سے مسافر کے حال کو
چہلم تلک نہ قبر ملی میرے لال کو

۸۹ یہ حال جب کہے گی بتولِ شکستہ حال   طیش و جلال و قہر میں آئے گا ذوالجلال
ہے ابتدائے ظلم جو محسن کا انتقال   پہلے یہی مقدمہ ہووے گا انفصال

قہرِ خدا کو دیکھ کے سب خلق روئے گی
نیکوں کو یاس اپنی شفاعت سے ہوئے گی

۹۰ آئے گا تازیانۂ آتش پھر ایک بار   ہوں جس کی ایک ضرب میں صد پاش کوہسار
فرمائے گا موکّلِ دوزخ سے کردگار   لا، دشمنِ بتول کو یہ تازیانہ مار

حاضر جو وہ عدوِ جفا کار ہوئے گا
زنجیرِ آتشیں میں گرفتار ہوئے گا

۹۱ ظالم پہ تازیانہ لگے گا جو آگ کا   وہ بے حیا پکارے گا میری خطا ہے کیا
قہار آ کے قہر میں دے گا اُسے ندا   زہراؑ کے تازیانہ لگانے کی ہے سزا

ظاہر نشان ضرب کا بعد از وفات ہے
اب تک خمیدہ فاطمہؑ زہرا کا ہات ہے

۹۲ تب اہلِ حشر زانوؤں کے بھل گریں گے واں   بعضے کہیں گے اَلحذر اور بعضے اَلاماں
ہوئے گی گردِ آتشِ دوزخ شرر فشاں   جبریل مصطفےٰؐ سے کریں گے یہی بیاں

کس کو پناہ قہرِ غفور الرحیم سے
اب نیک و بد جلیں گے شرارِ جحیم سے

۹۳ جبریل سے کہیں گے نبیؐ کچھ نہ خوف کھاؤ   جاؤ مرے حسینؑ کو تم کربلا سے لاؤ
کہنا تمہارا نانا بلاتا ہے جلد آؤ   معبود قہر میں ہے گنہ گاروں کو بچاؤ

فریاد کر کے فاطمہؑ اب ہاتھ ملتی ہے
اُمت تمہارے نانا کی دوزخ میں جلتی ہے

۹۴ اصغر کی لاش ننھی سی ہاتھوں پہ رکھ کے لاؤ   زخمی کلیجہ بیٹے کا اللہ کو دکھاؤ!
بے سر شہیدوں کو بھی ذرا حشر میں لے آؤ   سوکھی زباں سفارشِ اُمت میں اب ہلاؤ

جب اپنے دونوں ہاتھ کٹے تم اٹھاؤ گے
اک دم میں عاصیوں کو ابھی بخشواؤ گے

۹۵ جبریل ذوالجناح کو جنت سے لائیں گے   پر نور زین، سازِ زبرجد لگائیں گے
یاقوتِ خلد کی اسے ہیکل پنہائیں گے   شیعوں کو یہ نوید فرشتے سنائیں گے

اب کربلا سے آتا ہے پیارا بتول کا
تو سن چلا ہے راکبِ دوشِ رسولؐ کا

۹۶ جبریل کربلا کی طرف ہوئیں گے رواں   ہمراہ ہوں گے لاکھ ملائک بہ عزّ و شاں
قبرِ حسینؑ پر جو گذر ہو گا ناگہاں   جبریل بوسہ دے کے کریں گے یہی بیاں

شیعہ تمہارے خوفِ جہنم سے روتے ہیں
اُمت پہ قہر آتا ہے اور آپ سوتے ہیں

۹۷ مولا، اٹھو اٹھو کہ نبیؐ نے کیا ہے یاد   خود ننگے سر وہ عرش کے نیچے ہیں ایستاد
ہے بے قراری آپ کی اماں کو بھی زیاد   اس وقت قہر و طیش میں ہے خالقِ عباد

بیٹے کو باپ بھولا ہے اور بیٹا باپ کو
پر ڈھونڈتے ہیں سارے گنہ گار آپ کو

۹۸ آواز دیں گے قبر سے مولا کہ میں چلا   نکلیں گے پھر لحد سے شہنشاہِ کربلا
ہوں گے جلو میں سب شہدا غم کے مبتلا   اور پشت پر لٹا ہوا رانڈوں کا قافلہ

حُر، ہاتھ میں رکابِ امامِ اُمم لیے
اور آگے آگے پیاسوں کا سقا علم لیے

۹۹ کیا حشر میں ورودِ شہِ دیں کروں بیاں   بے سر شہید گرد، لباس ان کے خوں فشاں
فوارے خوں کے چار طرف زخموں سے رواں   اور دستِ جبرئیل میں رہوار کی عناں

پُر خوں چہرہ نورِ خدا سے بھرا ہوا
اور سر پہ شہ کے تاجِ شفاعت دھرا ہوا

۱۰۰ پیشِ سپاہ شاہِ علم دارِ باوفا   اس وقت بھی ملال خجالت میں مبتلا
اکبر سے یہ کہیں گے کہ پیارے کروں میں کیا   محشر میں آج ہوگا سکینہ کا سامنا
کھودے کنویں بھی مشک اٹھائی سکینہ کی
سب کچھ کیا، نہ پیاس بجھائی سکینہ کی

۱۰۱ اور بعدِ فوج ہوئے گی خیرُ النساکی آل   زینب کا چہرہ خوں سے اکبر کے سارا لال
کلثوم بھی بکھیرے ہوئے گیسوؤں کے بال   مشکیزہ تھامے زوجۂ عباسِ خوش خصال
بانو کے دونوں ہاتھوں پہ میت سکینہ کی
چھاتی پھٹے گی دیکھ کے شاہِ مدینہ کی

۱۰۲ ہر وقت سوئے عرش وہ میت اٹھا اٹھا   میت کا خوں بھرا ہوا کرتا دکھا دکھا
بانو پکارے گی کہ دُہائی ہے اے خدا   بچی مری یہ تین برس کی تھی بے خطا
کھا کر طمانچہ شمر کا بے دم ہوئی ہے یہ!
چھوٹے سے سن میں شمر کے ڈر سے موئی ہے یہ

۱۰۳ رنڈ سالہ پہنے بیوۂ قاسم بھی نوحہ گر   اک ہاتھ پر تو دولھا کا سہرا لہو میں تر
اور دوسرے پہ قاسمِ گلگوں قبا کا سر   وہ سر دکھا کے حق سے کہے گی یہ پیٹ کر
فریاد، قتل دولھا مرا بے خطا ہوا!
پایا ہے میں نے مہر میں یہ سر کٹا ہوا!

۱۰۴ پہنچے گا زیرِ عرش غرض جب یہ کارواں   آئے گا اک فرشتہ قریبِ شہِ زماں
سونپے گا شہ کو کاغذِ محضر وہ لا کے واں   ہوئے گی مہرِ پنجتن اس نامہ پر عیاں
خوش ہوں گے شاہ بخششِ امت کے واسطے
یعنی سند ملی یہ شفاعت کے واسطے

۱۰۵ آئیں گے پیشوائیِ شبیر کو رسولؐ   مظلومِ کربلا سے لپٹ جائیں گی بتولؑ
پھر عرشِ حق سے ہوگا اس آواز کا نزول   تجھ پر سلام، اے شہِ مظلوم و دل ملول
اب فرض تیری دادرسی ہے الٰہ پر
تجھ کو حسینؑ قتل کیا کس گناہ پر

۱۰۶ سبطِ نبیؐ کہیں گے: فدا تجھ پہ اے الٰہ   یہ بندۂ ذلیل ہوا قتل بے گناہ
میں سب کا خیر خواہ تھا تو ہے مرا گواہ   پر کیا مزا ملا ہے شہادت کا مجھ کو، واہ
یارب جو لاکھ بار کرے زندہ تو مجھے
ہر بار سر کٹانے کی ہو آرزو مجھے

۱۰۷ پھر رکھ کے اپنے ہاتھوں پہ اصغر کی لاش آہ   اور قتل نامہ اپنا دکھا کر کہیں گے شاہ
میں نے جو عہد کی تھی شہادت پہ اے الٰہ   سو کربلا میں جا کے ہوا قتل بے گناہ
اب تو بھی اپنا وعدہ وفا کر حسینؑ سے
بالکل ادا ہوں آج میں امت کے دَین سے

۱۰۸ گر میرا خوں بہا تو بہا، کچھ نہیں گلا   امت کو بخش دے یہی ہے میرا خوں بہا
محسن کا واسطہ، علی اصغر کا واسطا   اُس دم ملائکہ سے یہ فرمائے گا خدا
ہے آج اختیارِ شفاعت حسینؑ کو
دے دو کلیدِ دوزخ و جنت حسینؑ کو

۱۰۹ فرمانِ کردگار جو یہ پائیں گے حسینؑ   آتش کو سب کے گرد سے سرکائیں گے حسینؑ
اپنے ہر اک غلام کو بخشائیں گے حسینؑ   ایک ایک کو بہشت میں لے جائیں گے حسینؑ
دیکھو تو ابنِ فاطمہؑ کے فیضِ عام کو
اعلیٰ بہشت بخشیں گے ادنیٰ غلام کو

۱۱۰ بس اے دبیرؔ قصۂ محشر ہے بے شمار   اور ماتمِ حسینؑ سے محشر ہے آشکار
ہاتھ اپنے کر بلند سوئے عرشِ کردگار   اور کہہ کہ اے خدا تری رحمت پہ میں نثار
سب مومنوں کا حشر شہِ دیں کے ساتھ ہو
اور آستینِ دستِ حسینؑ ان کے ہاتھ ہو

تمت تمام شد ماہ ربیع الاول بتاریخ سیم سنہ ۱۲۴۸ھ
مقابلہ شد   لصہ

تحقیق متن

- قلمی مرثیہ، مخطوطہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۴۸ھ ۔
- دفتر ماتم، جلد چہاردہم، مارچ ۱۸۹۷ء دبدبۂ احمدی لکھنؤ۔

بند۱: یہ بند دفتر ماتم میں نہیں ہے۔

بند۲: قلمی نسخہ، مصرع ۳ و ۴

فوج ملک جلو میں حضورِ امامِ عصر   ارض و فلک مطیع امورِ امام عصر

بند۳: قلمی نسخہ ۲ ۔ شہر یمن سے ایک بشر ہووے گا عیاں
۳ ۔ عباسیہ کی نسل سے ہووے گا وہ جواں
۴ ۔ شہر یمن کرے گا وہ تسخیر ناگہاں

بند۴: قلمی نسخہ مصرع ۱ ۔ اک مرد پھر خروج کرے گا میانِ شام
دفتر ماتم مصرع ۲ ۔ اک روسیہ خروج کرے گا میانِ شام
مصرع ۴ ۔ مردِ چہار شانہ سیہ دل سیاہ فام

قلمی مرثیہ کی بیت ہے۔

ہوگی حکومت اس کی بلادِ تمام میں   کردیں گے صبح مہدیِ دیں ایک شام میں

بند۵: مصرع ۴ قلمی نسخہ اک سال طاق ان میں سے ہوگا کرو نگاہ
بند۷: قلمی مصرع ۱ لکھا ہے صبح روز ظہورِ شہِ انام
بند۸: دفتر ماتم مصرع ۲ ہاں اے کنندۂ درِ خیبر کے یادگار
قلمی مرثیہ مصرع ۳ بے کس حسینؑ کی تو مصیبت ہے یادگار
قلمی مرثیہ مصرع ۴ دادا کی بے کسی پہ تو رونا تھا بار بار
قلمی مرثیہ مصرع ۵ اب کہہ کے یا علیؑ مرے قبضے کو تھام لے
بند۹: قلمی مرثیہ مصرع ۵ بندہ نواز کسی کا نہ تقصیر وار تھا

بند۱۰: دفتر ماتم کے حاشیے پر چھپا ہے اور اس کے تین مصرع جلد سازی میں کٹ گئے۔
جو مصرع ہیں وہ ملاحظہ ہوں کہ دونوں نسخوں کا فرق سامنے آجائے،
مصرع ۱ ۔ نازل ہوا فرشتہ پہ فرمانِ کبریا
۳ ۔ لیکن ابھی ہے ظالموں کو مہلتِ جفا

بند۱۲: قلمی نسخہ کی بیت ہے:

سو فخر کائنات کو ہیں اس کی ذات سے   بس انتقام لیویں گے ہم اس کے ہات سے

بند۱۳: قلمی نسخہ، مصرع ۲ ۔ لاریب اپنے وعدے کا صادق ہے کردگار
مصرع ۶ ۔ اک بات جانتی ہوں کہ یک یک کو دو کرو
بند۱۵: قلمی نسخہ مصرع ۱ ۔ زہرا کا رونا ایک طرف سن ملک اور حال
مصرع ۲ ۔ فرماتی ہیں شہیدوں سے با حسرتِ کمال
بند۱۸: دفتر ماتم، مصرع ۳ ۔ دن نیک، بخت نیک خوشا وقت روزگار
بند۲۱، ۲۲ دفتر ماتم میں دونوں بند مقدم مؤخر ہیں ۲۲ پہلے اور ۲۱ بعد
بند۲۶: دفتر ماتم مصرع ۳ ۔ کیا کیا خزانہ جمع ہے غیبت میں یاں ہوا
بند۲۷: دفتر ماتم مصرع ۶ ۔ پہنچے وہ لاکلام یداللہ کے ہات تک
بند۳۶: دفتر ماتم مصرع ۴ ۔ "جیسے میانِ لعن ہے اک عین برقرار"
بند۳۷: قلمی نسخہ مصرع ۵ ۔ "نقرے کا نیزہ ایک کفِ نابکار میں"
متن کا مصرع دفتر ماتم کے مطابق ہے
بند۳۹: دفتر ماتم مصرع ۲ ۔ طاعت کرو مری کہ میں تم سب کا ہوں خدا
دفتر ماتم مصرع ۵ ۔ اکثر گرسنہ شخص قریب اس کے آئیں گے
بند۵۱: دفتر ماتم مصرع ۲ ۔ نقش قدم سے ہوں گے سرِ خاک وہ پڑے
بند۵۲: دفتر ماتم مصرع ۱ ۔ ناگاہ جلوہ دیں گے حسام علیؑ کو شاہ
بند۵۶: دفتر ماتم مصرع ۲ ۔ اب ہم قصاص لیں گے حسینؑ شہید کا
بند۶۶: دفتر ماتم مصرع ۴ ۔ گم کردہ عقل ہوئیں گے سب ہوشیار و مست
بند۶۷: دفتر ماتم مصرع ۲ ۔ اکثر امیر ہوں گے وہاں شکل میں فقیر

مصرع ۵۔ دفتر ماتم و قلمی مرثیے میں "خطا و ثواب" درج ہے لیکن صحیح "خطا و صواب" ہے۔ صواب کے معنے ہیں صحیح۔

بند ۸۲: دفتر ماتم میں دوسرے تیسرے مصرع کی ترتیب مختلف ہے۔

بیت کا پہلا مصرع قلمی مرثیہ میں یہ ہے:

"گہ سبز اور زرد کبھی روئے فاطمہؑ"

بند ۸۴: دفتر ماتم مصرع ۴۔ دوبارہ آگ بھی مرے گھر میں لگائی ہے

بند ۸۶: قلمی مرثیہ مصرع ۳۔ زینب کی بے ردائی ہے یہ دوسرا غضب

بند ۸۷: قلمی مرثیہ مصرع ۶۔ جوں ذبح گوسپند وہ عالی خصال ہو

بند ۹۱: قلمی مرثیہ مصرع ۳۔ قہار آکے قہر میں دیوے گا یہ صدا

بند ۹۶: قلمی مرثیہ مصرع ۵۔ شیعہ تمہارے خوف جہنم میں روتے ہیں

بند ۹۸: دفتر ماتم مصرع ۲۔ نکلیں گے پھر لحد سے شہنشاہ دوسرا

بند ۱۰۱: قلمی مرثیہ بیت:

بانو لہو بھرا ایسے کرتا سکینہ کا — سینہ پھٹے گا دیکھ کے شاہِ مدینہ کا

بند ۱۰۲: قلمی مرثیہ میں بند کی صورت یہ ہے:

ہر وقت سوئے عرش وہ کرتہ اٹھا اٹھا — بانو پکارے گی کہ دہائی ہے اے خدا
جس کا یہ کرتا پاس ہے میرے لہو بھرا — بچی مری یہ تین برس کی تھی بے خطا
کھا کر طمانچے شمر کے بے دم ہوئی ہے وہ
چھوٹے سے سن میں شمر کے ڈر سے موئی ہے وہ

بند ۱۰۳، مصرع ۳، قلمی مرثیہ: اور دوسرے پہ قاسم ناکتخدا کا سر

بند ۱۰۵: دفتر ماتم مصرع ۱۔ آئیں گے پیشوائی کو شبیر کی رسول

بند ۱۰۹، قلمی مرثیہ مصرع ۶۔ اعلیٰ بہشت دیویں گے ادنیٰ غلام کو

بند ۱۱۰، دفتر ماتم مصرع ۳۔ اور ماتم حسینؑ سے ہے حشر آشکار

فرہنگ

۱۔ نُشُور: اٹھنا۔ دوبارہ زندہ ہو کر ساری مخلوق کا میدان حشر کی طرف جانا۔ روزِ نشور: روزِ قیامت۔ غَیُور: بہت غیرت والا۔ کریم۔ پرتَوفگن: عکس ڈالنے والا۔ ظہور: حضرت امام مہدی، آخرالزماں کا ظاہر ہونا۔ دُرج: جواہر رکھنے کا ڈبہ۔

۲۔ مَرقُوم: تحریر۔ لکھا ہوا۔

۳۔ ثانی: دوسرا۔ اَنَام: لوگ۔ مردِ چہار شانہ: بہت موٹا آدمی۔ زُبُوں: بدصورت۔ منحوس۔

۴۔ کُسُوفِ شمس: سورج گہن۔ خُسُوف: چاند گہن۔

اس بند میں حسابِ تقویم کے اشاروں میں حضرتِ امام مہدی آخرالزمان کے ظہور کی خبر ہے یعنی حضرت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ تین اور ایک، نو اور سات اور پانچ، کے طاق مہینے میں جب عاشور محرم جمعہ کے دن ہو، اور ایک مہینے میں چاند اور سورج کو گہن لگے۔

۵۔ اِنہدام: گرانا۔ فرو ہے جانا: اتارنا۔ شِتاب: جلدی۔

۶۔ تَوَقُّف: ٹھہرنا۔ انتظار کرنا۔

۷۔ وَرثہ دار: مالک۔ وارث۔

۸۔ اِنتقام: بدلہ۔ رَوا: درست۔ صحیح۔ خوں بہا: خون کا بدلہ۔ انتقام۔

۹۔ کشادہ کرنا: کھولنا۔ عَیاں: واضح۔ نمایاں۔ خوش نہاد: پاک فطرت۔ اِیستاد: قائم کھڑا ہوا۔

۱۰۔ کارزار: جنگ۔ کردگار: خدا۔ نیک خو: نیک فطرت۔

۱۱۔ شُوم: منحوس

۱۲۔ قِصاص: انتقام، خون کا بدلہ۔ دِیدۂ گریاں: روتی آنکھیں۔

۱۳۔ اسپِ اَبلَق: چتکبرے رنگ کا گھوڑا۔ سفید و سیاہ رنگ کے گھوڑے کو ابلق کہتے ہیں۔ رکاب تھامنا: امیر کو گھوڑے پر سوار کرنا۔ خدمت کرنا۔

۱۴۔ خِضر: ایک زندۂ جاوید پیغمبر جو راستہ بھولنے والوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ مُستعار لینا: کچھ دیر کے

لیے کوئی چیز حاصل کرنا۔

۱۵۔ گاوِ زمیں: پرانے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ سطحِ آب سمندر پر مچھلی اور مچھلی پر گائے ہے، گائے کی سینگوں پر کرۂ زمیں ہے، گائے جب سینگ ہلاتی ہے تو زلزلہ آجاتا ہے۔

۱۶۔ مَردُم: آدمی۔ آنکھ کا تِل۔ تجلی: نورِ طور۔ بہرہ مند: فائدہ اٹھانا۔ پنہاں: پوشیدہ۔

۱۷۔ متن: کتاب کا اصل درمیانی حصہ جس کے چاروں طرف حد بندی ہوتی ہے۔ حاشیہ: چاروں طرف یا تین طرف کی خالی جگہ، جس پر کوئی عبارت یا نقش و نگار ہوں۔

مطلب: خوبصورت و تنگ دہن پر مونچھوں اور ڈاڑھی کا نشان اور سبزۂ خط یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چشمۂ آبِ حیات پر خضر کا گذر ہوا ہے یا دہن لفظ ہے اور خطِ رخسار معنے، یا کلی کی طرح نازک دہن کی تشبیہ متن اور خطِ رخسار کی تشبیہ، حاشیے سے دی جائے۔

۱۸۔ تشبیہ: تصویر۔

۱۹۔ چار آئینہ: سینہ کی حفاظت کا ایک ملبوس۔ جس میں چار فولادی ٹکڑے ہوتے ہیں، ان چار ٹکڑوں کو قرآن۔ وحی۔ شریعت اور دین سے تشبیہ دی ہے۔ تلوار کو لافتی الاعلی لاسیف الاذوالفقار کی شرح اور تلوار کے جوہر کو قضا و قدر کی آنکھ قرار دیا ہے۔ یہی تلوار، مومن کے لیے تعویذ اور دجال کے لیے قضا کا پھندا ہے۔

۲۰۔ قدسی: فرشتے۔ یعنی جب شاہِ انس و جن، امام مہدی آخر الزماں دربار کریں گے تو سورج، نیزے، چاند، ڈھال، آسمان، گھوڑا، اور ستارے، زرہ، دھنک، کماں، نذر دینے حاضر ہوں گی۔ حضور کا ایک نشان دار کو کہکشاں کہیں گے۔ داہنے ہاتھ پر ملائکہ، بائیں طرف حق کی فوج جاہ و جلال کے ساتھ ہوگی۔

۲۱۔ پارس: وہ پتھر جو ہر چیز کو سونا بنا دیتا ہے۔ سنگ: پتھر۔

۲۲۔ کور: اندھا۔ محکمہ: عدالت۔ داد طلب: مقابل۔ مور: چیونٹی

۲۳۔ قُم: اٹھو۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جب کسی مردے سے کہتے تھے "قُم، قُم"، تو وہ مردہ زندہ ہو کر اٹھ بیٹھتا تھا۔

۲۴۔ شیخ مفید: محمد بن محمد بن نعمان، عکبری، بغدادی متوفی ۴۱۳ھ کا لقب، جن کی کتاب الارشاد بہت مشہور ہے۔ پدید: ظاہر۔

۲۶۔ الاغ: خچر۔ سواری کا گدھا۔ مکیں: قیام پذیر۔ بیٹھا ہوا۔ گبر: کافر۔ آتش پرست۔ نقرہ: چاندی فرسخ: چھ کیلومیٹر کی مسافت۔

۲۷۔ سحر: جادو۔ باغِ ارم: شداد کا بنایا ہوا ایک باغ۔ عقرب: بچھو۔ مار: سانپ۔

۲۸۔ برملا: اعلان کے ساتھ۔ گرسنہ: بھوکا۔

۲۹۔ خروج: برآمد ہونا۔ نکلنا۔ برکت قطع ہوگی: خوش حالی نہ رہے گی۔ سرسبز: بالکل۔ رُوئیدہ ہونا: اگنا۔ گیاہِ تر: تازہ گھاس۔

۳۰۔ وُرود: اترنا۔ پہنچنا۔ نمود: ظاہر۔ کنار: آغوش۔ گود۔ مصحفِ ناطق: بولتا قرآن۔ امام زمانہ۔ ضم ہونا: ملنا۔ متصل ہونا۔

۳۱۔ ایستادہ ہونا: کھڑے ہونا۔ مقدور: امکان۔ ارث: ترکہ، میراث۔ ملکیت۔

۳۲۔ قلب: الٹنا۔ استعمال الفاظ کا ایک حسن و صنعت۔ صنعتِ قلب کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ: الفاظ کا اس طرح واقع ہونا کہ ایک لفظ کو اس طرح استعمال کرنا کہ پہلے لفظ میں حروف کی ترتیب کچھ اور ہو اور دوسری مرتبہ اسی لفظ کے حروف کی ترتیب کچھ اور۔ جیسے روح اور حور۔ اگر حروف کی ترتیب بالکل برعکس ہو تو "مقلوبِ کل" کہتے ہیں جیسے اقبال۔ لاابقا۔ "اقبال کو جو قلب کیا لاابقا ہوا"

"الٹیں عقلاً شرع کو تو عرش ہو پیدا"

۳۳۔ زشت فام: بدصورت۔ گام: قدم۔ آشفتہ: پریشان۔ روسیاہ: کالا منہ۔

۳۴۔ زنہار: خبردار۔ اجل شعار: موت کا نشان۔

۳۵۔ جلوہ: دکھاوا، تلوار کو جلوہ دینا، تلوار کو ہوا میں چلانا۔ برش: کاٹ

۳۶۔ پنبہ: روئی۔ حلاج: روئی دھنکنے والا۔

۳۷۔ حدت: تیزی۔ ستر: پردہ۔ حجاب: شرم۔ جحیم: جہنم۔ بیم: خوف۔

۳۸۔ صور: بگل وہ آلہ جسے اسرافیل قیامت سے پہلے تین مرتبہ پھونکیں گے۔ نفخۂ ثانی: دوسری مرتبہ پھونکنا۔ افسردہ: مرجھایا ہوا۔

۳۹۔ روح الامیں: جبریل۔

۴۰۔ تردامن: گنہ گار۔

۴۱۔ دار و گیر: پکڑ دھکڑ۔

۴۱۔ زہد و اتقا: پرہیزگاری اور خوفِ خدا۔

۴۳۔ دادخواہ: فریادی۔ داد: انصاف

۴۴ حزیں: غمگیں۔

۴۵۔ مقال: کلام۔ افتخار: اعزاز۔ فخر۔ پیشوائی: استقبال۔

۴۶۔ جرح: زخم، زحمت۔ ہرج: زحمت۔ عرق: پسینہ۔

۴۷۔ گردوں: آسمان۔ ہفتاد: ستّر۔

۴۸۔ گوسفند: بکرا۔

۴۹۔ انفصال: مقدمہ انفصال ہوگا۔ مقدمہ کا فیصلہ ہوگا۔

۵۰۔ مؤکل: نگہبان۔ مقرر۔

۵۱۔ خمیدہ: جھکا ہوا۔

۵۲۔ قہر میں ہے: جلال میں ہے۔

۵۳۔ دَین: قرض۔ ذمّے داری۔

اعلیٰ اور معیاری کتابیں

خطبات و ادعیات

نہج البلاغہ : حضرت علیؑ کے خطبات و خطوط کا نادر نسخہ، ترتیب عبدالرزاق ملیح آبادی
رئیس احمد جعفری، مولانا مرتضیٰ حسین فاضل

صحیفۂ کاملہ : بیاد کربلا کی ادعیہ کے
مکمل مجموعہ، ترجمہ

صحیفۂ علویہ : حضرت علی ابن ابی طالب
ترجمہ و حواشی : سید مرتضیٰ

اسلامیات

احکام القرآن : چودھری
اسلام کا طول و عرض : غلام
اسلامی معلومات : زاہد
قوت القلوب : تالیف شیخ ابوطالب
صفحات ۲۰۰۰
مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم
فی حصہ ۴۰ روپے، مکمل
تہذیب احیائے علوم : ترجمہ نذیر
عوارف المعارف : ترجمہ
من کی دنیا : ڈاکٹر غلام جیلانی
رمزِ ایمان : ڈاکٹر غلام جیلانی

شیخ غلام علی

سیرت و سوانح

رحمت للعالمینؐ : قاضی سلمان منصورپوری ۳ جلدیں	۱۲۰ روپے
سیرت النبیؐ مکمل ابن ہشام : ترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی	۳۰۰ روپے
رسولِ رحمتؐ : مولانا ابوالکلام آزاد	۹۰ روپے
انبیاء کرامؑ : مولانا ابوالکلام آزاد	۴۵ روپے
آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار : ترجمہ رئیس احمد جعفری	۶۵ روپے
رسول اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ : پروفیسر محمد صدیق	۶۰ روپے
انوار انبیاءؑ : ادارہ تالیف و تصنیف	۵۵ روپے
انوار اولیاء : رئیس احمد جعفری	۷۰ روپے
انوار اصفیاء : ادارہ تالیف و تصنیف	۸۰ روپے
حضرت علی ابن ابی طالب : ارمان سرحدی	۶۰ روپے
الفاطمہؓ معہ ادعیہ عربی اردو، ترجمہ سیدہ اشرف ظفر	۴۰ روپے
زندگانی سیدالشہداء : ترجمہ سیدہ گلشن بتول	۲۵ روپے
ذکر حسینؑ : مولانا کوثر نیازی	۱۲ روپے
پیغمبر انقلابؐ : مولانا کوثر نیازی	۶ روپے
الفاروقؓ : شبلی نعمانی	۳۰ روپے
پنجاب کے صوفی دانشور : قاضی جاوید	۲۵ روپے
سیرت ائمہ اربعہ : ترجمہ رئیس احمد جعفری	۶۰ روپے
سید احمد شہیدؒ : مولانا غلام رسول مہر	۸۰ روپے
جماعتِ مجاہدین : مولانا غلام رسول مہر	۳۵ روپے
سرگزشت مجاہدین : مولانا غلام رسول مہر	۶۵ روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز، چوک انارکلی، لاہور نمبر ۲-